احوال

مائیم ہمیشہ شاد بے ما

(۲)

ظفر اللہ خان

احوال
(۲)
ظفر اللہ خان

احوال

مائیم ہمیشہ شاد بے ما

ظفر اللہ خان

(جلد دوئم)

مصنف : **ظفراللہ خان**
ایڈیشن : 2022
جلد : دوئم
اشاعت : مارچ، 2022ء
تعداد : ۱۰۰۰
آئی ایس بی این : .000-000-00-0
قیمت : ....

مشتاق بک کارنر کی مطبوعات کے بارے میں مزید معلومات کے لیے رابطہ:
ویب سائٹ : فون :
ای میل :

۲۹۷.۴ خان، ظفراللہ
خ ان احوال: مائیم ہمیشہ شادبے ما/ظفراللہ خان۔
لاہور: مشتاق بک کارنر الکریم مارکیٹ، ۲۰۲۲
xxvi، ۵۶۰ ص۔
جلد دوئم
کتابیات
آئی ایس بی این:.000-000-00-0

۱۔اسلام ۲۔تصوف ۳۔ سلوک ۴۔احسان ۵۔احوال صوفیا ۴۔عنوان ۵۔ مصنف

مائیم همیشہ مست بے مے
مائیم همیشہ شاد بے ما
(ہم ہمیشہ مست رہتے ہیں شراب کے بغیر)
(ہم ہمیشہ شاد رہتے ہیں اپنے بغیر)
(رومیؒ)

گہے خندم گہے گریم
گہے افتم گہے خیزم
(کبھی میں ہنستا ہوں، کبھی میں روتا ہوں)
(کبھی میں گرتا ہوں، کبھی میں اٹھ کھڑا ہوتا ہوں)
(رومیؒ)

فہرست مضامین

(اجمالی)

جلد دوئم

فہرست مضامین

(تفصیلی)

جلد دوئم

دیباچہ

ایک مہذب ومتمدن معاشرے کی تعمیر اور بقا ایسے افراد پر منحصر ہے جو اعلیٰ اخلاقی اقدار کے حامل اور اخلاقی جدوجہد کرنے والے ہوں۔ ایسے عالی صفت افراد اسی صورت میں میسر آ سکتے ہیں اگر انسان شعوری طور پر نفسانی خواہشات کے منفی میلانات سے پاک ہو۔ ایسا تبھی ممکن ہے جب ان کا تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب ہو چکا ہو۔ اس سے تعمیری قوت، نیکی کی استعداد اور روحانیت کی نشوونما حاصل ہوتی ہے جس سے انسانی سیرت پر عمومی طور پر خوشگوار اثر پڑتا ہے۔ نفس امارہ، نفس لوامہ میں بدل جاتا ہے، پھر نفس لوامہ سے ملہمہ، مطمئنہ، راضیہ، مرضیہ اور کاملہ میں درجہ بدرجہ ترقی کرتا جاتا ہے۔ جب ایک فرد انفرادی طور پر تزکیہ کا محتاج ہے تو پھر اسلامی معاشرے کو کیسے تزکیہ سے بے نیاز قرار دیا جا سکتا ہے؟ ہم بجا طور پر کہہ سکتے ہیں کہ اسلامی فلاحی معاشرہ اجتماعی طور پر افراد کے تزکیہ کا مطالبہ کرتا ہے۔ تصوف، سلوک یا احسان اسی تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کا دوسرا نام ہے۔

ایک اسلامی معاشرہ اپنی اعلیٰ اخلاقی اقدار، اپنے وجود، بقا اور ترقی کے لیے تزکیہ وتصفیہ کا محتاج ہے۔ تصفیہ روحانی اعتبار سے قلب کو کدورت وغیرہ سے پاک کرنے، دل کو غیر حق سے اور اپنی خودی سے پاک کرنے اور غیر اللہ کو اپنے قلب میں جگہ نہ دینے کو کہتے ہیں۔ تصفیہ کے بعد انسان کا نفس مغلوب اور روح غالب آ جاتی ہے۔ جس سے سالک پر مختلف کیفیات طاری ہوتی ہیں جن کا ظاہر میں کوئی سبب موجود نہیں ہوتا۔ جیسا کہ بیم ورجا، قبض وبسط اور وجد وغیرہ۔ انہی کیفیات کو اہل اللہ کے ہاں حال کے نام سے یاد کیا جاتا ہے جس کی جمع احوال ہے۔ یاد رہے کہ احوال مومن کے قلب مصفہ پر وارد ہونے والی مختلف کیفیات ہیں۔ کتاب ہٰذا میں اسے ہی موضوع بنایا گیا ہے۔ احوال کا تصور تصوف میں بہت اہم اور دقیق ہے۔ اکثر لوگ اس معاملے پر افراط وتفریط کا شکار ہو جاتے ہیں۔ تصوف کی پرانی کتب میں ان پر نہایت مختصر سی بحثیں ملتی ہیں جو بعض اوقات معاملے کو سلجھانے کے بجائے مزید الجھا دیتی ہیں۔ اس لیے اس موضوع پر کام کرنا اسلامی معاشرے کی ضرورت تھی اور اسی مطالبے کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس پر قرآن پاک، احادیث اور سلف الصالحینؒ کے ارشادات کی روشنی میں کام کیا گیا ہے۔ کتاب میں کوشش کی گئی ہے:

(i)۔ قرآن مجید اور صحیح احادیث سے ہر حال کی بنیاد تلاش کی جائے۔

(ii)۔ ہر حال کے مختلف علمی پہلوؤں پر گفتگو کی جائے۔

(iii)۔ اس ضمن میں عظیم صوفیائے کرامؒ کے صحیح اقوال درج کیے جائیں۔

(iv)۔ کچھ واقعات بھی درج کیے جائیں تاکہ ہم ان عملی مثالوں سے سبق حاصل کر سکیں اور
(v)۔ تمام بحث میں افراط وتفریط سے بچتے ہوئے راہ اعتدال اختیار کی جائے۔

کتاب دیباچہ، تفصیلی مقدمہ اور چالیس (۴۰) ابواب پر مشتمل ہے جسے دو جلدوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلے بیس ابواب پہلی جلد میں اور اکیس سے لے کر چالیس تک کے ابواب کو دوسری جلد میں شامل کیا گیا ہے۔ابواب کی تفصیل کچھ یوں ہے:

پہلی جلد: (۱)۔استغراق، (۲)۔استقامت، (۳)۔اطمینان، (۴)۔انابت، (۵)۔انس، (۶)۔ بوادہ و ہجوم، (۷)۔بیم ورجا، (۸)۔تجلی وستر، (۹)۔تسلیم ورضا، (۱۰)۔تصرف وتاثیر، (۱۱)۔تلوین، (۱۲)۔تمکین، (۱۳)۔تواضع، (۱۴)۔جذب، (۱۵)۔جمع وفرق، (۱۶)۔حضور وغیاب، (۱۷)۔حیا، (۱۸)۔حیرت، (۱۹)۔خشیت، (۲۰)۔خواطر وہواجس۔

دوسری جلد: (۲۱)۔ذکر، (۲۲)۔ذہاب، (۲۳)۔ذوق وشوق، (۲۴)۔رقت، (۲۵)۔سخا، (۲۶)۔شکر، (۲۷)۔صبر، (۲۸)۔صحو وسکر، (۲۹)۔فتوت، (۳۰)۔فنا و بقا، (۳۱)۔قبض و بسط، (۳۲)۔قرب، (۳۳)۔کشف وشہود، (۳۴)۔محبت، (۳۵)۔مراقبہ، (۳۶)۔مشاہدہ، (۳۷)۔ملامت، (۳۸)۔وجد، (۳۹)۔وصول الی اللہ اور (۴۰)۔یقین۔

میں مشکور ہوں سیف اللہ بخاری کا جس کی مجھے بھرپور تحقیقی مدد حاصل رہی، احمد جاوید صاحب کا، جن کی علمی مشاورت ہمیشہ میرے شامل حال رہی۔ میں ممنون ہوں قاری محمد حنیف جالندھری، ناظم اعلیٰ وفاق المدارس عربیہ ومہتمم جامعہ خیر المدارس (ملتان) کا، جن کی زیر سرپرستی علما کی ایک جماعت نے عربی اور اردو متن کی اصلاح میں غیر معمولی مدد فرمائی۔ میں شکر گزار ہوں محترمی ومکرمی صاحبزادہ غلام معین الدین، سجادہ نشین درگاہ معلیٰ قبلہ عالم حضرت خواجہ نور محمد مہارویؒ (چشتیاں شریف) اور مفتی امجد عباس مقیم حوزہ علمیہ قم (ایران) کا، جنھوں نے مسودہ پر نظر فرمائی۔ میں اپنی والدہ محترمہ اور اپنے بچوں (حسن اور فاطمہ) کا بھی مشکور ہوں جن کی دعاؤں اور قربانی کے بغیر یہ تحقیقی کام ممکن نہ تھا۔ میں شکر گزار ہوں مشتاق بک کارنر الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور کا، جنھوں نے میری اس کاوش کو خوبصورت کتابی شکل میں قارئین تک پہنچانے کا اہتمام کیا۔ خدائے مہربان سے امید ہے کہ یہ کتاب تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کے حصول میں مددگار ثابت ہوگی اور مصنف کے لیے بہانہ مغفرت ہوگی۔

ظفر اللہ خان

مارچ ۲۰۲۲

۲۱

ذکر

۱۔ ذکر کا مفہوم

(۱)۔ ذکر کے لغوی معانی زبان سے یاد کرنا، اللہ پاک کی یاد، تسبیح اور دعا کے ہیں۔ تصوف کی اصطلاح میں ہر وہ بات جس سے اللہ پاک کی یاد آئے ذکر کہلاتی ہے۔ صوفیائے کرامؒ کے مطابق ذکر یہ ہے کہ سالک اللہ پاک کی یاد میں اس قدر کھو جائے کہ غیر اللہ کو بھول جائے۔ اسی یاد سے دل خدا کا قرب اور معیت حاصل کرے۔ جیسا کہ حدیث قدسی ہے: جب میرا بندہ مجھے یاد کرتا ہے اور میرے ذکر کے لیے اپنے دونوں ہونٹ ہلاتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ (مشکوٰۃ المصابیح، ج: ۲، رقم الحدیث: ۸۰۵) لہٰذا پوری توجہ سے یادِ الٰہی میں اس طرح منہمک ہو جانا کہ اپنی ذات سے بھی بے خبر ہو جائے، حقیقی ذکر ہے۔ اسے قلب کا جاری ہونا بھی کہا جاتا ہے۔

(۲)۔ ذکر سے مراد اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا ہے۔ یہ عبادات دین اسلام میں سے ایک عبادت ہے۔ ذکر اللہ پاک کے پاک ناموں کی تکرار، آیات قرآنی یا کتب و حدیث میں مذکور دعاؤں کے بآواز بلند یا آہستہ پڑھنے کو کہا جاتا ہے۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ اللہ پاک فرماتا ہے: میں بندے کے ساتھ وہی معاملہ کرتا ہوں جیسا کہ وہ میرے ساتھ گمان کرتا ہے۔ جب وہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ اگر وہ مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اس کو اپنے دل میں یاد کرتا ہوں۔ اگر وہ میرا ذکر مجلس میں کرتا ہے تو میں اس مجمع سے بہتر یعنی فرشتوں کے مجمع میں تذکرہ کرتا ہوں۔ (دیکھیے مسند احمد، ج: ۵، رقم الحدیث: ۱۳۹۶)

(۳)۔ ذکر کا مقصد سالک کو نفس امارہ کی غلامی سے نکال کر مالک حقیقی کا بندہ بنانا ہے۔ اس لیے اس میں ترتیب کے ساتھ بندے کو نفس سے نکالنے اور اس کو حق کے پاس لے جانے کا خیال رکھا جاتا ہے۔ اس اعتبار سے ذکر کے چار مرحلے ہیں۔ بعض حضرات کے نزدیک اول مرحلہ نفی و اثبات: لَآ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہ، دوسرا اثبات: اِلاَّ اللّٰہ، تیسرا: اللّٰہ اور چوتھا مرحلہ: ھو ! ہے۔ پہلے کو ناسوتی، دوسرے کو ملکوتی تیسرے کو جبروتی اور چوتھے کو لاہوتی کہتے ہیں۔

(i)۔ ذکر ناسوتی لَآ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہ ہے۔ اس میں ناسوتی امور، شہوات و لذات و خواہشات یعنی جو عالم

دنیا سے متعلق ہیں اور نفس کو خود میں مشغول رکھتے ہیں، سے نفی ہے۔ اس سے نکل جانا اور اللہ تعالیٰ کی یاد میں مشغول ہونا ہے۔ یعنی لَآ اِلٰہَ کی تلوار سے غیر اللہ کو فنا کرنا اور اِلاَّ اللّٰہ کی ضرب سے اللہ تعالیٰ کی محبت کا حاصل کرنا ہے۔

(ii)۔ **ذکر ملکوتی** یعنی اِلاَّ اللّٰہ سے اس حقیقت کا ادراک حاصل کرنا ہے کہ ہم تو صرف اللہ پاک کے لیے ہیں۔ جیسا کہ فرشتے صرف اللہ تعالیٰ کے امر کے مطابق سب کچھ کرتے ہیں اور ان کا کسی اور طرف دھیان ہی نہیں ہوتا۔ اس طرح ہمارا بھی دھیان صرف اللہ کی طرف ہو اور غیر اللہ کی طرف التفات کا شائبہ بھی نہ ہو حتیٰ کی اس کی نفی کی طرف بھی خیال نہ ہو۔

(iii)۔ **ذکر جبروتی** اللّٰہ اللّٰہ سے مراقبہ ذات مع صفات عظمت واحسان ورحمت وشفقت وغیرہ ہو یعنی حق کا ادراک ایسا ہو کہ ہر دم اس ادراک میں ترقی ہو اور قلب وذہن اس میں مشغول ہو۔

(iv)۔ **ذکر لاہوتی** محض اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف ایسی توجہ کا نام ہے کہ اس کی صفات کی طرف بھی دھیان نہ ہو۔

(۴)۔ ذکر کی حقیقت یہ ہے کہ دل ہمیشہ ذکر میں مشغول ہو۔ ذکر اور حقیقت ذکر میں مقام کی انتہا یہی ہے اگرچہ زبان دوسری چیز کی طرف مشغول ہو لیکن دل ذکر کے غلبے سے مغلوب ہو کر منہمک و مشغول رہے۔ جب دل ذکر کرتا ہے تو کان اسے سنتا ہے مگر زبان غافل رہتی ہے۔ اس حال میں دل، زبان ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات سالک اپنے قلب کے ذکر کو اپنے کانوں سے اس قدر شدت سے سنتا ہے کہ اسے خیال پیدا ہو جاتا ہے کہ میرے دل کے ذکر کو دوسرے بھی سنتے ہیں۔ اس حال میں سالک اپنے حال کو دوسروں سے پوشیدہ رکھنے کی خاطر عوام سے کنارہ کشی کر لیتا ہے۔

(۵)۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مختلف مواقع پر متعدد اذکار کو جمع فرمایا ہے۔ دراصل ہر ذکر میں ایک راز ہوتا ہے جو دوسرے میں نہیں ہوتا۔ اس لیے کوئی ایک ذکر کافی نہیں ہوتا۔ مسلسل ایک ہی ذکر کرتے رہنا عام طور پر محض آواز ہو کر رہ جاتا ہے۔ ذکر کی تبدیلی راہ سلوک میں بہت اہمیت رکھتی ہے۔ یوں تو بہت سے اذکار ہیں، لیکن اہم اذکار جو بتائے گئے ہیں، دس ہیں: تسبیح، تحمید، تہلیل، تکبیر، فوائد طلبی اور پناہ مانگنا، اظہار فروتنی اور نیاز مندی، توکل، استغفار، اللہ پاک کے ناموں

سے برکت حاصل کرنا اور درود وسلام پڑھنا۔

۳۔ ذکر قرآن مجید کی روشنی میں

اللہ نے اپنی کتاب قرآن مجید میں کئی جگہ ذکر کو بیان فرمایا ہے جن میں سے چند آیات یہ ہیں:

(۱)۔ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ۗ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ. (سورۃ الرعد، آیت: ۲۸)

(وہ لوگ جو ایمان لائے اور ان کے دلوں کو اللہ پاک کے ذکر سے اطمینان ملتا ہے۔ خبردار! اللہ تعالیٰ کی یاد ہی سے دلوں کو اطمینان ملتا ہے)

اس آیت پاک میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ اہل ایمان کے دلوں کو اللہ پاک کے ذکر سے اطمینان نصیب ہوتا ہے۔ گویا دلوں کا اطمینان اللہ تعالیٰ کے ذکر میں پنہاں ہے۔

(۲)۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِیْرًا. (سورۃ احزاب، آیت: ۴۱)

(اے ایمان والو! اللہ پاک کو خوب کثرت سے یاد کیا کرو)

اس آیت پاک میں اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ یاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

(۳)۔ فَاذْكُرُوْنِیْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِیْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ. (سورۃ البقرہ، آیت: ۱۵۲)

(پس تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا میرا شکر ادا کرو اور میری ناشکری نہ کرو)

اس آیت پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ سالکین حق اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں۔ اللہ پاک ان سالکین حق کا ذکر فرماتے ہیں۔

(۴)۔ وَالذّٰكِرِیْنَ اللّٰهَ كَثِیْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ ۙ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِیْمًا. (سورۃ الاحزاب، آیت: ۳۵)

(اور اللہ پاک کا کثرت سے ذکر کرنے والے مرد ہوں یا ذکر کرنے والی عورتیں، ان سب کے لیے اللہ نے مغفرت اور شاندار اجر تیار کر رکھا ہے)

اس آیت پاک میں اللہ تعالیٰ نے ذاکرین کو مغفرت اور بہترین اجر کی نوید سنائی ہے۔

(۵)۔ اَلَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ. (سورۃ آل عمران، آیت: ۱۹۱)

(جولوگ اللہ پاک کا ذکر کھڑے بیٹھے اور اپنے پہلوؤں پر لیٹے ہوئے کرتے ہیں)
اس آیت میں ایسے ذاکرین کی توصیف فرمائی گئی ہے جو کھڑے، بیٹھے، چلتے پھرتے غرض کہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں۔

(٦)۔ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا. (سورۃ المزمل، آیت:٨)
(اور اپنے پروردگار کے نام کا ذکر کرو اور سب سے الگ ہو کر پورے کے پورے اسی کے ہو رہو)
(٧)۔ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ. (سورۃ الانفال، آیت:٤٥)
(اور اللہ تعالیٰ کا کثرت سے ذکر کرو تا کہ تم کامیاب ہو جاو)
گویا کثرت ذکر دنیا و آخرت میں فلاح و کامیابی کی ضمانت ہے۔

(٨)۔ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ. (سورۃ العنکبوت، آیت:٤٥)
(اور اللہ پاک کا ذکر سب سے بڑی چیز ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ تعالیٰ اس سب کو جانتا ہے)
(٩)۔ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ. (سورۃ النور، آیت:٣٧)
(ایسے لوگ جنہیں تجارت اور خرید و فروخت اللہ پاک کے ذکر سے غافل نہیں کرتی)
اس آیت میں ذکر جوارحی کا ذکر فرمایا گیا ہے۔

(١٠)۔ وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ.
(سورۃ الزخرف، آیت:٣٦)
(اور جو شخص رحمٰن کی یاد سے غفلت برتتا ہے، ہم اس پر ایک شیطان مقرر کر دیتے ہیں وہی اس کا ساتھی ہو جاتا ہے)
اس آیت پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غفلت برتتے ہیں ان پر شیطان مسلط ہو جاتا ہے۔ یہ شیطان ان کا ساتھی بن جاتا ہے۔ انسان کی سب سے بڑی بدقسمتی ہے کہ اس پر شر غالب آ جائے اور رحمان اس سے دور ہو جائے۔

٣۔ ذکر حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہت بار ذکر الٰہی کی اہمیت کو بیان فرمایا ہے جن میں سے چند احادیث

مبارکہ یہ ہیں:

(۱)۔ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، أَنّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: " إِذَا مَرَرْتُمْ بِرِيَاضِ الْجَنَّةِ فَارْتَعُوا "، قَالُوا: وَمَا رِيَاضُ الْجَنَّةِ؟ قَالَ: "حِلَقُ الذِّكْرِ".
(جامع ترمذی، ج:۲، رقم الحدیث: ۱۴۶۵)

(حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر تم جنت کے باغوں پر سے گزرو تو وہاں چرا کرو۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا: جنت کے باغ کیا ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ذکر کی مجلسیں)

(۲)۔ عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِخَيْرِ أَعْمَالِكُمْ وَأَزْكَاهَا عِنْدَ مَلِيكِكُمْ وَأَرْفَعِهَا لِدَرَجَاتِكُمْ وَخَيْرٍ لَكُمْ مِنْ إِعْطَاءِ الذَّهَبِ وَالْوَرِقِ وَخَيْرٍ لَكُمْ مِنْ أَنْ تَلْقَوْا عَدُوَّكُمْ فَتَضْرِبُوا رِقَابَهُمْ وَيَضْرِبُونَ رِقَابَكُمْ ذِكْرُ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ". (مسند احمد، ج:۹، رقم الحدیث: ۲۳۶۳۷)

(حضرت ابودردا رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا میں تمہیں تمہارے مالک کی نگاہوں میں سب سے بہتر عمل جو درجات میں سب سے زیادہ بلندی کا سبب ہو، تمہارے لیے سونا چاندی خرچ کرنے سے بہتر ہو اور اس سے بہتر ہو کہ میدان جنگ میں دشمن سے آمنا سامنا ہو اور تم ان کی گردنیں اڑاؤ اور وہ تمہاری گردنیں اڑائیں، نہ بتادوں؟ (صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! وہ کون سا عمل ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:) اللہ تعالیٰ کا ذکر)

(۳)۔ عَنْ عَمْرِو بْنِ عَنْبَسَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "اَقْرَبُ مَا يَكُوْنُ الرَّبُّ مِنَ الْعَبْدِ فِيْ جَوْفِ اللَّيْلِ الْاٰخِرِ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَكُوْنَ مِمَّنْ يَّذْكُرُ اللّٰهَ فِيْ تِلْكَ السَّاعَةِ". (مشکوٰۃ المصابیح، ج:۱، رقم الحدیث: ۱۲۰۴)

(حضرت عمرو بن عنبسہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: پروردگار اپنے بندے سے سب سے زیادہ قریب، رات کے آخری حصے میں ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر تم طاقت رکھتے ہو تو ضرور اس مبارک وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والوں میں سے ہو جاو)

(۴)۔ عَنْ مُعَاذٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، أَنَّهُ سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: عَنْ أَفْضَلِ

الْإِيمَانِ؟ قَالَ: "أَنْ تُحِبَّ لِلَّهِ وَتُبْغِضَ لِلَّهِ وَتُعْمِلَ لِسَانَكَ فِي ذِكْرِ اللَّهِ".
(مسند احمد، ج:۹، رقم الحدیث:۲۱۸۷)

(حضرت معاذ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: سب سے افضل ایمان کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کے لیے محبت اور نفرت کرو اور اپنی زبان کو ذکر الٰہی میں مصروف رکھو)

(۵)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللَّهُ فِي ظِلِّهِ يَوْمَ لاَ ظِلَّ إِلاَّ ظِلُّهُ: إِمَامٌ عَادِلٌ، وَشَابٌّ نَشَأَ بِعِبَادَةِ اللَّهِ، وَرَجُلٌ قَلْبُهُ مُعَلَّقٌ بِالْمَسْجِدِ إِذَا خَرَجَ مِنْهُ حَتَّى يَعُودَ إِلَيْهِ، وَرَجُلاَنِ تَحَابَّا فِي اللَّهِ فَاجْتَمَعَا عَلَى ذٰلِكَ وَتَفَرَّقَا، وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللَّهَ خَالِيًا فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ، وَرَجُلٌ دَعَتْهُ ذَاتُ حَسَبٍ وَجَمَالٍ فَقَالَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَأَخْفَاهَا حَتَّى لاَ تَعْلَمَ شِمَالُهُ مَا تُنْفِقُ يَمِينُهُ". (سنن الکبریٰ للبیہقی، ج:۹، رقم الحدیث:۱۶۳۶)

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس دن کوئی سایہ نہ ہوگا (قیامت کے دن) اللہ پاک سات آدمیوں کو اپنا سایہ نصیب فرمائے گا:

(i)۔ انصاف کرنے والا حکمران۔

(ii)۔ وہ نوجوان جو جوانی میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے۔

(iii)۔ وہ بندہ جس کا دل مسجد میں اٹکا رہتا ہے، یہاں تک کہ وہ مسجد میں واپس آجاتا ہے۔

(iv)۔ دو آدمی جو اللہ پاک کی خاطر آپس میں محبت اور نفرت کرتے ہیں۔

(v)۔ تنہائی میں اللہ کا ذکر کر کے رونے والا۔

(vi)۔ وہ آدمی جس کو خوبصورت عورت برائی کی دعوت دے تو وہ کہہ دے: میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔

(vii)۔ چھپا کر صدقہ کرنے والا، یعنی دائیں ہاتھ سے صدقہ کرے تو بائیں کو پتہ بھی نہ چلے۔

(۶)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَا جَلَسَ قَوْمٌ مَجْلِسًا يَذْكُرُونَ اللَّهَ فِيهِ، إِلَّا حَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ، وَتَغَشَّتْهُمُ الرَّحْمَةُ، وَتَنَزَّلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِينَةُ، وَذَكَرَهُمُ اللَّهُ فِيمَنْ عِنْدَهُ".
(سنن ابن ماجہ، ج:۳، رقم الحدیث:۶۷۱)

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو قوم بھی کسی

مجلس میں یاد الٰہی میں مشغول ہو،فرشتے اسے گھیر لیتے ہیں۔رحمت انہیں ڈھانپ لیتی ہے اوران پر سکینہ(تسلی اورطمانیت قلب)اترتی ہے اوراللہ پاک اپنے پاس والے(مقرب)فرشتوں میں انکا ذکرفرماتا ہے)

(۷)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ لِلَّهِ مَلَائِكَةً يَطُوفُونَ فِي الطُّرُقِ يَلْتَمِسُونَ أَهْلَ الذِّكْرِ، فَإِذَا وَجَدُوا قَوْمًا يَذْكُرُونَ اللَّهَ تَنَادَوْا: هَلُمُّوا إِلَى حَاجَتِكُمْ، قَالَ: فَيَحُفُّونَهُمْ بِأَجْنِحَتِهِمْ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا، قَالَ: فَيَسْأَلُهُمْ رَبُّهُمْ وَهُوَ أَعْلَمُ مِنْهُمْ مَا يَقُولُ عِبَادِي ؟ قَالُوا: يَقُولُونَ يُسَبِّحُونَكَ، وَيُكَبِّرُونَكَ، وَيَحْمَدُونَكَ، وَيُمَجِّدُونَكَ، قَالَ: فَيَقُولُ: هَلْ رَأَوْنِي ؟ قَالَ: فَيَقُولُونَ: لاَ وَاللَّهِ مَا رَأَوْكَ، قَالَ: فَيَقُولُ: وَكَيْفَ لَوْ رَأَوْنِي ؟ قَالَ: يَقُولُونَ: لَوْ رَأَوْكَ كَانُوا أَشَدَّ لَكَ عِبَادَةً، وَأَشَدَّ لَكَ تَمْجِيدًا، وَتَحْمِيدًا، وَأَكْثَرَ لَكَ تَسْبِيحًا، قَالَ: يَقُولُ: فَمَا يَسْأَلُونِّي ؟ قَالَ: يَسْأَلُونَكَ الجَنَّةَ، قَالَ: يَقُولُ: وَهَلْ رَأَوْهَا ؟ قَالَ: يَقُولُونَ: لاَ، وَاللَّهِ يَا رَبِّ مَا رَأَوْهَا، قَالَ: يَقُولُ: فَكَيْفَ لَوْ أَنَّهُمْ رَأَوْهَا ؟ قَالَ: يَقُولُونَ: لَوْ أَنَّهُمْ رَأَوْهَا كَانُوا أَشَدَّ عَلَيْهَا حِرْصًا، وَأَشَدَّ لَهَا طَلَبًا، وَأَعْظَمَ فِيهَا رَغْبَةً، قَالَ: فَمِمَّ يَتَعَوَّذُونَ ؟ قَالَ: يَقُولُونَ: مِنَ النَّارِ، قَالَ: يَقُولُ: وَهَلْ رَأَوْهَا ؟ قَالَ: يَقُولُونَ: لاَ، وَاللَّهِ يَا رَبِّ مَا رَأَوْهَا، قَالَ: يَقُولُ: فَكَيْفَ لَوْ رَأَوْهَا ؟ قَالَ: يَقُولُونَ: لَوْ رَأَوْهَا كَانُوا أَشَدَّ مِنْهَا فِرَارًا، وَأَشَدَّ لَهَا مَخَافَةً، قَالَ: فَيَقُولُ: فَأُشْهِدُكُمْ أَنِّي قَدْ غَفَرْتُ لَهُمْ، قَالَ: يَقُولُ: مَلَكٌ مِنَ المَلاَئِكَةِ: فِيهِمْ فُلاَنٌ لَيْسَ مِنْهُمْ إِنَّمَا جَاءَ لِحَاجَةٍ، قَالَ: هُمُ الجُلَسَاءُ لاَ يَشْقَى بِهِمْ جَلِيسُهُمْ".

(صحیح بخاری، ج:۳،رقم:۱۳۵۷)

(حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشادفرمایا: اللہ تعالیٰ کے چند فرشتے ہیں جوراستوں میں گھومتے ہیں اورذکرکرنے والوں کوڈھونڈتے ہیں۔جب وہ کسی قوم کوذکر الٰہی میں مشغول پاتے ہیں تو ایک دوسرے کو پکار کر کہتے ہیں: اپنی ضرورت کی طرف آؤ۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشادفرمایا: وہ فرشتے ان کواپنے پروں سے ڈھک لیتے ہیں اورآسمان دنیا تک پہنچ جاتے ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشادفرمایا: ان کا رب پوچھتا ہے کہ میرے بندے کیا کررہے ہیں؟ حالانکہ وہ ان کوفرشتوں سے زیادہ جانتا ہے۔فرشتے جواب دیتے ہیں وہ تیری تسبیح وتکبیراورحمد

اور بڑائی بیان کر رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ اللہ فرماتا ہے: کیا انہوں نے مجھے دیکھا ہے؟ فرشتے کہتے ہیں: اللہ کی قسم! انہوں نے تجھے نہیں دیکھا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ پاک فرماتا ہے: اگر وہ مجھے دیکھ لیتے تو کیا کرتے؟ فرشتے کہتے ہیں اگر وہ تجھے دیکھ لیتے تو تیری بہت زیادہ عبادت کرتے اور بہت زیادہ بڑائی یا پاکی بیان کرتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ پاک فرماتا ہے: وہ مجھ سے کیا مانگتے تھے؟ فرشتے کہتے ہیں وہ تجھ سے جنت مانگ رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ ان سے پوچھتا ہے: کیا انہوں نے جنت دیکھی ہے؟ فرشتے کہتے ہیں: اللہ کی قسم! انہوں نے جنت نہیں دیکھی۔ اللہ پاک فرماتا ہے: اگر وہ جنت دیکھ لیتے تو کیا کرتے؟ فرشتے کہتے ہیں کہ اگر وہ اسے دیکھ لیتے تو اس کے بہت زیادہ حریص ہوتے، بہت زیادہ طالب ہوتے اور اس کی طرف ان کی رغبت بہت زیادہ ہوتی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: کس چیز سے وہ پناہ مانگ رہے تھے؟ فرشتے کہتے ہیں: جہنم سے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ پاک فرماتا ہے: انہوں نے اس کو دیکھا ہے؟ فرشتے جواب دیتے ہیں کہ نہیں۔ اللہ کی قسم! انہوں نے اسے نہیں دیکھا؟ اللہ پاک فرماتا ہے: اگر وہ اسے دیکھ لیتے تو کیا کرتے؟ فرشتے کہتے ہیں: اگر وہ اسے دیکھ لیتے تو اس سے بہت زیادہ بھاگتے اور بہت زیادہ ڈرتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے انہیں بخش دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ان فرشتوں میں سے ایک فرشتہ کہتا ہے کہ ان میں فلاں شخص ان (ذکر کرنے والوں) میں نہیں تھا بلکہ وہ تو کسی ضرورت کے لیے آیا تھا؟ اللہ پاک فرماتا ہے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جن کے ساتھ بیٹھنے والا بھی محروم نہیں رہتا)

(۸)۔ وعن عبد الله بن عمر رضی الله عنه، عن النبی صلی الله علیه و سلم، أنه كان يقول : " لكل شیء صقالة وصقالة القلوب ذكر الله وما من شیء أنجی من عذاب الله من ذكر الله ". (مشکوٰۃ المصابیح، ج:۲، رقم الحدیث:۸۰۶)

(حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہر چیز کے لیے صفائی ہے اور دلوں کی صفائی اللہ پاک کا ذکر ہے اور ایسی کوئی چیز نہیں ہے جو ذکر الٰہی کے برابر اللہ کے عذاب سے بہت نجات دلائے)

(۹)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ اللَّهُ تَعَالَى: "أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي بِي، وَأَنَا مَعَهُ إِذَا ذَكَرَنِي، فَإِنْ ذَكَرَنِي فِي نَفْسِهِ ذَكَرْتُهُ فِي

نَفْسِي، وَإِنْ ذَكَرَنِي فِي مَلَإٍ ذَكَرْتُهُ فِي مَلَإٍ خَيْرٍ مِنْهُمْ ".
(صحیح بخاری، ج: ۳، رقم الحدیث: ۲۳۰۳)

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوں جو میرے متعلق وہ رکھتا ہے۔ جب وہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ وہ مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اس کو اپنے دل میں یاد کرتا ہوں۔ اگر وہ مجھے جماعت میں یاد کرے تو میں بھی اسے اس سے بہتر جماعت میں یاد کرتا ہوں)

(۱۰)۔ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ: أَيُّ الْعِبَادِ أَفْضَلُ دَرَجَةً عِنْدَ اللَّهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ؟ قَالَ: " الذَّاكِرُونَ اللَّهَ كَثِيرًا وَالذَّاكِرَاتُ ". قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، وَمِنَ الْغَازِي فِي سَبِيلِ اللَّهِ ؟ قَالَ: " لَوْ ضَرَبَ بِسَيْفِهِ فِي الْكُفَّارِ وَالْمُشْرِكِينَ حَتَّى يَنْكَسِرَ وَيَخْتَضِبَ دَمًا لَكَانَ الذَّاكِرُونَ اللَّهَ كَثِيرًا أَفْضَلَ مِنْهُ دَرَجَةً ". (جامع ترمذی، ج: ۲، رقم الحدیث: ۱۳۲۸)

(حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ قیامت کے دن اللہ پاک کے نزدیک درجہ کے لحاظ سے کون سے بندے سب سے افضل اور سب سے اونچے مرتبہ والے ہوں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والے مرد اور کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والی عورتیں۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا وہ اللہ پاک کے راستے میں جہاد کرنے والوں سے بھی افضل ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر غازی اپنی تلوار سے کفار اور مشرکین کو قتل کرے، یہاں تک کہ اس کی تلوار ٹوٹ جائے اور خون آلود ہو جائے، تب بھی اللہ پاک کا ذکر کرنے والوں کا درجہ اس (غازی) سے افضل ہے)

(۱۱)۔ عن معاذ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قال: ان قلت: يا رسول الله صلى الله عليه وسلم، أي العمل خير وأقرب إلى الله؟ قال: "أن تمسى وتصبح ولسانك رطب من ذكر الله عز وجل". (کنز العمال، ج: ۱، رقم الحدیث: ۳۹۲۱)

(حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کون سا عمل بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک ترین ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ کہ تم صبح و شام اپنی زبان کو اللہ پاک کے ذکر میں تر رکھو)

۴۔ ذکر کی اقسام

ذکر کی تین قسمیں ہیں:

(ا)۔ **لسانی ذکر:** لسانی ذکر سے مراد وہ ذکر ہے جو زبان سے کیا جائے۔ اس ذکر میں تسبیح و تقدیس ثناوتعریف، ذکرواذکار اور درود و استغفار وغیرہ داخل ہیں۔ ذکر لسانی کی دس اقسام ہیں:

(i)۔ **تسبیح:** یہ اللہ تعالیٰ کا بلند ترین ذکر ہے۔ سورۃ بنی اسرائیل میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ۭ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ. (سورۃ بنی اسرائیل، آیت: ۴۴)

(ساتوں آسمان اور زمین اور ان کی ساری مخلوقات اس کی پاکی بیان کرتی ہیں اور کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو اس کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح نہ کر رہی ہو لیکن تم لوگ ان کی تسبیح کو سمجھتے نہیں ہو)

اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل وشعور اور فہم وفراست عطا کر کے اسے قانون الٰہی کا پابند (مکلف) بنایا ہے۔ لہٰذا اس پر بطریق اولیٰ لازم ہے کہ نہایت عقیدت ومحبت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرے۔ تسبیحات قرآن پاک اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں دیکھی جاتی ہیں۔

(ii)۔ **تحمید:** ذکر کی دوسری قسم تحمید ہے۔ بندہ اپنے رب تعالیٰ کی تعریف بیان کرے اور الحمد للہ کہے۔ تمام داخلی اور خارجی انعامات کو وجود دینے والا وہی ہے۔ تحمید نماز میں بھی کی جاتی ہے۔

(iii)۔ **تکبیر:** تکبیر بھی ذکر ہے جس کے ذریعے اللہ کی بڑائی اور عظمت کا اظہار کیا جاتا ہے۔ جب کوئی اہم کام انجام دیا جائے تو اپنے ضعف کے پیش نظر زبان سے اللہ اکبر کہا جائے۔ اس کے سوا کسی کے لیے بڑائی نہیں ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝. (سورۃ المدثر، آیت: ۳)

(اور اپنے رب کی تکبیر کہو)

(iv)۔ **تہلیل:** لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا ذکر تہلیل کہلاتا ہے۔ اس کے ذریعے شرک کی نفی اور خدا تعالیٰ کی الوہیت کو ثابت کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس کے سوا کوئی خالق، مالک اور

مربی نہیں۔ وہ ذات وحدہ لاشریک ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ تہلیل کے بارے میں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: "أَفْضَلُ الذِّكْرِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَفْضَلُ الدُّعَاءِ الْحَمْدُ لِلَّهِ". (جامع ترمذی، ج: ۲، رقم الحدیث: ۳۳۸۳) افضل ذکر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اور افضل دعا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہنا ہے۔

(v)۔ **حوقلہ:** لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ بھی ذکر کی ایک قسم ہے یہ تفویض اور توحید کا کلمہ ہے اور حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد (دیکھیے مسند احمد، ج: ۴، رقم الحدیث: ۱۲۵۱) کے مطابق عرش الٰہی کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔ اس کے ذریعے انسان خدا تعالیٰ کے سامنے اقرار کرتا ہے کہ برائیوں سے باز رہنے اور نیکی کو انجام دینے کا عمل محض اللہ تعالیٰ کی توفیق ہی سے ممکن ہوتا ہے۔ اس کلمے کا ورد کرنے سے بہت بڑا اجر حاصل ہوتا ہے۔

(vi)۔ **حسبلہ:** ذکر کی ایک قسم حسبلہ ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ کیا جاتا ہے۔ اس کے لیے مفرد کلمہ حسبی اللہ اور جمع کا کلمہ حَسْبُنَا اللّٰہُ آتا ہے۔ ہر مشکل وقت میں اس کلمہ کا ورد خیر و برکت کا باعث ہوتا ہے۔ احد کے موقع پر جب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو سخت دشواری پیش آئی تو انھوں نے یہی کلمات ادا فرمائے: وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ. (سورۃ آل عمران، آیت: ۱۷۳) 'وہ بول اٹھے کہ ہمارے لیے اللہ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے'۔ دوسری جگہ پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِیَ اللّٰہُ ۖ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ؕ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَھُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ.
(سورۃ توبہ، آیت: ۱۲۹)
(اگر لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات انکار کرتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہہ دیں کہ میرے لیے اللہ ہی کافی ہے۔ وہی معبود برحق ہے اور میرا اسی پر بھروسہ ہے)

(vii)۔ **بسملہ:** بسملہ بھی ذکر لسانی کی ایک قسم ہے۔ ہمیں ہر کار خیر کی ابتداء بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ سے کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاذْکُرِ اسْمَ رَبِّکَ وَتَبَتَّلْ اِلَیْہِ تَبْتِیْلًا. (سورۃ المزمل، آیت: ۸)
(اور اپنے پروردگار کے نام کا ذکر کرو اور سب سے الگ ہو کر پورے کے پورے اسی کے ہو رہو)

غارحرا میں سب سے پہلی وحی کا نزول بھی اسی طرح ہوا: آپ ﷺ اس پروردگار کا نام لے کر پڑھیں جس نے پیدا کیا۔ (سورۃ العلق، آیت:۱) چنانچہ ہر اچھے کام کی ابتدا اللہ پاک کے ذکر بسم اللہ سے کرنی چاہیے۔

(viii)۔ **استعانت:** اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرنا بھی ذکر میں شامل ہے۔ ہم ہر نماز میں کہتے ہیں: اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ. (سورۃ الفاتحہ، آیت:۵) 'اے پروردگار! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں'۔

(ix)۔ **تبارک:** اللہ کا ذکر لفظ تبارک کے ساتھ بھی کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ

تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ. (سورۃ الملک، آیت:۱)
(بڑی شان ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں ساری بادشاہی ہے اور وہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے)
جب بھی کوئی اچھی چیز دیکھی جائے تو بارک اللہ کہنا چاہیے۔ یعنی اللہ تعالیٰ برکت عطا فرمائے۔

(x)۔ **تعوذ:** اعوذ باللہ کہنا بھی لسانی ذکر میں شامل ہے۔ اس کے لیے قرآن وسنت میں مختلف الفاظ آئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ. (سورۃ النحل، آیت:۹۸)

(۲)۔ **قلبی ذکر:** ذکر کی دوسری قسم دل میں اللہ پاک کو یاد کرنا ہے۔ اس ذکر میں اللہ تعالیٰ کی عظمت وکبریائی اور اس کی حکمت وقدرت میں غور وفکر کرنا نیز اس کی نعمتوں کو یاد کرنا شامل ہے۔ اسے ذکر خفی اور ذکر دوامی بھی کہا جاتا ہے۔ قرآن وحدیث کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ذکر قلبی، ذکر لسانی سے افضل ہے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں حضور نبی کریم ﷺ کے ساتھ جا رہے تھے۔ لوگ بلند آواز سے اللہ اکبر، اللہ اکبر کہنے لگے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے لوگو! اپنے اوپر نرمی کرو، کیونکہ نہ تو کسی بہرے کو پکار رہے ہو اور نہ کسی غائب کو اور اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے بیشک وہ سنتا ہے اور بلاشبہ وہ تم سے قریب و نزدیک ہے۔ (صحیح بخاری، ج:۲، رقم الحدیث:۲۵۹) یہ الگ بات ہے کہ اللہ پاک کسی سالک پر خصوصی فضل فرماتے ہوئے اسے ہر وقت لسانی ذکر کی توفیق دے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس کا

دل بھی ذکر میں مشغول رہے۔حتیٰ کہ اگراس کی زبان خاموش ہو پھر بھی دل یادالٰہی میں مشغول رہے، اس کو ذکر کثیر کہتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ فَإِنْ ذَكَرَنِي فِي نَفْسِهِ ذَكَرْتُهُ فِي نَفْسِي.(صحیح بخاری، ج: ۳، رقم الحدیث: ۲۳۰۳)اگر وہ مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اس کواپنے دل میں یاد کرتا ہوں۔

(۳)۔ **جوارحی ذکر:** ذکر کی تیسری قسم اپنے بدن کے تمام اعضا سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا ہے۔ذکر کی اس قسم میں جسم کے تمام اعضا وجوارح کو اللہ پاک کی عبادت اور اطاعت وفرماں برداری میں مشغول رکھا جاتا ہے۔

۵۔ ذاکرین کی اقسام

انسان جس سے محبت کرتا ہے، اسے ہر وقت یاد کرتا رہتا ہے۔محبت الٰہی میں یہی حال سالکین کا ہوتا ہے۔محبت کے چار مقامات: میل[۱]، ارادت، محبت اور عشق ہے۔اسی اعتبار سے ذاکرین کی بھی چار قسمیں ہیں:

(۱)۔ مقام میل میں ذاکر کی زبان پر ذکر حق ہوتا ہے لیکن دل دنیا داری میں لگا ہوا ہوتا ہے۔

(۲)۔ ارادت میں ذاکر تکلف سے غائب دل کو حاضر کر لیتا ہے۔

(۳)۔ مقام محبت میں ذکر دل پر غالب ہو جاتا ہے اور بلا تکلف دل سے ذکر جاری رہتا ہے۔

(۴)۔ مقام عشق میں مذکور (جس کا ذکر کیا جاتا ہے یعنی اللہ پاک)ذاکر کے دل پر غالب ہو جاتا ہے۔ عشق کسی کی شرکت برداشت نہیں کرتا، سو دل کو ماسوا کے خیال سے خالی کر دیتا ہے۔

۶۔ ذکر کے بارے میں صوفیائے کرامؒ کے اقوال

ذکر کے بارے میں صوفیائے کرام سے بہت اچھے اچھے اقوال منسوب ہیں، ان میں کچھ حسب ذیل ہیں:

---

[۱]۔شعور و آگاہی کے ساتھ اپنے اصل کی طرف رجوع کرنا۔

(۱)۔ حضرت ابوبکر شقاقیؒ بیان کرتے ہیں کہ ہر دم ذکر اور سجدے کیا کرو تا کہ غنیمت کی حالت ظاہر ہو اور غیاب جاتا رہے۔ ذکر ہی میں فنا ہو جاؤ۔ (مقاصد السالکین، ص: ۱۷۴)

(۲)۔ حضرت محمد بن فضل بلخیؒ فرماتے ہیں کہ زبان سے ذکر کرنا گناہوں کو مٹاتا اور درجات بلند کرتا ہے جبکہ دل کا ذکر اللہ پاک کے قریب لے جاتا ہے۔ (طبقات صوفیہ، ص: ۱۵۳)

(۳)۔ حضرت ابوالعباس احمد دینوریؒ فرماتے ہیں: کم از کم ذکر یہ ہوتا ہے کہ بندہ اللہ پاک کے علاوہ ہر چیز کو بھول جائے۔ انتہائی ذکر یہ ہے کہ ذکر کرنے والا اپنے ذکر میں ذکر ہی سے غائب ہو جائے اور مقام ذکر کی طرف رجوع کرنے سے اسی میں غرق ہو جائے۔ (طبقات صوفیہ، ص: ۳۴۷)

(۴)۔ حضرت واسطیؒ فرماتے ہیں کہ خوف کے غلبہ اور محبت کی شدت کے ہوتے ہوئے میدان غفلت سے نکل کر مشاہدہ کی کھلی فضا میں جانا ذکر کہلاتا ہے۔ (رسالہ قشیریہ، ص: ۲۷۸)

(۵)۔ حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں: ذکر یہ ہوتا ہے کہ ذکر کرنے والے کی حالت ایسی ہو جائے کہ اسے اپنے ذکر کی بھی خبر نہ ہو۔ (رسالہ قشیریہ، ص: ۲۸۰)

(۶)۔ حضرت ابوعثمان حیریؒ فرماتے ہیں کہ جس نے غفلت کی بیگانگی نہیں دیکھی اسے کیا معلوم کہ ذکر کا مزہ کیا ہوتا ہے۔ (رسالہ قشیریہ، ص: ۲۸۰)

(۷)۔ ایک صوفی بزرگ فرماتے ہیں کہ غفلت کو دور ہٹا دینا ذکر ہے۔ لہٰذا جب غفلت اٹھ گئی تو، تو ذاکر کہلائے گا خواہ خاموش ہی کیوں نہ رہے۔ (کتاب التعرف، ص: ۱۶۰)

(۸)۔ حضرت ابوعلی دقاقؒ فرماتے ہیں کہ اللہ پاک کا ذکر ولی ہونے کی دستاویز ہے۔ جس کو ذکر کی توفیق عطا ہوئی ہے، اسے ولی ہونے کی سند مل گئی ہے۔ (معدن المعانی، ص: ۲۱۳ - ۲۱۴)

(۹)۔ حضرت احمد بن ابوالحواریؒ فرماتے ہیں کہ جب تم دل میں قدرے سختی محسوس کرو تو ذکر کرنے والوں کے پاس بیٹھو۔ (طبقات صوفیہ، ص: ۷۹)

(۱۰)۔ حضرت منصور بن عمارؒ فرماتے ہیں کہ اللہ پاک نے عارفوں کے دلوں کو ذکر الٰہی کا برتن بنا دیا

ہے۔(طبقات صوفیہ،ص:۱۰۲)

(۱۱)۔ حضرت ابو عثمان حیریؒ فرماتے ہیں: ذکر کثیر یہ ہوتا ہے کہ تم جب بھی اللہ پاک کا ذکر کرو، اسے یاد کرو کیونکہ تم اس کا ذکر صرف اس کی وجہ اور اس کے فضل سے کرتے ہو۔

(طبقات صوفیہ،ص:۱۲۴)

(۱۲)۔ حضرت عبداللہ خرازؒ فرماتے ہیں کہ عارفوں کی غذا ذکر الٰہی ہوتا ہے۔(طبقات صوفیہ،ص:۲۰۲)

(۱۳)۔ حضرت ابوالحسین بن بنانؒ فرماتے ہیں کہ زبان سے اللہ پاک کا ذکر درجات بڑھاتا ہے۔ دل سے ذکر، اللہ تعالیٰ سے نزدیکی کا سبب بنتا ہے۔(طبقات صوفیہ،ص:۲۷۳)

(۱۴)۔ شیخ نوریؒ فرماتے ہیں کہ ہر شے کی سزا ہے اور عارف کی سزا، اس کا ذکر سے منقطع ہوجانا ہے۔

(معدن المعانی،ص:۲۱۲)

۷۔ ذکر کے واقعات

ذیل میں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور بزرگان دین کے ذکر کے کچھ واقعات یوں ہیں:

(۱)۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر وقت اللہ پاک کی یاد میں مصروف رہتے تھے۔ اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، کھاتے پیتے، سوتے، جاگتے، وضو کرتے، نئے کپڑے پہنتے، سواری پر سوار ہوتے، سفر میں جاتے، واپس آتے، گھر میں داخل ہوتے، گھر سے باہر جاتے، مسجد میں قدم رکھتے، غرض ہر حالت میں دل و جان سے ذکر الٰہی میں مصروف رہتے۔ حضرت ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے (پہرے دار کی طرح) دروازہ کے پاس سویا کرتا تھا۔ رات کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وضو کا پانی دیا کرتا تھا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کو اٹھتے تو خاصی دیر تک پہلے سُبْحَانَ اللّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِینَ پڑھتے پھر سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ پڑھتے رہتے۔

(جامع ترمذی، ج:۲، رقم الحدیث:۱۳۶۹)

(۲)۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک پرندہ (وافر الجناحین) لایا گیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اسے دیکھ کر فرمایا: جب کوئی جانور اپنی تسبیح یعنی ذکر ضائع کر دیتا ہے تو اسے شکار کر لیا جاتا ہے۔ جب کسی درخت کی شاخ اپنی تسبیح یعنی ذکر چھوڑ دیتی ہے تو اسے کاٹ لیا جاتا ہے۔

(ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفا، ج:۳،ص:۸۴)

(۳)۔ حضرت ابن سابط رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں میں سے چند کا ہاتھ پکڑ کر فرماتے تھے، آؤ ہم کچھ دیر کے لیے ایمان و یقین کی باتیں کریں۔ آؤ! ہم اللہ پاک کا ذکر کر کے ایمان میں اضافہ کریں۔ آؤ! ہم اس کی اطاعت کا ذکر کریں تاکہ وہ بھی ہماری مغفرت کرتے ہوئے ہمیں یاد کرے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، ج:۹، رقم الحدیث:۱۲۱)

(۴)۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم ہمیشہ جب کسی بلندی پر چڑھتے تو اللہ اکبر کہتے اور جب نشیب میں اترتے تو سبحان اللہ کہتے۔ (صحیح بخاری، ج:۲، رقم الحدیث:۲۶۰)

(۵)۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک دفعہ اللہ پاک کے عرض کیا: اے میرے پروردگار! مجھے کوئی ایسی چیز سکھلا دے جس کے ذریعہ میں تجھے یاد کروں اور تجھ سے دعا مانگوں۔ اللہ پاک نے فرمایا: موسیٰ علیہ السلام! لا الہ الا اللہ کہو! حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: اے میرے رب! یہ کلمہ تو تیرے تمام بندے ہی پڑھتے ہیں۔ میں تو کوئی ایسی چیز چاہتا ہوں جسے تو میرے ہی لیے مخصوص کر دے۔ جس میں میرا اور کوئی شریک نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے موسیٰ علیہ السلام! اگر ساتوں آسمان اور میرے علاوہ ان میں رہنے والے تمام فرشتے، ساتوں زمینیں ترازو کے ایک پلڑے میں رکھی جائیں اور لا الہ الا اللہ اس کا ثواب دوسرے پلڑے میں رکھا جائے تو یقیناً ان چیزوں کے پلڑے سے لا الہ الا اللہ کا پلڑا جھک جائے۔ (مشکوٰۃ المصابیح، ج:۲، رقم الحدیث:۸۳۹)

(۶)۔ حضرت شیخ شبلیؒ کے سامنے قرآن پاک کی آیت: وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ وَقُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّهْدِيَنِ رَبِّيْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا ۔ (سورۃ الکہف، آیت: ۲۴) اور جب کبھی بھول جاؤ تو اپنے رب کو یاد کر لو اور کہو: مجھے امید ہے کہ میرا رب کسی ایسی بات کی طرف رہنمائی کر دے جو

ہدایت میں اس سے بھی زیادہ قریب ہو۔تلاوت کی گئی۔آپؒ نے فرمایا: ذکر کی شرط بھول جانا ہے جبکہ سارا عالم اس کی یاد میں محو ہے مگر انسان بھولا ہی رہتا ہے۔ یہ کہہ کر آپؒ بے حال ہو گئے۔جب ہوش میں آئے تو کہا: اس دل پر تعجب ہے جو کلام الٰہی سن کر اپنی جگہ قائم رہے اور اس جان پر حیرانی ہے جو اللہ تعالیٰ کا کلام سن کر جسم سے نہ نکلے۔(کشف المحجوب، ص:۵۱۹)

حوالہ جات

۱۔ ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء، شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ترجمہ مولانا محمد عبدالشکور۔ کراچی: قدیمی کتب خانہ، ۱۹۹۹ء۔

۲۔ جامع ترمذی، امام محمد بن عیسیٰ ترمذیؒ ترجمہ مولانا فضل احمد۔ کراچی: دارالاشاعت، ۲۰۰۶ء۔

۳۔ رسالہ القشیریہ فی علم التصوف، امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیریؒ ترجمہ شاہ محمد چشتی۔ لاہور: ادارہ پیغام القرآن، ۲۰۰۷ء۔

۴۔ سنن ابن ماجہ، حافظ ابی عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہؒ ترجمہ مولانا محمد قاسم امین۔ لاہور: مکتبہ العلم، ۲۰۱۰ء۔

۵۔ سنن الکبریٰ للبیہقی، امام ابی بکر احمد بن حسین البیہقیؒ ترجمہ حافظ ثناء اللہ۔ لاہور: مکتبہ رحمانیہ، ۲۰۱۴ء۔

۶۔ صحیح بخاری، امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاریؒ ترجمہ حضرت مولانا محمد داؤد راز۔ دہلی: مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند، ۲۰۰۴ء۔

۷۔ طبقات صوفیہ، ابی عبدالرحمٰن محمد بن حسین سلمیؒ ترجمہ شاہ محمد چشتی۔ لاہور: ادارہ پیغام القرآن، ۲۰۱۱ء۔

۸۔ کتاب التعرف لمذہب اہل التصوف، امام ابوبکر بن ابواسحاق محمد بن ابراہیم بن یعقوب البخاری کلاباذیؒ ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن۔ لاہور: تصوف فاؤنڈیشن، ۱۹۹۸ء۔

۹۔ کنزالعمال، علامہ علاء الدین علی متقی بن حسام الدینؒ ترجمہ مولانا مفتی احسان اللہ شائق۔ کراچی: دارالاشاعت، ۲۰۰۹ء۔

۱۰۔ مسند امام احمد بن حنبل، امام احمد بن حنبلؒ ترجمہ مولانا محمد ظفر اقبال۔ لاہور: مکتبہ رحمانیہ، ۲۰۰۴ء۔

۱۱۔ مشکوٰۃ المصابیح، شیخ ولی الدین خطیب التبریزیؒ ترجمہ مولانا محمد صادق خلیلؒ۔ لاہور: مکتبہ محمدیہ، ۲۰۰۵ء۔

۱۲۔ مصنف ابن ابی شیبہ، امام ابی بکر عبداللہ بن محمد ابن ابی شیبہ العبسی الکوفیؒ ترجمہ مولانا محمد اویس سرور۔ لاہور: مکتبہ رحمانیہ، ۲۰۰۱ء۔

۱۳۔ معدن المعانی، شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیریؒ ترجمہ شاہ قسیم الدین احمد شرفی البلخی۔ پٹنہ: مکتبہ شرف، ۲۰۱۱ء۔

۱۴۔ مقاصد السالکین، خواجہ ضیاء اللہ نقشبندی مجددیؒ ترجمہ محمد بدر الاسلام۔ جہلم: دارالعلوم سلطانیہ، ۲۰۰۵ء۔

۱۵۔ http//:www.hadithurdu.com/

۱۶۔ https//:easyquranwahadees.com/

۲۲

ذہاب

ا۔ ذہاب کا مفہوم

(۱)۔ ذہاب کے لغوی معانی جانا اور گزرنا کے ہیں۔تصوف کی اصطلاح میں مشاہدہ محبوب کی محویت میں دل کا ہر محسوس شے کی حس سے بے خبر ہو جانا، ذہاب کہلاتا ہے۔گویا سالک کا افعال حق کا مشاہدہ کرنے کے بعد اپنے افعال کو فانی سمجھنا، ذہاب ہے۔ذہاب اپنے معنی کے اعتبار سے غیاب کے قریب تر ہے لیکن ذہاب کی کیفیت غیبت سے بڑھی ہوئی ہوتی ہے۔ذہاب مشاہدہ حق کے بعد سالک کا محسوسات کی حس سے جاتے رہنا، پھر ذہاب کی کیفیت کے احساس سے بھی مبرا ہو جانا اور پھر اس مبرا ہونے سے بھی مبرا ہو جانا ہے۔غرض کہ ذہابات کا یہ سلسلہ لامتناہی ہے۔

(۲)۔ حضرت جنید بغدادیؒ نے شیخ بایزید بسطامیؒ کے قول 'لیس بلیس' کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا! لیس بلیس ہر شے کے احساس سے مبرا ہو جانے اور پھر مبرا ہو جانے کی کیفیت سے بھی بری ہو جانے کو کہتے ہیں۔یعنی دیکھنے والی اشیا باقی نہ ہوں گی تو ان کا احساس بھی نہ رہے گا۔اس کیفیت کو صوفیائے کرامؒ فنا بھی کہتے ہیں۔غرض کہ فنا سے فنا ہو جانے یا گم ہو جانے کی کیفیت کو بھی گم کر دینے کو ذہاب عن الذہاب کہتے ہیں۔

(۳)۔ سالک برابر اپنے قلب کو ماسواء اللہ سے فارغ کرتا رہتا ہے تو اس کے دل میں تزکیہ اور تقویٰ سے ایک خاص نور پیدا ہوتا ہے۔حق تعالیٰ کی ذات وصفات اور افعال نیز حقائق کونیہ اور حقائق اعمال شرعیہ اس کے دل پر منکشف ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔اس کے خالق سے قرب میں اضافہ ہوتا رہتا ہے اور وہ عین الیقین سے حق الیقین تک سفر کرتا رہتا ہے، اس کو سیر فی اللہ کہتے ہیں۔اس کی کوئی حد نہیں ہوتی۔موت تک سالک کی یہ سیر جاری رہتی ہے۔سیر فی اللہ سالک اور اللہ کے درمیان کا معاملہ ہے۔سیر فی اللہ کے دوران میں اللہ پاک جسے چاہتا ہے اپنے جمال کے مشاہدہ میں مستغرق کر دیتا ہے۔سالک کا مشاہدہ حق میں یہی استغراق ذہاب ہے۔ایسے سالکین مستہلکین کہلاتے ہیں۔

(۴)۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک آدمی کسی صاحب جمال یا بارعب شخص کے پاس جاتا ہے تو بعض اوقات وہ اس کے مشاہدہ میں محو ہو کر خود اپنی ذات اور مخلوق سے غافل ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ اس مجلس سے چلے آنے کے بعد مجلس، اہل مجلس یا خود اس کی ذات کے بارے میں پوچھا جائے تو وہ کسی چیز کے بارے میں بتانے سے عاجز دکھائی دیتا ہے۔ اس کی بہترین مثال خواتین مصر کا حضرت یوسف علیہ السلام کے مشاہدہ میں غرق ہو کر اپنے حواس سے بے خبر ہو جانا اور پھر اسی بے خبری میں اپنی انگلیاں کاٹ لینا ہے۔ (دیکھیے سورۃ یوسف، آیت: ۳۱)

۲۔ ذہاب قرآن مجید کی روشنی میں

ذیل میں ذہاب کے بارے میں چند آیات مبارکہ پیش کی جاتی ہیں:

(۱)۔ وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ؕ قَالَ لَنْ تَرٰىنِیْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِیْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا۔ (سورۃ الاعراف، آیت: ۱۴۳)

(اور جب موسیٰ علیہ السلام ہمارے مقررہ وقت پر پہنچے اور ان کا رب ان سے ہم کلام ہوا تو وہ کہنے لگے: میرے پروردگار! مجھے دیدار کرا دیجیے کہ میں تجھے دیکھ لوں۔ فرمایا کہ تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکو گے، البتہ پہاڑ کی طرف نظر اٹھاؤ، اس کے بعد اگر وہ اپنی جگہ برقرار رہا تو تم مجھے دیکھ لو گے۔ پھر جب ان کے رب نے پہاڑ پر تجلی فرمائی تو اس کو ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑے)

اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ پاک سے کلام کے لیے بار بار کوہ طور پر تشریف لے جاتے تھے۔ اسی مبارک پہاڑ پر اللہ پاک آپ علیہ السلام سے بلا واسطہ کلام فرماتا تھا۔ ایک دفعہ جب اللہ پاک کے مقرر کردہ وقت پر آپ علیہ السلام کوہ طور پر پہنچے اور اللہ پاک سے ہم کلام ہوئے۔ اس ہم کلامی سے آپ علیہ السلام کے دل میں دیدار حق تعالیٰ کا شوق پیدا ہوا۔ اس موقع حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے اس شوق کا اللہ پاک سے اظہار فرما دیا۔ اللہ پاک نے فرمایا کہ اے موسیٰ علیہ السلام! تو مجھے نہیں دیکھ سکتا۔ اس پہاڑ کی طرف دیکھ اگر وہ میری تجلی جلال کی تاب لا سکا تو پھر آپ علیہ السلام بھی میری تجلی جلال کی تاب لا سکتے ہو۔ اس کے بعد اللہ پاک نے اس پہاڑ پر اپنی تجلی

فرمائی تو وہ ریزہ ریزہ ہو گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس تجلی جلال کی تاب نہ لائے تو بے ہوش ہو گئے۔

(۲)۔ فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ اَرْسَلَتْ اِلَيْهِنَّ وَاَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَاً وَّاٰتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّيْنًا وَّقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ ۚ فَلَمَّا رَاَيْنَهٗٓ اَكْبَرْنَهٗ وَقَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ ۫ وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ؕ اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ. (سورۃ یوسف، آیت:۳۱)

(پھر جب (عزیز مصر کی بیوی نے) ان کی ملامت سنی تو انھیں بلا بھیجا اور ان کے واسطے ایک مجلس تیار کی اور ان میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں ایک چھری دی اور (حضرت یوسف علیہ السلام سے) کہا کہ ان کے سامنے نکل آؤ پھر جب انہوں نے انہیں دیکھا تو حیران رہ گئیں اور اپنے ہاتھ کاٹ لیے اور کہا اللہ پاک ہے یہ انسان تو نہیں ہے یہ تو کوئی بزرگ فرشتہ ہے)

حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھتے ہی بیخودی میں انہیں اپنی انگلیاں کاٹنے پر تکلیف محسوس نہ ہوئی، حالانکہ طبعی طور پر زندہ جسم کو کاٹنے پر تکلیف ہوتی ہے۔ وہ بول اٹھیں کہ یہ بشر (انسان) نہیں ہیں حالانکہ وہ تو بشر تھے اور پھر کہنے لگیں یہ تو فرشتہ ہیں حالانکہ وہ فرشتہ نہ تھے۔

یہ غفلت تو ایسی ہے جو ایک مخلوق کو مخلوق سے تعلق کی بنا پر پیدا ہو گئی تھی اور جب سالک کو حق تعالیٰ کا مشاہدہ ہو اور وہ اس مشاہدے میں گم ہو کر اپنی ذات اور مخلوق خدا کے احساس سے غافل ہو جائے تو اس میں تعجب نہیں ہونا چاہیے۔

(۳)۔ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ۭ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ۭ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْۗءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ۭ نُوْرٌ عَلٰي نُوْرٍ ۭ يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ. (سورۃ النور، آیت:۳۵)

(اللہ پاک آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ اس کے نور کی مثال یوں ہے جیسے ایک طاق میں چراغ رکھا ہوا ہو۔ چراغ ایک فانوس میں ہو۔ فانوس موتی کی طرح چمکتا ہوا تارا ہو اور چراغ زیتون کے ایسے مبارک درخت کے تیل سے روشن کیا گیا ہو جو نہ شرقی ہو نہ غربی، جس کا تیل اپنے آپ ہی بھڑک اٹھتا ہو چاہے آگ اس کو نہ لگے۔ اللہ پاک جس کی چاہتا ہے اپنے نور کی طرف رہنمائی فرماتا ہے۔ وہ مثالوں سے لوگوں کو سمجھاتا ہے اور وہ ہر چیز سے خوب واقف ہے)

اس آیت مبارکہ میں اللہ پاک نے اپنی ذات پاک کو نور سے تشبیہ دی ہے۔ نور بذات خود نظر نہیں آتا لیکن اس کے بغیر کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ اسی طرح اس کائنات کا وجود ہے جو اللہ پاک کی ذات کے بغیر کچھ نہیں۔ عام آدمی کی نظر کسی چیز پر پڑتی ہے تو وہ اسی میں اٹک کر رہ جاتی ہے اور وہ نور سے صرفِ نظر کر لیتا ہے۔ سالک شے (تخلیق) سے صرف نظر کرتے ہوئے اس نور کو دیکھتا ہے جس کے سبب وہ شے نظر آتی ہے۔ عام آدمی تخلیق (ظاہر) کو اور عارف خالق کے جلوؤں اور حکمتوں (باطن) کو دیکھتا ہے۔ پاک ہے وہ ذات جو بعض پر عیاں ہونے کے باوجود مستور اور سالکین حق پر مستور ہونے کے باوجود عیاں ہے۔ اسی کی بدولت سالکین ہر وقت اپنے پروردگار کے حضور حاضر رہتے ہیں۔

(۴)۔ ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَيُّ الْحِزْبَيْنِ اَحْصٰى لِمَا لَبِثُوْۤا اَمَدًا. (سورۃ الکہف، آیت: ۱۲)

(پھر ان کو جگا اُٹھایا تاکہ معلوم کریں کہ جتنی مدّت وہ (غار میں) رہے دونوں جماعتوں میں سے اس کی مقدار کس کو خوب یاد ہے)

اس آیت پاک میں اصحاب کہف کی حالت ذہاب کا ذکر کیا گیا ہے۔ اصحاب کہف کا قصہ مختصر طور پر کچھ یوں ہے کہ سابقہ اقوام میں کچھ توحید پرست نوجوان تھے۔ اس وقت ہر طرف کفر و شرک کا دور دورہ تھا۔ بادشاہ وقت بھی اسی شرک کی نجاست سے آلودہ تھا اور مشرکین کی حوصلہ افزائی اور موحدین پر ظلم کرتا تھا۔ ایک دن اس بادشاہ نے موحدین کو اپنے دربار میں بلایا اور ان سے کہا: میں تمہیں چند دن کی مہلت دیتا ہوں، تم اپنے دین سے باز آ جاؤ ورنہ قتل کر دیے جاؤ گے۔ جب نوجوانوں نے بادشاہ کی دھمکی سنی تو شدید پریشان ہو گئے۔ وہ بادشاہ سے لڑنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے اور نہ شہر میں رہ کر توحید پرستی جاری رکھ سکتے تھے۔ لہٰذا انہوں نے شہر چھوڑ کر کہیں بھاگ جانے کا فیصلہ کیا۔ اللہ پاک پر بھروسہ کرتے ہوئے وہ شہر سے نکل گئے اور غار میں جا کر چھپ گئے۔ انہوں نے پروردگار عالم سے اپنے لیے رحمت اور آسانی کی دعا مانگی۔

جب انہوں نے غار میں پناہ لی تو اللہ پاک نے ان پر ایک خاص حالت طاری کر دی۔ انہیں دیکھنے والوں کو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ وہ بیدار ہیں۔ کچھ عرصہ بعد جب حالات سازگار ہو گئے تو اللہ

تعالیٰ نے ان نوجوانوں کو پہلی والی حالت پر لوٹا دیا۔ وہ آپس میں پوچھنے لگے کہ ہم اس حالت میں کتنی دیر تک رہے۔ ان میں سے ایک نے جواب دیا کہ شاید ایک دن یا پھر اس سے بھی کچھ کم۔ پھر انہوں نے اپنے ایک ساتھی کو بازار میں کھانا لانے کے لیے بھیجا۔ اسے بازار میں جا کر معلوم ہوا کہ وہ غار میں ایک لمبے عرصے تک سوتے رہے ہیں۔ اس طرح اللہ پاک نے ان غار والوں کے حالات سے دوسروں کو باخبر کر دیا۔

(۵)۔ وَتَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا وَّهُمْ رُقُوْدٌ۔ (سورہ الکہف، آیت: ۱۸)
(تم انہیں (دیکھ کر) یہ سمجھتے کہ وہ جاگ رہے ہیں، حالانکہ وہ سوئے ہوئے تھے)
قرآن پاک کی اس آیت میں ہمیں اصحاف کہف کی کیفیت ذہاب کے بارے میں بتایا گیا ہے۔ یہ لوگ ایک غار میں اللہ پاک کی یاد میں محو تھے۔ دیکھنے والا انہیں بیدار سمجھتا تھا حالانکہ وہ مشاہدہ حق تعالیٰ میں مستغرق ہونے کی وجہ سے دنیا سے بے خبر تھے۔

واقعہ کچھ یوں ہے کہ اصحاب کہف اپنے دور کے جابر حکمران کے ظلم وستم سے بھاگ کر ایک غار میں جا چھپے اور دنیا سے یکسر لاتعلق ہو کر مکمل یکسوئی کے ساتھ اللہ پاک کی عبادت میں مصروف ہو گئے۔ یہاں تک کہ ظالم بادشاہ کی حکمرانی ختم ہو گئی۔ اللہ پاک کے مشاہدہ میں محویت کی وجہ سے وہ دوران عبادت جو حالت اختیار کر لیتے، لمبے عرصے تک اسی پر قائم رہتے۔ مثلاً اگر قیام کی حالت میں ہوتے تو مسلسل کھڑے ہی رہتے۔ حالت رکوع میں آجاتے تو جھکے ہی رہتے اور اگر سجدہ کیا تو اسی میں ہی پڑے رہے۔ ایسا ہی معاملہ ان کے کتے کا بھی تھا۔ وہ اس غار کے دہانے ہی پر بیٹھے بیٹھے مر گیا۔

اس غار کا کچھ عجیب سا منظر بن گیا تھا۔ کوئی قیام، کوئی رکوع، کوئی سجدہ، تو کوئی قعدہ کی حالت میں۔ ادھر غار کے دہانے پر کتا بھی اسی کیفیت میں بیٹھا ہوا ہے۔ یہ منظر دیکھنے والے پر عجیب سی کیفیت طاری کر دیتا تھا۔ وہ غار والوں کو بیدار خیال کرتے تھے۔ اس بات کو قرآن پاک نے سو رہے تھے، کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔ اصحاب کہف اسی عالم میں اللہ پاک کو پیارے ہو گئے۔

۳۔ ذہاب احادیث مبارکہ کی روشنی میں

ذہاب کے بارے میں چند احادیث نقل کی جاتی ہیں:

(۱)۔ عَنْ أَبِي مُوسىٰ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: سَأَلْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَتٰى تَنْقَطِعُ مَعْرِفَةُ الْعَبْدِ مِنَ النَّاسِ؟، قَالَ: إِذَا عَايَنَ".

(سنن ابن ماجہ، ج:۱، رقم الحدیث: ۱۴۵۳)

(حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا بندے کی لوگوں سے جان پہچان کب ختم ہوجاتی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب وہ مشاہدہ کرلے)

(۲)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "مَا مِنْ أَحَدٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ، إِلَّا رَدَّ اللّٰهُ عَلَيَّ رُوحِي حَتّٰى أَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ". (سنن ابوداؤد، ج:۲، رقم الحدیث: ۲۷۶)

(حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب کوئی آدمی مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح کو مجھ پر لوٹا دیتا ہے یہاں تک کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں)

اس حدیث سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح مبارک چونکہ ہمہ وقت مشاہدہ رب العزت میں مستغرق رہتی ہے۔ اس لیے اس کو حالت مشاہدہ سے ہٹا کر اس عالم کی طرف متوجہ کردیا جاتا ہے تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے امتیوں کے درود وسلام سنیں اور اس کا جواب دیں۔ چنانچہ روح مبارک کے اسی متوجہ کرنے اور آگاہ کرنے کو ان الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ میری روح کو مجھ پر لوٹا دیتا ہے۔

(۳)۔ قَالَ جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَنْظُرَ إِلَى شَهِيدٍ يَمْشِي عَلَى وَجْهِ الْأَرْضِ فَلْيَنْظُرْ إِلَى طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ".

(جامع ترمذی، ج:۲، رقم الحدیث: ۱۷۰۵)

(حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ کی طرف (محبت بھری نظروں سے) دیکھا اور فرمایا: جس شخص کی خواہش ہو کہ اس انسان کو دیکھے جو زمین پر چلتا پھرتا ہے لیکن حقیقت میں وہ اللہ پاک کے راستے میں قربان ہو چکا ہے

تواس کو چاہیے کہ وہ حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کو دیکھے)

بعض حضرات نے لکھا ہے کہ اس حدیث میں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے تعلق سے جو کچھ فرمایا گیا اس میں درحقیقت اس اختیاری موت کی طرف اشارہ ہے جو اہل سلوک اور ارباب فنا کو حاصل ہوتی ہے۔ذات باری تعالیٰ کی طرف انجذاب اور ذکر الٰہی اور مشاہدہ ملکوت میں پوری طرح مستغرق ہونے کے سبب عالم شہادت سے غائب ہونا ہے جو دراصل (اختیاری موت) کا نتیجہ ہوتا ہے۔

(دیکھیے مشکوٰۃ المصابیح، ج:۵،رقم الحدیث: ۷۵۴)

۴۔ ذہاب کے درجات

ذہاب کے حسب ذیل تین درجات ہیں:

(۱)۔ سالک کا افعال حق کو مشاہدہ کرنے کے بعد اپنے افعال کو فانی سمجھنا۔

(۲)۔ سالک کا ذہاب کی کیفیت کے احساس سے بھی مبرا ہو جانا۔

(۳)۔ ذہاب کی کیفیت کے احساس سے مبرا ہونے کے احساس سے بھی مبرا ہو جانا۔اسے ذہاب عن الذہاب بھی کہتے ہیں۔

۵۔ ذہاب کے واقعات

ذیل میں ذہاب کے چند واقعات بطور نمونہ پیش کیے جاتے ہیں:

(۱)۔ ایک مرتبہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حق تعالیٰ کی معیت اور قرب کی تجلیات میں محو تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو نہ پہچان سکے اور دریافت فرمایا کہ تو کون ہے؟ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: یا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں عائشہ (رضی اللہ عنہا) ہوں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر فرمایا: عائشہ (رضی اللہ عنہا) کون؟ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: یا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں عائشہ (رضی اللہ عنہا) بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہوں۔ پھر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کون؟ حضرت

عائشہ (رضی اللہ عنہا) نے عرض کیا: ابوبکر رضی اللہ عنہ ابوقحافہ کے بیٹے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا ابوقحافہ کون؟ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر دہشت اور خوف کا غلبہ ہوا اور چپکے سے واپس ہو گئیں۔ پھر جب حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس حالت واپس لوٹ آئے تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے سارا ماجرا سنایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے عائشہ (رضی اللہ عنہا)! میرے اور میرے پروردگار کے درمیان ایک مخصوص وقت ہوتا ہے۔ اس وقت مجھے ایسا قرب نصیب ہوتا ہے کہ اس مقام قرب میں نہ تو کسی نبی مرسل علیہ السلام کی رسائی ہوسکتی ہے اور نہ کسی مقرب فرشتہ علیہ السلام کی۔ (جنیدؒ و بایزیدؒ، ص: ۲۹۷)

(۲)۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث مبارک، تم اللہ پاک کی عبادت اس طرح کرو گویا کہ اسے دیکھ رہے ہو، کی تعبیر تھے۔ اسی لیے وہ نماز میں دنیاوی معاملات سے بے خبر ہو جاتے تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ غزوہ احد میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی پنڈلی میں ایک تیر لگ گیا۔ بڑی کوشش کے باوجود وہ تیر نہ نکالا جا سکا۔ اس بات کا تذکرہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ علی رضی اللہ عنہ سے کہو کہ نماز پڑھ لیں اور جب علی رضی اللہ عنہ نماز میں ہوں تو تیر نکال دیا جائے۔ فرمان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نماز پڑھنے لگے۔ اس حالت میں آپ رضی اللہ عنہ کی پنڈلی سے وہ تیر نکال لیا گیا اور آپ رضی اللہ عنہ کو اس کی خبر تک نہ ہوئی۔

(۳)۔ جب سالک کی نظر اللہ پاک کے جمال پر ہو اور وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے نظارہ میں محو ہو تو پھر کسی مشقت اور تکلیف کا پتا نہیں چلتا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک صحابی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے۔ انہیں نماز کی حالت میں دشمن کے تیر لگتے رہے۔ خون بہتا رہا۔ وہ اسی انہماک سے نماز پڑھتے رہے۔ (تبیان القرآن، ذیل سورۃ الفاتحہ، آیت: ۴)

(۴)۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کوفہ کی مسجد میں باقی لوگوں کے ساتھ نماز ادا کر رہے تھے۔ اتنے میں مسجد کی چھت سے ایک سانپ گر پڑا۔ لوگوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ امام ابوحنیفہؒ نماز میں اس قدر مشغول تھے کہ آپؒ کو پتہ بھی نہ چلا کہ کیا ہو گیا ہے۔ (تبیان القرآن، ذیل سورۃ الفاتحہ، آیت: ۴)

(۵)۔ امام فخر الدین رازیؒ لکھتے ہیں کہ حضرت امام بخاریؒ نماز پڑھ رہے تھے۔ نماز کی حالت میں بھڑ نے کاٹ لیا مگر آپؒ اپنی نماز میں مشغول رہے۔ حتیٰ کہ بھڑوں نے سترہ ڈنک مارے۔ امام صاحبؒ کے حضورِ حق کا یہ عالم تھا کہ آپؒ ان سترہ ڈنگوں سے بے خبر اسی طرح نماز پڑھتے رہے۔ (تبیان القرآن، ذیل سورۃ الفاتحہ، آیت: ۴)

(۶)۔ حضرت ذوالنون مصریؒ کے مریدوں میں سے ایک شخص نے حضرت بایزید بسطامیؒ سے ملاقات کا ارادہ کیا۔ جب وہ آپؒ کے گھر پر پہنچا تو اس نے دروازے پر دستک دی۔ اندر سے حضرت بایزیدؒ نے پوچھا کہ کون ہے اور کیا کام ہے؟ اس نے جواب دیا کہ حضرت بایزیدؒ سے ملنا چاہتا ہوں۔ حضرت بایزید بسطامیؒ نے حیرت سے پوچھا: بایزیدؒ کون ہے اور کہاں رہتا ہے؟ مدت ہوئی میں خود اس کی تلاش میں ہوں مگر وہ مجھے نہ ملا۔ یہ شخص حضرت ذوالنون مصریؒ کے پاس واپس آیا اور سارا قصہ بیان کیا۔ حضرت ذوالنون مصریؒ نے فرمایا: میرا بھائی بایزید بسطامیؒ اللہ پاک کی طرف جانے والوں کے ساتھ چلا گیا۔ (کشف المحجوب، ص: ۲۶۹)

(۷)۔ ایک دفعہ حضرت خواجہ ادریس سامانیؒ اپنے حجرہ شریف میں اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول تھے۔ آپؒ کے گھر والوں کا معمول تھا کہ وہ جانوروں کے لیے بھوسا وغیرہ بھی اسی حجرہ میں ذخیرہ کیا کرتے تھے۔ اتفاق سے اسی لمحے اہل خانہ نے حجرے میں گھاس ڈالنا شروع کی تو انہیں شیخ کی موجودگی کا کوئی علم نہ ہو سکا۔ شیخؒ بھی اس سے بے خبر رہے حتیٰ کہ حجرہ شریف کو بھوسہ سے بھر کر بند کر دیا گیا۔ بعد میں شیخ صاحبؒ کو ہر جگہ ڈھونڈا گیا لیکن کہیں نہ ملے اور مایوس ہو کر تلاش کرنا چھوڑ دیا گیا۔ کافی دنوں بعد جب چارہ باہر لانے کی ضرورت پڑی تو حجرے کا دروازہ کھولا گیا تو پتا چلا کہ شیخ صاحبؒ کو حجرے میں ہی بند کر دیا گیا تھا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ انہیں درازی مدت کا احساس رہا اور نہ کچھ کھانے پینے کا۔ (انفاس العارفین، ص: ۵۵)

(۸)۔ حضرت منصور مغربیؒ فرماتے ہیں کہ ایک صوفی بزرگ ایک عرب قبیلے میں تشریف لائے تو ایک عرب نوجوان نے ان کی بہت زیادہ مہمان نوازی کی۔ اسی دوران میں جب وہ نوجوان بزرگ کی خدمت میں مصروف تھا تو بے ہوش ہو گیا۔ بزرگ نے اس کی حالت کے بارے میں

دوسروں سے پوچھا تو پتا چلا کہ یہ نوجوان اپنی چچازاد پر عاشق ہے۔اس کی چچازاد اس وقت سامنے سے گذری تو اس نوجوان نے اس کے دامن کو دیکھ لیا جس سے بے ہوش ہو گیا۔

وہ صوفی بزرگ اس لڑکی کے دروازے پر گئے اور کہا: اے بیٹی میں ایک مسافر ہوں۔ میں اس نوجوان کی سفارش کرنے آیا ہوں۔تم اس کی محبت کے حوالے سے اس پر رحم کرو۔اس لڑکی نے جواب دیا: اے بزرگ! یہ نوجوان میرے دامن کے مشاہدے کی تاب نہیں لاسکتا میری محبت کی تاب کیسے لائے گا۔(رسالہ قشیریہ،ص: ۱۷۴-۱۷۵)

حوالہ جات

۱۔ انفاس العارفین، شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ترجمہ محمد فاروق قادری۔ لاہور: ، فرید بک سٹال، ۲۰۰۷ء۔

۲۔ تبیان القرآن، علامہ غلام رسول سعیدیؒ۔ لاہور: فرید بک سٹال، ۲۰۰۹ء۔

۳۔ جامع ترمذی، امام محمد بن عیسیٰ ترمذیؒ ترجمہ مولانا افضل احمد۔ کراچی: دارالاشاعت، ۲۰۰۶ء۔

۴۔ جنیدؒ و بایزیدؒ، حضرت عبداللطیف خان نقشبندیؒ۔ لاہور: نشان منزل پبلی کیشنز، ۲۰۱۳ء۔

۵۔ رسالہ القشیریہ فی علم التصوف، امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیریؒ ترجمہ شاہ محمد چشتی۔ لاہور: ادارہ پیغام القرآن، ۲۰۰۷ء۔

۶۔ سنن ابن ماجہ، حافظ ابی عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہؒ ترجمہ مولانا محمد قاسم امین۔ لاہور: مکتبہ العلم، ۲۰۱۰ء۔

۷۔ سنن ابی داؤد، امام ابی داؤد سلیمان بن الاشعث سجستانیؒ ترجمہ ڈاکٹر عبدالرحمٰن بن عبدالجبار الفریوائی۔ نئی دہلی: مجلس علمی دارالدعوۃ، ۲۰۰۱ء۔

۸۔ کشف المحجوب، سید علی ہجویریؒ ترجمہ میاں طفیل محمد۔ لاہور: اسلامک پبلیکیشنز، ۱۹۸۸ء۔

۹۔ مشکوٰۃ المصابیح، شیخ ولی الدین خطیب التبریزیؒ ترجمہ مولانا محمد صادق خلیلؒ۔ لاہور: مکتبہ محمدیہ، ۲۰۰۵ء۔

۱۰۔ http//:www.hadithurdu.com/

۱۱۔ https//:easyquranwahadees.com/

۲۳

ذوق وشوق

ا۔ ذوق وشوق کا مفہوم

(۱)۔ ذوق کے لغوی معنی رغبت اور شوق کے لغوی معنی اپنی پسندیدہ چیز کو چاہنے اور طلب کرنے کے ہیں۔کسی محبوب چیز کو حاصل کرنے یا محبوب کا قرب حاصل کرنے کے لیے دل کا بےقرار ہونا ذوق وشوق کہلاتا ہے۔اصطلاحی مفہوم میں سالک کا اپنے پروردگار کے دیدار کا خواہش مند ہونا ذوق وشوق کہلاتا ہے۔

(۲)۔ شوق اسی چیز کا ممکن ہوتا ہے جس کے ایک پہلو کا تو علم ہو اور دوسرے پہلو سے لاعلمی ہو۔جس چیز کا قطعی ادراک نہ ہو سکے اس کا شوق نہیں ہوتا کیونکہ جس چیز کو نہ تو دیکھا ہو اور نہ ہی اس کی کوئی تعریف سنی ہو، اس کی طرف شوق ناممکن ہے۔اسی طرح جس چیز کا ادراک کامل ہو جائے اس کا بھی شوق نہیں ہوتا اور ادراک مشاہدہ سے مکمل ہوتا ہے۔جو دائم مشاہدے میں ہو اس کے حق میں ذوق وشوق کا تصور نہیں ہو سکتا بلکہ شوق کا تعلق صرف اس شے کے ساتھ ہے جس کا ایک جہت سے ادراک ہو اور دوسری جہت سے نہ ہو۔

(۳)۔ جب سالک کا دل انتہائی روشن اور پاکیزہ ہو جاتا ہے تو اس پر نورِ الٰہی کی تجلی وارد ہوتی ہے اور اس پر جذب کی حالت طاری ہو جاتی ہے۔اس حالت کے خاتمہ پر وہ دیدارِ الٰہی کا شدید خواہش مند ہوتا ہے۔اس کیفیت حالت شوق کہتے ہیں۔اس مقام پر سالک یا تو حالت جذب میں ہوتا ہے یا حالت شوق میں۔

(۴)۔ جسمانی تکلیف ومصیبت اور دنیاوی نقصان (مرض، تنگ دستی) اور دوسری پریشانیوں کی وجہ سے موت کی آرزو کرنا مکروہ ہے کیونکہ یہ بےصبری ہے اور تقدیرِ الٰہی پر راضی نہ ہونے کی علامت ہے۔دیدارِ الٰہی کے شوق، اس سرائے فانی اور اس کی محبت سے نجات، دارالبقا پہنچنے کی خواہش اور وہاں کی نعمتوں کی تمنا میں موت کی آرزو، ایمان اور کمال ایمان کی نشانی ہے۔اسی طرح دینی

ضرر ونقصان کے خوف سے بھی موت کی آرزو کرنا مناسب نہیں ہے۔موت کو یاد رکھنا دراصل اشارہ ہے اس بات کا کہ اللہ رب العزت کا خوف دل میں جاگزیں ہو۔اس کی رضا وخوشنودی کا حصول اوراس کی اطاعت وفرمانبرداری ہمہ وقت پیش نظر رہے۔رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اور ان کی لائی ہوئی شریعت پر عمل ہو،توبہ واستغفار کا ورد ہو اور دنیاوی نفع نقصان پر آخرت کے نفع و نقصان کو مقدم رکھا جائے۔(مشکوٰۃ المصابیح، ج:۲، رقم الحدیث:۷۶)

۲۔ ذوق وشوق قرآن مجید کی روشنی میں

(۱)۔ وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ؕ.

(سورۃ الاعراف، آیت:۱۴۳)

(اور جب موسیٰ علیہ السلام ہمارے مقررہ کردہ وقت پر پہنچے اوران کا رب ان سے ہم کلام ہوا تو وہ کہنے لگے: میرے پروردگار! مجھے دیدار کرا دیجیے کہ میں تجھے دیکھ لوں)

یہ آیت مبارکہ ذوق وشوق کے بیان کا بہترین نمونہ ہے۔اس میں حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کے ذوق وشوق کا ذکر کیا گیا ہے۔آپ علیہ السلام کا اللہ پاک کو دیکھنے کا شوق حد سے بڑھا ہوا تھا۔ آپ علیہ السلام نے اسی شوق کے پیش نظر اللہ تعالیٰ سے دیدار کی درخواست کی۔حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ کے دیدار کی خواہش کا اظہار کرنا ذوق وشوق کی دلیل ہے۔بالکل اسی طرح جب سالک کی اللہ تعالیٰ سے محبت حد سے بڑھ جاتی ہے تو وہ بے چین ہو جاتا ہے اور اللہ پاک کے دیدار کا شوق پیدا ہوتا ہے۔

(۲)۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا.

(سورۃ بنی اسرائیل، آیت:۱۰۷)

(جب یہ (قرآن) ان لوگوں کے سامنے پڑھا جاتا ہے جن کو اس سے پہلے علم دیا گیا تھا تو وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر جاتے ہیں)

اس آیت مبارکہ سے ہمیں شوق کی کیفیت کا علم ہوتا ہے کہ قرآن پاک کو جب اہل دل اور صاحبان علم کے سامنے پڑھا جاتا ہے تو محبت الٰہی کے شوق سے وہ اللہ پاک کے حضور سجدہ میں گر جاتے ہیں۔

(۳)۔ مَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ ؕ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ.
(سورۃ العنکبوت،آیت:۵)
(جوکوئی اللہ پاک سے ملاقات کا امیدوار ہے (اسے یقین رکھنا چاہیے) کہ بے شک اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ وقت ضرور آنے والا ہے اور وہ سننے والا اور جاننے والا ہے)

اس آیت کے ضمن میں حضرت ابوعثمان حیریؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت مبارکہ میں مشتاق لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ میں جانتا ہوں کہ میری طرف تمہارا اشتیاق غالب ہے اور میں نے تمہاری ملاقات کے لیے ایک وقت مقرر کیا ہے اور عنقریب تم اس تک پہنچ جاؤ گے جس کے تم مشتاق ہو۔ (رسالہ قشیریہ،ص:۵۶۶)

اس آیت مبارکہ میں اللہ پاک نے اہل شوق کو یہ خوش خبری دی ہے کہ اے اپنے رب کے ساتھ محبت کرنے والو، اس کے قرب اور اس کی ملاقات کا اشتیاق رکھنے والو اور اس کی رضا کے حصول کی خاطر بھاگ دوڑ کرنے والو، اپنے محبوب کی ملاقات کے وقت کے قریب آنے پر خوش ہو جاؤ۔ وہ وقت آنے والا ہے اور ہر آنے والا وقت قریب ہوتا ہے۔ اپنے محبوب کی ملاقات کے لیے زاد راہ لے کر، امید کو اپنا ساتھی بنا کر اور محبوب کے وصل کی آرزو کرتے ہوئے اس کی طرف رواں دواں ہو جاؤ۔ اہل اشتیاق ضرور اللہ پاک سے ملاقات کریں گے۔ ان کی ملاقات کا ایک وقت مقرر ہے۔

اس آیت پاک سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ دعاؤں اور مناجات کو سننے والا اور نیتوں کو جاننے والا ہے۔ اللہ پاک خوب جانتا ہے کہ کس کا شوق سچا ہے۔

(۴)۔ فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوْتُ بِالْجُنُوْدِ ۙ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيْكُمْ بِنَهَرٍ ۚ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَاِنَّهٗ مِنِّيْۤ اِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً ۢ بِيَدِهٖ ۚ فَشَرِبُوْا مِنْهُ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ؕ فَلَمَّا جَاوَزَهٗ هُوَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۙ قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ ۙ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً ۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ. (سورۃ البقرہ،آیت:۲۴۹)
(جب طالوت لشکروں کو لے کر نکلے تو کہا سنو اللہ تعالیٰ تمہیں ایک نہر سے آزمانے والا ہے جس نے

اس میں سے پانی پی لیا وہ میرا نہیں اور جو اس سے نہ چکھے وہ میرا ساتھی ہے۔ ہاں یہ کہ اپنے ہاتھ سے ایک چلو بھر لے لیکن چند لوگوں کے سوا باقی سب نے پانی پی لیا۔ طالوت مومنوں کے ساتھ جب نہر سے گزر گئے تو وہ لوگ کہنے لگے آج تو ہم میں طاقت نہیں کہ جالوت اور اس کے لشکروں سے لڑائی کریں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی ملاقات پر یقین رکھنے والوں نے کہا بسا اوقات چھوٹی سی جماعت بڑی جماعت پر اللہ پاک کے حکم سے غالب آجاتی ہے اور اللہ پاک صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے)

اس آیت پاک میں بنی اسرائیل کے سردار حضرت طالوت کی جالوت سے جنگ کو بیان کرتے ہوئے اہل شوق کی تعریف کی گئی ہے۔ جب حضرت طالوت، جالوت سے جنگ کے لیے اپنا لشکر لے کر نکلے تو اسے اللہ پاک نے ایک نہر کے ذریعے آزمایا۔ دراصل لشکر کے افراد کو بطور امتحان اس نہر کا پانی پینے سے منع کر دیا گیا تھا۔ اس آزمائش میں چند ایک افراد کے سوا باقی سب ناکام ہو گئے اور جالوت سے جنگ کرنے سے انکار کر دیا۔ اس موقع پر اہل شوق (اللہ پاک کے دیدار کا یقین رکھنے والے) قوت کا سرچشمہ بن گئے۔ ان کی قوت ایمانی پہلے سے بڑھ گئی اور دلوں میں مالک حقیقی کی ملاقات کا شوق بڑھ گیا۔ وہ دشمن کے مقابلہ میں کہنے لگے کہ کتنی ہی چھوٹی جماعتیں جو بڑی بڑی جماعتوں پر اللہ پاک کے حکم سے غالب آتی رہی ہیں۔ یعنی اگرچہ ہماری تعداد بہت تھوڑی ہے مگر ہمارے دلوں میں اللہ پاک سے ملنے کی تمنا ہے۔ ہم اس شوق کی طاقت سے لڑیں گے اور اس سے بھی بڑی جماعت پر غالب آجائیں گے۔

(۵)۔ وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ. (سورۃ البقرہ، آیت: ۴۶)

(صبر اور نماز کے ساتھ مدد طلب کرو۔ یہ بات عاجزی کرنے والوں کے سوا دوسروں کے لیے بہت مشکل ہے۔ جو یقین رکھتے ہیں کہ وہ اپنے رب سے ملنے والے ہیں)

ان آیات مبارکہ میں اللہ پاک سے ملاقات کا یقین رکھنے والوں کی یہ خوبی بیان کی جا رہی ہے کہ وہ صبر کرتے ہیں، نماز پڑھتے ہیں، تواضع اختیار کرتے ہیں اور اللہ پاک کے حضور خشوع وخضوع کرتے ہیں۔ وہ اپنی بڑائی کی خصلت سے پاک ہوتے ہیں اور خشوع وخضوع جیسی نیکی اور خوبی سے آراستہ ہوتے ہیں۔

(۶)۔ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَرَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ. (سورۃ یونس، آیت:۷-۸)

(جو لوگ ہم سے ملنے کی امید نہیں رکھتے اور دنیا کی زندگی پر خوش ہوئے اور اسی پر مطمئن ہو گئے اور جو لوگ ہماری نشانیوں سے غافل ہیں۔ یہ سب وہ ہیں جن کے اعمال کی بنا پر ان کا ٹھکانا جہنم ہے)

ان آیات سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اللہ پاک سے ملاقات کا شوق نہ رکھنا اللہ کریم کو پسند نہیں ہے۔ وہ لوگ جن کے دلوں میں محبت الٰہی اور شوق وصل کی کوئی چنگاری نہیں دہک رہی ہوتی، جو دنیا کی زیب و زینت اور آرام و آسائش پر خوش ہیں اور اللہ تعالیٰ کی عظمت کی دلیلوں کی طرف توجہ نہیں دیتے، انہیں جہنم کے عذاب سے ڈرایا جا رہا ہے۔

(۷)۔ فَنَذَرُ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ. (سورۃ یونس، آیت:۱۱)

(تو جو لوگ ہماری ملاقات کی توقع نہیں رکھتے ہم انھیں چھوڑ دیتے ہیں۔ وہ اپنی سرکشی ہی میں حیران پھرتے ہیں)

اس آیت پاک میں اللہ پاک سے ملاقات کی امید نہ رکھنے والوں کی کیفیت بیان کی گئی ہے۔ اللہ پاک ایسے لوگوں کو چھوڑ دیتا ہے۔ ان پر رحمت کی نظر نہیں کرتا۔ وہ اپنی سرکشی و بغاوت میں بھٹکتے رہتے ہیں اور اللہ پاک کی رحمت سے دور رہتے ہیں۔

۳۔ ذوق وشوق احادیث مبارکہ کی روشنی میں

(۱)۔ عَنْ قَيْسِ بْنِ عُبَادٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: صَلّٰى عَمَّارُ بْنُ يَاسِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ بِالْقَوْمِ صَلَاةً أَخَفَّهَا فَكَأَنَّهُمْ أَنْكَرُوهَا، فَقَالَ: أَلَمْ أُتِمَّ الرُّكُوعَ وَالسُّجُودَ؟، قَالُوا: بَلٰى، قَالَ: أَمَا إِنِّي دَعَوْتُ فِيهَا بِدُعَاءٍ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْعُو بِهِ: "اللّٰهُمَّ بِعِلْمِكَ الْغَيْبِ وَقُدْرَتِكَ عَلَى الْخَلْقِ أَحْيِنِي مَا عَلِمْتَ الْحَيَاةَ خَيْرًا لِي، وَتَوَفَّنِي إِذَا عَلِمْتَ الْوَفَاةَ خَيْرًا لِي، وَأَسْأَلُكَ خَشْيَتَكَ فِي الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ، وَكَلِمَةَ الْإِخْلَاصِ فِي الرِّضَاءِ وَالْغَضَبِ، وَأَسْأَلُكَ نَعِيمًا لَا يَنْفَدُ، وَقُرَّةَ عَيْنٍ لَا تَنْقَطِعُ، وَأَسْأَلُكَ الرِّضَاءَ بِالْقَضَاءِ وَبَرْدَ الْعَيْشِ بَعْدَ الْمَوْتِ وَلَذَّةَ النَّظَرِ إِلَى وَجْهِكَ وَالشَّوْقَ إِلَى لِقَائِكَ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ ضَرَّاءَ مُضِرَّةٍ وَفِتْنَةٍ مُضِلَّةٍ، اللّٰهُمَّ زَيِّنَّا بِزِينَةِ الْإِيمَانِ وَاجْعَلْنَا

هُدَاةً مُهْتَدِينَ". (مسند احمد، ج:۸، رقم الحدیث:۲۱۲)

حضرت قیس بن عبادؒ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے ہمیں بہت مختصر نماز پڑھائی۔ لوگوں کو اس پر تعجب ہوا تو انہوں نے فرمایا: کیا میں نے رکوع سجود مکمل نہیں کیا؟ لوگوں نے کہا کیوں نہیں۔ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے اس میں ایک دعا مانگی ہے جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مانگتے تھے اور وہ یہ ہے:

اللّٰهُمَّ بِعِلْمِكَ الْغَيْبِ وَقُدْرَتِكَ عَلَى الْخَلْقِ أَحْيِنِي مَا عَلِمْتَ الْحَيَاةَ خَيْرًا لِي وَتَوَفَّنِي إِذَا كَانَتِ الْوَفَاةُ خَيْرًا لِي أَسْأَلُكَ خَشْيَتَكَ فِي الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ وَكَلِمَةَ الْحَقِّ فِي الْغَضَبِ وَالرِّضَاءِ وَالْقَصْدَ فِي الْفَقْرِ وَالْغِنَى وَلَذَّةَ النَّظَرِ إِلَى وَجْهِكَ وَالشَّوْقَ إِلَى لِقَائِكَ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ ضَرَّاءِ مُضِرَّةٍ وَمِنْ فِتْنَةٍ مُضِلَّةٍ اللّٰهُمَّ زَيِّنَّا بِزِينَةِ الْإِيمَانِ وَاجْعَلْنَا هُدَاةً مَهْدِيِّينَ.

(اے میرے پروردگار! اپنے علم غیب اور مخلوق پر قدرت کی وجہ سے مجھے اس وقت تک زندگی عطا فرما جب تک تیرے علم کے مطابق میرے لیے بہتری ہو۔ جب میرے لیے موت بہتر ہو تو مجھے موت سے ہمکنار فرما۔ میں ظاہر باطن میں تیری خشیت کا سوال کرتا ہوں۔ ناراضی اور رضامندی میں کلمہ حق کہنے کی اور تنگ دستی اور کشادہ دستی میں میانہ روی کی، تیرے روئے انور کی زیارت اور تجھ سے ملاقات کا شوق مانگتا ہوں۔ نقصان دہ چیزوں سے اور گمراہ کن فتنوں سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔ اے میرے پروردگار! ہمیں ایمان کی زینت سے مزین فرما اور ہمیں ہدایت کنندہ اور ہدایت یافتہ بنا)

(۲)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "عَجِبَ رَبُّنَا مِنْ رَجُلَيْنِ، رَجُلٌ ثَارَ عَنْ وِطَائِهِ وَلِحَافِهِ مِنْ بَيْنِ حِبِّهِ وَاَهْلِهِ اِلَى صَلَاتِهِ، فَيَقُوْلُ اللّٰهُ لِمَلَائِكَتِهِ اُنْظُرُوْا اِلَى عَبْدِي ثَارَ عَنْ فِرَاشِهِ وَوِطَائِهِ مِنْ بَيْنِ حِبِّهِ وَاَهْلِهِ اِلَى صَلٰوتِهِ رَغْبَةً فِيمَا عِنْدِي وَشَفَقًا مِمَّا عِنْدِي. وَرَجُلٌ غَزَا فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ فَانْهَزَمَ مَعَ اَصْحَابِهِ فَعَلِمَ مَا عَلَيْهِ فِي الْاِنْهِزَامِ وَمَالَهُ فِي الرُّجُوْعِ فَرَجَعَ حَتّٰى اُهْرِيْقَ دَمُهُ، فَيَقُوْلُ اللّٰهُ لِمَلَائِكَتِهِ اُنْظُرُوْا اِلَى عَبْدِي رَجَعَ رَغْبَةً فِيمَا عِنْدِي وَشَفَقًا مِمَّا عِنْدِي حَتّٰى اُهْرِيْقَ دَمُهُ". (مشکوٰۃ المصابیح، ج:۱، رقم الحدیث:۱۲۲۶)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہمارا رب دو

آدمیوں سے بہت خوش ہوتا ہے:

(i)۔ وہ آدمی جورات کو اپنے نرم بستر ولحاف سے اور اپنی محبوبہ اور بیوی کے پاس سے (تہجد) کی نماز کے لیے اٹھتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے کہتا ہے میرے بندے کی طرف دیکھو جو میرے پاس کی چیزوں کے شوق سے اور میرے پاس کی چیزوں کے ڈر کی وجہ سے اپنے فرش ونرم بستر اور اپنی محبوبہ اور بیوی کو چھوڑ کر اپنی نماز پڑھنے کے لیے اٹھا۔

(ii)۔ وہ آدمی جس نے اللہ پاک کی راہ میں جہاد کیا اور اپنے ساتھیوں سمیت میدان چھوڑ کر بھاگ نکلا، مگر جب اسے بلا عذر میدان جہاد سے بھاگ نکلنے کی سزا اور پھر جنگ میں واپس آجانے کا ثواب یاد آیا تو (میدان کارزار میں) واپس آگیا اور (اللہ کے دشمنوں سے) اس قدر لڑا کہ جام شہادت نوش کیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے فرماتا ہے کہ میرے بندے کی طرف دیکھو جو میرے پاس کی چیزوں کے شوق میں اور میرے پاس کی چیزوں کے خوف سے (میدان جنگ میں) لوٹ آیا اور میرے راستہ میں یہاں تک لڑا کہ اپنی جان بھی دے دی)

(۳)۔ عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَّمَهُ دُعَاءً وَأَمَرَهُ أَنْ يَتَعَاهَدَ بِهِ أَهْلَهُ كُلَّ يَوْمٍ، قَالَ: "قُلْ كُلَّ يَوْمٍ حِينَ تُصْبِحُ، لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ وَالْخَيْرُ فِي يَدَيْكَ وَمِنْكَ وَبِكَ وَإِلَيْكَ. اللّٰهُمَّ مَا قُلْتُ مِنْ قَوْلٍ أَوْ نَذَرْتُ مِنْ نَذْرٍ أَوْ حَلَفْتُ مِنْ حَلِفٍ فَمَشِيئَتُكَ بَيْنَ يَدَيْهِ مَا شِئْتَ كَانَ وَمَا لَمْ تَشَأْ لَمْ يَكُنْ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِكَ إِنَّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ. اللّٰهُمَّ وَمَا صَلَّيْتُ مِنْ صَلَاةٍ فَعَلَى مَنْ صَلَّيْتَ وَمَا لَعَنْتُ مِنْ لَعْنَةٍ فَعَلَى مَنْ لَعَنْتَ إِنَّكَ أَنْتَ وَلِيِّي فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ تَوَفَّنِي مُسْلِمًا وَأَلْحِقْنِي بِالصَّالِحِينَ. أَسْأَلُكَ اللّٰهُمَّ الرِّضَا بَعْدَ الْقَضَاءِ وَبَرْدَ الْعَيْشِ بَعْدَ الْمَمَاتِ وَلَذَّةَ نَظَرٍ إِلَى وَجْهِكَ وَشَوْقًا إِلَى لِقَائِكَ مِنْ غَيْرِ ضَرَّاءَ مُضِرَّةٍ وَلَا فِتْنَةٍ مُضِلَّةٍ. أَعُوذُ بِكَ اللّٰهُمَّ أَنْ أَظْلِمَ أَوْ أُظْلَمَ أَوْ أَعْتَدِيَ أَوْ يُعْتَدَى عَلَيَّ أَوْ أَكْتَسِبَ خَطِيئَةً مُحْبِطَةً أَوْ ذَنْبًا لَا يُغْفَرُ. اللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ فَإِنِّي أَعْهَدُ إِلَيْكَ فِي هَذِهِ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَأُشْهِدُكَ وَكَفَى بِكَ شَهِيدًا أَنِّي أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ وَحْدَكَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَكَ الْمُلْكُ وَلَكَ الْحَمْدُ وَأَنْتَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُكَ وَرَسُولُكَ وَأَشْهَدُ أَنَّ وَعْدَكَ حَقٌّ وَلِقَاءَكَ حَقٌّ وَالْجَنَّةَ حَقٌّ وَالسَّاعَةَ آتِيَةٌ لَا

رَيْبَ فِيهَا وَأَنْتَ تَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُورِ وَأَشْهَدُ أَنَّكَ إِنْ تَكِلْنِي إِلَى نَفْسِي تَكِلْنِي إِلَى ضَيْعَةٍ وَعَوْرَةٍ وَذَنْبٍ وَخَطِيئَةٍ وَإِنِّي لَا أَثِقُ إِلَّا بِرَحْمَتِكَ فَاغْفِرْ لِي ذَنْبِي كُلَّهُ إِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ وَتُبْ عَلَيَّ إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ".

(مسند احمد، ج:۹، رقم الحدیث: ۱۷۵۲)

(حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں دعا سکھائی اور حکم دیا کہ اپنے گھر والوں کو بھی روزانہ یہ دعا پڑھنے کی تلقین کرو اور خود بھی صبح کے وقت یوں کہا کرو:

لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ وَالْخَيْرُ فِي يَدَيْكَ وَمِنْكَ وَبِكَ وَإِلَيْكَ.

(میں حاضر ہوں، اے میرے پروردگار! میں حاضر ہوں، تیری سعادتیں سمیٹنے کے لیے۔ ہر خیر تیرے ہاتھ میں ہے، تجھ سے ملتی ہے، تیری مدد سے ملتی ہے اور تیری ہی طرف لوٹتی ہے)

اللّٰهُمَّ مَا قُلْتُ مِنْ قَوْلٍ أَوْ نَذَرْتُ مِنْ نَذْرٍ أَوْ حَلَفْتُ مِنْ حَلِفٍ فَمَشِيئَتُكَ بَيْنَ يَدَيْهِ مَا شِئْتَ كَانَ وَمَا لَمْ تَشَأْ لَمْ يَكُنْ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِكَ إِنَّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ.

(اے میرے پروردگار! میں نے جو بات منہ سے نکالی، جو منت مانی یا جو قسم کھائی، تیری مشیت اس سے بھی آگے ہے، تو جو چاہتا ہے وہ ہو جاتا ہے اور تو جو نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتا اور تیری توفیق کے بغیر نیکی کرنے اور گناہ سے بچنے کی ہم میں طاقت نہیں تو یقیناً ہر چیز پر قادر ہے)

اللّٰهُمَّ وَمَا صَلَّيْتُ مِنْ صَلَاةٍ فَعَلَى مَنْ صَلَّيْتَ وَمَا لَعَنْتُ مِنْ لَعْنَةٍ فَعَلَى مَنْ لَعَنْتَ إِنَّكَ أَنْتَ وَلِيِّي فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ تَوَفَّنِي مُسْلِمًا وَأَلْحِقْنِي بِالصَّالِحِينَ.

(اے میرے پروردگار! میں نے جس کے لیے دعا کی، اس کا حقدار وہی ہے جسے تو نے اپنی رحمت سے نوازا اور جس پر میں نے لعنت کی ہے، اس کا حقدار بھی وہی ہے جس پر تو نے لعنت کی۔ تو ہی دنیا و آخرت میں میرا کارساز ہے۔ مجھے اسلام کی حالت میں دنیا سے رخصتی عطا فرما اور صالحین میں شامل فرما)

أَسْأَلُكَ اللّٰهُمَّ الرِّضَا بَعْدَ الْقَضَاءِ وَبَرْدَ الْعَيْشِ بَعْدَ الْمَمَاتِ وَلَذَّةَ نَظَرٍ إِلَى وَجْهِكَ وَشَوْقًا إِلَى لِقَائِكَ مِنْ غَيْرِ ضَرَّاءَ مُضِرَّةٍ وَلَا فِتْنَةٍ مُضِلَّةٍ.

(اے میرے پروردگار! میں تجھ سے فیصلے کے بعد رضامندی، موت کے بعد زندگی کی ٹھنڈک، تیرے رخ کے دیدار کی لذت اور تجھ سے ملنے کا شوق مانگتا ہوں، بغیر کسی تکلیف کے اور بغیر کسی گمراہ

کن آزمائش کے)

أَعُوذُ بِكَ اللّٰهُمَّ أَنْ أَظْلِمَ أَوْ أُظْلَمَ أَوْ أَعْتَدِيَ أَوْ يُعْتَدٰى عَلَيَّ أَوْ أَكْتَسِبَ خَطِيئَةً مُحْبِطَةً أَوْ ذَنْبًا لَا يُغْفَرُ.

(اے میرے پروردگار! میں اس بات سے تیری پناہ میں آتا ہوں کہ کسی پر میں ظلم کروں یا کوئی مجھ پر ظلم کرے۔ میں کسی پر زیادتی کروں یا کوئی مجھ پر زیادتی کرے یا میں ایسا گناہ کر بیٹھوں جو تمام اعمال کو ضائع کردے یا ناقابل معافی ہو)

اللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ فَإِنِّي أَعْهَدُ إِلَيْكَ فِي هَذِهِ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَأُشْهِدُكَ وَكَفَى بِكَ شَهِيدًا أَنِّي أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ وَحْدَكَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَكَ الْمُلْكُ وَلَكَ الْحَمْدُ وَأَنْتَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُكَ وَرَسُولُكَ وَأَشْهَدُ أَنَّ وَعْدَكَ حَقٌّ وَلِقَاءَكَ حَقٌّ وَالْجَنَّةَ حَقٌّ وَالسَّاعَةَ آتِيَةٌ لَا رَيْبَ فِيهَا وَأَنْتَ تَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُورِ وَأَشْهَدُ أَنَّكَ إِنْ تَكِلْنِي إِلَى نَفْسِي تَكِلْنِي إِلَى ضَيْعَةٍ وَعَوْرَةٍ وَذَنْبٍ وَخَطِيئَةٍ وَإِنِّي لَا أَثِقُ إِلَّا بِرَحْمَتِكَ فَاغْفِرْ لِي ذَنْبِي كُلَّهُ إِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ وَتُبْ عَلَيَّ إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ".

(اے زمین وآسمان کو پیدا کرنے والے رب! ڈھکی چھپی اور ظاہر سب باتوں کو جاننے والے! عزت و بزرگی والے! میں اس دنیوی زندگی میں تجھ سے وعدہ کرتا ہوں اور تجھے گواہ بناتا ہوں اور تو گواہ بننے کے لیے کافی ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ تو اکیلا ہے۔ تیرا کوئی شریک نہیں۔ حکومت بھی تیری ہے اور ہر طرح کی تعریف بھی تیری ہے۔ تو ہر چیز پر قادر ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تیرے بندے اور رسول ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرا وعدہ برحق ہے۔ تجھ سے ملاقات یقینی ہے۔ جنت برحق ہے۔ قیامت برحق ہے۔ قیامت آکر رہے گی اور اس میں کوئی شک نہیں اور تو قبروں کے مردوں کو زندہ کردے گا اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اگر تو نے مجھے میرے نفس کے حوالے کردیا تو گویا مجھے ضائع ہونے کے لیے چھوڑ دیا اور مجھے میرے عیوب گناہوں اور لغزشات کے سپرد کردیا اور میں تو صرف تیری رحمت پر ہی بھروسہ کرسکتا ہوں۔ لہٰذا میرے سارے گناہوں کو معاف فرما کیونکہ یہ بات یقینی ہے کہ تیرے علاوہ گناہوں کو کوئی بھی معاف نہیں کرسکتا اور میری توبہ قبول فرما بیشک تو توبہ قبول کرنے والا رحم والا ہے)

(۴)۔ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "مَنْ

أَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰهِ، أَحَبَّ اللّٰهُ لِقَاءَهُ، وَمَنْ كَرِهَ لِقَاءَ اللّٰهِ، كَرِهَ اللّٰهُ لِقَاءَهُ".
(صحیح بخاری، ج:۳، رقم الحدیث: ۱۴۵۴)
(حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملنے کو پسند کرتا ہے، اللہ پاک بھی اس سے ملنے کو پسند کرتا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے، اللہ پاک بھی اس سے ملنے کو ناپسند کرتا ہے)

(۵)۔ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهُ قَالَ: "أَكْثِرُوا ذِكْرَ اللّٰهِ حَتَّى يَقُولُوا مَجْنُونٌ". (مسند احمد، ج:۵، رقم الحدیث: ۶۸۶)
(حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ پاک کو اتنا زیادہ یاد کیا کرو کہ لوگ تمہیں دیوانہ کہنے لگیں)

(۶)۔ عن أنس، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " متى ألقى أحبابي، فقال بعض الصحابة: أوليس نحن أحباؤك؟ قال: أنتم أصحابي، ولكن أحبابي قوم لم يروني وآمنوا بي أنا إليهم بالأشواق". (کنز العمال، ج:۷، رقم الحدیث: ۱۸۳۰)
(حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں اپنے احباب سے کب ملوں گا؟ کسی صحابی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: کیا ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احباب نہیں ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم تو میرے صحابی ہو جب کہ میرے احباب (محبوب دوست) وہ ہیں جنہوں نے مجھے نہیں دیکھا ہو گا مگر وہ مجھ پر ایمان لائیں گے۔ مجھے ان کی ملاقات کا شوق ہے)

(۷)۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ حُبَّكَ أَحَبَّ الْأَشْيَاءِ إِلَيَّ، وَاجْعَلْ خَشْيَتَكَ أَخْوَفَ الْأَشْيَاءِ عِنْدِي، وَاقْطَعْ عَنِّي حَاجَاتِ الدُّنْيَا بِالشَّوْقِ إِلَى لِقَائِكَ، وَإِذَا أَقْرَرْتَ أَعْيُنَ أَهْلِ الدُّنْيَا مِنْ دُنْيَاهُمْ فَأَقْرِرْ عَيْنِي مِنْ عِبَادَتِكَ. (کنزل العمال، ج:۱، رقم الحدیث: ۳۶۴۰)
(اے میرے پروردگار! اپنی محبت کو میرے لیے سب چیزوں سے زیادہ محبوب کر دے۔ اپنی خشیت اور اپنے خوف کو میرے لیے سب چیزوں سے زیادہ خوف والی کر دے۔ مجھے اپنی ملاقات کا ایسا شوق دے جو مجھ سے دنیا کی خواہشات کو ختم کر دے اور جب تو اہل دنیا کی آنکھیں ان کی دنیا سے ٹھنڈی کرے تو میری آنکھیں اپنی عبادت سے ٹھنڈی کر)

(۸)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، هَلْ نَرَى رَبَّنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟، قَالَ: " هَلْ تُضَارُّونَ فِي رُؤْيَةِ الشَّمْسِ فِي الظَّهِيرَةِ لَيْسَتْ

فِي سَحَابَةٍ؟، قَالُوا: لَا، قَالَ: " فَهَلْ تُضَارُّونَ فِي رُؤْيَةِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ لَيْسَ فِي سَحَابَةٍ؟ "، قَالُوا: لَا، قَالَ: " فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا تُضَارُّونَ فِي رُؤْيَةِ رَبِّكُمْ، إِلَّا كَمَا تُضَارُّونَ فِي رُؤْيَةِ أَحَدِهِمَا "، قَالَ: " فَيَلْقَى الْعَبْدَ، فَيَقُولُ: أَيْ فُلْ، أَلَمْ أُكْرِمْكَ، وَأُسَوِّدْكَ، وَأُزَوِّجْكَ، وَأُسَخِّرْ لَكَ الْخَيْلَ وَالْإِبِلَ، وَأَذَرْكَ تَرْأَسُ وَتَرْبَعُ؟، فَيَقُولُ: بَلَى، قَالَ: فَيَقُولُ: أَفَظَنَنْتَ أَنَّكَ مُلَاقِيَّ؟، فَيَقُولُ: لَا، فَيَقُولُ: فَإِنِّي أَنْسَاكَ كَمَا نَسِيتَنِي ثُمَّ يَلْقَى الثَّانِيَ، فَيَقُولُ أَيْ فُلْ: أَلَمْ أُكْرِمْكَ، وَأُسَوِّدْكَ، وَأُزَوِّجْكَ وَأُسَخِّرْ لَكَ الْخَيْلَ وَالْإِبِلَ، وَأَذَرْكَ تَرْأَسُ وَتَرْبَعُ؟، فَيَقُولُ: بَلَى أَيْ رَبِّ، فَيَقُولُ: أَفَظَنَنْتَ أَنَّكَ مُلَاقِيَّ؟، فَيَقُولُ: لَا، فَيَقُولُ: فَإِنِّي أَنْسَاكَ كَمَا نَسِيتَنِي، ".
(صحیح مسلم، ج: ۳، رقم الحدیث: ۷۴۳۸)

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ! کیا قیامت کے دن ہم اپنے رب کو دیکھیں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا تمہیں دوپہر کے وقت میں جبکہ کوئی بادل نہ ہو، سورج کے دیکھنے میں کوئی مشکل ہوتی ہے؟ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا نہیں ! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا تمہیں چودھویں رات کے چاند کے دیکھنے میں جبکہ بادل نہ ہوں کوئی مشقت ہوتی ہے؟ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا نہیں ! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ تم لوگوں کو اپنے رب کے دیکھنے میں کسی قسم کا پردہ نہیں ہوگا سوائے اس کے کہ جتنا تمہیں سورج اور چاند میں سے کسی ایک کے دیکھنے میں حجاب ہوتا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے ملاقات کرے گا اور فرمائے گا: اے فلاں کیا میں نے تجھے عزت نہیں دی اور تجھے سردار نہیں بنایا اور تجھے جوڑا نہیں بنایا اور تیرے لیے گھوڑے اور اونٹ مسخر نہیں کیے اور کیا میں نے تجھے ریاست اور آرام کی حالت میں نہیں چھوڑا اور تو ان سے چوتھائی حصہ لیتا تھا۔ وہ عرض کرے گا جی ہاں اے پروردگار۔ اللہ پاک فرمائے گا: کیا تو گمان کرتا تھا کہ تو مجھ سے ملاقات کرے گا؟ وہ عرض کرے گا کہ نہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں تجھے بھلا دیتا ہوں جس طرح کہ تو نے مجھے بھلا دیا تھا۔

پھر اللہ پاک دوسرے بندے سے بات کرے گا تو کہے گا: اے فلاں ! بھلا میں نے تجھ کو عزت نہیں دی اور تجھ کو سردار نہیں بنایا اور تجھ کو تیرا جوڑا نہیں دیا اور گھوڑوں اور اونٹوں کو تیرا تابع نہیں کیا اور تجھ کو

چھوڑا کہ تو اپنی قوم پر حکومت کرتا تھا اور چوتھائی حصہ لیتا تھا؟ تو بندہ کہے گا: سچ ہے اے میرے رب! پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: بھلا تجھے یقین تھا کہ تو مجھ سے ملے گا؟ تو بندہ کہے گا کہ نہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: سو میں بھی اب تجھے بھلا دیتا ہوں جیسے تو مجھ کو دنیا میں بھولا تھا)

(۹)۔ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: جَاءَ نَاسٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالُوا: أَنِ ابْعَثْ مَعَنَا رِجَالًا يُعَلِّمُونَا الْقُرْآنَ وَالسُّنَّةَ، فَبَعَثَ إِلَيْهِمْ سَبْعِينَ رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ يُقَالُ لَهُمُ الْقُرَّاءُ، فِيهِمْ خَالِي حَرَامٌ يَقْرَءُونَ الْقُرْآنَ وَيَتَدَارَسُونَ بِاللَّيْلِ يَتَعَلَّمُونَ، وَكَانُوا بِالنَّهَارِ يَجِيئُونَ بِالْمَاءِ فَيَضَعُونَهُ فِي الْمَسْجِدِ وَيَحْتَطِبُونَ، فَيَبِيعُونَهُ وَيَشْتَرُونَ بِهِ الطَّعَامَ لِأَهْلِ الصُّفَّةِ وَلِلْفُقَرَاءِ، فَبَعَثَهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَيْهِمْ فَعَرَضُوا لَهُمْ فَقَتَلُوهُمْ قَبْلَ أَنْ يَبْلُغُوا الْمَكَانَ، فَقَالُوا: اللَّهُمَّ بَلِّغْ عَنَّا نَبِيَّنَا أَنَّا قَدْ لَقِينَاكَ فَرَضِينَا عَنْكَ وَرَضِيتَ عَنَّا، قَالَ: وَأَتَى رَجُلٌ حَرَامًا خَالَ أَنَسٍ مِنْ خَلْفِهِ، فَطَعَنَهُ بِرُمْحٍ حَتَّى أَنْفَذَهُ، فَقَالَ حَرَامٌ: فُزْتُ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأَصْحَابِهِ: "إِنَّ إِخْوَانَكُمْ قَدْ قُتِلُوا وَإِنَّهُمْ قَالُوا: اللَّهُمَّ بَلِّغْ عَنَّا نَبِيَّنَا أَنَّا قَدْ لَقِينَاكَ فَرَضِينَا عَنْكَ وَرَضِيتَ عَنَّا".

(صحیح مسلم، ج:۳، رقم الحدیث: ۴۲۰۰)

(حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ کچھ لوگوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے ساتھ کچھ آدمی بھیج دیں جو ہمیں قرآن وسنت کی تعلیم دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے ساتھ انصار میں سے ستر آدمی بھیج دیے جنہیں قراء (قرآن پاک کے قاری) کہا جاتا تھا۔ ان میں میرے ماموں حضرت حرام رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ قرآن پڑھتے تھے اور رات کو درس وتدریس اور تعلیم وتعلم میں مشغول رہتے تھے۔ دن کے وقت پانی لا کر مسجد میں ڈالتے تھے۔ جنگل سے لکڑیاں لا کر انہیں فروخت کر دیتے اور اس سے اہل صفہ اور فقراء کے لیے کھانے کی چیزیں خریدتے تھے۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں کفار کی طرف بھیج دیا۔ منزل مقصور تک پہنچنے سے پہلے ہی کفار نے حملہ کر دیا اور مسلمانوں کو شہید کرنا شروع کر دیا۔ تو انہوں نے اللہ پاک کے حضور عرض کی: اے اللہ پاک! ہمارا یہ پیغام ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچا دے کہ ہم تجھ سے ملاقات کر چکے ہیں۔ ہم تجھ سے راضی ہیں اور تو ہم سے راضی ہو چکا ہے۔ اسی دوران ایک آدمی نے آ کر حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ماموں حضرت حرام رضی اللہ عنہ کو پیچھے سے اس طرح سے نیزہ مارا کہ وہ آر پار

ہوگیا۔حضرت حرام رضی اللہ عنہ نے کہا: رب کعبہ کی قسم! میں کامیاب ہوگیا۔اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ارشاد فرمایا: بیشک تمہارے بھائیوں کو قتل کر دیا گیا ہے۔ بیشک انہوں نے یہ کہا ہے: اے اللہ! ہماری طرف سے یہ پیغام ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچا دے کہ ہم تجھ سے ملاقات کر چکے ہیں اور ہم تجھ سے راضی ہو چکے ہیں اور تو ہم سے راضی ہو چکا ہے)

اس قول سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کو اس عاشقانہ موت کی شدید تمنا تھی جس کے حصول پر خاصے خوش ہوئے۔

(۱۰)۔ عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: "اهْتَزَّ الْعَرْشُ لِمَوْتِ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ". (صحیح بخاری، ج:۲، رقم الحدیث:۱۰۳۹)

(حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی موت سے عرش بھی ہل گیا)

علمائے کرامؒ بیان کرتے ہیں کہ عرش کا ہلنا دو وجوہات سے تھا: واقعہ کے عظیم ہونے کی وجہ سے یا پھر شوق ونشاط کی وجہ سے کہ اب ان کی روح میرے پاس آئے گی۔

۴۔ ذوق وشوق کی اقسام

سالک کے شوق کی دو اقسام ہیں جو درج ذیل ہیں:

(۱)۔ شوق کی پہلی قسم یہ ہے کہ سالک سے تجلیات ذات باری تعالیٰ تو یکسر پوشیدہ ہوں مگر دل میں ان کا خیال باقی ہو۔ایسے میں وہ اپنے اس خیال کی تکمیل کے لیے اللہ تعالیٰ کے دیدار کا مشتاق ہوگا۔

(۲)۔ شوق کی دوسری قسم یہ ہے کہ سالک پر تجلیات الٰہی میں سے بعض منکشف اور بعض پوشیدہ ہوں اور وہ کلی دیدار کا مشتاق ہو۔

شوق کی یہ دونوں اقسام آخرت میں تب اپنی انتہا کو پہنچیں گی جب وہ مقام حاصل ہوگا جسے دیدار، لقا اور مشاہدہ کہتے ہیں۔دنیا میں اس شوق کی تکمیل ممکن نہیں ہے۔

سالک اس بات کو جانتا ہے کہ لامتناہی امور الٰہیہ میں سے چند امور ہی مخلوق پر منکشف ہوتے

ہیں۔ وہ اس بات سے بھی واقف ہے کہ اللہ پاک ان امور سے آگاہ ہے۔ اسے یہ بھی پتا ہے کہ جو باتیں اسے معلوم نہیں وہ معلوم باتوں سے بہت زیادہ ہیں۔ اس لیے وہ ہمیشہ طلب گار و مشتاق رہتا ہے۔

دنیا و آخرت میں انسان پر اللہ تعالیٰ کی جملہ صفات و معلومات، افعال اور حکمتوں کا منکشف ہو جانا محال ہے۔ وہ ہمیشہ یہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے جلال و جمال میں سے بہت کچھ منکشف ہونا باقی ہے جس کی وجہ سے اس کا شوق کبھی نہیں تھمتا۔

۵۔ ذوق و شوق کے بارے میں صوفیائے کرامؒ کے اقوال

(۱)۔ حضرت ابو داؤدؒ فرماتے ہیں کہ میں اپنے رب کے پاس جانے کے شوق میں موت کو پسند کرتا ہوں۔ (مشکوٰۃ المصابیح، ج: ۲، رقم الحدیث: ۸۱)

(۲)۔ خواجہ عبداللہ انصاریؒ شوق کے بارے میں فرماتے ہیں کہ رغبت سے مراد کسی چیز کا خریدنا ہے۔ رغبت و رہبت ایمان کے دو قدم ہیں۔ جن سے لوگ چلتے ہیں۔ اس لیے کہ ایک قدم سے چلنا محال ہے اور دوستی ایمان کا سر ہے۔ اللہ پاک کی طرف رغبت کرنے والوں کی تین اقسام ہیں:

(i)۔ اس کائنات کی طرف رغبت کرنے والے جو ہمیشہ آزمائش میں مبتلا رہتے ہیں۔ رغبت دنیا کی اصل تین چیزیں ہیں: (ا)۔ آرزوؤں کا طویل سلسلہ، (ب)۔ علم کی کمی، (ج)۔ دل کی موت۔

(ii)۔ آخرت کی طرف رغبت کرنے والے جو فکر و عمل کے اجتہاد میں مستغرق رہتے ہیں۔ رغبت آخرت کی اصل تین چیزیں ہیں: (ا)۔ آرزوؤں کی کمی، (ب)۔ علم الٰہی کا نور، (ج)۔ دل کی زندگی۔

(iii)۔ ذات باری تعالیٰ کی طرف رغبت کرنے والے جو عجز و انکسار میں فنا رہتے ہیں۔ (ا)۔ ندائے ازلی کا قبول کرنا، (ب)۔ تمنائے دل کی شکست، (ج)۔ سر الٰہی کی حرمت کا لحاظ۔

(صد میدان، ص: ۹۸-۹۹)

(۳)۔ حضرت ابو علی دقاقؒ فرماتے ہیں کہ محبوب کی ملاقات کے لیے دلوں میں جوش پیدا ہونے کا نام

شوق ہے اور جس قدر محبت ہوگی اسی قدر شوق ہوگا۔ (رسالہ قشیریہ، ص: ۵۶۲)

(۴)۔ حضرت ابوعلی دقاقؒ فرماتے ہیں کہ بعض مشائخ کرامؒ نے کہا: میں شوق میں داخل ہوتا ہوں تو ہر چیز میری مشتاق ہوجاتی ہے حالانکہ میں ان سے آزاد ہونا چاہتا ہوں۔ (رسالہ قشیریہ، ص: ۵۶۷)

(۵)۔ حضرت ابوعثمانؒ فرماتے ہیں کہ شوق کی علامت یہ ہے کہ تو آرام کی حالت میں ہوتے ہوئے بھی اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے شوق میں موت کو پسند کرے۔ (رسالہ قشیریہ، ص: ۵۶۳)

(۶)۔ حضرت یحییٰ بن معاذؒ فرماتے ہیں کہ شوق کی علامت یہ ہے کہ اعضا اپنی خواہشات کو چھوڑ دیں۔

(رسالہ قشیریہ، ص: ۵۶۲)

(۷)۔ حضرت ابن عطاؒ فرماتے ہیں کہ شوق یہ ہے: اللہ تعالیٰ کی جدائی میں سالک کی آنتیں جلیں، دل شعلہ زن ہو اور جگر ٹکڑے ٹکڑے ہوجائے۔ (رسالہ قشیریہ، ص: ۵۶۳)

(۸)۔ شیخ ضیاالدین عبدالقاہر سہروردیؒ فرماتے ہیں کہ شوق سالک کے دل کے محبوب کے ذکر کے وقت ہیجان کا نام ہے۔ (آداب المریدین، ص: ۳۸)

(۹)۔ حضرت فارسؒ فرماتے ہیں کہ مشتاق لوگوں کے دل اللہ پاک کے نور سے منور ہیں۔ جب ان کا اشتیاق حرکت میں آتا ہے تو آسمان و زمین کے درمیان روشنی ہوجاتی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو فرشتوں کے سامنے پیش کرتا ہے اور فرماتا ہے: اے میرے مشتاق لوگو! میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ مجھے ان کا اس سے زیادہ شوق ہے۔ (رسالہ قشیریہ، ص: ۵۶۵)

(۱۰)۔ حضرت سری سقطیؒ فرماتے ہیں کہ شوق عارف کے لیے ایک جلیل القدر مقام ہے بشرطیکہ وہ اس میں راسخ ہو اور جب وہ شوق میں راسخ ہوجاتا ہے تو اس وقت وہ ان تمام چیزوں سے غافل ہو جاتا ہے جو اسے اپنے محبوب سے دور رکھتی ہیں۔ (رسالہ قشیریہ، ص: ۵۶۶)

(۱۱)۔ حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں: محب اپنے محبوب سے ملاقات کے وقت خوشی اور سخت شوق کی وجہ سے پیدا ہونے والے وجد کی وجہ سے روتا ہے اور مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ دو بھائیوں نے معانقہ کیا تو ان میں سے ایک نے کہا: واہ شوق! تو دوسرے نے کہا: واہ وجد۔ (رسالہ قشیریہ، ص: ۵۶۷)

(۱۳)۔ حضرت ابن خفیفؒ فرماتے ہیں کہ دلوں کا وجد کی بنا پر راحت پا لینا اور اللہ پاک سے جلد ملاقات کی محبت رکھنا شوق کہلاتا ہے۔(رسالہ قشیریہ،ص:۵۶۵)

(۱۴)۔ حضرت امام عبدالرحمٰن ابن جوزیؒ فرماتے ہیں کہ توریت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میری ملاقات کے لیے لوگوں کا شوق بہت زیادہ ہے اور مجھے ان کی ملاقات کا ان سے بھی زیادہ شوق ہے۔(منہاج القاصدین،ص:۵۰۸)

(۱۵)۔ حضرت ابو یزیدؒ کہتے ہیں کہ اللہ پاک کے کچھ بندے ایسے ہیں کہ اگر جنت میں اللہ کریم انہیں اپنے دیدار سے محروم رکھے تو وہ جنت سے بچنے کی اسی طرح دعا کرنے لگیں جس طرح دوزخ سے بچنے کی کرتے ہیں۔(رسالہ قشیریہ،ص:۴۹۳)

(۱۶)۔ حضرت رویم بن احمدؒ فرماتے ہیں: ذوق وشوق یہ ہے کہ سالک کو محبوب حق کی نشانیاں پیاری لگیں اور جب وہ اس کا مشاہدہ کرے تو اسے فنا کردیں۔(طبقات صوفیہ،ص:۱۳۱)

(۱۷)۔ حضرت ابو حفصؒ فرماتے ہیں کہ جس نے شوق الٰہی کا پیالہ گھونٹ گھونٹ کرکے پیا، وہ کبھی بھی پیاسا نہ ہوگا۔اسے اس وقت آرام ہوگا جس وقت مشاہدہ ہوگا اور اللہ تعالیٰ سے ملاقات ہوگی۔

(طبقات صوفیہ،ص:۹۰)

(۱۸)۔ حضرت ابوبکر واسطیؒ فرماتے ہیں کہ محبت کی وجہ سے لازمی طور پر شوق پیدا ہوتا ہے۔

(طبقات صوفیہ،ص:۲۱۳)

۶۔ ذوق وشوق کے واقعات

(۱)۔ ذوق وشوق کی کیفیات اللہ پاک کے جلیل القدر انبیاء علیہم السلام پر بھی طاری ہوتی رہی ہیں۔اللہ پاک نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور پر تیس دنوں کے مجاہدہ کے لیے بلایا اور پھر اس مدت کو بڑھا کر چالیس دن کردیا۔اس دوران آپ علیہ السلام پر کلام الٰہی نازل ہوتا رہا اور اللہ پاک سے بار بار ہم کلام ہونے کا شرف ملتا رہا۔اللہ تعالیٰ سے بار بار ہم کلامی نے آپ علیہ السلام کے دیدار الٰہی کے شوق کو بڑھا دیا۔آپ علیہ السلام نے اللہ پاک سے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا۔جسے قرآن پاک میں ان الفاظ

میں بیان کیا گیا ہے:

وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰی لِمِیْقَاتِنَا وَکَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْكَ.

(سورۃ الاعراف، آیت: ۱۴۳)

(اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام ہمارے مقرر کردہ وقت پر (کوہ طور پر) پہنچے اور ان کے پروردگار نے ان سے کلام کیا تو کہنے لگے: اے میرے پروردگار! مجھے اپنا دیدار کرا دے کہ میں ایک نظر تجھے دیکھ لوں) اللہ پاک نے پہاڑ پر تجلی فرمائی تو وہ ریزہ ریزہ ہو گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جذب کی کیفیت طاری ہو گئی۔ اس واقعہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ سالک کو پیش آنے والی ذوق وشوق کی کیفیت حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی پیش آئی تھی۔ آپ علیہ السلام بھی دیدار الٰہی کے مشتاق تھے۔ اسی طرح سالک بھی اللہ تعالیٰ کا مشتاق ہوتا ہے اور پھر تجلی حق سے مجذوب ہو جاتا ہے۔ ہوش میں آنے پر ذات حق کو دیکھنے کا شوق مزید بڑھ جاتا ہے۔ یوں سالک پر اس نوع کے شوق کی کیفیت وقتاً فوقتاً طاری ہوتی رہتی ہے۔

(۲)۔ اللہ پاک نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی: اے داؤد علیہ السلام کب تک جنت کو یاد کرتے رہو گے اور مجھ سے ملنے کے شوق کا اظہار نہ کرو گے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے عرض کیا: اے میرے پرودگار! تیرے مشتاق کون لوگ ہیں؟ ارشاد ہوا کہ میرے مشتاق وہ لوگ ہیں جنہیں میں نے ہر کدورت (حسد وکینہ) سے پاک اور خوف سے آگاہ کر دیا ہے۔ ان کے دلوں میں میری طرف ایک سوراخ ہے جس سے وہ مجھے دیکھتے ہیں۔ میں ایسے لوگوں کے دل اپنے ہاتھ سے اٹھاؤں گا۔ انہیں اپنے آسمان پر رکھوں گا۔ پھر اپنے منتخب فرشتوں کو بلاؤں گا۔ جب وہ جمع ہو کر میرے سامنے سجدہ ریز ہوں گے تو میں ان سے کہوں گا کہ میں نے تمہیں اس لیے نہیں بلایا کہ تم مجھے سجدہ کرو بلکہ اس لیے بلایا ہے تا کہ میں تمہیں ان لوگوں کے دل دکھاؤں جو میرا شوق رکھتے ہیں اور تمہارے سامنے ان اہل شوق پر فخر کروں۔ ان کے دل آسمان میں میرے فرشتوں کے لیے اس طرح روشن ہوں گے جیسے سورج زمین والوں کے لیے روشن ہوتا ہے۔

اے داؤد علیہ السلام میں نے اپنے مشتاقین (چاہنے والوں) کے دل اپنی رضا سے بنائے ہیں۔ اپنے نور سے ان کی تربیت کی ہے۔ میں نے انہیں اپنے آپ سے بات کرنے والا بنایا ہے۔ ان کے

جسموں کو اپنی نگاہ کا مرکز قرار دیا ہے۔ ان کے دلوں میں ایک ایسا راستہ بنایا ہے جس کے ذریعے وہ مجھے دیکھتے ہیں اور دن بدن ان کا شوق زیادہ ہوتا رہتا ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے عرض کیا: یا اللہ پاک مجھے اپنے مشتاقین (چاہنے والوں) کے دیدار کی سعادت عطا فرما۔ ارشاد ہوا: اے داؤد علیہ السلام! کوہ لبنان پر جاؤ۔ وہاں چودہ آدمی رہتے ہیں۔ ان میں جوان بھی ہیں، بوڑھے بھی اور ادھیڑ عمر بھی۔ جب تم ان کے پاس پہنچو تو انہیں میرا اسلام پہنچانا اور کہنا کہ تمہارا رب تمہیں سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے: تم اپنی کسی ضرورت کا مجھ سے سوال کیوں نہیں کرتے؟ تم میرے محبوب، برگزیدہ اور دوست ہو۔ تمہارے خوش ہونے سے میں خوش ہوتا ہوں۔ تمہاری محبت کی طرف جلدی کرتا ہوں۔

حضرت داؤد علیہ السلام ان کے پاس تشریف لے گئے اور انہیں ایک چشمے کے پاس اللہ پاک کی عظمت میں غور وفکر کرتے ہوئے پایا۔ انہوں نے جب آپ علیہ السلام کو دیکھا تو اٹھ کر چل دیے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا: میں تمہاری طرف اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں اور تمہارے پاس اللہ پاک کا پیغام پہنچانے آیا ہوں تو وہ آپ علیہ السلام کی طرف متوجہ ہو گئے، اپنی نگاہیں جھکا لیں اور آپ علیہ السلام کی باتیں غور سے سننے لگے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا: میں اللہ پاک کا رسول ہوں۔ اللہ تعالیٰ تمہیں سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ تم مجھ سے کسی ضرورت کا سوال کیوں نہیں کرتے؟ میں تمہاری آواز اور تمہارا کلام سنتا ہوں۔ تم میرے منتخب احباب اور نیک دوست ہو۔ میں تمہاری خوشی سے خوش ہوتا ہوں اور تمہاری محبت کی طرف جلدی کرتا ہوں۔ تمہاری طرف ہر وقت اس طرح دیکھتا ہوں جس طرح مہربان اور شفیق ماں اپنے بیٹے کو دیکھتی ہے۔ یہ پیغام سن کر وہ سب رونے لگے۔

(i)۔ ان میں سے ایک نے کہا: اے میرے پروردگار! تیری ذات پاک ہے۔ ہم تیرے بندے ہیں اور تیرے بندوں کی اولاد ہیں۔ ہماری گزشتہ زندگی میں ہمارے دل جس قدر تیری یاد سے غافل رہے وہ ہمیں معاف فرمادے۔

(ii)۔ دوسرے نے عرض کیا: اے میرے پروردگار! تو پاک ہے۔ ہم تیرے بندے اور تیرے

بندوں کی اولاد ہیں۔ ہمارے اور تیرے درمیان جو معاملہ ہے اس میں ہم پر حسن نظر کے ساتھ احسان فرما۔

(iii)۔ تیسرے نے دعا مانگی: اے میرے پروردگار! تو پاک ہے۔ہم تیرے بندے ہیں اور تیرے بندوں کی اولاد ہیں۔کیا ہم دعا کی جرات کریں؟ تو جانتا ہے کہ ہمیں اپنے کسی کام کی حاجت نہیں۔بس ہم پر یہ احسان فرما کہ ہمیں ہمیشہ اپنے راستے پر ثابت قدم رکھ۔

(iv)۔ چوتھے نے عرض کیا: یا اللہ پاک! تیری رضا طلب کرنے میں ہم عاجز و کمزور ہیں تو اپنے رحم و کرم سے اس پر ہماری مدد فرما۔

(v)۔ پانچویں نے عرض کی: اے ہمارے پروردگار! تو نے ہمیں ایک قطرہ پانی سے پیدا کیا اور اپنی عظمت میں غور وفکر کرنے کے سبب ہم پر احسان فرمایا۔ وہ جو تیری عظمت میں مشغول ہو اور تیرے جلال میں متفکر ہو، کیا وہ کلام کی جرات کرے گا؟ ہمارا مقصود تو تیرے نور کا قرب حاصل کرنا ہے۔

(vi)۔ چھٹا عرض گزار ہوا: اے اللہ پاک! ہماری زبانیں تجھ سے دعا مانگنے سے عاجز ہیں کیونکہ تیری شان عظیم ہے۔تو اپنے اولیا کے قریب ہے اور تجھ سے محبت کرنے والوں پر تیرے بہت زیادہ احسانات ہیں۔

(vii)۔ ساتویں نے کہا: اے اللہ پاک! تو نے ہمارے دلوں کی اپنے ذکر کی طرف رہنمائی فرمائی اور اپنی ذات میں مشغول ہونے کے لیے ہمیں فراغت بخشی۔لہٰذا اس نعمت کے شکرانے میں ہم سے جو کمی ہوئی وہ معاف فرما۔

(viii)۔ آٹھویں نے عرض کی: الٰہی! بے شک تو ہماری ضرورت کو جانتا ہے اور وہ صرف تیری زیارت ہے۔

(ix)۔ نواں عرض گزار ہوا: اے اللہ پاک! غلام اپنے آقا پر کیوں کر جرات کرسکتا ہے؟ لیکن جب تو نے اپنے لطف وکرم سے ہمیں دعا کا حکم دیا ہے تو تو ہمیں ایسا نور عطا فرما جس کے ذریعے ہمیں

آسمانی طبقات کے اندھیروں میں راستہ ملے۔

(x)۔ دسویں نے دعا مانگی: اے اللہ پاک! تجھ سے دعا کرتے ہیں کہ ہم پر اپنی دائمی توجہ کے ساتھ متوجہ رہ۔

(xi)۔ گیارہویں نے کہا: اے اللہ تعالیٰ! تو نے جو نعمتیں ہمیں عطا فرمائیں اور ہم پر جو احسانات کیے ان کو پورا کرنے کا سوال کرتے ہیں۔

(xii)۔ بارہویں نے کہا: اے ہمارے پرودگار! تیری مخلوق میں ہمیں کسی چیز کی حاجت نہیں بس ہم پر اپنے پاک چہرے کے جمال کی زیارت سے احسان فرما۔

(xiii)۔ تیرہواں عرض گزار ہوا: اپروردگار عالم! میں تجھ سے یہ دعا کرتا ہوں کہ میری آنکھوں کو اہل دنیا کی طرف نظر کرنے اور میرے دل کو آخرت سے غافل ہونے سے اندھا کردے۔

(xiv)۔ چودھویں نے عرض کی: اے بابرکات اور بلند و بالا ذات! میں جانتا ہوں کہ بے شک تو اپنے اولیا سے محبت کرتا ہے بس ہم پر یہ احسان فرما کہ ہمارے دل سب کو چھوڑ کر صرف تیری ذات میں مشغول رہیں۔

اللہ پاک نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ ان سے فرمادو: میں نے تمہاری باتیں سنیں اور جو تمہیں پسند ہے میں نے اسے قبول کیا۔ تم میں سے ہر ایک اپنے ساتھی سے جدا ہو جائے اور اپنے لیے زمین میں ایک تہہ خانہ بنالے کیونکہ میں اپنے اور تمہارے درمیان سے حجاب اٹھانے والا ہوں تاکہ تم میرا نور دیکھ لو اور میری عظمت کا مشاہدہ کرلو۔

(احیاء العلوم الدین، ج: ۴، ص: ۴۸۶-۴۸۷)

(۳)۔ اللہ پاک نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی: اگر مجھ سے منہ پھیر جانے والے یہ جان لیں کہ ان کے لیے میرا انتظار، ان پر میری مہربانی، ان سے میرا یہ اشتیاق کہ وہ گناہوں سے رک جائیں، کتنا ہے تو وہ میرے شوق میں مرجائیں۔ ان کے جوڑ میری محبت کی بنا پر الگ الگ ہو جائیں۔ اے داؤد علیہ السلام میرا یہ ارادہ ان لوگوں کے لیے ہے جو مجھ سے منہ موڑتے ہیں اور جو

میری طرف آنے والے ہیں، ان کے متعلق میرا ارادہ کتنا اچھا ہوگا؟ (رسالہ قشیریہ، ص:۵۶۶)

(۴)۔ حضرت شعیب علیہ السلام پر اللہ پاک کے دیدار کا شوق اس قدر غالب ہوا کہ رونے کی وجہ سے آپ علیہ السلام کی بینائی جاتی رہی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی بینائی لوٹا دی۔ اللہ پاک نے ان کی طرف وحی فرمائی کہ اے شعیب علیہ السلام! یہ رونا کس وجہ سے ہے؟ جنت کے شوق سے یا جہنم کے خوف سے؟ حضرت شعیب علیہ السلام نے عرض کیا: اے اللہ! تجھے معلوم ہے کہ نہ میں جنت کے شوق سے روتا ہوں نہ جہنم کے خوف سے بلکہ تجھ سے دلی محبت میں روتا ہوں۔ جب میں تجھے ایک نظر دیکھ لوں گا اس کے بعد میرے ساتھ جو معاملہ کیا جائے مجھے کوئی پرواہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ اے شعیب علیہ السلام یہ دعویٰ برحق ہے تو تمہیں مبارک ہو۔ تم نے میری ملاقات کا ارادہ کیا۔ میں نے اسی لیے اپنے نبی اور کلیم موسیٰ علیہ السلام سے دس سال تمہاری خدمت کروائی تھی۔

(کنز العمال، ج:۶، رقم الحدیث:۱۷۱)

(۵)۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی کی ابتدا سچے خوابوں سے ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو بھی خواب دیکھتے تو وہ حقیقت بن کر سامنے آتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غار حرا میں جاتے وقت کھانا ساتھ لے جاتے اور کئی کئی راتیں وہاں عبادت الٰہی میں مشغول رہتے۔ پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لاتے اور اسی طرح کھانا لے کر واپس غار حرا میں تشریف لے جاتے۔

ایک دن اچانک غار حرا میں حضرت جبریل علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس وحی لے کر آئے اور کہا کہ پڑھ! حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پکڑا اور زور سے دبایا۔ جس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیف ہوئی پھر چھوڑ دیا اور کہا کہ پڑھ! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ پھر حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پکڑ کر تیسری بار زور سے دبایا۔ جس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیف ہوئی پھر چھوڑ کر کہا: اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ. (سورۃ العلق، آیات:۵-۱)

(پڑھیے! اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔ جس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا۔ پڑھیے! آپ کا پروردگار بڑے کرم والا ہے۔ جس نے قلم سے تعلیم دی۔ انسان کو وہ کچھ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس واپس تشریف لے آئے تو شانے تھرتھرا رہے تھے۔ فرمایا کہ مجھے کمبل اوڑھا دو۔ یہاں تک کہ جب خوف کا اثر جاتا رہا تو فرمایا: اے خدیجہ رضی اللہ عنہا مجھے کیا ہو گیا ہے اور سارا ماجرا بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ مجھے اپنی جان کا ڈر ہے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ ہرگز نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خوش ہوں اللہ کی قسم! اللہ پاک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کبھی رسوا نہیں کرے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو صلہ رحمی کرتے ہیں۔ سچی بات کرتے ہیں۔ غریبوں کے ساتھ نیک سلوک کرتے ہیں اور مہمانوں کی مہمان نوازی کرتے ہیں اور حق کی راہ میں پیش آنے والے تکالیف میں مدد کرتے ہیں۔ پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے کر گئیں جو زمانہ جاہلیت میں نصرانی ہو گئے تھے اور انجیل عبرانی زبان میں لکھتے تھے۔ اس وقت بہت بوڑھے اور نابینا ہو گئے تھے۔ ان سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا اے بھائی جان! اپنے بھتیجے کی بات سنیں۔ ورقہ بن نوفل نے پوچھا اے بھتیجے تم کیا دیکھتے ہو؟ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو کچھ دیکھا تھا وہ بیان فرمادیا۔ اس پر ورقہ نے کہا کہ یہ تو وہی ناموس (فرشتہ) ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا تھا۔ کاش کہ میں اس وقت توانا ہوتا اور زندہ ہوتا جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قوم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے آبائی شہر سے نکال دے گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اچھا تو کیا یہ لوگ مجھے نکال دیں گے؟ ورقہ نے کہا، ہاں! جب بھی کوئی آدمی اس طرح کا پیغام لایا جیسا تم لائے ہو تو اس سے دشمنی کی گئی۔ اگر میں نے تمہارا زمانہ پالیا تو تمہاری زبردست مدد کروں گا۔

اس کے بعد ورقہ بن نوفل کا جلد ہی انتقال ہو گیا اور وحی کی آمد رک گئی۔ یہاں تک کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان واقعات سے جو ہم کو معلوم ہوئے اس قدر غمگین ہوئے کہ متعدد بار بلند چوٹی پر سے خود کو گرانا چاہا۔ جب بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہاڑ کی چوٹی پر پہنچتے کہ خود کو لڑھکا دیں تو حضرت جبریل علیہ السلام ظاہر ہوتے اور کہتے: اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے سچے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ہیں تو اس سے آپ ﷺ کا اضطراب تھم جاتا، طبیعت کو قرار آجاتا اور اور واپس تشریف لے آتے۔ (صحیح بخاری، ج:۳، رقم الحدیث:۱۹۰۸)

حافظ ابن حجرؒ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ سلسلہ وحی کے رک جانے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس دوران آپ ﷺ کے پاس حضرت جبریل علیہ السلام کی آمد کا سلسلہ بھی رک گیا تھا بلکہ وحی کے رک جانے سے مراد نزول قرآن کے سلسلہ کا موقوف ہوجانا ہے۔ اس عرصہ میں حضرت جبریل علیہ السلام تو آتے رہتے تھے لیکن قرآن نہیں لاتے تھے۔ کچھ عرصہ کے لیے نزول وحی کے موقوف ہوجانے میں مصلحت وحکمت یہ تھی کہ ابتدائی مرحلہ پر حضور نبی کریم ﷺ کے دل میں جو خوف پیدا ہوگیا تھا اس کے اثرات زائل ہوجائیں اور اس خوف وہراس کی جگہ شوق وانتظار کے جذبات پیدا ہوجائیں۔ (دیکھیے مشکوٰۃ المصابیح، ج:۵، رقم الحدیث:۴۲۳)

(۶)۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ جب مسجد نبوی میں خطبہ ارشاد فرماتے تو کھجور کے ایک سوکھے تنے سے ٹیک لگا کر کھڑے ہوتے تھے۔ یہ تنا ایک ستون کے طور پر مسجد میں کھڑا تھا۔ پھر جب منبر تیار ہوگیا اور آپ ﷺ خطبہ پڑھنے کے لیے اس منبر پر تشریف فرما ہوئے تو کھجور کا وہ تنا جس سے ٹیک لگا کر خطبہ ارشاد فرماتے تھے، زور زور سے رونے لگا اور قریب تھا کہ وہ آپ ﷺ کی جدائی کی تکلیف کی شدت سے پھٹ جائے۔ آپ ﷺ منبر سے اترے پاس جا کر اسے ہاتھوں سے پکڑا اور تسلی کے لیے گلے لگایا۔ اس کے بعد تو اس ستون نے اس بچہ کی طرح رونا شروع کر دیا جس کو مختلف تدبیروں سے چپ کرایا جاتا ہے۔ آخر کار اس ستون کو قرار آگیا اور وہ چپ ہوگیا۔ پھر حضور نبی پاک ﷺ نے اس ستون کے رونے کا سبب یہ بیان فرمایا: یہ ستون اس وجہ سے رویا کہ اللہ پاک کا جو ذکر سنتا تھا اس سے محروم ہوگیا ہے۔

(صحیح بخاری، ج:۱، رقم الحدیث:۸۸۲)

حضرت حسن بصریؒ کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ جب وہ اس حدیث کو بیان کرتے تو بے اختیار رونے لگتے تھے اور کہا کرتے تھے: کھجور کی سوکھی ہوئی لکڑی حضور نبی کریم ﷺ کے شوق ومحبت میں روتی تھی۔ ہمیں تو اس سے زیادہ آپ ﷺ کی محبت اور شوق ملاقات میں

بے قرار ہونا چاہیے۔ (دیکھیے مشکوٰۃ المصابیح، ج:۵، رقم الحدیث:۴۹۱)

(۷)۔ حضرت ابودرداؓ فرماتے ہیں کہ میں پروردگار سے ملنے کے شوق میں موت کو پسند کرتا ہوں۔ بیماری کو اس لیے پسند کرتا ہوں کہ وہ میرے گناہوں کا کفارہ بن جائے۔ محتاجی کو اس لیے پسند کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے فروتنی کا ذریعہ بنے۔ (حجۃ اللہ البالغہ، ج:۴، ص:۴۸۱)

(۸)۔ روایات میں آتا ہے کہ مسلمان جب ہجرت کر کے حبشہ پہنچے تو شاہ حبشہ نجاشی نے اپنے درباریوں میں سے کچھ پسندیدہ لوگوں کو حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ یہ لوگ عیسائی راہب تھے جو سابقہ آسمانی کتابوں کا علم رکھتے تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر سچا ایمان رکھتے تھے۔ جب یہ راہب آپ ﷺ کی خدمت میں پہنچے تو حضور نبی کریم ﷺ نے ان کے سامنے سورۃ یٰسین کی تلاوت فرمائی تو ان کے شوق میں مزید اضافہ ہوگیا۔ راہب قرآن پاک کی تلاوت سن کر رونے لگے اور شوق کے غلبہ کی وجہ سے ان پر جذب کی کیفیت طاری ہوگئی۔ اللہ پاک نے اس واقعہ کا اپنی پاک کتاب میں ان الفاظ میں ذکر فرمایا ہے:

وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ. (سورۃ المائدہ، آیت:۸۳)

(اور جب وہ اس کو سنتے ہیں جو کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف بھیجا گیا تو آپ ان کی آنکھوں سے آنسو بہتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ اس لیے کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا)

(۹)۔ دین اسلام روز بروز پھلنے پھولنے اور حضرت امیر حمزہؓ اور حضرت عمر فاروقؓ جیسی جلیل القدر ہستیوں کے ایمان لانے سے اسلام کو زبردست تقویت ملی۔ لیکن جیسے جیسے اسلام غریبوں اور کمزوروں سے نکل کر معززین میں پھیلا تو قریش کی مخالفت بھی اسی قدر تیز ہوتی گئی۔ اب انہوں نے غریب مسلمانوں پر مزید ظلم وستم کرنا شروع کر دیا۔ حضور نبی کریم ﷺ نے بے گناہ مسلمانوں پر ہونے والے ظلم وستم کو دیکھتے ہوئے انہیں حبشہ کی طرف ہجرت کا حکم دیا۔ حبشہ ایک عیسائی ملک تھا۔ جہاں نجاشی کی حکومت تھی جو ایک رحم دل و عادل حکمران تھا۔ آپ ﷺ کے حکم سے مسلمانوں نے سکون کی خاطر حبشہ کی طرف ہجرت کی۔

قریش کو یہاں بھی مسلمانوں کا آرام وسکون سے رہنا پسند نہ آیا اور انہوں نے ان کا پیچھا کیا۔ مشرکین کی طرف سے ایک گروہ تحائف لے کر نجاشی کے پاس گیا تاکہ وہ مسلمانوں کو ان کے حوالے کر دیں۔ مشرکین کی قیادت عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ربیعہ کر رہے تھے۔ انہوں نے نجاشی سے مسلمانوں کو نکالنے کی درخواست کی اور کہا کہ ان لوگوں نے ایک ایسا دین اختیار کیا ہے جو ہمارے اور آپ کے مذہب کے خلاف ہے۔ ان کو ہمارے حوالے کیا جائے۔ نجاشی نے مسلمانوں کو اپنے دربار میں بلایا اور اس دین کے متعلق پوچھا کہ وہ کون سا دین ہے جو بت پرستی اور نصرانیت کے خلاف ہے۔ اس کے جواب میں حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے کہا: اے بادشاہ!

ہم لوگ جاہل تھے، بتوں کو پوجتے تھے، بدکاری کرتے تھے، اپنے سے کمزور کو نیچا دکھاتے تھے۔ ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے ایک پیغمبر بھیجا۔ جس کی صداقت، پاکبازی اور دیانت داری سے ہم سب واقف ہیں۔ اس نے ہمیں خدائے واحد کی طرف بلایا اور بتوں کی پرستش سے منع کیا۔ سچ بولنے کی تلقین کی۔ امانت داری کی تعلیم دی۔ ہم نے ان تعلیمات کو قبول کیا جو مشرکین کے نزدیک ہمارا جرم ہے اور اس جرم میں یہ لوگ ہمارے دشمن ہو گئے ہیں۔

اس کے بعد حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کی چند آیات سنائیں جنہیں سن کر نجاشی بہت متاثر ہوا اور قریش کے آدمیوں کو واپس کر دیا۔ قریش مکہ اپنی انا کی تسکین کے لیے دوسرے دن دوبارہ نجاشی کے دربار میں پہنچے اور نجاشی سے کہا کہ ان لوگوں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق اپنا عقیدہ معلوم کریں۔ اس سے قریش مسلمانوں کو نجاشی کی نظروں میں گرانا چاہتے تھے کیونکہ قرآن پاک نے عیسائیوں کے گمراہ کن عقائد کی سخت مخالفت کی ہے۔ نجاشی نے حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا تمہاری اس کتاب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم علیہا السلام کا تذکرہ ہے؟ تو حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ہاں! ہماری اس پاک کتاب میں پوری ایک سورۃ کا نام حضرت مریم علیہا السلام کے نام پر ہے۔ نجاشی نے کہا کہ مجھے اس میں سے کچھ سناؤ تو حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے سورۃ مریم کی ابتدائی چند آیات جن میں حضرت مریم علیہا السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے تلاوت فرمائیں۔ انہیں سن کر نجاشی شوق ومحبت کی وجہ سے بے اختیار رو پڑا اور زمین سے ایک تنکا اٹھا کر کہنے لگا: اللہ پاک کی قسم آپ نے جو بیان کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم علیہا السلام اس سے

ایک تنکا برابر بھی کم یا زیادہ نہیں۔ (مدارک التنزیل، ذیل سورۃ المائدہ، آیت: ۸۳)

(۱۰)۔ حضرت شفیا اصبحیؒ فرماتے ہیں کہ میں مدینہ منورہ میں داخل ہوا تو دیکھا کہ لوگ ایک آدمی کے گرد جمع ہیں۔ میں نے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ مجھے بتایا گیا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ میں بھی ان کے قریب ہو گیا یہاں تک کہ ان کے بالکل سامنے بیٹھ گیا۔ وہ لوگوں سے حدیث بیان کر رہے تھے۔ جب وہ خاموش ہوئے تو میں نے عرض کیا کہ میں آپ رضی اللہ عنہ سے اللہ تعالیٰ کے واسطے ایک سوال کرتا ہوں کہ مجھ سے کوئی ایسی حدیث بیان کیجیے، جسے آپ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا اور اچھی طرح سمجھا ہو۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ضرور بیان کروں گا پھر چیخ ماری اور بے ہوش ہو گئے۔ جب افاقہ ہوا تو فرمایا: میں تم سے ایسی حدیث بیان کروں گا جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے اسی گھر میں بیان کی تھی اور اس وقت میرے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ کوئی تیسرا نہیں تھا۔ اس کے بعد حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بہت زور سے چیخ ماری اور دوبارہ بے ہوش ہو گئے۔ تیسری مرتبہ بھی اسی طرح ہوا اور منہ کے بل نیچے گرنے لگے تو میں نے انہیں سہارا دیا اور کافی دیر تک سہارا دیے کھڑا رہا۔

(جامع ترمذی، ج: ۲، رقم الحدیث: ۲۷۰)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ بیتابی یا تو شدت خوف سے تھی یا شدت شوق سے کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت کا نقشہ آپ رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں پھر گیا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بڑے زور سے چیخ مارنا، بیہوش ہو جانا اور پسینہ آ جانا جذب و شوق کی کھلی دلیل ہے۔ عام طور پر اس طرح کا جذب متوسطین (درمیانے درجے والے) کو ہوتا ہے، مگر کبھی کبھی کاملین کو بھی یہ کیفیت پیش آ جاتی ہے۔

(۱۱)۔ حضرت ابراہیم بن ادہمؒ کا شمار اہل شوق میں ہوتا ہے۔ ایک دن انہوں نے اللہ پاک سے دعا کی کہ اے میرے پروردگار! اگر تو نے اپنے محبت کرنے والوں کو کوئی ایسی چیز دی ہے جس سے ان کے دل کو سکون مل جائے تو مجھے بھی دے دے۔ مجھے بے قراری نے بڑی تکلیف دی ہے۔ فرماتے ہیں کہ پھر میں نے خواب میں اللہ تعالیٰ کو دیکھا۔ اللہ پاک نے مجھ سے فرمایا: اے

ابراہیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا تجھے مجھ سے شرم نہیں آتی ؟ تو مجھ سے سوال کرتا ہے کہ میں تجھے وہ چیز دوں جو میری ملاقات سے پہلے تیرے دل کو سکون عطا کرے۔ کیا کبھی دوست کی ملاقات سے پہلے عاشق کے دل کو قرار ملا ہے؟ حضرت ابراہیم بن ادہمؒ فرماتے ہیں کہ میں نے جواب دیا: اے رب! میں تیری محبت میں بہک گیا تھا۔ مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔

(منہاج القاصدین، ص:۵۰۷)

(۱۲)۔ حضرت امام عبدالرحمٰن ابن جوزیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ پاک نے اپنے ایک بندے کو القا فرمایا: میرے کچھ بندے ایسے ہیں جو مجھ سے محبت رکھتے ہیں اور میں ان سے محبت رکھتا ہوں۔ مجھے ان کا شوق ہے، ان کو میرا شوق ہے۔ وہ میرا ذکر کرتے ہیں، میں ان کا ذکر کرتا ہوں۔ اگر تم ان کی راہ پر چلو تو میں تم سے محبت کروں گا اور اگر تم نے ان سے منہ موڑا تو میں تم سے ناراض ہو جاؤں گا۔ اس آدمی نے کہا: اے میرے رب! ان لوگوں کی علامت کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: دن کو نمازوں کے لیے سایہ کی نگرانی کرتے ہیں جیسا کہ مہربان چرواہا اپنی بکریوں کی نگرانی کرتا ہے اور سورج کے غروب ہونے کا خیال رکھتے ہیں جیسا کہ غروب آفتاب کے وقت پرندے اپنے گھونسلوں کا خیال رکھتے ہیں۔ جب رات چھا جاتی ہے اور اندھیرا گہرا ہو جاتا ہے، بستر بچھ جاتے ہیں اور ہر دوست اپنے دوست کے ساتھ تنہائی میں چلا جاتا ہے تو وہ اپنے قدموں پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور اپنے چہرے بچھا دیتے ہیں اور میرے کلام کے ذریعے مجھ سے ہم کلام ہوتے ہیں۔ میرے انعامات کے تذکرہ سے میری تعریف کرتے ہیں۔ پھر کچھ چیخنے والے، کچھ رونے والے، کچھ آہیں بھرنے والے، کچھ شکوے کرنے والے، کوئی کھڑا، کوئی بیٹھا، کوئی رکوع میں، کوئی سجدے میں میری حمد بیان کرتا ہے۔ میری وجہ سے ان کو جو تکلیف پہنچتی ہے وہ میری نظروں میں ہے اور میری محبت کی وجہ سے جو شکوے کرتے ہیں وہ میرے کانوں میں ہیں۔

(منہاج القاصدین، ص:۵۰۸)

(۱۳)۔ حضرت مزین کبیرؒ فرماتے ہیں کہ میں مکہ مکرمہ میں تھا۔ مجھے بے قراری لاحق ہوئی تو میں مدینہ

طیبہ کے ارادے سے نکلا۔ جب میں بئر میمون[۱] تک پہنچا تو میں نے ایک نوجوان کو گرا پڑا دیکھا۔ میں اس کی طرف گیا تو دیکھا کہ وہ حالت نزع میں ہے۔ میں نے اس سے کہا کہ کلمہ پڑھ لو۔ اس نے جواب دیا: اگر میں مر بھی جاؤں تو کوئی پرواہ نہیں کیونکہ اللہ پاک سے عشق نے میرے دل کو بھر دیا ہے اور شرفا عشق حقیقی ہی سے وفات پاتے ہیں۔ اس کے بعد اس لڑکے نے چیخ ماری اور مر گیا۔ میں نے اس کو غسل دیا اور کفن پہنا کر اس کی نماز جنازہ پڑھی۔

(رسالہ قشیریہ، ص:۵۳۱)

(۱۴)۔ حضرت ابوبکر شبلیؒ ایک صاحب شوق بزرگ تھے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں بازار میں سے گزر رہا تھا کہ ایک جماعت نے مجھ پر آوازیں بلند کرنا شروع کر دیں: دیکھو پاگل جا رہا ہے۔ میں نے ان کے جواب میں کہا: میں تمہارے نزدیک دیوانہ ہوں اور تم میرے نزدیک تندرست ہو۔ اچھا اللہ تعالیٰ میری اس دیوانگی کو مزید بڑھائے اور تمہاری اس صحت مندی میں اضافہ فرمائے۔

آپؒ پر اللہ پاک کے دیدار کے شوق کی کیفیت طاری تھی۔ اس لیے لوگ آپؒ کو دیوانہ سمجھتے تھے۔ اسی لیے آپؒ نے جواب دیا کہ بھائیو! میں اس دیوانگی سے شفا کا طلب گار نہیں ہوں۔ میں تو یہ دعا کرتا ہوں کہ اللہ پاک میرے اس جنون کو اور بڑھائے۔ (کشف المحجوب، ص:۲۲۸)

۱۔ مکہ مکرمہ کے ایک کنویں کا نام جس کا محل وقوع مسجد الحرام اور منیٰ کے درمیان ہے جو منیٰ سے قریب تر قرار دیا جاتا ہے۔ امام طبریؒ نے اس کنویں کے مقام پر ۱۵۸ھ، (۷۷۵ء) میں خلیفہ المنصور کی وفات کے جو حالات لکھے ہیں ان کے مطابق یہ کنواں حدود حرم کے اندر اور عراق سے آنے والے حجاج کے راستے پر واقع تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ کنواں دنیا کے دو قدیم ترین کنوؤں میں سے ایک تھا۔ یہاں تک کہ اسے چاہ زمزم سے بھی قدیم قرار دیا گیا ہے۔ عہد نبوی میں یہ میمون بن الحضرمی کی ملکیت تھا۔ آج کل اس کنویں کا ذکر سننے میں نہیں آتا۔

حوالہ جات

۱۔ احیاء العلوم الدین، امام ابو الحامد محمد غزالیؒ ترجمہ مولانا ندیم الواجدی۔ کراچی: دارالاشاعت، ۱۹۹۹ء۔

۲۔ آداب المریدین، شیخ ضیاء الدین ابوالنجیب عبدالقاہر سہروردیؒ ترجمہ محمد عبدالباسط۔ لاہور: تصوف فاؤنڈیشن، ۱۹۹۸ء۔

۳۔ جامع ترمذی، امام محمد بن عیسیٰ ترمذیؒ ترجمہ مولانا افضل احمد۔ کراچی: دارالاشاعت، ۲۰۰۶ء۔

۴۔ حجۃ اللہ البالغہ: رحمۃ اللہ واسعہ، شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ترجمہ مولانا محمد سعید پالن پوریؒ۔ کراچی: زمزم پبلشرز، ۲۰۰۵ء۔

۵۔ رسالہ القشیریہ فی علم التصوف، امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیریؒ ترجمہ شاہ محمد چشتی۔ لاہور: ادارہ پیغام القرآن، ۲۰۰۷ء۔

۶۔ صحیح بخاری، امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاریؒ ترجمہ حضرت مولانا محمد داؤد دراز۔ دہلی: مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند، ۲۰۰۴ء۔

۷۔ صحیح مسلم، امام ابوالحسین مسلم بن الحجاج نیشاپوریؒ ترجمہ علامہ وحیدالزمان۔ دہلی: مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند، ۲۰۰۴ء۔

۸۔ صدمیدان، خواجہ عبداللہ انصاریؒ ترجمہ حافظ محمد افضل فقیر۔ لاہور: تصوف فاؤنڈیشن، ۱۹۹۸ء۔

۹۔ طبقات صوفیہ، ابی عبدالرحمٰن محمد بن حسین سلمیؒ ترجمہ شاہ محمد چشتی۔ لاہور: ادارہ پیغام القرآن، ۲۰۱۱ء۔

۱۰۔ کشف المحجوب، سید علی ہجویریؒ ترجمہ میاں طفیل محمد۔ لاہور: اسلامک پبلیکیشنز، ۱۹۸۸ء۔

۱۱۔ کنزالعمال، علامہ علاء الدین علی متقی بن حسام الدینؒ ترجمہ مولانا مفتی احسان اللہ شائق۔ کراچی: دارالاشاعت، ۲۰۰۹ء۔

۱۲۔ مدارک التنزیل وحقائق التاویل: تفسیر مدارک: تفسیر نسفی، شیخ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود نسفیؒ ترجمہ مولانا شمس الدین۔ لاہور: مکتبۃ العلم، ۲۰۰۳ء۔

۱۳۔ مسند امام احمد بن حنبل، امام احمد بن حنبلؒ ترجمہ مولانا محمد ظفر اقبال۔ لاہور: مکتبہ رحمانیہ، ۲۰۰۴ء۔

۱۴۔ مشکوٰۃ المصابیح، شیخ ولی الدین خطیب التبریزیؒ ترجمہ مولانا محمد صادق خلیلؒ۔ لاہور: مکتبہ محمدیہ، ۲۰۰۵ء۔

۱۵۔ منہاج القاصدین، امام عبدالرحمٰن ابن جوزیؒ ترجمہ محمد سلیمان کیلانی۔ لاہور: ادارہ معارف اسلامی، ۱۹۸۵ء۔

۱۶۔ http//:www.hadithurdu.com/

۱۷۔ https//:easyquranwahadees.com/

۲۴

رقت

۱۔ رقت کا مفہوم

(۱)۔ رقت کے لغوی معانی اثر پذیری کی صلاحیت، نرمی، ملائمت، ہمدردی، رحم دلی اور رونے کے ہیں۔ اصطلاح میں اللہ پاک کی یاد یا خوف میں رونے کو رقت کہتے ہیں۔ تصوف کی اصطلاح میں سالک کے دل پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وارد ہونے والی وہ کیفیت ہے جس سے سالک کا دل رحم دلی، طبیعت کی نرمی اور اثر پذیری جیسی اعلیٰ خصوصیات سے مزین ہو جاتا ہے۔ اس کے دل میں نیکی کا شوق پیدا ہوتا ہے اور برائی کے تصور سے لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات یہ حالت اللہ پاک کی یاد میں آہ و بکا تک پہنچ جاتی ہے۔

(۲)۔ رقت قلبی یہ ہے کہ سالک ترغیب و ترہیب سے متاثر ہوتا ہے۔ جب اس کے سامنے نیکی کا شوق دلانے والی باتیں آتی ہیں تو اس کے دل میں نیکی کا شوق پیدا ہوتا ہے۔ جب اس کے سامنے گناہ سے ڈرانے والی بات آتی ہے تو اس کے دل میں خوف پیدا ہوتا ہے اور وہ ڈرنے لگ جاتا ہے جس کے نتیجے میں وہ گناہ سے بچتا ہے۔ یہ اللہ پاک کی بہت بڑی نعمت ہے۔

(۳)۔ جب انسان کا نفس گناہ کی آلودگیوں اور رذائل اخلاق سے پاک ہو جاتا ہے تو اس کے اثرات انسان کے باطن پر بھی مرتب ہونے لگتے ہیں جب انسان کی غیض و غضب کی قوت جذبۂ رحم اور عفو و درگزر سے مغلوب ہو جاتی ہے تو اس کی شخصیت کا جمالیاتی پہلو غالب آ جاتا ہے، غرور و تکبر کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ جس کے نتیجے میں انسان کے دل میں نرمی اور رقت پیدا ہوتی ہے جو قلب کی صفائی و چمک کا باعث بنتی ہے۔ اس طرح دین کا ایک اہم تقاضا پورا ہو جاتا ہے کیونکہ جب دل ہر قسم کی آلودگی سے پاک ہو جائے تو وہ قرآن کی نظر میں قلب کا درجہ پاتا ہے۔

(۴)۔ رقت اللہ تعالیٰ کی عبادت کی متعدد اقسام میں سے ایک قسم ہے۔ مطلوبہ رقت کا مطلب یہ ہے کہ دل میں اللہ تعالیٰ کے خوف سے ایک قلق واضطراب کی ایسی کیفیت ہو جس سے دل میں یہ احساس پیدا ہو کہ حرام کے ارتکاب کرنے، واجب کے ترک کر دینے اور اطاعت سے روگردانی

کرنے پر، اللہ تعالیٰ کا عذاب لاحق ہوسکتا ہے۔ ساتھ یہ اندیشہ بھی ہو کہ انھی وجوہات کی بنا پر ممکن ہے کہ اللہ پاک اس کے عمل صالح کو بھی قبول نہ کرے۔ دل میں یہ احساس پیدا ہونے پر اس کا نفس برائی سے متنفر ہو کر محرمات (حرام) سے رک جاتا ہے اور بھلائی کی طرف سبقت کرنے کی کوشش میں لگ جاتا ہے۔

۲۔ رقت قرآن پاک کی روشنی میں

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قران مجید میں کئی جگہ پر رقت کا ذکر فرمایا ہے، جن میں کچھ آیات مبارکہ حسب ذیل ہیں:

(۱)۔ وَّحَنَانًا مِّنۡ لَّدُنَّا وَزَكٰوةً ‌ؕ وَكَانَ تَقِيًّا ۔ (سورۃ مریم، آیت: ۱۳)
(اوران کو اپنے پاس سے رقت قلبی کی صفت اور پاکیزگی عطا فرمائی اور وہ پرہیزگار تھے)
اس آیت مبارکہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اللہ پاک نے اپنے جلیل القدر نبی حضرت یحییٰ علیہ السلام کو رقت قلبی، طبیعت کی نرمی، فکر و عمل کی پاکیزگی اور ہر قسم کے گناہ سے بچنے کی صفات سے مزین فرمایا تھا۔ یہی صفات انبیاء کرام علیہم السلام کی سیرت طیبہ اور حیات مبارکہ کا جوہر ہوتی ہیں اور وہ انہیں باتوں کی اپنی امت کو تلقین فرمایا کرتے تھے۔

(۲)۔ وَاِذَا سَمِعُوۡا مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَى الرَّسُوۡلِ تَرٰۤى اَعۡيُنَهُمۡ تَفِيۡضُ مِنَ الدَّمۡعِ مِمَّا عَرَفُوۡا مِنَ الۡحَـقِّ‌ۚ. (سورۃ المائدہ، آیت: ۸۳)
(اور جب وہ اس کو سنتے ہیں جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف بھیجا گیا تو آپ ان کی آنکھوں سے آنسو بہتے ہوئے دیکھتے ہیں، اس لیے کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا)
یہ آیات حبشہ سے آنے والے نجاشی کے وفد کے متعلق نازل ہوئیں۔ جب مسلمان مکہ والوں کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر حبشہ (افریقہ) ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے تو حبشہ کے بادشاہ نجاشی نے اپنے ساتھیوں میں سے تیس پسندیدہ راہبوں کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیجا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے سامنے سورۃ یٰسین پڑھی تو ان کے دل نرم ہو گئے اور وہ رونے لگے۔ ان راہبوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہونے والے کلام کی تصدیق کی اور بتایا کہ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہونے والے کلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہونے والے کلام الٰہی میں مشابہت پائی جاتی ہے۔

اس آیت مبارکہ میں رقت قلبی کی وجہ سے گریہ شوق یا نالہ ندامت یا خوف خداوندی طاری ہونے کی اشارۃً مدح فرمائی گئی ہے۔ جو بھی قرآن مجید کو شوق و اعتقاد کے ساتھ سنتے ہیں ان کی روحیں خطاب الٰہی کی حلاوت سے لطف حاصل کرتی ہیں۔ دل نرم پڑ جاتے ہیں۔ پھر روح کے ساتھ جسم پر بھی اثر نمودار ہوتا ہے۔ دل محبت الٰہی کی آگ سے بھڑک اٹھتے ہیں اور رقت قلبی کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔

(۳)۔ وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ. (سورۃ الانبیا، آیت: ۲۸)
(اور وہ اس کے خوف سے برابر لرزتے رہتے ہیں)
اس آیت پاک سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ خوف سے رقت طاری ہونے کی کیفیت فرشتوں پر بھی طاری رہتی ہے۔ فرشتے اللہ پاک کے خوف سے ہر وقت کانپتے رہتے ہیں کیونکہ وہ اللہ پاک کی عظمت و کبریائی کو ہر وقت اپنے سامنے پاتے ہیں۔ سالک کو عام طور پر اللہ پاک کی فرشتوں جتنی معرفت حاصل نہیں ہوتی۔ اس لیے ان کی حالت خوف میں کمی وبیشی ہوتی رہتی ہے۔ جوں جوں سالک کی معرفت خداوندی میں اضافہ ہوتا جاتا ہے توں توں اس کی حالت خوف میں بھی اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ اسی لیے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد پاک ہے کہ میں تم میں سب سے زیادہ اللہ پاک سے ڈرنے والا ہوں۔

(۴)۔ اِنَّ الَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ. (سورۃ المومنون، آیت: ۵۷)
(بیشک جو لوگ خوف پروردگار سے لرزاں رہتے ہیں)
اس آیت پاک میں مومنین کی خوبیاں بیان کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ وہ اللہ پاک کے خوف سے کپکپاتے رہتے ہیں۔ وہ اس بات سے ڈرتے ہیں کہ کہیں ان کے اعمال رد نہ کر دیے جائیں۔ یاد رہے کہ سالک حق پر اطاعت خداوندی کی کمی کے خوف کی وجہ سے کپکپی طاری ہوتی ہے۔ انہیں اللہ پاک سے دوری کا خوف لاحق ہوتا ہے۔

(۵)۔ وَاِنَّ مِنۡهَا لَمَا يَهۡبِطُ مِنۡ خَشۡيَةِ اللّٰهِ. (سورۃ البقرہ، آیت: ۷۴)

(اوران (پہاڑوں) میں سے بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے خوف سے گر پڑتے ہیں)

اس آیت پاک سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ رقت کی کیفیت انسانوں کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ یہ دیگر مخلوقات پر بھی طاری ہوتی ہے۔ اس آیت میں پہاڑوں پر رقت طاری ہونے کو بیان کیا گیا ہے۔ جب اللہ پاک کا خوف پہاڑوں پر طاری ہوتا ہے تو وہ اس کی تاب نہ لاتے ہوئے گر پڑتے ہیں۔ جب پہاڑ اللہ پاک کی شان جلالت کی تاب نہیں لا سکتا تو انسان پر رقت کا طاری ہونا ایک فطری امر ہے۔

(۶)۔ اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحۡسَنَ الۡحَدِيۡثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ ۖ تَقۡشَعِرُّ مِنۡهُ جُلُوۡدُ الَّذِيۡنَ يَخۡشَوۡنَ رَبَّهُمۡ ۚ ثُمَّ تَلِيۡنُ جُلُوۡدُهُمۡ وَقُلُوۡبُهُمۡ اِلٰى ذِكۡرِ اللّٰهِ. (سورۃ الزمر، آیت: ۲۳)

(اللہ پاک نے بہترین کلام نازل فرمایا ہے۔ ایک ایسی کتاب جس کے مضامین ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں۔ جس کی باتیں بار بار دہرائی گئی ہیں۔ وہ لوگ جن کے دلوں میں اپنے پروردگار کا رعب ہے ان کی کھالیں اس سے کانپ اٹھتی ہیں۔ پھر ان کے جسم اوران کے دل نرم ہوکر اللہ تعالیٰ کی یاد کی طرف متوجہ ہوجاتے ہیں)

اس آیت پاک میں قرآن پاک کی یہ خصوصیت بتائی گئی ہے کہ اس کی تلاوت سے سالکین پر رقت کی کیفیت طاری ہوجاتی ہے۔ ان کے دل اس سے نرم ہوکر اللہ پاک کی یاد کی طرف راغب ہوجاتے ہیں۔ اللہ پاک سے ڈرنے والے جب کلام الٰہی سنتے ہیں یا پھر خود اسی کی تلاوت کرتے ہیں تو اللہ پاک کی عظمت وجلال کے تصور سے ان پر ایسی ہیبت طاری ہوجاتی ہے کہ ان کے بدن کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ کلام الٰہی کی یہ زبردست تاثیر ہے جو دلوں میں رقت پیدا کرتی اور اسے پروان چڑھاتی ہے۔ اس کیفیت سے سالکین کے دل، جسم، ظاہر اور باطن اللہ پاک کی یاد کے سامنے جھک جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی یاد ان کے بدن اور روح دونوں پر ایک خاص اور خوبصورت اثر پیدا کرتی ہے۔

۳۔ رقت احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں

رقت کے بارے میں ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بے شمار احادیث منقول ہیں۔ ان میں کچھ حسب ذیل ہیں:

(۱)۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَا مِنْ عَبْدٍ مُؤْمِنٍ يَخْرُجُ مِنْ عَيْنَيْهِ دُمُوعٌ، وَإِنْ كَانَ مِثْلَ رَأْسِ الذُّبَابِ، مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ، ثُمَّ تُصِيبُ شَيْئًا مِنْ حُرِّ وَجْهِهِ، إِلَّا حَرَّمَهُ اللّٰهُ عَلَى النَّارِ".

(سنن ابن ماجہ، ج:۳، رقم الحدیث:۱۰۷۷)

(حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس مومن کی آنکھ سے خشیت الٰہی سے آنسو بہہ نکلیں، خواہ وہ مکھی کے سر کے برابر ہی کیوں نہ ہوں، پھر وہ اس کے رخساروں پر بہیں تو اللہ تعالیٰ اس کو جہنم پر حرام کردے گا)

(۲)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "لَوْ تَعْلَمُونَ مَا أَعْلَمُ لَضَحِكْتُمْ قَلِيلًا، وَلَبَكَيْتُمْ كَثِيرًا".

(صحیح بخاری، ج:۳، رقم الحدیث:۱۴۳۲)

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر تم اس چیز کو جان لو جس کو میں جانتا ہوں تو یقیناً تمہارا رونا زیادہ اور ہنسنا کم ہو جائے)

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد مبارک کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن کا حال اور اس کی ہولناکیاں، گنہگاروں کے لیے تیار کیا گیا عذاب، یوم حساب کی شدت اور اللہ تعالیٰ کی صفات قہریہ وجلالیہ کو جس قدر میں جانتا ہوں اور پھر ان چیزوں کے تعلق سے انجام کار کے بارے میں جو کچھ مجھے معلوم ہے اگر تم بھی ان سب چیزوں سے پوری طرح آگاہ ہو جاؤ تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ خوف وہیبت کے مارے تم ہنسنا بھول جاؤ اور اپنا زیادہ وقت رونے اور غم میں صرف کرو۔

(۳)۔ عَنِ الْعَبَّاسِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِذَا اقْشَعَرَّ جِلْدُ الْعَبْدِ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ، تَحَاتَّتْ عَنْهُ خَطَايَاهُ، كَمَا يَتَحَاتُّ عَنِ الشَّجَرَةِ الْبَالِيَةِ وَرَقُهَا". (کنز العمال، ج:۲، رقم الحدیث:۵۲۷)

(حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشادفرمایا: جب مومن کی کھال اللہ تعالیٰ کے خوف سے حرکت کرتی ہے تو اس کے گناہ اس طرح جھڑتے ہیں جس طرح خشک درخت سے اس کے پتے گرتے ہیں)

(۴)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا يَلِجُ النَّارَ رَجُلٌ بَكَى مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ حَتَّى يَعُودَ اللَّبَنُ فِي الضَّرْعِ".
(جامع ترمذی، ج:۱، رقم الحدیث:۱۷۰۱)

(حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشادفرمایا: اللہ پاک کی خشیت سے رونے والا انسان دوزخ میں داخل نہیں ہوگا حتیٰ کہ دودھ تھن میں واپس نہ چلا جائے)
جیسا کہ کسی مویشی کے تھنوں سے دودھ نکال لینے کے بعد اپس تھنوں میں نہیں جا سکتا اسی طرح اللہ پاک کے ڈر سے رقت طاری ہوجانے والے کو دوزخ کی آگ نہیں چھوئے گی۔

(۵)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "عَيْنَانِ لَا تَمَسُّهُمَا النَّارُ: عَيْنٌ بَكَتْ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ، وَعَيْنٌ بَاتَتْ تَحْرُسُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ". (جامع ترمذی، ج:۱، رقم الحدیث:۱۷۰۸)

(حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشادفرمایا: دو آنکھیں ایسی ہیں جنہیں آگ نہیں چھوسکتی: ایک وہ جو خشیت الٰہی سے روتی ہے اور دوسری وہ جو اللہ پاک کے راستہ میں پہرہ دیتی ہے)

(۶)۔ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: أَخَذَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ، فَانْطَلَقَ بِهِ إِلَى ابْنِهِ إِبْرَاهِيمَ فَوَجَدَهُ يَجُودُ بِنَفْسِهِ، فَأَخَذَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَضَعَهُ فِي حِجْرِهِ فَبَكَى، فَقَالَ لَهُ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ: أَتَبْكِي، أَوَلَمْ تَكُنْ نَهَيْتَ عَنِ الْبُكَاءِ، قَالَ: "لَا، وَلَكِنْ نَهَيْتُ عَنْ صَوْتَيْنِ أَحْمَقَيْنِ فَاجِرَيْنِ: صَوْتٍ عِنْدَ مُصِيبَةٍ، وَخَمْشِ وُجُوهٍ، وَشَقِّ جُيُوبٍ، وَرَنَّةِ شَيْطَانٍ".
(جامع ترمذی، ج:۱، رقم الحدیث:۱۰۰۱)

(حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور انہیں اپنے صاحبزادے ابراہیم رضی اللہ عنہ کے پاس لے گئے۔ وہ اس وقت نزع کی حالت میں تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اپنی گود میں لیا اور رونے لگے۔ حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ نے عرض

کیا آپ ﷺ بھی روتے ہیں؟ کیا آپ ﷺ نے رونے سے منع نہیں کیا؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ نہیں بلکہ بیوقوفی اور نافرمانی کی دو آوازوں سے منع کیا ہے۔ ایک تو مصیبت کے وقت کی آواز جب چہرہ نوچا جائے اور گریبان چاک کیا جائے؛ دوسری شیطان کی طرح رونے کی آواز)

(۷)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، يَقُولُ وَمَا يَوْمُ الْخَمِيسِ ثُمَّ بَكَى حَتَّى بَلَّ دَمْعُهُ الْحَصَى: يَوْمُ الْخَمِيسِ قُلْتُ: يَا أَبَا عَبَّاسٍ مَا يَوْمُ الْخَمِيسِ؟ قَالَ: اشْتَدَّ بِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَعُهُ. (صحیح بخاری، ج:۲، رقم الحدیث:۴۲۸)

(حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ جمعرات کا دن! اور آہ جمعرات کا دن! پھر ایسی گریہ وزاری کی کہ جس سے سنگریزے بھیگ گئے۔ پوچھا گیا: اے ابوالعباس! جمعرات کا دن کیسا ہے؟ جواب دیا: اس روز رسول نبی اکرم ﷺ کے مرض میں شدت ہوئی)

(۸)۔ عن عياض بن سليمان رضى الله عنه، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "خيار أمتى فيما أنبأني الملأ الأعلى قوم يضحكون جهرا في سعة رحمة ربهم ويبكون سرا من خوف عذاب ربهم". (کنز العمال، ج:۱، رقم الحدیث:۸۱۲)

(حضرت عیاض بن سلیمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: میری امت کے بہترین لوگ جن کی مجھے ملاء اعلیٰ نے خبر دی، وہ لوگ ہیں جو ظاہراً تو اپنے رب کی رحمت کی وجہ سے ہنستے ہیں لیکن دل میں اپنے رب کے عذاب کی وجہ سے گریہ وزاری کرتے ہیں)

(۹)۔ عن أبي هريرة رضى الله عنه، قال: قلت يا رسول الله صلى الله عليه وسلم: إنا إذا كنا عندك رقت قلوبنا، وزهدنا في الدنيا، ورغبنا في الآخرة.
(کنز العمال، ج:۱، رقم الحدیث:۱۶۹۵)

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا: جب ہم آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوتے ہمارے قلوب پر رقت طاری ہوتی ہے، دنیا سے بے رغبت ہوتی ہیں اور آخرت کا شوق ہمارے دلوں پر طاری ہوتا ہے)

(۱۰)۔ عَنِ الْبَرَاءِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي جِنَازَةٍ، فَجَلَسَ عَلَى شَفِيرِ الْقَبْرِ فَبَكَى حَتَّى بَلَّ الثَّرَى، ثُمَّ قَالَ: "يَا إِخْوَانِي، لِمِثْلِ هَذَا فَأَعِدُّوا". (سنن ابن ماجہ، ج:۳، رقم الحدیث:۱۰۷۵)

(حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم حضور نبی پاک ﷺ کے ساتھ ایک جنازے میں شریک

تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبر کے کنارے بیٹھ کر رونے لگے۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آنسوؤں سے مٹی گیلی ہوگئی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے بھائیو! اس (قبر) کے لیے تیاری کرو)

۴۔ رقت کی اقسام

رقت کی دو اقسام ہیں: عوام کی رقت اور خواص کی رقت۔ ان کی تفصیل کچھ یوں ہے۔

(۱)۔ **عوام کی رقت:** عام انسانوں پر طاری ہونے والی رقت یہ ہے کہ جب ان کی نگاہ اپنے گناہوں پر جاتی ہے تو ان کو عذاب اور سزا کے تصور سے ان پر رقت طاری ہو جاتی ہے۔

(۲)۔ **خواص کی رقت:** اولیاء اللہ کو اللہ پاک کی شان بے نیازی اور عظمت وجلالت سے خوف پیدا ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر بات سے بے پرواہ ہے۔ اگر ہزار فرمانبرداری کی جائے اس کی بارگاہ میں کچھ فائدہ نہیں اور اگر ہزاروں گناہ کرتے رہیں تو اس کی جناب میں کوئی نقصان نہیں۔ ممکن ہے کہ عبادات کے باوجود کسی کو راندہ درگاہ بنا دے یا پھر گناہ و نافرمانی کے باوجود اپنے وصال کی نعمت سے مالا مال کر دے۔ سالکین کی نظر اللہ تعالیٰ کی مشیت پر رہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دوری اور جدائی کا خوف ان پر رقت طاری کیے رکھتا ہے۔

رقت کی اس کے علاوہ بھی کچھ ذیلی اقسام ہیں جو حسب ذیل ہیں:

(۳)۔ **خوشی کی رقت:** جب سالک کو کوئی بھی غیر متوقع نعمت ملتی ہے تو بعض اوقات اس پر خوشی سے رقت طاری ہو جاتی ہے۔

(۴)۔ **غم کی رقت:** جب بھی کسی بندے پر کوئی مصیبت آتی ہے تو اس کی آنکھوں میں آنسو آ جاتے ہیں۔ اسی طرح بعض اوقات غم کی وجہ سے سالک پر رقت طاری ہو جاتی ہے۔ مثال کے طور پر جب انسان کسی ایسے شخص کو یاد کرتا ہے جس سے بہت محبت ہو تو اس کی جدائی کے غم میں رقت طاری ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دنیا سے پردہ فرما جانے کے بعد حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی فرمائش پر مسجد نبوی میں اذان دی۔ اہل مدینہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان کی آواز سنی تو ان کے دلوں میں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یاد

تازہ ہوگئی۔ دل تڑپ گئے۔ مرد وزن دیوانہ وار مسجد نبوی کی طرف دوڑ پڑے۔ آپ ﷺ کی جدائی کے غم میں ان پر رقت طاری ہوگئی۔ حتیٰ کہ ایک چھوٹے بچے نے اپنی ماں سے عرض کیا: امی جان! حضرت بلال رضی اللہ عنہ! تو آ گئے ہیں، حضور نبی پاک ﷺ کب تشریف لائیں گے۔

(۵)۔ **خوف کی رقت:** بعض اوقات سالک پر کسی چیز کا طبعی خوف یا پھر اللہ تعالیٰ کا خوف غالب آ جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے اس پر رقت طاری ہوجاتی ہے۔

(۶)۔ **خشیت کی رقت:** جب سالک اللہ پاک کی عظمتوں کو یاد کرتا ہے اور اپنے اعمال پر نظر ڈالتا ہے تو اللہ پاک کی شان بے نیازی کو دیکھتے ہوئے اس پر رقت طاری ہوجاتی ہے۔

۵۔ رقت کے درجات

رقت کے مختلف چار درجات ہیں۔ سالک اپنے مقام کے اعتبار سے ان میں سے کسی ایک درجے پر فائز ہوتا ہے۔

(۱)۔ رقت کا پہلا درجہ یہ ہے کہ سالک کو اپنے متعلق احتمال ہو کہ شاید مجھے عذاب ہو اور یہ احتمال مسلمانوں میں سے ہر شخص کو ہے۔ اس خوف سے سالک پر رقت طاری ہوجائے۔ یہ درجہ عقلی ہے اور صاحب ایمان ہونے کی شرط ہے۔

(۲)۔ رقت کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ سالک گناہ کی خواہش کے وقت قرآن پاک کی آیات اور احادیث کو یاد کرے جن میں گناہوں پر عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔ اس تصور سے اس پر رقت طاری ہو جائے۔ رقت کا یہ درجہ بھی عقلی ہے۔

(۳)۔ رقت کا تیسرا درجہ یہ ہے کہ سالک مراقبات واشتغال سے آیت وعید اور عظمت وجلال حق کو ہر دم پیش نظر رکھے۔ رقت کا یہ درجہ بھی عقلی ہے اور مستحب ہے۔

رقت کے یہ تینوں درجات کسبی وعقلی ہیں جنہیں کوشش سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔

(۴)۔ رقت کا چوتھا درجہ سالک کی وہ کیفیت ہے جو اختیار سے باہر ہے اور وہ یہ ہے کہ آثار رقت اس قدر

غالب ہو جائیں کہ اگر ان کو کم کرنا یا بھلانا بھی چاہے تو اختیار و قدرت سے باہر ہو۔ رقت کا یہ درجہ عقلی درجات کے بعد محض اللہ پاک کی عطا ہے اور یہ سالک کے احوال میں سے ایک حال ہے۔

۶۔ رقت کے حصول کا طریقہ

رقت کے عقلی درجات کو سالک اپنی کوشش سے حاصل کر سکتا ہے مگر وہبی درجہ صرف اللہ پاک کی عنایت سے ہی ملتا ہے۔ البتہ عقلی رقت، وہبی کے لیے معاون و مددگار ثابت ہو سکتی ہے۔ رقت کا عقلی درجہ حاصل کرنے کا طریقہ حسب ذیل ہے:

رقت عقلی حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ سالک روزانہ رات کو پندرہ بیس منٹ تک بیٹھ کر یا لیٹ کر یہ مراقبہ کرے کہ آج کیا کیا گناہ کیے ہیں۔ گناہوں کی فہرست تیار کی جائے پھر دل میں خیال جمایا جائے گویا کہ میدان قیامت موجود ہے اور میزان کھڑی ہے۔ مددگار کوئی بھی نہیں۔ ہر کوئی دشمن ہے۔ حیلہ سازی سے کام نہیں چل سکتا۔ زمین تانبے کی طرح کھول رہی ہے۔ سورج سر پر ہے۔ دوزخ سامنے ہے اور ان گناہوں کا حساب ہو رہا ہے۔ کوئی معقول جواب نہیں بن پا رہا۔ جب یہ حالات پیش نظر ہوں گے تو بے اختیار ہاتھ جوڑ کر حاکم کے روبرو معذرت کرے گا کہ بے شک خطا کار ہوں، کہیں ٹھکانہ نہیں، صرف اللہ پاک کے رحم کا ہی سہارا ہے۔ اسی کو استغفار کہتے ہیں۔ یہ تدبیر ایسی ہے کہ چند ہی روز کرنے سے سالک رقت کے عقلی درجات طے کر لیتا ہے۔ پھر اللہ پاک رقت وہبی کی بھی توفیق عطا فرماتا ہے۔

۷۔ رقت کے واقعات

روایات میں انبیائے کرام علیہم السلام اور اکابرین امت کی رقت کے بے شمار واقعات منقول ہیں، ان میں سے کچھ نصیحت حاصل کرنے کے لیے ذیل میں نقل کیے گئے ہیں:

(۱)۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اکثر خشیت الٰہی کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ اس رقت کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سینہ مبارک سے ہنڈیا کے ابلنے جیسی آواز آنے لگتی تھی۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت نماز میں مشغول تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سینہ مبارک سے اس طرح کی آواز محسوس ہو رہی تھی کہ جس طرح کی آواز ہانڈی میں سے آتی ہے۔

(سنن نسائی، ج:۱، رقم الحدیث:۱۲۱۹)

(۲)۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا: مجھے قرآن مجید پڑھ کر سناؤ۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! قرآن تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا ہے اور سناؤں میں؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا: ہاں! مجھ کو دوسرے کی زبان سے سننا اچھا لگتا ہے۔ میں نے سورت نساء کی تلاوت شروع کی۔ جس وقت اس آیت: فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰؤُلَاءِ شَهِيدًا۔ (سورۃ النسا، آیت:۴۱) 'پس کیا حال ہوگا جب ہم ہر فرقہ سے ایک ایک گواہ بلائیں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان سب پر گواہ بنائیں گے'۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر رقت طاری ہوگئی۔ آنسو گرنے لگے اور ارشاد فرمایا بس کرو۔

(صحیح بخاری، ج:۲، رقم الحدیث:۱۷۶۲)

(۳)۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک قبرستان گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک قبر کے پاس بیٹھ گئے۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لوگوں میں سے سب سے قریب تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رونے لگے۔ میں بھی رویا اور دوسرے لوگ بھی روئے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کیوں روتے ہو؟ ہم نے عرض کیا: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو روتا ہوا دیکھ کر روتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ میری والدہ حضرت آمنہ بنت وہب علیہا السلام کی قبر ہے۔ میں نے اپنے پروردگار سے اپنی والدہ محترمہ کی قبر کی زیارت کی اجازت مانگی تھی چنانچہ مجھے اس کی اجازت دے دی گئی۔ اولاد کو والدین سے جو محبت ہوتی ہے اس سے رقت طاری ہوگئی۔

(احیاء العلوم الدین، ص:۷۱۵)

(۴)۔ حضرت عطاءؒ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ بیمار ہو گئے۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور بہت سے صحابہ اکرام رضوان اللہ علیہم اجمعین عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ بعض صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا کہ آپ رضی اللہ عنہ دونوں بچوں کی

شفا کے لیے اللہ تعالیٰ سے کوئی نذر مان لیں۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ، حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا اور ان کی خادمہ حضرت فضہ رضی اللہ عنہا نے نذر مان لی کہ اللہ پاک ان دونوں بچوں کو شفا عطا فرما دے۔ وہ تینوں اللہ پاک کے شکر میں تین دن کے روزے رکھیں گے۔ اللہ تعالیٰ کا فضل ہوا کہ دونوں تندرست ہو گئے۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ، حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا اور حضرت فضہ رضی اللہ عنہا نے نذر کے روزے رکھنے شروع کر دیے۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے گھر میں کھانے کو کچھ نہ تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے تین صاع کھجور محنت مزدوری کر کے حاصل کیے۔ بعض روایت کے مطابق قرض لیے۔ پہلا روزہ کھول کر جب کھانے کے لیے بیٹھے تو ایک مسکین نے کھانا مانگا۔ گھر والوں نے سارا کھانا اسے دے دیا اور خود پانی پی کر سو گئے۔ دوسرے دن پھر افطار کے بعد کھانے کے لیے بیٹھے تو ایک یتیم آ گیا اور اس نے سوال کیا۔ اس روز بھی سارا کھانا انھوں نے اس کو دے دیا اور خود پانی پی کر سو گئے۔ تیسرے دن روزہ کھول کر ابھی کھانے کے لیے بیٹھے ہی تھے کہ ایک قیدی نے آ کر وہی سوال کر دیا اور اس روز کا بھی پورا کھانا اسے دے دیا گیا۔ چوتھے دن حضرت علی رضی اللہ عنہ دونوں بچوں کو لے کر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دیکھا کہ بھوک کی شدت سے باپ بیٹوں کا برا حال ہو رہا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اٹھ کر ان کے ساتھ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے گھر پہنچے تو دیکھا کہ وہ بھی ایک کونے میں بھوک سے نڈھال بیٹھی ہوئی ہیں۔ یہ حال دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر رقت طاری ہو گئی۔ اتنے میں حضرت جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کیا: اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین کے معاملے میں مبارکباد دی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے پوچھا وہ کیا ہے؟ انھوں نے جواب میں قرآن پاک کی حسب ذیل آیات سنائیں:

اِنَّ الْاَبْرَارَ يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا ۝ عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا ۝ يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُوْنَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِيْرًا ۝ وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا. (سورۃ الدہر، آیات: ۵-۸)

(نیک لوگ ایسے جام پئیں گے جن میں کافور کی آمیزش ہوگی۔ یہ مشروبات ایک ایسے چشمے کے ہوں گے جو اللہ پاک کے بندوں کے پینے کے لیے مخصوص ہے۔ وہ اسے (جہاں چاہیں گے) آسانی

سے بہا کر لے جائیں گے۔ یہ لوگ اپنی نذریں پوری کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کی مصیبت ہر طرف پھیلی ہوئی ہوگی۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی محبت میں مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں)۔(تفسیر روح القران، ذیل سورۃ الدہر، آیت:۱)

(۵)۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک دن وہ دوزخ کی آگ کا خیال کر کے رونے لگیں۔ اچانک ان کے دل میں دوزخ کا خیال آ گیا تو اس کی دہشت سے ان پر رقت طاری ہوگئی۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اس طرح اچانک روتے دیکھا تو پوچھا: یہ تمہیں کیا ہوا کیوں رو رہی ہو؟ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: مجھے دوزخ کی آگ کا خیال آ گیا تھا؟ اس کی دہشت اور خوف نے مجھ پر گریہ طاری کر دیا۔(مشکوٰۃ المصابیح، ج:۵، رقم الحدیث:۱۳۳)

(۶)۔ اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر انبیا علیہم السلام پر بھی اللہ پاک کی شان جلالت کا اس قدر خوف ہوا کرتا تھا کہ ان پر رقت قلب (دل بھر آنے کی کیفیت) طاری ہو جاتی تھی۔ روایات میں آتا ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام جب کبھی کسی لغزش کے بارے میں سوچتے تو ان کا قلب اس قدر جوش مارتا کہ اس کی آواز بہت دور تک سنی جاتی تھی۔ آپ علیہ السلام کا یہ حال دیکھ کر اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو ان کے پاس بھیجا۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ علیہ السلام سے فرمایا کہ اللہ پاک آپ علیہ السلام کو سلام کہتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے کہ کیا کبھی دوست بھی دوست سے ڈرتا ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: اے جبریل علیہ السلام جب میں لغزشوں کو یاد کرتا ہوں اور اس کے عذاب پر غور کرتا ہوں تو اللہ تعالیٰ کی دوستی کو بھول جاتا ہوں۔(مکاشفۃ القلوب، ص:۷۴)

(۷)۔ اللہ پاک نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو لڑکپن ہی میں فہم و دانش، علم و حکمت، احکام کتاب اور آداب عبودیت کی معرفت عطا فرما دی تھی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو ذوق و شوق، رحمت و شفقت، رقت، نرم دلی، محبت اور محبوبیت عطا فرمائی تھی۔ بچپن میں جب بچے آپ علیہ السلام سے کھیلنے پر اصرار کرتے تو جواب دیتے کہ اللہ پاک نے مجھ کو لہو ولعب کے لیے پیدا نہیں کیا ہے۔ حدیث شریف میں ہے: حضرت یحییٰ علیہ السلام نے نہ کبھی گناہ کیا اور نہ گناہ کا ارادہ کیا۔(دیکھیے مسند احمد، ج:۲، رقم الحدیث:۸۲۷) مگر اللہ پاک کی خشیت سے روتے روتے رخساروں پر آنسوؤں کی نالیاں سی بن گئیں۔

ایک مرتبہ آپ علیہ السلام کے والد حضرت زکریا علیہ السلام نے جب آپ علیہ السلام کو تلاش کرتے ہوئے جنگل میں پایا تو ارشاد فرمایا: بیٹا! ہم تیری یاد میں مضطرب تجھ کو تلاش کر رہے ہیں۔ تو یہاں گریہ زاری میں مشغول ہے۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے عرض کیا: اے میرے والد محترم! آپ علیہ السلام ہی نے مجھے بتایا کہ جنت اور جہنم کے درمیان ایک ایسا لق ودق میدان ہے جو خدا کی خشیت میں آنسو بہائے بغیر طے نہیں ہوتا اور جنت تک رسائی نہیں ہوتی۔ یہ سن کر حضرت زکریا علیہ السلام بھی رونے لگے۔

(تفسیر محمد احمدؒ، ذیل سورۃ مریم، آیت: ۷)

(۸)۔ حضرت جبریل علیہ السلام اللہ پاک کے برگزیدہ فرشتوں میں سے ہیں۔ ان پر بھی اللہ پاک کی خشیت طاری رہتی ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دفعہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ جب تو ہمارے پاس آتا ہے، تیری آنکھوں میں آنسو ہوتے ہیں۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا: جب سے اللہ پاک نے دوزخ کو پیدا فرمایا ہے تب سے میں نہیں ہنسا۔

(الدر المنثور، ذیل سورۃ البقرہ، آیت: ۹۷)

(۹)۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب سے میں نے ہوش سنبھالا، اپنے والدین کو دین اسلام سے مزین پایا۔ کوئی دن ایسا نہ ہوتا تھا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صبح و شام دونوں وقت ہمارے یہاں تشریف نہ لاتے ہوں۔ جب مسلمانوں کو ستایا جانے لگا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہجرت کے ارادے سے حبشہ کی طرف نکلے حتیٰ کہ جب برک انغماد تک پہنچے تو ابن الدغنہ سے جو (قبیلہ) قارہ کا سردار تھا، ملاقات ہوگئی۔ اس نے پوچھا اے ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کہاں جا رہے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ مجھے میری قوم نے نکال دیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ زمین میں گھوموں پھروں اور اپنے رب کی عبادت کروں۔ ابن الدغنہ نے کہا کہ اے ابوبکر (رضی اللہ عنہ) تم جیسا آدمی نہ نکل سکتا ہے نہ نکالا جا سکتا ہے۔ تم فقیر کی مدد کرتے ہو، رشتہ داروں سے حسن سلوک کرتے ہو، بے کسوں کی کفالت کرتے ہو، مہمان کی ضیافت کرتے ہو اور حق کی راہ میں پیش آنے والے مصائب میں مدد کرتے ہو۔ میں تمہارا حامی ہوں، چلو لوٹ چلو اور اپنے وطن میں اپنے رب کی عبادت کرو۔

چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ ابن الدغنہ کے ساتھ واپس آئے پھر ابن الدغنہ نے شام کے وقت تمام اشراف قریش میں چکر لگایا اور ان سے کہا کہ ابوبکر (رضی اللہ عنہ) جیسا آدمی نہ تو نکل سکتا ہے اور نہ نکالا جا سکتا ہے۔ کیا تم ایسے شخص کو نکالتے ہو جو فقیر کی مدد کرتا ہے۔ رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کرتا ہے۔ بے کسوں کی کفالت کرتا ہے۔ مہمانوں کی ضیافت کرتا ہے اور حق کی راہ (میں پیش آنے والی تکالیف) میں مدد کرتا ہے۔ قریش نے ابن الدغنہ کی امان سے انکار نہ کیا اور ابن الدغنہ سے کہا کہ ابوبکر (رضی اللہ عنہ) سے کہہ دو کہ اپنے گھر میں اپنے رب کی عبادت کرے۔ گھر میں ہی نماز پڑھے اور جو جی چاہے پڑھے اور ہمیں اس سے تکلیف نہ دے اور بلند آواز سے نہ پڑھے کیونکہ ہمیں خوف ہے کہ ہماری عورتیں اور بچے (اس نئے دین میں) پھنس جائیں گے۔

ابن الدغنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے یہ بات کہہ دی۔ کچھ عرصہ تک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اسی طرح اپنے گھر میں اپنے رب کی عبادت کرتے رہے۔ بلند آواز سے نماز پڑھتے تھے اور نہ ہی گھر سے باہر پڑھتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دل میں خیال آیا تو انہوں نے ایک مسجد اپنے گھر کے سامنے بنالی اور وہ اس مسجد میں نماز اور قرآن پڑھتے اور مشرکین کی عورتیں اور بچے ان کے پاس جمع ہو جاتے اور ان سے خوش ہوتے اور ان کی طرف دیکھتے تھے۔ دراصل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ (رقت قلبی کی وجہ سے) بڑے رونے والے تھے۔ جب وہ قرآن پڑھا کرتے تو انہیں اپنی آنکھوں پر اختیار نہ رہتا تھا۔

(صحیح بخاری، ج:۲، رقم الحدیث:۱۱۳۹)

(۱۰)۔ حضرت رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو منبر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے: میں نے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر کر کے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر گریہ (رقت) طاری ہو گیا اور وہ رو پڑے۔

(مسند احمد، ج:۱، رقم الحدیث:۶)

(۱۱)۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ ایک شخص آپ رضی اللہ عنہ کے سامنے قرآن پڑھ رہا تھا۔ اس نے قرآن پاک کی یہ آیت مبارکہ پڑھی:

اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ○مَّا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ. (سورۃ الطور، آیت: ۷-۸)
(تیرے رب کے عذاب کا آنا ایک یقینی امر ہے اور کوئی نہیں جو اسے روک یا ٹال سکے)
جب آپ رضی اللہ عنہ نے اسے سنا تو آپ رضی اللہ عنہ کے منہ سے چیخ نکلی اور بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین آپ رضی اللہ عنہ کو اٹھا کر گھر لے گئے۔ آپ رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کے خوف سے ایک ماہ بیمار رہے۔ (ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء، ج: ۲، ص: ۲۷۳)

(۱۲)۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ قرآن پاک کی سورۃ المطففین کی تلاوت کر رہے تھے۔ جب آیت: یَّوْمَ یَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔ (آیت: ۶) 'جس دن سب لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہونگے'۔ پر پہنچے تو خوف وخشیت الٰہی سے بے حال ہو گئے۔ گریہ طاری ہو گیا اور پھر اس طرح روئے کہ اس کے بعد کی آیتوں کی تلاوت جاری رکھنے پر قادر نہ ہو سکے۔ (مشکوٰۃ المصابیح، ج: ۵، رقم الحدیث: ۱۳۶)

(۱۳)۔ ایک شخص نے حضرت ابو حنظلہ رضی اللہ عنہ کے سامنے قرآن پاک کی یہ آیت پڑھی:

لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِی الظّٰلِمِیْنَ.
(سورۃ الاعراف، آیت: ۴۱)
(ان کا بچھونا بھی جہنم کا ہوگا اور اوپر سے اوڑھنا بھی جہنم۔ ہم اسی طرح ظالموں کو بدلہ دیتے ہیں)
یہ آیت مبارک سنتے ہی آپ رضی اللہ عنہ بے اختیار رونے لگے اور یہ حال ہو گیا کہ لوگوں نے سمجھا کہ روح پرواز کر گئی ہے۔ کچھ دیر بعد آپ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے تو لوگوں نے عرض کیا کہ آپ رضی اللہ عنہ بیٹھ جائیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ اس آیت کی ہیبت مجھے بیٹھنے نہیں دیتی۔
(کشف المحجوب، ص: ۴۱۷)

(۱۴)۔ حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسی جلیل القدر ہستیوں کے ایمان لانے سے اسلام کو زبردست تقویت ملی۔ جیسے جیسے اسلام غریبوں اور کمزوروں سے بڑھ کر معززین تک پہنچا، قریش کی مخالفت بھی اسی قدر تیز ہوتی گئی۔ انہوں نے غریب مسلمانوں پر ظلم وستم بھی اور تیز کر دیا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بے گناہ مسلمانوں پر ہونے والے ظلم وستم کو دیکھتے ہوئے انہیں حبشہ کی طرف ہجرت کا حکم دیا۔ حبشہ ایک عیسائی ملک تھا۔ جہاں نجاشی کی حکومت تھی جو

ایک رحم دل و عادل حکمران تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے مسلمانوں نے سکون کی خاطر حبشہ کی طرف ہجرت کی۔

قریش کو مسلمانوں کا آرام وسکون سے رہنا پسند نہ آیا اور انہوں نے یہاں بھی ان کا پیچھا کیا۔ قریش کے مشرکین کی طرف سے ایک گروہ تحائف لے کر نجاشی کے پاس گیا تاکہ وہ مسلمانوں کو ان کے حوالے کر دیں۔ مشرکین کی قیادت عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ربیعہ کر رہے تھے۔ انہوں نے نجاشی سے مسلمانوں کو نکالنے کی درخواست کی اور کہا کہ ان لوگوں نے ایک ایسا دین اختیار کیا ہے جو ہمارے اور آپ کے مذہب کے خلاف ہے۔ ان کو ہمارے حوالے کیا جائے۔ نجاشی نے ان مسلمانوں کو اپنے دربار میں بلایا اور اس دین کے متعلق پوچھا کہ وہ کون سا دین ہے جو بت پرستی اور نصرانیت کے خلاف ہے۔ اس کے جواب میں حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے کہا:

ہم لوگ جاہل تھے، بتوں کو پوجتے تھے، بدکاری کرتے تھے، اپنے سے کمزور کو نیچا دکھاتے تھے۔ ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے ایک پیغمبر بھیجا۔ جس کی صداقت، پاکبازی اور دیانت داری سے ہم سب واقف ہیں۔ اس نے ہمیں خدائے واحد کی طرف بلایا اور بتوں کی پرستش سے منع کیا۔ سچ بولنے کی تلقین کی۔ امانت داری کی تعلیم دی۔ ہم نے ان کی تعلیمات کو قبول کیا جو ان (کفار) کے نزدیک ہمارا جرم ہے اور اس جرم میں یہ ہمارے دشمن ہو گئے ہیں۔

اس کے بعد حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کی چند آیات سنائیں جنہیں سن کر نجاشی بہت متاثر ہوا اور قریش کے آدمیوں کو واپس کر دیا۔ قریش مکہ اپنی انا کی تسکین کے لیے دوسرے دن دوبارہ نجاشی کے دربار میں پہنچے اور نجاشی سے کہا کہ ان لوگوں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق اپنا عقیدہ معلوم کریں۔ اس سے قریش مسلمانوں کو نجاشی کی نظروں میں گرانا چاہتے تھے کیونکہ قرآن پاک نے عیسائیوں کے گمراہ کن عقائد کی سخت مخالفت کی ہے۔ نجاشی نے حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا تمہاری اس کتاب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم علیہا السلام کا تذکرہ ہے؟ تو حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ہاں! ہماری اس پاک کتاب میں پوری ایک سورۃ کا نام حضرت مریم علیہا السلام کے نام پر (سورۃ مریم) ہے۔ نجاشی نے کہا کہ مجھے اس سورۃ میں سے کچھ سناؤ تو حضرت

جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے سورۃ مریم کی ابتدائی آیات جن میں حضرت مریم علیہا السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے تلاوت فرمائیں۔ انہیں سن کر نجاشی شوق ومحبت کی وجہ سے بے اختیار رو پڑا اور زمین سے ایک تنکا اٹھا کر کہنے لگا: اللہ پاک کی قسم آپ نے جو بیان کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم علیہا السلام اس سے ایک تنکا برابر بھی کم یا زیادہ نہیں۔

(مدارک التنزیل، ذیل سورۃ المائدہ، آیت: ۸۳)

(۱۵)۔ مسلمان جب ہجرت کر کے حبشہ پہنچے تو شاہ حبشہ نجاشی نے اپنے درباریوں میں سے کچھ پسندیدہ لوگوں کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیجا۔ یہ لوگ عیسائی راہب تھے جو سابقہ آسمانی کتابوں کا علم رکھتے تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر سچا ایمان رکھتے تھے۔ جب یہ راہب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچے تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے سامنے سورۃ یٰسین کی تلاوت فرمائی تو ان کے شوق میں مزید اضافہ ہو گیا۔ غلبہ شوق میں ان پر رقت طاری ہو گئی اور وہ رونے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کا اپنی پاک کتاب میں ان الفاظ میں ذکر فرمایا ہے:

وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ. (سورۃ المائدہ، آیت: ۸۳)

(اور جب وہ اس کو سنتے ہیں جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف بھیجا گیا تو آپ ان کی آنکھوں سے آنسو بہتے ہوئے دیکھتے ہیں، اس لیے کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا)

(۱۶)۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ ارشاد فرمایا: میرے سامنے جنت اور دوزخ کو پیش کیا گیا تو میں نے آج کے دن کی طرح کوئی خیر اور کوئی شر کبھی نہیں دیکھی۔ جو میں جانتا ہوں، تم بھی جان لیتے تو تم لوگ کم ہنستے اور بہت زیادہ روتے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر اس دن سے زیادہ سخت دن کوئی نہیں آیا۔ ان سب نے اپنے سروں کو جھکا لیا اور ان پر گریہ طاری ہو گیا۔ (صحیح مسلم، ج: ۳، رقم الحدیث: ۱۶۱۸)

(۱۷)۔ حضرت عبید اللہ بن عتبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ لوگوں کے سونے کے بعد جاگ جاتے اور صبح تک ان (کی گریہ وزاری کی وجہ) سے ایسی آوازیں رہتیں جیسے مکھیوں کے بھنبھنانے کی آواز ہوتی ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، ج: ۲، رقم الحدیث: ۲۶۴۳)

(۱۸)۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب مسجد نبوی میں خطبہ ارشاد فرماتے تو کھجور کے ایک سوکھے تنے سے ٹیک لگا کر کھڑے ہوتے تھے۔ یہ تنا ایک ستون کے طور پر مسجد میں کھڑا تھا۔ پھر جب منبر تیار ہو گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خطبہ پڑھنے کے لیے اس منبر) پر تشریف فرما ہوئے تو کھجور کا وہ تنا جس سے ٹیک لگا کر خطبہ ارشاد فرماتے تھے، زور زور سے رونے لگا اور قریب تھا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی جدائی کی تکلیف کی شدت سے پھٹ جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم منبر سے اترے اور اس کے پاس جا کر اس کو ہاتھوں سے پکڑا اور پھر اس کو تسلی کے لیے گلے لگایا۔ اس کے بعد تو اس ستون نے اس بچہ کی طرح رونا شروع کر دیا جس کو مختلف تدبیروں سے چپ کرایا جاتا ہے۔ آخر کار اس ستون کو قرار آ گیا اور وہ چپ ہو گیا۔ پھر حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس ستون کے رونے کا سبب یہ بیان فرمایا: یہ ستون اس وجہ سے رویا کہ اللہ پاک کا جو ذکر سنتا تھا اس سے محروم ہو گیا ہے۔ (صحیح بخاری، ج:۱، رقم الحدیث: ۸۸۲)

حضرت حسن بصریؒ کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ جب وہ اس حدیث کو بیان کرتے تو بے اختیار رونے لگتے تھے اور کہا کرتے تھے: کھجور کی سوکھی ہوئی لکڑی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے شوق و محبت میں روتی تھی۔ ہمیں تو اس سے زیادہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت اور شوق ملاقات میں بے قرار ہونا چاہیے۔ (دیکھیے مشکوٰۃ المصابیح، ج:۵، رقم الحدیث: ۴۹۱)

(۱۹)۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دنیا سے پردہ فرما جانے کے بعد حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی میں اذان دینا بند کر دی تھی۔ فرماتے تھے کہ پہلے جب میں اذان دیا کرتا تھا تو حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زیارت بھی کیا کرتا تھا۔ اب میں اذان دوں گا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا دیدار نہ کر سکوں گا۔ یہ غم مجھ سے برداشت نہیں ہو گا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ سے ہجرت کر کے شام چلے گئے۔ ایک رات کو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے خواب میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زیارت کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: بلال! کتنی سرد مہری ہے کہ ہمیں ملنے ہی نہیں آتے۔ جب نیند سے بیدار ہوئے تو فوراً تیاری کر کے مدینہ منورہ آ گئے۔ جب مسجد نبوی میں تشریف لائے تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا: آپ رضی اللہ عنہ اذان دیں لیکن آپ رضی اللہ عنہ نے انکار کر دیا۔ پھر حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے بھی یہی فرمائش کر دی۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ انہیں انکار نہ کر سکے۔ مدینہ منورہ کے

لوگوں نے جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان کی آواز سنی تو ان کے دلوں میں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یاد تازہ ہو گئی۔ دل تڑپ گئے۔ مرد و زن دیوانہ وار مسجد نبوی کی طرف دوڑ پڑے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جدائی کے غم میں ان پر رقت طاری ہو گئی۔ حتیٰ کہ ایک عورت نے اپنے بچے کو اٹھایا ہوا تھا۔ اس بچے نے اپنی ماں سے عرض کیا: امی جان! بلال رضی اللہ عنہ! تو کچھ عرصے بعد واپس آ گئے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کب واپس آئیں گے۔

(۲۰)۔ حضرت فضیل بن عیاضؒ اوائل عمری میں راہ زنی کیا کرتے تھے لیکن اس حالت میں بھی طبیعت نیکی وصلاح کی طرف مائل تھی۔ اگر کسی قافلہ میں کوئی عورت ہوتی تو اس کے قریب تک نہ جاتے۔ اگر کسی کے پاس سرمایہ قلیل ہوتا تو اس سے بھی ہرگز نہ چھینتے تھے۔ ہر شخص کے پاس کچھ نہ کچھ باقی رہنے دیتے۔ ایک مرتبہ ایک سوداگر مرو (موجودہ ترکمانستان کے ایک شہر) سے تجارت کا قافلہ لے کر روانہ ہوا۔ لوگوں نے اسے کہا کہ حفاظتی دستہ ساتھ لیتے جاؤ۔ راستے میں ڈاکو موجود ہیں۔ اس نے جواب دیا کہ میں نے سنا ہے، وہ (فضیل) ایک خدا ترس انسان ہے۔ لہٰذا مجھے اس کا خوف نہیں۔ تاجر نے ایک قاری کو ساتھ لے لیا اور اسے ایک علیحدہ اونٹ پر بٹھا دیا۔ وہ شب و روز قرآن مجید پڑھتا رہتا تھا۔ حتیٰ کہ قافلہ اس جگہ پہنچ گیا جہاں فضیل گھات لگائے بیٹھا تھا۔ اس وقت قاری یہ آیت پڑھ رہا تھا: اَلَمۡ يَأۡنِ لِلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡ تَخۡشَعَ قُلُوۡبُهُمۡ لِذِكۡرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الۡحَقِّ ۙ وَلَا يَكُوۡنُوۡا كَالَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ مِنۡ قَبۡلُ فَطَالَ عَلَيۡهِمُ الۡاَمَدُ فَقَسَتۡ قُلُوۡبُهُمۡ‌ؕ وَكَثِيۡرٌ مِّنۡهُمۡ فٰسِقُوۡنَ۔ (سورۃ الحدید، آیت:۱۶)

'کیا ایمان والوں کے لیے وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کے ذکر سے ڈر جائیں اور اللہ پاک کے نازل کردہ حق کے سامنے جھک جائیں۔ وہ ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جنہیں ان سے پہلے کتاب دی گئی۔ ان پر ایک لمبی مدت گزری تو ان کے دل سخت ہو گئے، اور ان میں اکثر نافرمان ہیں'۔ یہ سنتے ہی ان کے دل پر رقت طاری ہو گئی اور اس مذموم کام سے توبہ کر لی۔ لوٹا ہوا مال واپس کر دیا اور پھر مکہ مکرمہ تشریف لے گئے۔ (تذکرۃ الاولیا، ص:۵۶)

حوالہ جات

۱۔ احیاء العلوم الدین، امام ابو الحامد محمد غزالیؒ ترجمہ مولانا ندیم الواجدی۔ کراچی: دارالاشاعت، ۱۹۹۹ء۔

۲۔ ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء، شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ترجمہ مولانا محمد عبدالشکور۔ کراچی: قدیمی کتب خانہ، ۱۹۹۹ء۔

۳۔ تذکرۃ الاولیا، شیخ فریدالدین عطارؒ۔ لاہور: الفاروق بک فاؤنڈیشن، ۱۹۹۷ء۔

۴۔ تفسیر روح القرآن، مولانا ڈاکٹر محمد اسلم صدیقی۔ لاہور: نشریات، ۲۰۰۸ء۔

۵۔ جامع ترمذی، امام محمد بن عیسیٰ ترمذیؒ ترجمہ مولانا افضل احمد۔ کراچی: دارالاشاعت، ۲۰۰۶ء۔

۶۔ الدرالمنثور فی التفسیر بالماثور، امام جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر سیوطیؒ ترجمہ پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ۔ لاہور: ضیاء القرآن، ۲۰۰۶ء۔

۷۔ سنن ابن ماجہ، حافظ ابی عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہؒ ترجمہ مولانا محمد قاسم امین۔ لاہور: مکتبہ العلم، ۲۰۱۰ء۔

۸۔ صحیح بخاری، امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاریؒ ترجمہ حضرت مولانا محمد داؤد دراز۔ دہلی: مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند، ۲۰۰۴ء۔

۹۔ صحیح مسلم، امام ابوالحسین مسلم بن الحجاج نیشاپوریؒ ترجمہ علامہ وحیدالزمان۔ دہلی: مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند، ۲۰۰۴ء۔

۱۰۔ کشف المحجوب، سید علی ہجویریؒ ترجمہ میاں طفیل محمد۔ لاہور: اسلامک پبلیکیشنز، ۱۹۸۸ء۔

۱۱۔ کنزالعمال، علامہ علاء الدین علی متقی بن حسام الدینؒ ترجمہ مولانا مفتی احسان اللہ شائق۔

کراچی: دارالاشاعت، ۲۰۰۹ء۔

۱۲۔ مدارک التنزیل وحقائق التاویل: تفسیر مدارک: تفسیر نسفی، شیخ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود نسفیؒ ترجمہ مولانا شمس الدین۔ لاہور: مکتبۃ العلم، ۲۰۰۳ء۔

۱۳۔ مسند امام احمد بن حنبل، امام احمد بن حنبلؒ ترجمہ مولانا محمد ظفر اقبال۔ لاہور: مکتبہ رحمانیہ، ۲۰۰۴ء۔

۱۴۔ مشکوٰۃ المصابیح، شیخ ولی الدین خطیب التبریزیؒ ترجمہ مولانا محمد صادق خلیلؒ۔ لاہور: مکتبہ محمدیہ، ۲۰۰۵ء۔

۱۵۔ مصنف ابن ابی شیبہ، امام ابی بکر عبداللہ بن محمد ابن ابی شیبہ العبسی الکوفیؒ ترجمہ مولانا محمد اویس سرور۔ لاہور: مکتبہ رحمانیہ، ۲۰۰۱ء۔

۱۶۔ مکاشفۃ القلوب، امام ابو الحامد محمد غزالیؒ ترجمہ محمد الیاس عادل۔ لاہور: مشتاق بک کارنر، ۲۰۰۰ء۔

۱۷۔ http//:www.hadithurdu.com/

۱۸۔ https//:easyquranwahadees.com/

۲۵

سخا

ا۔ سخا کا مفہوم

(۱)۔ سخا کے لغوی معانی فیاضی اور بخشش کے ہیں۔ اصطلاح میں سخا سے مراد یہ ہے کہ مناسب موقعوں پر انسان اپنا ہاتھ اور دل کھلا کر لے اور وہ مالی وسائل جو اس کے اختیار میں ہیں انہیں صرف اپنی ذات تک محدود نہ رکھے بلکہ ان سے دوسروں کی مدد کرے، دوسروں کی مشکلات دور کرے۔ اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں اسے عطا کی ہیں ان سے دوسروں کو فائدہ پہنچائے۔ سخاوت کو دوسرے لفظوں میں صدقات، خیرات اور انفاق فی سبیل اللہ (اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنا) بھی کہتے ہیں۔ سخاوت کا الٹ بخل اور کنجوسی ہے۔

(۲)۔ ہم جب سخاوت کا لفظ بولتے ہیں تو اِس سے مراد صرف وہ مال مراد ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشی کے لیے خرچ کیا جاتا ہے۔ یہ وہ مال ہوتا ہے جو اللہ پاک کی محبت اور اس کا قرب حاصل کرنے کے لیے نکالا جاتا ہے۔ اِس سے مراد رفاہی اور فلاحی اداروں کے وہ عطیات نہیں جو نمود و نمائش (تشہیر) کے لیے خرچ کیے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ صرف ان صدقات کو ہی قبول کرتا ہے جو فی سبیل اللہ ہوں۔ صرف اس کی رضا اور محبت کو حاصل کرنے کے لیے ہوں۔ اللہ پاک کے راستے میں خرچ کرنے سے مراد وہ مال اور دولت ہے جو ایک مومن صرف اللہ پاک کے لیے اپنی حلال اور پاک کمائی سے خرچ کرتا ہے۔ اس کا مقصد کسی پر احسان کرنا یا شہرت حاصل کرنا نہیں ہوتا۔

(۳)۔ اپنے مال یا اپنی کسی چیز کو جس کی خود کو بھی ضرورت ہو، لیکن اپنے ضرورت پر دوسرے کی ضرورت کو ترجیح دیتے ہوئے وہ چیز دوسروں کو دینا ایثار ہے۔

(۴)۔ سخاوت اور ایثار رقم خرچ کرنے کا ہی نام نہیں بلکہ یہ تو غربت میں بھی ممکن ہے۔ انفاق (اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنا) درحقیقت اللہ تعالیٰ سے متعلق ایک دلی جذبے کا نام ہے جس کا اظہار امیری اور غربت دونوں میں ہوسکتا ہے۔ غریب آدمی کا اللہ تعالیٰ کی محبت کے لیے اپنی

ضروریات کونظر انداز کر کے صرف چند روپے سخاوت کرنا بھی انتہائی پسندیدہ ہے۔اللہ پاک اس معمولی قربانی پر بہت خوش ہوتے ہیں۔

(۵)۔ سخاوت کسی بے قید خرچ کا نام نہیں۔اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنے والا ایک منظم سوچ اور مرتب لائحہ عمل کا مالک ہوتا ہے۔موجودہ دور میں انسان چاہے جتنا بھی امیر ہولیکن اخراجات کو صحیح طور پر منظم نہ کرے تو اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنے کے لیے کچھ نہیں بچتا۔اس لیے اپنے وسائل کو سخاوت اور ایثار کے احساس کے ساتھ تقسیم کرنا پڑتا ہے۔

(۶)۔ ایثار اور سخاوت کے بے شمار مصارف (استعمال یا خرچ کرنے کی جگہ) ہیں لیکن ان سب کا خلاصہ صرف دو ہی جذبے ہیں۔

(i)۔ سسکتی ہوئی انسانیت کی خدمت کرنا، چاہے وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم۔

(ii)۔ دین کے احیا اور غلبہ کی جدوجہد کے لیے ذرائع فراہم کرنا۔

(۷)۔ یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ سخاوت کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے میں بنیادی فرق ہے۔تزکیہ نفس (نفس کی پاکیزگی) اور احسان کے نقطہ نظر سے دین میں جس چیز کی اہمیت ہے وہ سخاوت ہے، زکوٰۃ نہیں۔زکوٰۃ تو کم سے کم مطالبہ ہے جو اسلام میں مال والوں سے کیا گیا ہے۔آدمی امیر ہو خواہ غریب حیثیت و ہمت کے مطابق اس سے اسلام کا اصلی مطالبہ تو سخاوت یا انفاق ہے جو پوشیدہ (چھپا ہوا) بھی ہو اور اعلانیہ بھی، دوستوں اور رشتے داروں کے لیے بھی ہو اور دشمنوں کے لیے بھی۔

(۸)۔ زکوٰۃ ادا کر دینے سے اسلامی حکومت کے مطالبہ سے تو آدمی ضرور بری ہو جاتا ہے، قانون اس پر کوئی گرفت نہیں کر سکتا لیکن جہاں تک اللہ تعالیٰ کے مطالبہ کا تعلق ہے وہ صرف زکوٰۃ ادا کر دینے سے پورا نہیں ہوتا بلکہ یہ اس وقت پورا ہوتا ہے جب آدمی اپنا مال اپنی اور اپنے گھر والوں کی ضروریات کے سوا ہر مصرف سے بچا کر اللہ پاک کی راہ میں خرچ کرنے کی پوری پوری کوشش کرے۔جو شخص اس اہتمام سے اپنا مال اس کی راہ میں خرچ کرتا ہے وہی درحقیقت سخاوت کا

حق ادا کرتا ہے اور وہی اس زندگی میں روح کی بادشاہی دیکھتا ہے اور آخرت میں بھی اپنے رب کی خوشنودی (رضامندی) کی بہاریں دیکھے گا۔

۲۔ سخاوت قرآن پاک کی روشنی میں

قرآن پاک میں سخاوت کا لفظ استعمال نہیں ہوا لیکن یہ معنی دوسری مختلف تعبیرات مثلاً صدقہ، دوسروں کی مدد کرنا، انفاق فی سبیل اللہ اور بخل کی مذمت وغیرہ کے ذریعہ زیر بحث آیا ہے۔ جیسا کہ

(ا)۔ وَاَنۡ تَصَدَّقُوۡا خَيۡرٌ لَّكُمۡ. (سورۃ البقرہ، آیت: ۲۸۰)
(اور تم صدقہ کرو، یہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے)
اس آیت مبارکہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ

(i)۔ دوسروں پر اپنا مال خرچ کرنا چاہیے۔

(ii)۔ کنجوسی سے کام نہیں لینا چاہیے۔

(iii)۔ صدقہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اس پر عمل نہ کرنے سے انسان گناہ گار ہو سکتا ہے۔

(iv)۔ صدقہ کرنا مال کی بچت کرنے سے بہتر ہے اگرچہ بظاہر اس میں نقصان نظر آتا ہے۔

(۲)۔ اِنَّ الۡمُصَّدِّقِيۡنَ وَالۡمُصَّدِّقٰتِ وَاَقۡرَضُوا اللّٰهَ قَرۡضًا حَسَنًا يُّضٰعَفُ لَهُمۡ وَلَهُمۡ اَجۡرٌ كَرِيۡمٌ. (سورۃ الحدید، آیت: ۱۸)
(مردوں اور عورتوں میں سے جو لوگ صدقات دینے والے ہیں اور جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو قرض حسنہ دیا ہے، ان کو یقیناً کئی گنا بڑھا کر دیا جائے گا اور ان کے لیے بہترین انعام ہے)
اس آیت پاک میں بتایا گیا ہے کہ بلاشبہ صدقہ دینے والے کی حیثیت بالکل ایسی ہی ہے جیسے کسی کو قرض دیا جاتا ہے اور اس قرض کی واپسی لازمی ہوتی ہے۔ صدقہ اسی طرح اللہ تعالیٰ کو دیا گیا قرضہ حسنہ ہے، جو دینے والے کو بڑھا کر واپس کیا جائے گا اور ان کے لیے بہت اچھا اور پسندیدہ انعام ہوگا۔

(۳)۔ فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ ۫ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ. (سورۃ الروم، آیت:۳۸)

(پس رشتہ دار کو اس کا حق دے، مسکین اور مسافر کو بھی۔ یہ طریقہ بہتر ہے ان لوگوں کے لیے جو اللہ پاک کی خوشنودی (رضامندی) چاہتے ہوں اور وہی کامیاب ہونے والے ہیں)

اس آیت پاک میں رشتہ دار، مسکین اور مسافر کو خیرات دینے کا نہ صرف حکم دیا گیا ہے بلکہ یہ ارشاد ہوا ہے کہ یہ ان کا حق ہے جو ہمیں دینا چاہیے۔ ان کو دیتے ہوئے یہ خیال انسان کے دل میں نہ آنے پائے کہ یہ کوئی احسان ہے جو میں ان پر کر رہا ہوں اور میں کوئی بڑی ہستی ہوں اور وہ میرا دیا ہوا کھانے والی کوئی حقیر مخلوق ہے۔ یہ بات اچھی طرح انسان کے ذہن میں رہنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اگر ہمیں زیادہ مال دیا ہے اور دوسروں کو کم عطا فرمایا ہے تو یہ زائد مال دوسروں کا حق ہے جو ہمیں آزمانے کے لیے دے دیا گیا ہے۔ اللہ پاک دیکھنا چاہتا ہے کہ ہم ان کا حق ادا کرتے ہیں یا نہیں۔

اس آیت سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دنیا اور آخرت میں کامیاب ہونے والے وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے یہ حقوق پہچانتے اور ادا کرتے ہیں۔ جو لوگ ان حقوق کو ادا نہیں کرتے وہ فلاح پانے والے نہیں ہیں۔

(۴)۔ وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ. (سورۃ الذاریات، آیت:۱۹)

(اور ان کے مالوں میں سوال (مانگنے والے) کرنے والے اور محتاج (ضرورت مند) کا حق ہے)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مال والوں کے مال میں سائل (مانگنے والوں) اور محروم (ضرورت مندوں) کا بھی حق ہے اور یہ وہ حق ہے جو زکوٰۃ (ٹیکس) ادا کرنے کے بعد بھی ایک مال دار (صاحب استطاعت) انسان اپنے مال سے اپنی خوشی سے ادا کرتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا خیال ہے اللہ پاک کے اس حکم سے مراد یہ ہے کہ ایک متقی اور احسان کرنے والا انسان کبھی اس غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کا جو حق میرے مال میں تھا، زکوٰۃ ادا کر کے میں اس سے فارغ ہو گیا ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا متقی اور احسان کرنے والا ہر وقت، ہر اس بھلائی کے لیے تیار رہتا ہے جو اس کے بس میں ہو۔ نیک

کام کرنے کا کوئی موقع بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیتا۔ وہ یہ نہیں سوچتا کہ جو نیکی مجھ پر فرض کی گئی تھی وہ میں کر چکا ہوں۔ نیکی کی اہمیت (قدر) جاننے والا شخص اسے سمجھ بوجھ کر نہیں بلکہ اپنے لیے نفع کا کام سمجھ کر زیادہ سے زیادہ ثواب کے لیے کرتا ہے۔

(تفہیم القرآن، ذیل سورۃ الذاریات، آیت:۱۹)

(۵)۔ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ ۭ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ. (سورۃ الحدید، آیت:۷)

(اللہ پاک اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور ان چیزوں میں سے خرچ کرو جن پر اس نے تم کو نائب بنایا ہے۔ جو لوگ تم میں سے ایمان لائیں گے اور مال خرچ کریں گے ان کے لیے بڑا اجر ہے)

اس آیت میں خداوند کریم فرماتا ہے:

(i)۔ جو مال تمہارے پاس ہے یہ تمہارا ذاتی مال نہیں بلکہ اللہ پاک کا دیا ہوا ہے۔ تم خود اس کے مالک نہیں ہو، اللہ تعالی نے اپنے خلیفہ (نائب) کی حیثیت سے یہ تمہاری ملکیت میں دیا ہے۔ اس مال کو مالک حقیقی یعنی اللہ تعالیٰ کی خوشی کے لیے خرچ کرنے سے دریغ نہ کرو۔ نائب کا یہ کام نہیں ہے کہ مالک کے مال کو مالک ہی کے کام میں خرچ کرنے سے جی چرائے۔

(ii)۔ یہ مال نہ ہمیشہ سے تمہارے پاس تھا نہ ہمیشہ تمہارے پاس رہنے والا ہے۔ پہلے یہ دوسرے لوگوں کے پاس تھا۔ پھر اللہ پاک نے تم کو اس کا مالک بنایا۔ پھر ایک وقت ایسا آئے گا جب یہ تمہارے پاس نہ رہے گا اور کچھ دوسرے لوگ اس پر تمہارے جانشین بن جائیں گے۔ اس عارضی ملکیت کی تھوڑی سی مدت ہے۔ اسے اللہ پاک کے کام میں خرچ کرو تاکہ آخرت میں اس کا ہمیشہ رہنے والا انعام حاصل ہو سکے۔

(۶)۔ وَاَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ. (سورۃ التغابن، آیت:۱۶)

(اور اپنے مال خرچ کرو، یہ تمہارے ہی لیے بہتر ہے)

اس آیت پاک میں نصیحت فرمائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے کاموں میں مال خرچ کریں۔ یہاں اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے جو کچھ بھی خرچ کرے گا وہ انسان کے اپنے

ہی کام آئے گا اس میں اپنی ہی جانوں کا بھلا ہوگا۔

(۷)۔ يَاۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ. (سورۃ البقرہ، آیت: ۲۵۴)

(اے لوگوں جو ایمان لائے ہو، جو مال تم کو بخشا ہے، اس میں سے خرچ کرو اس دن سے پہلے پہلے جس میں نہ خرید وفروخت ہوگی، نہ دوستی کام آئے گی اور نہ ہی سفارش چلے گی)

اس آیت پاک میں مال خرچ کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ یہ جو مال اللہ تعالیٰ کی خوشی کے لیے خرچ کیا جاتا ہے، یہ اسی کا ہی دیا ہوا ہے۔ جس نے مال دیا، اس کو پورا پورا حق ہے کہ وہ مال خرچ کرنے کا حکم بھی دے۔

قیامت کا دن بہت سخت ہوگا۔ ہر انسان پریشان ہوگا کہ اس کے ساتھ کیا سلوک کیا جاتا ہے۔ قیامت کے دن کوئی آدمی کسی دوسرے آدمی کے بدلے عذاب بھگتنے کے لیے تیار نہیں ہوگا۔ دنیا کی دوستیاں اور محبتیں آخرت میں کام نہ آئیں گئیں۔ اس دن کوئی سودے بازی نہیں ہوگی اور نہ ہی سفارش کام آئے گی۔ اس دن صرف ایمان اور اچھے کام ہی فائدہ دیں گے۔ اس دن کی سختی اور عذاب سے بچنے کے لیے نیک کام کرتے رہنا چاہیے۔ نیک کاموں میں اللہ پاک کی رضا کے لیے مال خرچ کرنا بھی شامل ہے۔ جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنی پاک کتاب میں کئی جگہوں پر حکم دیا ہے۔

(۸)۔ اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ.
(سورۃ البقرہ، آیت: ۲۷۱)

(اگر اپنے صدقات اعلانیہ دو، تو یہ بھی اچھا ہے لیکن اگر چھپا کر ضرورت مندوں کو دو، تو یہ تمہارے حق میں زیادہ بہتر ہے)

اس آیت مبارکہ میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ صدقات، خیرات یا سخاوت اعلانیہ طور پر کی جائے یا چھپا کر، دونوں صورتوں میں جائز ہے لیکن چھپا کر دینا زیادہ بہتر ہے۔

(۹)۔ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ؕ قُلِ الْعَفْوَ. (سورۃ البقرہ، آیت: ۲۱۹)

(اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں؟ کہہ دیجیے جو ضرورت سے زائد ہو)

اس آیت مبارکہ میں بتایا گیا ہے کہ

(i)۔ انسان کو اللہ تعالیٰ کے راستے میں بھی خرچ کرنے میں غور وفکر سے کام لینا چاہیے۔ ایسا بھی نہ ہو کہ خرچ ہی نہ کیا جائے کہ ضروریات سے جس قدر بھی زائد ہو وہ پڑا ہی رہے یا جمع ہوتا رہے اور ایسا بھی نہ ہو کہ انسان سب خرچ کر کے غریبی، تنگ دستی اور فاقہ کشی میں مبتلا ہو جائے اور دوسروں سے مانگنے کی نوبت آ جائے۔

(ii)۔ سخاوت اور ایثار کرتے ہوئے اپنی دنیاوی ضروریات کو سمجھنا چاہیے۔ جوشِ سخاوت میں ایسا بھی نہ ہو کہ اپنے گھر والوں کے حقوق کا بھی لحاظ نہ رہے۔

(iii)۔ اگر کوئی شخص فرائض اور واجبات ادا کرنے کے بعد زائد مال میں سے اللہ تعالیٰ کے راستے میں کچھ خرچ کر دے اور کچھ رکھ لے تو اس کی بھی گنجائش ہے جیسا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ اللہ پاک کی راہ میں بہت زیادہ خرچ کرتے تھے لیکن ان کے پاس مال جمع بھی رہتا تھا اور یہ بات حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی معلوم تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے منع نہیں فرمایا۔

(iv)۔ ضرورت سے زیادہ جو مال جمع ہو جائے اگر اس میں سے فرض زکوٰۃ، صدقات اور نفقات (گھر والوں کا خرچہ) ادا ہوتے رہیں تو اس کا جمع کرنا جائز ہے لیکن خرچ کر دینا زیادہ افضل ہے۔

(۱۰)۔ لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰى تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ. (سورۃ آلِ عمران، آیت: ۹۲)
(ہرگز نیکی میں کمال حاصل نہ کر سکو گے یہاں تک کہ اپنی پیاری چیز سے کچھ خرچ کرو)
اس آیت پاک میں بتایا گیا ہے کہ نیکی کی بنیاد اللہ تعالیٰ کی محبت ہے۔ ایسی محبت کہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشی کے مقابلہ میں دنیا کی کوئی چیز عزیز تر (پیاری) نہ ہو۔ اگر کسی شے کی محبت آدمی کے دل پر اتنی غالب آ جائے کہ وہ اسے اللہ پاک کی محبت پر قربان نہ کر سکے تو وہ بت ہے اور جب تک آدمی اس بت کو توڑ نہ دے، نیکی کے دروازے اس پر بند رہتے ہیں۔

(۱۱)۔ وَاَنۡفِقُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَلَا تُلۡقُوۡا بِاَيۡدِيۡكُمۡ اِلَى التَّهۡلُكَةِ ۛۚ وَاَحۡسِنُوۡا ۛۚ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُحۡسِنِيۡنَ. (سورۃ البقرہ، آیت: ۱۹۵)

(اللہ پاک کی راہ میں خرچ کرو اور خود کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ احسان کا طریقہ اختیار کرو کہ اللہ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے)

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ

(i)۔ اگر مومنین اللہ پاک کے دین کو سربلند کرنے کے لیے اپنا مال خرچ نہیں کریں گے اور اس کے مقابلے میں اپنے ذاتی فائدے کو عزیز رکھیں گے، تو یہ ان کے لیے دنیا میں بھی نقصان کا سبب ہو گا اور آخرت میں بھی۔

(ii)۔ صدقات احسان کے جذبے کے ساتھ ادا کرنے چاہییں۔ احسان کے معنی کسی کام کو انتہائی اچھے طریقے سے کرنے کے ہیں۔ عمل کا ایک درجہ یہ ہے کہ آدمی کے سپرد جو خدمت ہو، اسے ادا کرے۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ انتہائی اچھے طریقے سے ادا کرے، اپنی پوری صلاحیت اور تمام وسائل اس میں لگا دے۔ دل و جان سے اس کی تکمیل کی کوشش کرے۔ پہلا درجہ محض فرماں برداری کا درجہ ہے، جس کے لیے تقویٰ اور خوف کافی ہے۔ دوسرا درجہ احسان کا ہے، جس کے لیے اللہ تعالیٰ سے گہری محبت اور دلی لگاؤ درکار ہے۔

(۱۲)۔ وَاَنۡفِقُوۡا مِنۡ مَّا رَزَقۡنٰكُمۡ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ يَّاۡتِىَ اَحَدَكُمُ الۡمَوۡتُ فَيَقُوۡلَ رَبِّ لَوۡلَاۤ اَخَّرۡتَنِىۡۤ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيۡبٍ۔ (سورۃ المنافقون، آیت: ۱۰)

(جو رزق ہم نے تمھیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرو اس سے پہلے کہ تم میں سے کسی کی موت کا وقت آ جائے اور اس وقت وہ کہے کہ اے میرے رب، کیوں نہ تو نے مجھے تھوڑی سی مہلت اور دے دی کہ میں صدقہ دیتا)

اس آیت سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ

(i)۔ مومن اور نیک لوگ صدقہ اللہ پاک کی رضا اور خوشی میں خرچ کرتے ہیں۔ جن لوگوں کو مال سے محبت ہوتی ہے اور دین پر چلنے کا شوق نہیں ہوتا وہ مال جمع کرتے رہتے ہیں۔ دولت کے غلام بنے رہتے ہیں۔ زکوٰۃ اور تھوڑا سا صدقہ تک نہیں دیتے۔

(ii)۔ موت کے آنے سے پہلے مال خرچ کرنا چاہیے۔ اگر زندگی میں اللہ پاک کے لیے مال خرچ نہ کیا

تو موت کے وقت یہ خواہش کام نہیں آئے گی کہ تھوڑی سی اور زندگی مل جاتی، تو اللہ تعالیٰ کے راستے میں مال خرچ کرتا۔ ہر انسان کی موت کا ایک وقت مقرر ہے۔

(۱۳)۔ وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۢ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ. (سورۃ البقرہ، آیت:۲۶۵)

(اور ان لوگوں کی مثال جو اپنا مال اللہ تعالیٰ کی رضا مندی اور دل کی تسکین اور یقین کے لیے خرچ کرتے ہیں اس باغ جیسی ہے جو اونچی زمین پر ہو، اس پر زوردار بارش برسے تو وہ دوگنا پھل دے، اگر اس پر تیز بارش نہ بھی برسے تو پھوار ہی کافی ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال دیکھ رہا ہے)

اس آیت پاک میں ایسے لوگوں کی مثال دی گئی ہے جو اپنا مال اللہ پاک کی رضا کے لیے خرچ کرتے ہیں۔ اس کی مثال اس باغ جیسی ہے جو بلند اور ہموار زمین پر ہو جس پر بارش نہ بھی ہو تو اسے اوس (شبنم) ہی کفایت کرتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشی کے لیے کیے جانے والے صدقہ میں اگر کوئی کمی اور کمزوری رہ بھی جائے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس کی تلافی فرما دیتا ہے۔ صدقہ کرنے والا اگر اس نیت کے ساتھ کر رہا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ ہی کا مال تھا جو میں نے اس کے کمزور بندوں پر خرچ کیا ہے۔ اس میں میرا کوئی کمال نہیں۔ اس کی نیت صرف اور صرف اللہ پاک کی رضا مندی اور خوشی ہوتی ہے۔ ایسا شخص ریاکاری، دکھاوے، احسان جتلانے اور تکلیف دینے سے بچتا ہے۔

(۱۴)۔ وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا. (سورۃ: المزمل، آیت:۲۰)

(اور اللہ پاک کو اچھا قرض دیتے رہو)

اس آیت میں حقیقت کو واضح فرما دیا گیا ہے کہ اللہ پاک کی رضا کے لیے جو کچھ بھی خرچ کیا جاتا ہے وہ کسی دوسرے کے لیے نہیں بلکہ خود اپنے لیے ہی کیا جاتا ہے۔ اس کا اجر ہر صورت خرچ کرنے والے کو ملے گا۔ اس کو اپنے رب سے نہایت اچھے اور بڑے ہی بہتر ثواب کی صورت اجر (انعام) دیا جائے گا۔ یہ کوئی نقصان کا سودا (کاروبار) نہیں بلکہ نہایت ہی فائدہ مند کام ہے۔

(۱۵)۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۙ كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ۭ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰي شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا. (سورۃ البقرہ، آیت: ۲۶۴)

(اے ایمان والو! اپنے صدقات کو احسان جتا کر اور دکھ دے کر اس شخص کی طرح خاک میں نہ ملا دو، جو اپنا مال محض لوگوں کے دکھانے کو خرچ کرتا ہے اور نہ اللہ پاک پر ایمان رکھتا ہے، نہ آخرت پر۔ اس کے خرچ کی مثال ایسی ہے، جیسے ایک چٹان تھی، جس پر مٹی کی تہہ جمی ہوئی تھی۔ اس پر جب زور کی بارش برسی، تو ساری مٹی بہہ گئی اور صاف چٹان کی چٹان رہ گئی ایسے لوگ اپنے نزدیک خیرات کر کے جو نیکی کماتے ہیں، اس سے کچھ بھی ان کے ہاتھ نہیں آتا)

اس آیت پاک میں بتایا گیا ہے کہ

(i)۔ صدقات احسان جتلانے اور تکلیف دینے سے ضائع ہو جاتے ہیں۔

(ii)۔ جو آدمی دوسروں کو دکھانے کے لیے سخاوت کرتا ہے، اس کی یہ ریا کاری (دکھاوا) اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اللہ پاک اور آخرت پر مکمل یقین نہیں رکھتا۔ اس کا لوگوں کو دکھانے کے لیے عمل کرنا یہ معنی رکھتا ہے کہ مخلوق ہی اس کی خدا ہے جس سے وہ اجر (بدلہ) چاہتا ہے۔ نہ تو اللہ پاک سے اس کو اجر کی توقع ہے نہ ہی اس پر یقین۔

(iii)۔ اس آیت پاک میں جو مثال دی گئی ہے اس میں بارش سے مراد خیرات ہے۔ چٹان سے مراد اس نیت اور اس جذبے کی خرابی ہے جس کے ساتھ خیرات کی گئی ہے۔ مٹی کی ہلکی تہہ سے مراد نیکی کی وہ ظاہری شکل ہے جس کے نیچے نیت کی خرابی چھپی ہوئی ہے۔ بارش کا فطری طور پر اثر تو یہی ہوتا ہے کہ اس سے کھیتی نشونما پائے لیکن جب فصل اگانے والی زمین برائے نام اوپر ہی اوپر ہو اور اس اوپری تہہ کے نیچے پتھر کی ایک چٹان رکھی ہوئی ہو، تو بارش مفید ہونے کے بجائے الٹی نقصان دہ ثابت ہوتی ہے۔ اس سے مٹی کی ہلکی تہہ اتر جاتی ہے اور خالص پتھر نکل آتا ہے جس پر فصل نہیں اگتی۔ اسی طرح خیرات بھی اگرچہ بھلائیوں کو نشوونما دینے کی قوت رکھتی ہے مگر اس کے فائدہ مند ہونے کے لیے نیت کا درست ہونا شرط ہے۔

۳۔ سخاوت احادیث مبارکہ کی روشنی میں

ہمارے پیارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مومنین کو بار بار سخاوت کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس پر اجراور ثواب کی خوش خبری دی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان بے شمار احادیث میں کچھ یہ ہیں:

(۱)۔ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَيُّكُمْ مَالُ وَارِثِهِ أَحَبُّ إِلَيْهِ مِنْ مَالِهِ"؟ قَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! مَا مِنَّا أَحَدٌ إِلَّا مَالُهُ أَحَبُّ إِلَيْهِ، قَالَ: "فَإِنَّ مَالَهُ مَا قَدَّمَ، وَمَالُ وَارِثِهِ مَا أَخَّرَ". (صحیح بخاری، ج:۳، رقم الحدیث:۱۳۸۹)

(حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں کون ہے جسے اپنے مال سے زیادہ اپنے وارث کا مال پیارا ہو؟ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہم میں کوئی ایسا نہیں جسے اپنا مال زیادہ پیارا نہ ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: پھر اس کا مال وہ ہے جو اس نے پہلے خرچ کیا اور اس کے وارث کا مال وہ ہے جو وہ چھوڑ کر مرا)

(۲)۔ عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "اتَّقُوا النَّارَ ثُمَّ أَعْرَضَ وَأَشَاحَ، ثُمَّ قَالَ: اتَّقُوا النَّارَ ثُمَّ أَعْرَضَ وَأَشَاحَ ثَلَاثًا، حَتَّى ظَنَنَّا أَنَّهُ يَنْظُرُ إِلَيْهَا، ثُمَّ قَالَ: اتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ، فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَبِكَلِمَةٍ طَيِّبَةٍ". (صحیح بخاری، ج:۳، رقم:۱۴۸۷)

(حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جہنم سے بچو! پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چہرہ پھیر لیا اور بہت چہرہ پھیرا۔ پھر فرمایا کہ جہنم سے بچو! اور پھر اس کے بعد چہرہ مبارک پھیر لیا اور بہت چہرہ پھیرا۔ پھر فرمایا کہ جہنم سے بچو! تین مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا ہی کیا۔ ہم نے اس سے یہ خیال کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جہنم کو دیکھ رہے ہیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جہنم سے بچو! خواہ کھجور کے ایک ٹکڑے ہی کے ذریعہ ہو سکے اور جسے یہ بھی نہ ملے، تو اسے کسی اچھی بات کہنے کے ذریعہ ہی سے (جہنم سے) بچنے کی کوشش کرنی چاہیے)

(۳)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "يَقُولُ الْعَبْدُ مَالِي مَالِي، إِنَّمَا لَهُ مِنْ مَالِهِ ثَلَاثٌ مَا أَكَلَ، فَأَفْنَى أَوْ لَبِسَ فَأَبْلَى أَوْ أَعْطَى، فَاقْتَنَى وَمَا سِوَى ذٰلِكَ، فَهُوَ ذَاهِبٌ وَتَارِكُهُ لِلنَّاسِ". (صحیح مسلم، ج:۳، رقم الحدیث:۲۹۲۱)

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بندہ کہتا ہے میرا مال حالانکہ اس کے مال میں سے اس کی صرف تین چیزیں ہیں:

(i)۔ جو کھایا اور ختم کرلیا۔

(ii)۔ جو پہنا اور پرانا کرلیا۔

(iii)۔ جو اس نے اللہ پاک کے راستہ میں دیا۔ یہ اس نے آخرت کے لیے جمع کرلیا۔

اس کے علاوہ جو ہے وہ دوسروں کے لیے ہے۔

(۴)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "بَيْنَا رَجُلٌ بِفَلَاةٍ مِنَ الْأَرْضِ، فَسَمِعَ صَوْتًا فِي سَحَابَةٍ اسْقِ حَدِيقَةَ فُلَانٍ، فَتَنَحَّى ذَلِكَ السَّحَابُ، فَأَفْرَغَ مَاءَهُ فِي حَرَّةٍ، فَإِذَا شَرْجَةٌ مِنْ تِلْكَ الشِّرَاجِ قَدِ اسْتَوْعَبَتْ ذَلِكَ الْمَاءَ كُلَّهُ، فَتَتَبَّعَ الْمَاءَ، فَإِذَا رَجُلٌ قَائِمٌ فِي حَدِيقَتِهِ يُحَوِّلُ الْمَاءَ بِمِسْحَاتِهِ، فَقَالَ لَهُ: يَا عَبْدَ اللَّهِ مَا اسْمُكَ، قَالَ: فُلَانٌ لِلِاسْمِ الَّذِي سَمِعَ فِي السَّحَابَةِ، فَقَالَ لَهُ: يَا عَبْدَ اللَّهِ لِمَ تَسْأَلُنِي عَنِ اسْمِي؟، فَقَالَ: إِنِّي سَمِعْتُ صَوْتًا فِي السَّحَابِ الَّذِي هَذَا مَاؤُهُ، يَقُولُ: اسْقِ حَدِيقَةَ فُلَانٍ لِاسْمِكَ فَمَا تَصْنَعُ فِيهَا، قَالَ: أَمَّا إِذْ قُلْتَ هَذَا، فَإِنِّي أَنْظُرُ إِلَى مَا يَخْرُجُ مِنْهَا فَأَتَصَدَّقُ بِثُلُثِهِ، وَآكُلُ أَنَا وَعِيَالِي ثُلُثًا، وَأَرُدُّ فِيهَا ثُلُثَهُ".

(صحیح مسلم، ج:۳، رقم الحدیث:۲۹۸۴)

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے راویت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ایک آدمی ایک جنگل میں تھا کہ اس نے بادلوں سے ایک آواز سنی کہ فلاں باغ کو پانی لگاؤ۔ پھر ایک بادل ایک طرف چلا اور اس نے ایک پتھریلی زمین پر بارش برسائی اور وہاں نالیوں میں سے ایک نے اس سارے پانی کو (اپنے اندر) جمع کرلیا۔

وہ آدمی برستے ہوئے پانی کے پیچھے پیچھے گیا۔ اچانک اس نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ اپنے باغ میں کھڑا ہوا اپنے پھاوڑے سے پانی ادھر ادھر کر رہا تھا۔ اس آدمی نے باغ والے آدمی سے پوچھا: اے اللہ کے بندے تیرا نام کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ فلاں اور اس نے وہی نام بتایا کہ جو اس نے بادلوں میں سنا تھا۔ باغ والے آدمی نے اس سے کہا: تو نے میرا نام کیوں پوچھا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں نے ان بادلوں میں سے جس سے یہ پانی برسا ہے، ایک آواز سنی ہے کہ کوئی تیرا نام لے کر کہتا ہے کہ اس کے باغ کو سیراب کر۔ تم اس باغ میں کیا کرتے ہو؟ اس نے کہا جب تو نے یہ

پوچھا ہے تو سنو: میں اس باغ میں پیداوار پر نظر رکھتا ہوں اور اس میں سے ایک تہائی صدقہ خیرات کرتا ہوں اور ایک تہائی اس میں سے میں اور میرے گھر والے کھاتے ہیں جبکہ ایک تہائی میں اسی باغ میں لگا دیتا ہوں)

(۵)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: إِنِّي مَجْهُودٌ، فَأَرْسَلَ إِلَى بَعْضِ نِسَائِهِ، فَقَالَتْ: وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَا عِنْدِي إِلَّا مَاءٌ، ثُمَّ أَرْسَلَ إِلَى أُخْرَى، فَقَالَتْ: مِثْلَ ذَلِكَ حَتَّى قُلْنَ كُلُّهُنَّ مِثْلَ ذَلِكَ لَا وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَا عِنْدِي إِلَّا مَاءٌ، فَقَالَ: " مَنْ يُضِيفُ هَذَا اللَّيْلَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ؟"، فَقَامَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ، فَقَالَ: أَنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ، فَانْطَلَقَ بِهِ إِلَى رَحْلِهِ، فَقَالَ لِامْرَأَتِهِ: هَلْ عِنْدَكِ شَيْءٌ؟، قَالَتْ: لَا إِلَّا قُوتُ صِبْيَانِي، قَالَ: فَعَلِّلِيهِمْ بِشَيْءٍ، فَإِذَا دَخَلَ ضَيْفُنَا فَأَطْفِئِي السِّرَاجَ وَأَرِيهِ أَنَّا نَأْكُلُ، فَإِذَا أَهْوَى لِيَأْكُلَ فَقُومِي إِلَى السِّرَاجِ حَتَّى تُطْفِئِيهِ، قَالَ: فَقَعَدُوا وَأَكَلَ الضَّيْفُ، فَلَمَّا أَصْبَحَ غَدَا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: " قَدْ عَجِبَ اللَّهُ مِنْ صَنِيعِكُمَا بِضَيْفِكُمَا اللَّيْلَةَ". (صحیح مسلم، ج:۳، رقم الحدیث: ۸۶۲)

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک آدمی آیا اور اس نے عرض کیا: میں فاقہ (بھوکا) سے ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بیویوں (ازدواج مطہرات رضی اللہ عنہا) میں سے کسی کی طرف ایک آدمی بھیجا تو زوجہ مطہرہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: اس ذات کی قسم جس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، میرے پاس سوائے پانی کے اور کچھ نہیں ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے دوسری زوجہ مطہرہ رضی اللہ عنہا کی طرف بھیجا تو انہوں نے بھی اسی طرح کہا۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سب بیویوں (ازدواج مطہرات رضی اللہ عنہا) نے یہی جواب دیا کہ اس ذات کی قسم جس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میرے پاس سوائے پانی کے اور کچھ نہیں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو آدمی آج رات اس مہمان کی مہمان نوازی کرے گا، اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے گا۔

انصار میں سے ایک آدمی نے عرض کیا! یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں اس خدمت کے لیے حاضر ہوں۔ پھر وہ انصاری اس مہمان کو لے کر اپنے گھر لے گیا۔ اس نے اپنی بیوی سے پوچھا کہ کیا تیرے پاس کھانے کے لیے کچھ ہے؟ وہ کہنے لگی کہ سوائے میرے بچوں کے کھانے کے میرے پاس کھانے کو

کچھ نہیں ہے۔ انصاری نے کہا: ان بچوں کو کسی چیز سے بہلا دو اور جب مہمان اندر آ جائے تو چراغ بجھا دینا اور اس پر یہ ظاہر کرنا گویا ہم بھی کھانا کھا رہے ہیں۔ مہمان کے ساتھ سب گھر والے بیٹھ گئے اور کھانا صرف مہمان ہی نے کھایا۔ پھر جب صبح ہوئی اور وہ دونوں حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں آئے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم نے آج رات اپنے مہمان کے ساتھ جو سلوک کیا ہے، اس پر اللہ تعالیٰ خوش ہوا ہے)

(۶)۔ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " إِنَّ الصَّدَقَةَ لَتُطْفِئُ غَضَبَ الرَّبِّ وَتَدْفَعُ عَنْ مِيتَةِ السُّوءِ".

(جامع ترمذی، ج:۱، رقم الحدیث:۶۴۵)

(حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: صدقہ اللہ تعالیٰ کے غصہ کو بجھاتا اور بری موت کو دور کرتا ہے)

(۷)۔ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، يَقُولُ: " إِنَّ اللَّهَ طَيِّبٌ يُحِبُّ الطَّيِّبَ، نَظِيفٌ يُحِبُّ النَّظَافَةَ، كَرِيمٌ يُحِبُّ الْكَرَمَ، جَوَّادٌ يُحِبُّ الْجُودَ".

(جامع ترمذی، ج:۲، رقم الحدیث:۷۱۶)

(حضرت سعید بن مسیبؒ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ پاک ہے پاکی کو پسند کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نہایت صاف ستھرا ہے، صفائی ستھرائی کو پسند کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کرم کرنے والا ہے، کرم کو پسند کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نہایت سخی اور عطا کرنے والا ہے، سخاوت اور عطا کو پسند کرتا ہے)

(۸)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: " السَّاعِي عَلَى الْأَرْمَلَةِ وَالْمِسْكِينِ كَالْمُجَاهِدِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ، وَأَحْسِبُهُ قَالَ: وَكَالْقَائِمِ لَا يَفْتُرُ وَكَالصَّائِمِ لَا يُفْطِرُ". (صحیح مسلم، ج:۳، رقم الحدیث:۲۹۶۷)

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: بیوہ عورت اور مسکینوں کی مدد کرنے والا، اللہ پاک کے راستے میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے اور میرا خیال ہے کہ آپ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا: وہ مسلسل نماز پڑھنے والے اور ہمیشہ روزہ رکھنے والے کی طرح ہے)

(۹)۔ عَنْ عَبْدُ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: " لَا حَسَدَ إِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ، رَجُلٌ آتَاهُ اللَّهُ الْقُرْآنَ، فَهُوَ يَقُومُ بِهِ، آنَاءَ اللَّيْلِ، وَآنَاءَ النَّهَارِ، وَرَجُلٌ

آتَاهُ اللّٰهُ مَالًا، فَهُوَ يُنْفِقُهُ آنَاءَ اللَّيْلِ، وَآنَاءَ النَّهَارِ".
(صحیح مسلم، ج:۱، رقم الحدیث:۱۸۸۸)

(حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دو آدمیوں کے سوا کسی پر رشک (۱) کرنا جائز نہیں۔ایک وہ آدمی کہ جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کا علم عطا فرمایا ہو اور وہ رات دن اس پر عمل کرنے کے ساتھ اس کی تلاوت کرتا ہو۔دوسرا وہ آدمی کہ جسے اللہ تعالیٰ نے مال عطا فرمایا ہو اور وہ رات اور دن اسے اللہ پاک کے راستہ میں خرچ کرتا ہو)

(۱۰)۔ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "يَا ابْنَ آدَمَ، إِنَّكَ إِنْ تَبْذُلِ الْفَضْلَ خَيْرٌ لَكَ، وَإِنْ تُمْسِكْهُ شَرٌّ لَكَ، وَلَا تُلَامُ عَلَى كَفَافٍ، وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُولُ، وَالْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِنَ الْيَدِ السُّفْلَى".
(جامع ترمذی، ج:۲، رقم الحدیث:۲۲۹)

(حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے ابن آدم! تم اگر اپنی ضرورت سے زائد مال کو اچھائیوں میں خرچ کردو گے تو تمہارے لیے اچھا ہوگا اور اگر ایسا نہیں کرو گے تو یہ تمہارے لیے برا ہوگا۔ضرورت کے مطابق اپنے اوپر خرچ کرنے پر ملامت نہیں کی جائے گی۔صدقات اور خیرات کی اس سے شروع کرو جس کا خرچ تمہارے ذمہ ہو اور جان لو کہ دینے والا ہاتھ، لینے والے ہاتھ سے بہتر ہے)

(۱۱)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "تَصَدَّقُوا"، فَقَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ ! عِنْدِي دِينَارٌ، قَالَ: "تَصَدَّقْ بِهِ عَلَى نَفْسِكَ"، قَالَ: عِنْدِي آخَرُ، قَالَ: "تَصَدَّقْ بِهِ عَلَى زَوْجَتِكَ"، قَالَ: عِنْدِي آخَرُ، قَالَ: "تَصَدَّقْ بِهِ عَلَى وَلَدِكَ"، قَالَ: عِنْدِي آخَرُ، قَالَ: "تَصَدَّقْ بِهِ عَلَى خَادِمِكَ"، قَالَ: عِنْدِي آخَرُ، قَالَ: "أَنْتَ أَبْصَرُ". (سنن نسائی، ج:۲، رقم الحدیث:۶۴۴)

(حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: صدقہ دو۔ایک آدمی نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میرے پاس ایک دینار ہے (جسے میں خرچ کرنا چاہتا ہوں اسے کہاں خرچ کروں؟)؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اسے اپنی بیوی پر خرچ کرو۔اس نے عرض کیا: میرے پاس ایک اور دینار ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اسے اپنی اولاد پر خرچ کرو۔اس نے

۱۔کسی کی خوبی یا خوش بختی دیکھ کر یہ خواہش کرنا کہ ہمیں بھی یہ خوبی یا خوش بختی حاصل ہو جائے، رشک کہلاتا ہے۔

کہا کہ میرے پاس ایک اور دینار ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اسے اپنے خادم پر خرچ کرو۔ پھر اس نے کہا کہ میرے پاس ایک اور دینار ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اب تم اس بارے میں زیادہ جان سکتے ہو)

(۱۲)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللَّهُ فِي ظِلِّهِ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ: الْإِمَامُ الْعَادِلُ، وَشَابٌّ نَشَأَ فِي عِبَادَةِ رَبِّهِ، وَرَجُلٌ قَلْبُهُ مُعَلَّقٌ فِي الْمَسَاجِدِ، وَرَجُلَانِ تَحَابَّا فِي اللَّهِ اجْتَمَعَا عَلَيْهِ وَتَفَرَّقَا عَلَيْهِ، وَرَجُلٌ طَلَبَتْهُ امْرَأَةٌ ذَاتُ مَنْصِبٍ وَجَمَالٍ، فَقَالَ: إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ، وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ أَخْفَى حَتَّى لَا تَعْلَمَ شِمَالُهُ مَا تُنْفِقُ يَمِينُهُ، وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللَّهَ خَالِيًا فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ".
(صحیح بخاری، ج:۱، رقم الحدیث: ۶۳۳)

(حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سات آدمی ایسے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اس روز اپنے سائے میں رکھے گا، جس روز اللہ پاک کے سائے کے سوا اور کوئی سایہ نہ ہوگا:

(i)۔ انصاف کرنے والا حکمران۔

(ii)۔ وہ جوان جو اپنی جوانی کو اللہ پاک کی عبادت میں گزار دے۔

(iii)۔ وہ آدمی جو مسجد سے نکلتا ہے تو جب تک وہ دوبارہ مسجد میں نہیں چلا جاتا، اس کا دل مسجد میں لگا رہتا ہے۔

(iv)۔ وہ دو آدمی جو اللہ پاک کے لیے آپس میں محبت رکھتے ہیں اگر اکٹھے ہوتے ہیں تو اس کی محبت میں اور علیحدہ ہوتے ہیں تو بھی اس کی محبت میں۔

(v)۔ وہ آدمی جس کو کسی شریف خاندان اور خوبصورت عورت نے برائی کے لیے بلایا اور اس نے کہہ دیا ہو کہ میں اللہ پاک سے ڈرتا ہوں۔

(vi)۔ وہ آدمی جس نے اس طرح چھپا کر صدقہ دیا ہو کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی نہ معلوم ہو کہ دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا ہے۔

(vii)۔ وہ آدمی جو تنہائی میں اللہ پاک کو یاد کرتا ہے اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔

(۱۳)۔ عَنْ حَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "الْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِنَ الْيَدِ السُّفْلَى، وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُولُ، وَخَيْرُ الصَّدَقَةِ عَنْ ظَهْرِ غِنًى، وَمَنْ يَسْتَعْفِفْ يُعِفَّهُ اللَّهُ، وَمَنْ يَسْتَغْنِ يُغْنِهِ اللَّهُ". (صحیح بخاری، ج:۱، رقم الحدیث: ۱۳۷۰)

(حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اوپر والا

ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے (صدقہ دینے والا ہاتھ صدقہ لینے والے ہاتھ سے بہتر ہے) اور صدقہ شروع کر ان لوگوں سے جن کا خرچہ تیرے ذمہ ہو اور بہتر صدقہ وہ ہے جو ان لوگوں پر کیا جائے جن کا خرچہ کا ذمہ دار انسان خود ہوتا ہے۔ جو کوئی سوال سے بچنا چاہے گا اسے اللہ تعالیٰ بھی محفوظ رکھتا ہے اور جو دوسروں (کے مال) سے بے نیاز رہتا ہے، اسے اللہ تعالیٰ بے نیاز ہی بنا دیتا ہے)

(۱۴)۔ عَنْ أَسْمَاءَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا، قَالَتْ: قَالَ لِي النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا تُوكِي فَيُوكَى عَلَيْكِ". (صحیح بخاری، ج:۱، رقم الحدیث:۱۴۳۳)

(حضرت اسماء روایت کرتی ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: خیرات نہ روکو، ورنہ تم سے روک لیا جائے گا)

(۱۵)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَا مِنْ يَوْمٍ يُصْبِحُ الْعِبَادُ فِيهِ، إِلَّا مَلَكَانِ يَنْزِلَانِ، فَيَقُولُ أَحَدُهُمَا: اللّٰهُمَّ أَعْطِ مُنْفِقًا خَلَفًا، وَيَقُولُ الْآخَرُ اللّٰهُمَّ: أَعْطِ مُمْسِكًا تَلَفًا". (صحیح مسلم، ج:۱، رقم الحدیث:۲۳۲۹)

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہر دن جس میں بندے صبح کرتے ہیں دو فرشتے اترتے ہیں۔ ان میں سے ایک کہتا ہے، یا اللہ! خرچ کرنے والوں کو اچھا بدلہ عطا فرما اور دوسرا کہتا ہے، اے اللہ! کنجوس کو ہلاک کرنے والا مال عطا کر)

۴۔ سخاوت کے درجات

سخاوت کے کئی درجات ہیں۔ سخاوت کرنا ابتدائی مرتبہ ہے، اس کے بعد جود اور اس کے بعد ایثار کا مرتبہ آتا ہے۔

(۱)۔ جو شخص اپنے مال میں سے کچھ خرچ کرے اور کچھ اپنے لیے بچا کر رکھ لے، اسے سخی کہتے ہیں اور اس کا یہ عمل سخاوت کہلائے گا۔ یہ عوام کا مرتبہ ہے۔

(۲)۔ جو شخص اپنے مال کا زیادہ حصہ اللہ پاک کے راستے میں خرچ کر دے اور اپنے لیے تھوڑا بچا کر رکھے، تو ایسے شخص کو جواد کہا جائے گا اور اس کا یہ عمل جود کہلائے گا۔ یہ خاص لوگوں کا مرتبہ ہے۔

(۳)۔ جس نے مال مشکل سے کمایا اور پھر بھی لوگوں پر بے دریغ خرچ کر دیا، یہ ایثار ہے اور یہ خاص

الخواص (خاص لوگوں) کا مرتبہ ہے۔

۵۔ سخاوت کی برکات

سخاوت کی بہت برکات ہیں جو یہ ہیں:

(۱)۔ سخاوت کی سب سے بڑی برکت یہ ہے کہ یہ آدمی کے دل کو اللہ پاک کے ساتھ اس طرح جوڑ دیتی ہے کہ اس کے لیے اس سے غافل رہنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ آدمی کو مال سے جو محبت ہے اس کا فطری نتیجہ یہ ہے کہ وہ جس جگہ اپنا مال رکھتا ہے یا جس کام میں اپنا سرمایہ لگاتا ہے، اسی جگہ یا اسی کام کے ساتھ اس کا دل بھی اٹکا رہتا ہے۔ اس حقیقت کی روشنی میں دیکھیے تو یہ بات بالکل واضح معلوم ہوتی ہے کہ جو شخص اپنا مال اللہ پاک کے راستے میں خرچ کرے گا، اس کا دل بھی اسی کے ساتھ رہے گا۔

(۲)۔ سخاوت کرنے والے کا اپنے معاشرے کے ساتھ بھی صحیح تعلق قائم ہو جاتا ہے۔ یہ چیز کوئی معمولی چیز نہیں ہے بلکہ دین کے اعتبار سے یہ دین کی دو بنیادوں میں سے ایک ہے۔ صحیح بندہ بننے کے لیے دو چیزیں ضروری ہیں:

(i)۔ اللہ پاک کے ساتھ اس کا تعلق ٹھیک ٹھیک قائم ہو جائے۔ یہ چیز آدمی کو نماز سے حاصل ہوتی ہے۔

(ii)۔ اللہ پاک کی مخلوق کے ساتھ وہ صحیح طور پر بندھ جائے۔ یہ چیز انسان کو اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔

(۳)۔ سخاوت دین کے دوسرے تمام عقائد اور اعمال کے لیے غذا اور پانی کی مانند ہے۔ اس سے آدمی کی کمزور نیکیاں جڑ پکڑ لیتی ہیں۔ اس کے وہ عقیدے مضبوط ہو جاتے ہیں جو ابھی اچھی طرح دل میں راسخ (پکے) نہیں ہوئے ہوتے ہیں۔ دین کے عقائد اور اعمال کی یہی مضبوطی ہے جس کو قرآن پاک میں حکمت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ قرآن پاک کے اشاروں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حکمت کے خزانے کی چابی حقیقت میں اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنا ہی ہے۔

(۴)۔ سخاوت کرنے سے مال میں دنیا اور آخرت میں برکت ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ پاک کے بے شمار بندے جو اس کے مال سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اس کے لیے دعائیں کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کی دعائیں قبول فرماتا ہے۔

۶۔ سخاوت کی شرائط

سخاوت کی بہت سی شرائط ہیں جن کا ہمیں خیال رکھنا چاہیے:

(۱)۔ سخاوت کی اہم ترین شرط یہ ہے کہ وہ صرف اور صرف اللہ پاک کی رضا مندی، خوشی اور آخرت کی طلب کے لیے ہو۔ یہ صرف سخاوت ہی کی شرط نہیں بلکہ ہر عبادت کی شرط ہے کہ عبادت صرف اللہ پاک کے لیے ہو۔ نہ دنیا کی شہرت اور دکھاوا مقصد ہو اور نہ ہی کوئی دنیاوی لالچ۔ اسی کے بارے میں اللہ پاک نے اپنی کتاب قرآن پاک میں ارشاد فرمایا ہے:

وَمَآ اُمِرُوٓا اِلَّا لِيَعۡبُدُوا اللّٰهَ مُخۡلِصِيۡنَ لَهُ الدِّيۡنَ. (سورۃ البینۃ، آیت:۵)

(ان کو نہیں حکم دیا گیا مگر یہ کہ وہ خالص اللہ پاک کے لیے دین کو اختیار کرتے ہوئے عبادت کریں)

(۲)۔ سخاوت کی شرط ہے کہ وہ حلال مال سے ہو۔ حرام مال کا دیا ہوا صدقہ اللہ پاک قبول نہیں کرتا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡفِقُوۡا مِنۡ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبۡتُمۡ. (سورۃ البقرہ، آیت:۲۶۷)

(اے ایمان والو! اپنی پاک کمائی میں سے خرچ کرو)

(۳)۔ سخاوت وہی قابل قبول ہوتی ہے جو اعلیٰ اخلاق کے ساتھ کی جائے۔ سخاوت کر کے احسان جتلانے اور تکلیف دینے سے اللہ تعالیٰ نے سختی سے منع فرمایا ہے۔ اللہ پاک کا ارشاد ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تُبۡطِلُوۡا صَدَقٰتِكُمۡ بِالۡمَنِّ وَالۡاَذٰى. (سورۃ البقرہ، آیت:۲۶۴)

(اے ایمان لانے والو! اپنے صدقات کو احسان جتا کر اور دکھ دے کر اس شخص کی طرح خاک میں نہ ملا دو)

(۴)۔ سخاوت کی یہ بھی شرط ہے کہ مال صرف حق داروں ہی پر خرچ کرے۔ جو شخص جان بوجھ کر اپنا

صدقہ کسی غیر مستحق کو دیتا ہے وہ اپنا صدقہ ضائع کر دیتا ہے۔

۷۔ سخاوت کے بارے میں اقوال

سخاوت کے بارے میں بزرگانِ دین سے بہت اعلیٰ اقوال منسوب ہیں، جو سنہری حروف سے لکھے جانے کے قابل ہیں:

(۱)۔ ایک دوسری جگہ پر حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سخی آدمی نے جب کسی سے اپنا حق لینا ہوتا ہے تو اپنی سخاوت کی وجہ سے اپنے حق میں سے کچھ معاف کر دیتا ہے۔

(احیاء العلوم الدین، ج:۳،ص:۳۹۸)

(۲)۔ حضرت علی بن حسین بن علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو انسان مانگنے پر کسی کی مدد کرتا ہے وہ سخی نہیں ہوتا بلکہ سخی وہ ہے، جو اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق کے حقوق مانگنے اور توجہ دلانے سے پہلے ہی ادا کر دے۔ کسی کی مدد کرنے کے بعد دل میں بھی یہ خواہش نہیں رکھنی چاہیے کہ لینے والا اس کا شکریہ ادا کرے۔ یہ بات صرف اور صرف اسی وقت ممکن ہوسکتی ہے، جب انسان کو اللہ تعالیٰ کے اجر اور ثواب پر پورا پورا یقین ہو۔(احیاء العلوم الدین، ج:۳،ص:۳۸۴)

(۳)۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ جو انسان سخی نہیں ہوتا، وہ زندگی میں کبھی بھی انصاف نہیں کر پاتا کیونکہ وہ اپنی کنجوسی کی وجہ سے ہمیشہ اپنے حق سے زیادہ لینے کی کوشش کرتا ہے۔

(احیاء العلوم الدین، ج:۳،ص:۳۹۸)

(۴)۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ موجود مال کو اللہ پاک کے راستے میں خرچ کرنے کی پوری کوشش کرنا ہی سخاوت کا کمال ہے۔(احیاء العلوم الدین، ج:۳،ص:۳۸۵)

(۵)۔ حضرت حسین واعظ کاشفیؒ فرماتے ہیں کہ سخاوت نیک نامی اور دوستی کا سبب بنتی ہے۔ کوئی خوبی سخاوت سے بہتر نہیں ہے۔ انسان سخاوت سے شریف اور عبادت سے نیک بنتا ہے اور جس شخص میں یہ دونوں صفتیں (خوبیاں) نہ ہوں اس کی زندگی اور موت دونوں برابر ہیں۔

(تصوف اور تصوراتِ صوفیہ،ص:۳۸۲)

(۶)۔ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ انسان کے نفس کا دوسروں کی چیزوں کی طرف توجہ نہ کرنا، مال کی سخاوت کرنے سے بہتر ہے۔ (رسالہ قشیریہ، ص: ۴۴۷)

(۷)۔ حضرت بشر بن حارثؒ فرماتے ہیں کہ سخی کو دیکھنے سے دل میں نرمی، برداشت اور درگزر کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ کنجوس کو دیکھنے سے دل میں سختی آتی ہے۔ (رسالہ قشیریہ، ص: ۳۰۳)

(۸)۔ حضرت ابوعلی دقاقؒ فرماتے ہیں کہ سخاوت یہ نہیں ہے کہ غیر ضروری چیزیں دوسروں کو دی جائیں بلکہ سخاوت تو یہ ہے کہ اپنی ضرورت کے باوجود دوسروں کی مدد کی جائے۔

(رسالہ قشیریہ، ص: ۳۸۳)

(۹)۔ حضرت جلال الدین دوانیؒ فرماتے ہیں کہ انسان کا اپنے مال کو اللہ پاک کے راستے میں بے دریغ خرچ کرنا سخاوت کہلاتا ہے۔ (تصوف اور تصوراتِ صوفیہ، ص: ۳۸۲)

(۱۰)۔ حضرت سید علی ہجویریؒ فرماتے ہیں کہ خود ضرورت مند ہونے کے باوجود دوسروں کی ضروریات کو اپنی ضرورت پر مقدم رکھنا سخاوت اور ایثار ہے۔ (کشف المحجوب، ص: ۳۱۹)

۸۔ اہلِ سخاوت کے واقعات

نصیحت حاصل کرنے کے لیے بزرگانِ دین کی سخاوت کے چند واقعات نقل کیے جاتے ہیں:

(۱)۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک فقیر آیا۔ آپ رضی اللہ عنہا روزہ دار تھیں۔ گھر میں ایک روٹی کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ آپ رضی اللہ عنہا نے اپنی ملازمہ سے کہا کہ یہ روٹی فقیر کو دے دو۔ وہ بولی آپ رضی اللہ عنہا کے افطار کے لیے کچھ نہیں ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ دیدو۔ ملازمہ نے وہ روٹی فقیر کو دے دی۔ (مؤطا امام مالک، ج:۱، رقم الحدیث: ۱۷۲۸)

(۲)۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہمیں صدقہ کرنے کا حکم دیا۔ اتفاق سے اس وقت میرے پاس مال تھا۔ میں نے سوچا کہ میں آج حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے برتری (فوقیت) حاصل کر کے رہوں گا۔

اس خیال سے میں اپنا آدھا مال لے کر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ اپنے گھر والوں کے لیے کیا چھوڑا؟ میں نے جواب دیا کہ اتنا ہی اور ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے پاس موجود سارا مال لے کر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ ان سے بھی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا: اپنے گھر والوں کے لیے کیا چھوڑا ہے؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ان کے لیے میں اللہ پاک اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چھوڑ آیا ہوں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے سوچا کہ میں کبھی بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے برتری حاصل نہیں کر سکتا۔

(جامع ترمذی، ج:۲، رقم الحدیث:۱۶۴۱)

(۳)۔ ایک دفعہ ایک شخص حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور اس نے عرض کیا: اے ابن رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں ایک ضرورت مند آدمی ہوں اور میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ آج رات کی خوراک آپ سے چاہتا ہوں۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ خود اسی حالت میں تھے۔ اس لیے آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بیٹھ جاؤ، میرا رزق چلا آ رہا ہے، آ جائے تو آپ کو دیتا ہوں۔ کچھ دیر بعد ایک شخص ایک ہزار دینار کی پانچ تھیلیاں لایا۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے وہ پانچوں تھیلیاں اس ضرورت مند کو دے دیں اور ساتھ ہی معذرت کرتے ہوئے فرمایا: بھائی ہم سخت آزمائش میں مبتلا ہیں۔ ہم نے دنیا کی تمام خوشیاں چھوڑ دی ہیں اور اپنی ضروریات کم کر لی ہیں۔ مجھے افسوس ہے کہ میں نے آپ کو اتنی دیر انتظار کی زحمت دی اور اس سے زیادہ کچھ نہ دے سکا۔

(کشف المحجوب، ص:۱۳۳)

(۴)۔ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایت ہے کہ ایک شخص آپ رضی اللہ عنہ کے دروازے پر آیا اور اس نے کہا: اے فرزند پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے چار سو درہم کی ضرورت ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فوراً چار سو درہم گھر سے منگوا کر دے دیے اور خود رونے لگے۔ لوگوں نے رونے کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ میں اس بات پر رو رہا ہوں کہ مجھے چاہیے تھا کہ مانگنے سے پہلے ہی اس کی ضرورت پوچھتا اور پوری کر دیتا۔ اس بات کی ضرورت ہی پیش نہ آتی کہ وہ میرے سامنے آ کر سوال کرتا اور مدد کے لیے ہاتھ پھیلاتا۔ (کشف المحجوب، ص:۲۵۱)

(۵)۔ حضرت ابوالحسن مدائنیؒ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت امام حسن، حضرت امام حسین اور حضرت عبداللہ بن جعفر رضوان اللہ علیہم اجمعین حج کے لیے نکلے تو راستے میں مال بردار جانور آپ سے بچھڑ گئے۔ اب انہیں بھوک اور پیاس کی شدت محسوس ہوئی۔ اس دوران ان کا گزر ایک خیمہ نشین بوڑھی عورت کے پاس سے ہوا تو انہوں نے اس بوڑھی عورت سے پوچھا کہ تمہارے پاس کچھ پینے کو ہے؟ اس نے جواب دیا، جی ہاں۔ پھر خیمے کے کنارے بندھی ایک لاغر بکری کی طرف اشارہ کر کے کہا: آپ رضوان اللہ علیہم اجمعین اس کا دودھ نکال کر پی سکتے ہیں۔ آپ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اسی طرح کیا۔ پھر بوڑھی عورت سے کھانے کے بارے میں سوال کیا تو اس نے کہا کہ اس بکری کے سوا کچھ نہیں۔ آپ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے کوئی اسے ذبح کر دے تاکہ میں کھانے کا بندوبست کر سکوں۔ ان میں سے ایک نے بکری ذبح کر کے اس کی کھال اتار دی۔ بوڑھی عورت نے ان کے لیے کھانا تیار کیا۔ تینوں نے کھایا اور دھوپ کی شدت کم ہونے تک ٹھہرے رہے۔ جب جانے لگے تو بوڑھی عورت سے فرمایا: ہم قریشی لوگ ہیں حج کے لیے جا رہے ہیں۔ اگر ہم صحیح سلامت واپس اپنے گھروں کو لوٹ آئے تو ہمارے پاس آنا ہم تمہارے ساتھ حسن سلوک کریں گے۔

کچھ مدت کے بعد اس بوڑھی عورت کو اپنے میاں کے ساتھ مدینہ طیبہ جانے کی ضرورت پڑی۔ وہ وہاں پہنچے اور اونٹوں کی مینگنیاں بیچ کر گزارا کرنے لگے۔ ایک دن وہ خاتون مدینہ منورہ کی ایک گلی سے گزری تو حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے اسے پہچان لیا لیکن وہ عورت آپ رضی اللہ عنہ کو نہ پہچان سکی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے خادم کو بھیج کر اس خاتون کو بلوایا اور اس سے فرمایا: اے اللہ تعالیٰ کی بندی! مجھے پہچانتی ہو؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ میں فلاں دن تمہارے پاس مہمان تھا۔ بوڑھی عورت نے کہا: میرے ماں باپ آپ رضی اللہ عنہ پر قربان ہوں، کیا آپ رضی اللہ عنہ وہی ہیں؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جی ہاں۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے اسے ایک ہزار بکریاں اور ایک ہزار دینار دیے۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے بھائی کی تقلید میں اسی قدر مال دیا۔ پھر حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا خادم اس بوڑھی خاتون کو لے کر حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ رضی اللہ عنہ نے اسے دو ہزار بکریاں اور دو ہزار دینار عطا فرمائے۔ وہ بوڑھی عورت چار ہزار بکریاں اور چار ہزار دینار لے کے اپنے خاوند کے پاس لوٹ گئی۔

(احیاء العلوم الدین، ج:۳، ص:۷۴۷)

(۶)۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے کسی کو بکری کا سر بطور ہدیہ دیا گیا تو اس نے کہا کہ میرا بھائی مجھ سے زیادہ ضرورت مند ہے۔ اس نے اسے اپنے بھائی کے پاس بھیج دیا۔ یہ ایک دوسرے کو اسی طرح بھیجتے رہے، یہاں تک کہ وہ سات گھروں سے گھوم کر پھر واپس پہلے صحابی رضی اللہ عنہ کے پاس آ گیا۔

(کنز العمال، ج: ۳، رقم الحدیث: ۲۶۹۵)

(۷)۔ حضرت حبیب بن ابی ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ غزوہ یرموک میں حضرت حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ، حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عیاش بن ابی ربیعہ رضی اللہ عنہ میدان جنگ میں لڑنے کے لیے نکلے۔ وہ جوانمردی اور ثابت قدمی سے لڑتے رہے (اور بدن زخموں سے چور چور ہو گئے)۔ پھر حضرت حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ نے پینے کے لیے پانی مانگا؟ ان کے لیے پانی لایا گیا۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ پانی کی طرف دیکھنے لگے۔ حضرت حارث رضی اللہ عنہ نے پانی لانے والے سے کہا کہ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کو دے دو۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نے پانی کا برتن ہاتھ میں لیا تو حضرت عیاش بن ابی ربیعہ رضی اللہ عنہ پانی والے برتن کی طرف دیکھنے لگے۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ پانی حضرت عیاش رضی اللہ عنہ کو دے دو۔ پانی پلانے والا حضرت عیاش رضی اللہ عنہ تک پہنچ نہیں پایا تھا کہ وہ اللہ پاک کو پیارے ہو گئے۔ پانی پلانے والا واپس حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ اور حضرت حارث رضی اللہ عنہ کی طرف پلٹا مگر وہ بھی وفات پا چکے تھے۔ (کنز العمال، ج: ۵، رقم الحدیث: ۵۶۰۹)

(۸)۔ حضرت ابوالحسن بوشنجیؒ ایک مرتبہ غسل خانہ میں تھے، اسی دوران ایک شاگرد کو آواز دی کہ میری قمیض فلاں شخص کو دے دو۔ عرض کیا گیا، اتنی جلدی کیا تھی، باہر آ کر دے دیتے؟ آپؒ نے فرمایا، مجھے اپنے نفس پر بھروسہ نہیں، کیا پتا بعد میں ارادہ ہی بدل جاتا۔ (رسالہ قشیریہ، ص: ۳۰۲)

(۹)۔ ایثار نہ صرف انسان کے ساتھ بلکہ حیوان کے ساتھ بھی ہوتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن جعفرؒ اپنی زمین میں گئے۔ وہاں ایک کھجور کے باغ میں ٹھہرے۔ آپؒ نے ایک حبشی ملازم کو دیکھا جو باغ میں کام کر رہا تھا۔ باغ میں ایک کتا داخل ہوا، اس ملازم کے قریب آیا۔ ملازم نے اس کتے کی جانب کھانے کا ایک لقمہ ڈال دیا، پھر دوسرا اور پھر تیسرا، حتیٰ کہ وہ ڈالتا رہا اور کتا کھاتا رہا اور سارا

کھانا ختم ہو گیا۔ حضرت عبد اللہؒ یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ آپؒ نے پوچھا اے خادم! تمہاری روزانہ کتنی خوراک ہے؟ اس نے کہا: یہی جو آپؒ نے دیکھی۔ آپؒ نے فرمایا: تم نے اسے کتے کو کیوں ڈال دیا۔ ملازم نے جواب دیا کہ یہاں کتے نہیں ہوتے، شاید یہ دور دراز علاقہ سے آیا تھا۔ مجھے یہ اچھا نہیں لگا کہ میں تو پیٹ بھر کر کھاؤں اور یہ بھوکا رہ جائے۔ آپؒ نے پوچھا کہ تم آج کیا کھاؤ گے؟ اس نے کہا: میں ایسے ہی گزارا کرلوں گا۔ حضرت عبد اللہؒ نے فرمایا، یہ سخاوت اور ایثار کی حد ہے۔ یہ خادم تو مجھ سے بھی زیادہ سخی ہے۔ (کشف المحجوب، ص:۳۲۰)

(۱۰)۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک عابد (عبادت کرنے والے) نے ستر سال تک اللہ پاک کی عبادت کی۔ پھر وہ ایک گناہ میں مبتلا ہو گیا تو اللہ پاک نے اس کی تمام نیکیاں ضائع کر دیں۔ کچھ دنوں بعد اسے ایک ایسی بیماری لاحق ہو گئی جس کے باعث وہ چلنے پھرنے سے معذور (بے بس) ہو گیا۔ ایک دن اس نے دیکھا کہ ایک شخص روٹیاں تقسیم کر رہا ہے، کوشش کر کے اس نے بھی ایک روٹی حاصل کر لی۔ ابھی اس نے روٹی کھانا شروع بھی نہ کی تھی کہ اسے ایک مسکین (غریب) نظر آیا۔ اس نے وہ روٹی اس مسکین کو دے دی اور خود بھوکا ہی رہا۔ اللہ پاک کی بارگاہ میں اس کا یہ عمل ایسا مقبول ہوا کہ اس کی مغفرت کر دی گئی اور اسے ستر سالہ عبادت کا ثواب بھی لوٹا دیا گیا۔ (عیون الحکایات، رقم الحکایت:۱۱، ص:۴۸)

حوالہ جات

۱۔ احیاء العلوم الدین، امام ابو الحامد محمد غزالیؒ ترجمہ مولانا ندیم الواجدی۔ کراچی: دارالاشاعت، ۱۹۹۹ء۔

۲۔ تصوف اور تصورات صوفیہ، پروفیسر ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی۔ لاہور: سیٹھی بکس، ۲۰۰۸ء۔

۳۔ تفہیم القرآن، سید ابو اعلیٰ مودودیؒ۔ لاہور: الاصلاح کمیونیکیشن نیٹ ورک، ۱۹۹۹ء۔

۴۔ جامع ترمذی، امام محمد بن عیسیٰ ترمذیؒ ترجمہ مولانا افضل احمد۔ کراچی: دارالاشاعت، ۲۰۰۶ء۔

۵۔ رسالہ القشیریہ فی علم التصوف، امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیریؒ ترجمہ شاہ محمد چشتی۔ لاہور: ادارہ پیغام القرآن، ۲۰۰۷ء۔

۶۔ سنن نسائی، امام احمد بن شعیب نسائیؒ ترجمہ مولانا افضل احمد۔ کراچی: دارالاشاعت، ۲۰۰۱ء۔

۷۔ صحیح بخاری، امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاریؒ ترجمہ حضرت مولانا محمد داؤد دراز۔ دہلی: مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند، ۲۰۰۴ء۔

۸۔ صحیح مسلم، امام ابوالحسین مسلم بن الحجاج نیشاپوریؒ ترجمہ علامہ وحیدالزمان۔ دہلی: مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند، ۲۰۰۴ء۔

۹۔ عیون الحکایات، امام عبدالرحمٰن ابن جوزیؒ۔ کراچی: مکتبہ المدینہ، ۲۰۰۷ء۔

۱۰۔ کشف المحجوب، سید علی ہجویریؒ ترجمہ میاں طفیل محمد۔ لاہور: اسلامک پبلیکیشنز، ۱۹۸۸ء۔

۱۱۔ کنزالعمال، علامہ علاء الدین علی متقی بن حسام الدینؒ ترجمہ مولانا مفتی احسان اللہ شائق۔ کراچی: دارالاشاعت، ۲۰۰۹ء۔

۱۲۔ موطاامام مالک،امام مالک بن انسؒ ترجمہ حافظ زبیرعلی۔لاہور: مکتبہ اسلامیہ،۲۰۰۹ء۔

۱۳۔ http//:www.hadithurdu.com/

۱۴۔ https//:easyquranwahadees.com/

۲۶

شکر

۱۔ شکر کا مفہوم

(۱)۔ شکر کے لغوی معانی کسی عنایت اور نوازش کرنے والے کا احسان ماننا اور اچھے سلوک پر تعریف کرنا کے ہیں۔ تصوف کی اصطلاح میں سالک کا خود کو نابود اور اللہ تعالیٰ کو موجود جاننا اور تمام افعال اور صفات و کمالات اسی کی طرف منسوب کرنا، شکر کہلاتا ہے۔ جب سالک محسوس کرتا ہے کہ وہ تمام مادی اور روحانی نعمتیں جو اس کو حاصل ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں تو اس کے دل میں حمد و ثنا (اللہ تعالیٰ کی تعریف) کا جذبہ پیدا ہوتا ہے یہی شکر گزاری ہے۔ جب سالک خود کو شکر کرنے سے عاجز پاتا ہے تو وہ پاش پاش اور ختم ہو کر رہ جاتا ہے اور اپنی عاجزی کے اعتراف کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں رہتا، یہ شکر گزاری کا اعلیٰ درجہ ہے۔

(۲)۔ شکر کی حقیقت یہ ہے کہ نہایت عاجزی و انکساری سے بھلائی کرنے والے کا اعتراف کیا جائے۔ اس لحاظ سے شکر کے معنی میں مبالغہ پیدا کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کو شکور کہتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے بندوں کو شکر کا بدلہ دیتا ہے اور شکر کی جزا شکر ہی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے شکر کے یہ معنی بھی لیے جاتے ہیں کہ تھوڑے عمل پر زیادہ انعام دیتا ہے۔

(۳)۔ احسان کرنے والے کے احسان پر اس کی تعریف کرنا شکر کہلاتا ہے۔ بندے کی طرف سے اللہ تعالیٰ کا شکر یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے انعامات پر اس کا شکر گزار ہو جائے اور بندے کا حقیقی شکر یہ ہے کہ بندہ زبان سے اس کی تعریف کرے اور دل سے اس کے انعامات کا اقرار کرے۔ اسی کی عبادت کرے اور اسی سے مدد مانگے۔

(۴)۔ احسان کرنے والے کے بارے میں صحیح احسان مندانہ رویہ یہی ہو سکتا ہے کہ آدمی دل سے اس کے احسان کا اعتراف، زبان سے اقرار اور عمل سے احسان مندی کا ثبوت دے۔

(۵)۔ شکر گزاری کے لیے بہت زیادہ نعمتوں کا ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ معمولی سے معمولی نعمت پر بھی شکر لازم ہے۔ شکر گزاری اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتی جب تک انسان ماضی میں اپنے ساتھ

اللہ تعالیٰ کے معاملات کو یاد نہ کرے۔ اللہ پاک نے جو نعمتیں ماضی میں عطا کی تھیں ان پر ساری زندگی احسان مند رہے اور شکر بجالاتا رہے۔ جیسا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جب حج سے واپسی پر ضجنان (۱) میدان سے گزرے تو اپنا ماضی یاد کر کے فرمایا کہ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ وہ جس کو جو چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قسم! میں اس میدان میں اپنے والد خطاب کے اونٹ چرایا کرتا تھا۔ وہ سخت غصہ والا تھا۔ میں کام کرتا تو مجھے تھکا دیتا اور کوتاہی کرتا تو مارتا۔ اب میرا یہ حال ہے کہ میرے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی نہیں جس سے میں ڈروں۔

(۶)۔ اگر کسی ایک وقت یا کسی ایک معاملہ میں اللہ پاک کسی بندے کو شکر عطا فرما دے تو یہ حال ہے۔ اگر ریاضت کی وجہ سے شکر کسی بندے کی مستقل کیفیت بن جائے تو یہ مقام ہے۔

۲۔ شکر قرآن مجید کی روشنی میں

اللہ پاک نے اپنی پاک کتاب میں بار بار شکر کا ذکر کیا ہے۔ بعض آیات میں شکر کرنے کا حکم اور شکر کرنے کی وجہ بھی بتائی گئی ہے۔ کچھ آیات پاک یہ ہیں:

(۱)۔ فَاذْكُرُونِيٓ أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ. (سورۃ البقرہ، آیت: ۱۵۲)
(پس تم مجھے یاد رکھو، میں تمہیں یاد رکھوں گا، اور میرا شکر کرو، کفرانِ نعمت نہ کرو)
اس آیت پاک سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ

(i)۔ جو انسان اللہ تعالیٰ کو یاد رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ بھی بدلے میں اسے یاد رکھتا ہے۔

(ii)۔ جو انسان دنیاداری میں مصروف ہو کر اللہ تعالیٰ کو بھول جاتا ہے، اللہ پاک بھی اسے بھلا دیتا ہے۔

(iii)۔ انسان کے لیے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والی نعمتوں پر ذکر اور شکر کرے۔

(iv)۔ اللہ پاک کی دی ہوئی طاقت کو اس کی اطاعت میں صرف کرنا، شکر ہے۔

۱۔ ضجنان مکہ مکرمہ کے قریب ایک وادی ہے جہاں پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بچپن میں اونٹ چرایا کرتے تھے۔

(v)۔ اللہ پاک کی عطا کردہ طاقت کو اس کی نافرمانی میں صرف کرنا، ناشکری (کفران نعمت) ہے۔

(vi)۔ شکر کرنے پر مزید احسانات کی خوش خبری دی گئی ہے۔

(vii)۔ ناشکری پر عذاب کی سزا ہے۔

(۲)۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَ اشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ. (سورۃ البقرہ، آیت:۱۷۲)

(اے ایمان والو! اگر تم حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی کی بندگی کرنے والے ہو تو جو پاک چیزیں ہم نے تمہیں بخشی ہیں انہیں بے تکلف کھاؤ اور اللہ پاک کا شکرادا کرو اگر تم واقعی اس کی بندگی کرنے والے ہو)

(i)۔ اس آیت پاک میں اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر ایمان والوں کو حلال اور پاکیزہ روزی کھانے اور کمانے کا حکم دیا ہے۔ اس کے بغیر کوئی دعا اور عبادت قبول نہیں ہوتی۔ جب انسان کی کوئی دعا اور عبادت قبول نہیں ہوتی تو شکر کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس لیے رزق حلال کھانے سے ہی شکر گزاری کی توفیق ملتی ہوتی ہے۔

(ii)۔ اللہ پاک کی نعمتوں کے احساس کے طور پر لازم ہے کہ انسان اللہ پاک کا شکرادا کرے۔

(iii)۔ اللہ تعالیٰ کی بندگی کے لیے لازم ہے کہ انسان اس کا شکرادا کرے۔

(۳)۔ وَ وَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّ فِصٰلُهٗ فِیْ عَامَیْنِ اَنِ اشْكُرْ لِیْ وَ لِوَالِدَیْكَ ؕ اِلَیَّ الْمَصِیْرُ. (سورۃ لقمان، آیت:۱۴)

(اور حقیقت یہ ہے کہ ہم نے انسان کو اپنے والدین کا حق پہچاننے کی خود تاکید کی ہے، اس کی ماں نے ضعف پر ضعف اٹھا کر اپنے پیٹ میں رکھا اور دو سال اس کا دودھ چھوٹنے میں لگے۔ میرا شکر کرو اور اپنے والدین کا شکر بجالاؤ، میری ہی طرف تجھے پلٹنا ہے)

اس ارشاد خداوندی میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حق شکر کی یاددہانی فرمائی گئی ہے۔ اس کے بعد والدین کے حق شکر کی۔ سب سے پہلے انسان پر اللہ تعالیٰ کا شکر واجب ہوتا ہے۔ اللہ پاک ہی انسان کا خالق، مالک اور رب ہے۔ اللہ پاک کا انسان پر حق ہے کہ وہ سب سے پہلے اللہ پاک کا شکرادا کرے، جس نے اسے بے شمار نعمتوں سے نوازا ہے۔ شکر خداوندی کے بعد انسان

کے لیے والدین کی شکرگزاری کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔ کسی بھی انسان پر اللہ پاک کے احسانات کے بعد سب سے زیادہ احسانات والدین ہی کے ہوتے ہیں۔ اس لیے اس آیت مبارکہ میں شکر خداوندی کے فوراً بعد والدین کی شکرگزاری کو بیان کیا گیا ہے۔

اس آیت پاک سے حسب ذیل نکات سمجھ آتے ہیں:

(i)۔ انسان پر سب سے پہلا حق اللہ پاک کا ہے۔

(ii)۔ اللہ تعالیٰ کے حقوق کے بعد والدین کے حقوق کا درجہ ہے۔

(iii)۔ ہر انسان کو اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

(iv)۔ والدین میں والدہ کا درجہ زیادہ ہے کہ اس نے اولاد کے لیے زیادہ تکلیفیں اٹھائی ہوتی ہیں۔

(v)۔ والدین غیر مسلم بھی ہوں تو بھی ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا چاہیے۔

(vi)۔ اللہ پاک کی رحمتوں کے سبب اللہ تعالیٰ کا شکر کرنا چاہیے۔

(vii)۔ والدین کے احسانات کی خاطر ہمیں ان کا شکر ادا کرنا چاہیے اور یہ شکر اچھے سلوک سے ممکن ہے۔

(viii)۔ ہم سب کو اللہ پاک کی طرف ہی لوٹ کر جانا ہے۔

(۴)۔ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ. (سورۃ الضحیٰ، آیت:۱۱)
(اور ہر حال میں اپنے رب کے احسان کا ذکر کیا کرو)
اس آیت پاک میں ہمیں حکم دیا جا رہا ہے کہ

(i)۔ جو نعمتیں اللہ پاک نے ہمیں عطا فرمائی ہیں، ان کا ذکر اور اس کا اظہار کرنا چاہیے۔ اللہ پاک اس بات کو پسند فرماتا ہے کہ بندہ اس کی طرف سے ہونے والے انعامات کا اظہار کرے۔ انعامات کا اظہار شکر کا ایک طریقہ ہے۔

(ii)۔ نعمتوں کے ذکر اور اظہار کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں اور ہر نعمت اپنی نوعیت کے لحاظ سے اظہار

کی ایک خاص صورت چاہتی ہے۔ نعمتوں کے اظہار کی ایک صورت یہ ہے کہ زبان سے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا جائے۔ اس بات کا اقرار اور اعتراف کیا جائے کہ جو نعمتیں بھی ہمیں حاصل ہیں یہ سب اللہ پاک کا فضل اور احسان ہیں۔ ورنہ کوئی چیز بھی میرے کسی ذاتی کمال کا نتیجہ نہیں ہے۔

(۵)۔ مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا.
(سورۃ النساء، آیت: ۱۴۷)

(اللہ پاک تمہیں سزا دے کر کیا کرے گا، اگر تم شکر گزار بنو اور ایمان لے آ ؤ اور اللہ پاک قدردان، جاننے والا ہے)

(i)۔ اللہ پاک کے رحم کو بیان کرتے ہوئے ہمیں بتایا گیا ہے کہ وہ انسانوں کو عذاب دے کر کیا کرے گا؟ انسانوں کو سزا دینے سے اللہ پاک کا کوئی فائدہ نہیں۔ اللہ پاک ایسے تمام تصورات سے اعلیٰ اور ان سب چیزوں سے پاک ہے۔ اللہ پاک کا کام عذاب دینا نہیں بلکہ رحم کرنا اور بخشش فرمانا ہے۔

(ii)۔ اللہ پاک بڑا ہی قدر کرنے والا ہے۔ بڑا مہربان کہ اس کی مہربانی اور اس کی قدردانی کی کوئی حد ہی نہیں۔ یہ اللہ پاک کی شان قدردانی ہے کہ وہ تھوڑے کیے پر بڑے اجر (بدلے) سے نوازتا ہے۔ نیکی کرنے کی نیت ہی پر نیکی کا اجر دیتا ہے۔ نیکی کر لینے پر ایک نیکی کا اجر دس گنا، سو گنا، سات سو گنا اور اس سے بھی کہیں زیادہ عطا فرماتا ہے۔ زندگی بھر کے گناہوں کو سچی توبہ کرنے پر ایک ہی بار معاف فرما دیتا ہے۔ اللہ پاک چھوٹی سی زندگی میں کی گئی چھوٹی چھوٹی نیکیوں کے بدلے میں جنت کی ہمیشہ رہنے والی ان نعمتوں سے نوازتا ہے جن کی کوئی انتہا نہیں۔

(iii)۔ اللہ پاک قدردان ہونے کے ساتھ ساتھ علیم (علم والا) بھی ہے۔ اس لیے وہ پوری طرح جانتا ہے کہ کس کا عمل اور شکر گزاری کس درجے پر کس بدلے کے لائق ہے اور اسی کے مطابق وہ نوازتا اور عنایت فرماتا ہے۔ ضروری ہے کہ اس کے ساتھ اپنا معاملہ صحیح اور درست رکھا جائے۔

(۶)۔ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَسَنَجْزِى الشّٰكِرِيْنَ. (سورۃ آلِ عمران، آیت: ۱۴۵)

(اور جو شخص دنیا میں بدلہ چاہے گا ہم اسے دنیا ہی میں دے دیں گے اور جو آخرت میں بدلہ چاہے گا ہم اسے آخرت ہی میں دیں گے اور ہم شکر گزاروں کو جزا دیں گے)

اس آیت پاک میں بتایا گیا ہے کہ انسانوں کی دو اقسام ہیں:

(i)۔ ایک تو وہ جو اللہ پاک سے صرف اور صرف دنیا کا سوال کرتے ہیں۔ ان لوگوں کو وہ دنیا ہی میں جزا عطا فرما دیتا ہے۔

(ii)۔ دوسری قسم ان لوگوں کی ہے جو اپنی نیکیوں کا بدلہ آخرت میں چاہتے ہیں اور دنیا کو صرف آزمائش کی جگہ سمجھتے ہیں۔ یہی لوگ شکر کرنے والے ہیں۔ ان کو اللہ پاک آخرت میں اچھا بدلہ عطا فرمائے گا۔

(iii)۔ سچے مومن کو ہمیشہ صبر اور شکر ہی سے کام لینا چاہیے تا کہ اس کو اپنے مالک کی رحمت اور اس کی طرف سے کامیابی نصیب ہو سکے۔

(۷)۔ وَاِذۡ تَاَذَّنَ رَبُّكُمۡ لَئِنۡ شَكَرۡتُمۡ لَاَزِيۡدَنَّكُمۡ وَلَئِنۡ كَفَرۡتُمۡ اِنَّ عَذَابِىۡ لَشَدِيۡدٌ.
(سورۃ ابراہیم، آیت: ۷)

(اور تمہارے رب نے اعلان کیا، اگر تم شکر کرو گے تو میں ضرور تمہیں زیادہ دوں گا اور اگر ناشکری کرو گے تو بے شک میرا عذاب بہت سخت ہے)

اس آیت پاک میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ

(i)۔ نعمتوں کا شکر کرنا بہت ضروری ہے۔ اس کا سب سے پہلا درجہ اللہ پاک کی نعمتوں کا اقرار کرنا ہے۔

(ii)۔ نعمتوں کا اقرار اس طرح سے کیا جائے کہ دل میں بھی ان کا احساس اور یقین ہو اور زبان سے اظہار کہ یہ نعمت اللہ تعالیٰ ہی کی بخشی ہوئی ہے۔

(iii)۔ نعمت کا استعمال اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی اور اس کی ہدایت کے مطابق ہو۔ یہ سب نعمت کا شکر کرنے میں داخل ہے۔

(iv)۔ شکر ایک عظیم الشان نعمت ہے۔ اس سے نعمتوں میں برکت ہوتی ہے اور ان کی حفاظت ہوتی ہے۔

(v)۔ جس طرح شکر اللہ پاک کے انعامات کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہے اسی طرح اللہ پاک کی عطا کردہ نعمتوں پر ناشکری عذاب کا سبب ہوتی ہے۔

(vi)۔ کفرانِ نعمت کا انجام بہت برا ہے۔

(vii)۔ انسان کی دنیا میں آزمائش صرف اس بات پر ہوتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر اس کا شکر ادا کرتا ہے یا ناشکرا بن کر رہتا ہے۔

(۸)۔ وَمَنْ شَكَرَ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهِ ۖ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ رَبِّي غَنِيٌّ كَرِيمٌ.
(سورۃ النمل، آیت: ۴۰)

(جو کوئی شکر کرتا ہے اس کے شکر کا اس کو ہی فائدہ ہے اور جو کوئی ناشکری کرے تو میرا رب بے نیاز اور بزرگ ہے)

(i)۔ ایمان کی دولت بڑی عظیم دولت ہے جو انسان کو کہیں کا کہیں پہنچا دیتی ہے۔ اہل ایمان کا رویہ یہ ہو جاتا ہے کہ جب بھی وہ اللہ پاک کی کسی نعمت کو دیکھتے ہیں تو فوراً پکار اٹھتے ہیں: یہ سب کچھ میرے رب کے فضل اور کرم ہی سے ہے تا کہ اس کے ذریعے وہ مجھے آزمائے کہ میں اس کا شکر کرتا ہوں یا ناشکری۔

(ii)۔ جو کوئی بھی اللہ پاک کا شکر کرتا ہے تو اس کا فائدہ خود اسی کو پہنچتا ہے۔

(iii)۔ جو کوئی ناشکری کرتا ہے، اس کا نقصان بھی خود اسی کو ہوتا ہے۔ اللہ پاک بڑا ہی غنی اور بے نیاز ہے۔ اسے بندوں کی شکر گزاری کی کوئی ضرورت نہیں۔ اللہ پاک ہر اعتبار سے بے نیاز ہے۔

(iv)۔ شکر کی خوبی ہے کہ وہ مزید نعمتوں کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ اس کے برعکس ناشکری آدمی کو موجود نعمت سے بھی محروم کر دیتی ہے۔

۳۔ شکر احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں

احادیث مبارکہ میں جا بجا شکر گزاروں کی فضیلت بیان کی گئی ہے:

(۱)۔ عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخَذَ بِيَدِهِ، وَقَالَ: "يَا مُعَاذُ، وَاللّٰهِ إِنِّي لَأُحِبُّكَ، وَاللّٰهِ إِنِّي لَأُحِبُّكَ، فَقَالَ: أُوصِيكَ يَا مُعَاذُ لَا تَدَعَنَّ فِي دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ تَقُولُ: اللَّهُمَّ أَعِنِّي عَلَى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ

عِبَادَتِكَ". (سنن ابوداؤد، ج:۱، رقم الحدیث:۱۵۱۸)

(حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا ہاتھ پکڑا اور ارشاد فرمایا: اے معاذ! میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ ہر نماز کے بعد اس دعا کو پڑھنا نہ چھوڑنا:

اللّٰهُمَّ أَعِنِّي عَلَى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ.

(اے میرے پروردگار! میری مدد کر اپنے ذکر اور شکر کرنے پر اور اچھی طرح عبادت کرنے پر)

(۲)۔ عَنْ أَبِي بَكْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ: إِذَا جَاءَهُ أَمْرُ سُرُورٍ، أَوْ بُشِّرَ بِهِ خَرَّ سَاجِدًا شَاكِرًا لِلّٰهِ". (سنن ابوداؤد، ج:۲، رقم الحدیث:۱۰۰۸)

(حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جب کوئی خوشی والی بات پیش آتی یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کسی بات کی خوش خبری سنائی جاتی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فوراً اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لیے سجدہ کرتے)

(۳)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَوَّلُ مَنْ يُدْعَى إِلَى الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ الَّذِينَ يَحْمَدُونَ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ". (مشکوٰۃ المصابیح، ج:۲، رقم الحدیث:۸۳۸)

(حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن جنت میں سب سے پہلے بہت زیادہ حمد (اللہ تعالیٰ کی تعریف اور شکر) کرنے والوں کو بلایا جائے گا۔ یہ وہ بندے ہیں جو ہر حال (خوش حالی اور تنگی) میں اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتے ہیں)

(۴)۔ عَنْ صُهَيْبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "عَجَبًا لِأَمْرِ الْمُؤْمِنِ إِنَّ أَمْرَهُ كُلَّهُ خَيْرٌ وَلَيْسَ ذَاكَ لِأَحَدٍ إِلَّا لِلْمُؤْمِنِ إِنْ أَصَابَتْهُ سَرَّاءُ شَكَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهُ وَإِنْ أَصَابَتْهُ ضَرَّاءُ صَبَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهُ".

(صحیح مسلم، ج:۳، رقم الحدیث:۲۹۹۹)

(حضرت صہیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مومن آدمی کا بھی عجیب حال ہے۔ اس کے ہر حال میں خیر ہی خیر ہے اور یہ بات مومن کے علاوہ کسی کو حاصل نہیں۔ اگر اسے کوئی تکلیف بھی پہنچی، اس نے شکر کیا تو اس کے لیے اس میں بھی ثواب ہے اور اگر اسے کوئی نقصان پہنچا اور اس نے صبر کیا تو اس کے لیے اس میں بھی ثواب ہے)

(۵)۔ عَنْ أَبِي مُوسٰى الْأَشْعَرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "إِذَا مَاتَ وَلَدُ الْعَبْدِ، قَالَ اللّٰهُ لِمَلَائِكَتِهِ: قَبَضْتُمْ وَلَدَ عَبْدِي؟ فَيَقُولُونَ: نَعَمْ، فَيَقُولُ: قَبَضْتُمْ ثَمَرَةَ فُؤَادِهِ؟ فَيَقُولُونَ: نَعَمْ، فَيَقُولُ: مَاذَا قَالَ عَبْدِي، فَيَقُولُونَ: حَمِدَكَ وَاسْتَرْجَعَ، فَيَقُولُ اللّٰهُ: ابْنُوا لِعَبْدِي بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَسَمُّوهُ بَيْتَ الْحَمْدِ". (جامع ترمذی، ج:۱، رقم الحدیث:۱۰۱۶)

(حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب کسی مومن بندے کا کوئی بچہ فوت ہو جاتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے فرماتا ہے: تم نے میرے بندے کے بچے کی روح قبض کی ہے؟ وہ عرض کرتے ہیں کہ ہاں! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم نے اس کے دل کا پھل لے لیا؟ وہ عرض کرتے ہیں کہ جی ہاں! پھر اللہ تعالیٰ ان سے فرماتا ہے: اس حادثہ پر میرے بندے نے کیا کہا؟ وہ عرض کرتے ہیں کہ اس نے تیری تعریف کی اور اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن پڑھا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے کے لیے جنت میں ایک بڑا گھر بنا دو اور اس کا نام بیت الحمد (شکر کا گھر) رکھو)

(۶)۔ عَنِ الْمُغِيرَةِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، يَقُولُ: "إِنْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيَقُومُ لِيُصَلِّيَ حَتّٰى تَرِمُ قَدَمَاهُ أَوْ سَاقَاهُ، فَيُقَالُ لَهُ: فَيَقُولُ: أَفَلَا أَكُونُ عَبْدًا شَكُورًا". (صحیح بخاری، ج:۱، رقم الحدیث:۱۰۸۱)

(حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز میں اتنی زیادہ دیر تک کھڑے ہوتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاؤں مبارک پھول جاتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا جاتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اتنی تکلیف کیوں اٹھاتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے: کیا میں شکرگزار بندہ نہ بنوں)

(۷)۔ عَنْ أَبِي الْأَشْعَثِ الصَّنْعَانِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّهُ رَاحَ إِلَى مَسْجِدِ دِمَشْقَ وَهَجَّرَ بِالرَّوَاحِ فَلَقِيَ شَدَّادَ بْنَ أَوْسٍ وَالصُّنَابِحِيُّ مَعَهُ فَقُلْتُ أَيْنَ تُرِيدَانِ يَرْحَمُكُمَا اللّٰهُ قَالَا نُرِيدُ هَاهُنَا إِلَى أَخٍ لَنَا مَرِيضٍ نَعُودُهُ فَانْطَلَقْتُ مَعَهُمَا حَتّٰى دَخَلَا عَلَى ذٰلِكَ الرَّجُلِ، فَقَالَا لَهُ كَيْفَ أَصْبَحْتَ؟ قَالَ أَصْبَحْتُ بِنِعْمَةٍ۔ فَقَالَ لَهُ شَدَّادٌ أَبْشِرْ بِكَفَّارَاتِ السَّيِّئَاتِ، وَحَطِّ الْخَطَايَا! فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يَقُولُ إِنِّي إِذَا ابْتَلَيْتُ عَبْدًا مِنْ عِبَادِي مُؤْمِنًا فَحَمِدَنِي عَلَى

مَا ابْتَلَيْتُهُ فَإِنَّهُ يَقُومُ مِنْ مَضْجَعِهِ ذٰلِكَ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ مِنَ الْخَطَايَا وَيَقُولُ الرَّبُّ عَزَّ وَجَلَّ أَنَا قَيَّدْتُ عَبْدِي وَابْتَلَيْتُهُ وَأَجْرُوا لَهُ كَمَا كُنْتُمْ تُجْرُونَ لَهُ وَهُوَ صَحِيحٌ". (مسند احمد، ج:۷، رقم الحدیث:۲۸۸)

(حضرت ابواشعث رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ وہ دوپہر کے وقت دمشق کی ایک مسجد کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوگئی۔ ان کے ساتھ صنابحی بھی تھے۔ میں نے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ آپ رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائے، کہاں کا ارادہ ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ یہاں ایک بھائی بیمار ہے۔ اس کی عیادت کے لیے جارہے ہیں۔ میں بھی ان کے ساتھ چل پڑا۔ جب وہ دونوں اس کے پاس پہنچے تو اس سے پوچھا کہ کیا حال ہے؟ اس نے بتایا کہ ٹھیک ہوں (مریض نے کہا: میں نے صبر اور شکر کیا) حضرت شداد رضی اللہ عنہ نے فرمایا تمہیں بشارت ہو کہ تمہارے گناہوں کا کفارہ ہو چکا اور گناہ معاف ہو چکے ہیں۔ میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ پاک فرماتا ہے: جب میں اپنے بندوں میں سے کسی مومن بندہ کو بیماری اور مصیبت میں مبتلا کرتا ہوں اور وہ بندہ اس آزمائش پر ناخوش نہیں ہوتا بلکہ میری تعریف کرتا ہے تو وہ اپنی بیماری کے بستر سے ایسے گناہوں سے پاک صاف ہو کر اٹھتا ہے جیسا کہ وہ اس دن گناہوں سے پاک صاف تھا جس روز اس کی ماں نے اسے جنا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتا ہے کہ میں نے اپنے بندہ کو قید میں ڈالا ہے اور اسے آزمائش میں مبتلا کیا تھا، تم وہ نیک اعمال لکھنا جاری رکھو جو تم اس کے زمانہ تندرستی میں لکھتے تھے)

(۸)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، أَنَّ النبيّ صلى الله عليه وسلم قال: "أَرْبَعٌ مَنْ أُعْطِيَهُنَّ، فَقَدْ أُعْطِيَ خَيْرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ: "قَلْبًا شَاكِرًا، وَلِسَانًا ذَاكِرًا، وَبَدَنًا عَلَى الْبَلَاءِ صَابِرًا، وَزَوْجَةً لَا تَبْغِيهِ خَوْنًا فِي نَفْسِهَا، وَلَا مَالِهِ".

(کنز العمال، ج:۸، رقم الحدیث:۳۶۱۲)

(حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جسے چار چیزیں عطا کی گئیں، اسے دنیا اور آخرت کی بھلائی عطا کی گئی۔ وہ چار چیزیں یہ ہیں:

(i)۔ شکر کرنے والا دل۔

(ii)۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والی زبان۔

(iii)۔ مصیبت پر صبر کرنے والا جسم۔

(iv)۔ اس کے مال اور عزت میں خیانت نہ کرنے والی بیوی۔

(۹)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ لَا يَشْكُرُ النَّاسَ لَا يَشْكُرُ اللّٰهَ". (جامع ترمذی، ج:۱، رقم الحدیث:۲۰۳۹)

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ پاک کا بھی شکریہ ادا نہیں کرتا)

(۱۰)۔ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ أُعْطِيَ عَطَاءً فَوَجَدَ فَلْيَجْزِ بِهِ، فَإِنْ لَمْ يَجِدْ فَلْيُثْنِ بِهِ، فَمَنْ أَثْنَى بِهِ فَقَدْ شَكَرَهُ".
(سنن ابوداود، ج:۳، رقم الحدیث:۱۴۰۹)

(حضرت جابر بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس کے ساتھ کوئی احسان کرے تو اسے اس کا بدلہ دینا چاہیے۔ اگر بدلہ دینے کی استطاعت (طاقت) نہ ہو تو اس کا اچھے الفاظ میں ذکر ہی کر دے کیونکہ جس نے اچھے الفاظ میں ذکر کیا گویا کہ اس کا شکر ادا کیا)

۴۔ شکر کی اقسام

شکر ادا کرنے کے لحاظ سے شکر کی دو قسمیں ہیں:

(۱)۔ اللہ پاک کا شکر گزار ہونا: انسان کا اللہ تعالیٰ کے لیے شکر گزار ہونا ایک لازمی امر ہے، جس کا اللہ پاک نے اپنے بندوں کو حکم دیا ہے۔ اللہ پاک نے ہمیں اپنا ذکر کرنے اور اپنا شکر ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ. (سورۃ البقرہ، آیت:۱۵۲)

(پس تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا۔ میرا شکر ادا کرو اور میری ناشکری نہ کرو)

(۲)۔ انسان کا ایک دوسرے کا شکر ادا کرنا: انسان دوسرے انسان کا شکریہ اس وقت ادا کرتا ہے جب وہ اسے کوئی نفع پہنچاتا ہے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لوازمات میں سے ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ لَا يَشْكُرُ النَّاسَ لَا يَشْكُرُ اللّٰهَ". (جامع ترمذی، ج:۱، رقم الحدیث:۲۰۳۹)

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص لوگوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا وہ اللہ پاک کا بھی شکر نہیں کرتا)

۵۔ شکر کی مختلف صورتیں

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر اس کا شکر ادا کرنے کی یہ تین صورتیں ہیں:

(۱)۔ **دل سے شکر ادا کرنا:** اس کی صورت یہ ہے کہ آدمی اللہ پاک سے محبت کرے، خود کو اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کا پابند بنا لے۔ اس کی نعمتوں کا اعتراف کرے اور انہیں پہچانے۔ جیسا کہ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے: حضرت طلق بن حبیب رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے: "أَرْبَعٌ مَنْ أُوتِيَهُنَّ أُوتِيَ خَيْرَ الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ: مَنْ أُوتِيَ لِسَانًا ذَاكِرًا، وَقَلْبًا شَاكِرًا، وَجَسَدًا عَلَى الْبَلَاءِ صَابِرًا، وَزَوْجًا مُؤْمِنَةً لاَ تَبْغِيهِ فِي نَفْسِهَا خَوْنًا"۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، ج:۹، رقم الحدیث:۵۳۶۱)

(جسے چار چیزیں عطا کی گئیں، اسے دنیا اور آخرت کی بھلائی عطا کی گئی۔ وہ چار چیزیں یہ ہیں:

(i)۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والی زبان۔

(ii)۔ شکر کرنے والا دل۔

(iii)۔ مصیبت پر صبر کرنے والا جسم۔

(iv)۔ ایمان والی بیوی جو اپنے بارے میں شوہر کے ساتھ کوئی خیانت نہ کرے۔

(۲)۔ زبان سے شکر ادا کرنا: اس کا طریقہ یہ ہے کہ زبان سے اللہ پاک کی نعمتوں کا اعتراف کرے۔ اس کے ذکر اور حمد (تعریف) زبان پر رہے اور ان نعمتوں کو بیان کرے۔ کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(i)۔ وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ. (سورۃ الضحیٰ، آیت:۱۱)

(اور اپنے رب کی نعمتوں کو بیان کرو)

(ii)۔ عَنْ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ، قَالَ: "ذِكْرُ النِّعَمِ شُكْرُهَا"۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، ج:۹، رقم الحدیث:۵۲۹۰)

(حضرت عمر بن عبد العزیزؒ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کا اظہار کرنا بھی اس کا شکر ادا کرنا ہے)

اس سے مراد یہ ہے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اظہار کرنا اور انہیں بیان کرنا بھی شکر ادا کرنے کی ایک قسم ہے جو کہ پسندیدہ ہے لیکن شرط یہ ہے کہ نعمت کے اظہار میں نہ تو خود پسندی ہو اور نہ فخر اور غرور۔ اس لیے کہ غرور اور تکبر انسان کی نیکیوں کو برباد کر دیتے ہیں۔

(۳)۔ دیگر طریقوں سے شکر ادا کرنا: شکر صرف زبان سے ہی نہیں بلکہ دیگر جسمانی اعضا، مال اور دولت سے بھی کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ مال کی نعمت کا شکر اسے اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنے کی صورت میں ہوتا ہے۔ اگر انسان اپنے جسمانی اعضا کو اللہ پاک کی فرماں برداری میں استعمال کرے تو یہ بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا ہوگا۔ خود اللہ پاک نے عمل کرنے کو شکر کی حیثیت سے بیان کیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

اِعۡمَلُوۡۤا اٰلَ دَاوٗدَ شُكۡرًا ؕ وَقَلِيۡلٌ مِّنۡ عِبَادِىَ الشَّكُوۡرُ. (سورۃ السباء، آیت: ۱۳)
(اے آلِ داوٗد! شکر گزاری کے ساتھ عمل کرو اور میرے بندوں میں کم ہی شکر گزار ہیں)

۶۔ ناشکری سے بچنے کے طریقے

اللہ تعالیٰ کی ناشکری کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔ اس لیے انسان کو اپنے پروردگار کی ناشکری سے بچنا چاہیے اور ہر حال میں شکر گزاری کا رویہ اختیار کرنا چاہیے۔ ہمیں ناشکری سے بچنے کے لیے درج ذیل ہدایات پر غور کرنا چاہیے:

(۱)۔ کائنات میں غور و فکر کر کے اللہ پاک کے احسانات کو تلاش کریں اور اس پر شکر ادا کریں۔

(۲)۔ اپنی نفسیاتی، مادی اور دیگر کمزوریوں پر غور کریں اور ان کی اصلاح پر اللہ پاک کے شکر گزار رہیں۔

(۳)۔ جب کوئی غیر معمولی نعمت (جیسے بیماری کے بعد صحت وغیرہ) ملے تو اس پر اللہ پاک کا شکر ادا کریں اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ انہیں اپنی یاد میں تازہ کریں اور اللہ پاک کے احسان مند ہوں۔

(۴)۔ نعمتوں کا موازنہ کرتے وقت انسان کو ہمیشہ ان لوگوں کی طرف دیکھنا چاہیے جو اپنے سے نیچے ہوں تا کہ شکر گزاری کی عادت پیدا ہو۔

۷۔ شکر کی مشکلات

شکر کے امتحان میں درج ذیل مشکلات پیش آسکتی ہیں:

(۱)۔ **نعمت کو خدا تعالیٰ کا انعام سمجھ لینا:** اگر کسی شخص پر نعمتوں کی بارش ہو رہی ہو تو اس کا نفسیاتی اثر یہ ہوتا ہے کہ وہ ان نعمتوں کو اللہ پاک کی رضا سمجھ بیٹھتا ہے اور اس مغالطے میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ اللہ پاک اس سے راضی ہے حالانکہ نعمتوں کا عطا کیا جانا انسان کی آزمائش بھی ہے کیونکہ یہ دنیا انعام کی جگہ نہیں بلکہ آزمائش کی جگہ ہے اور انعامات کی جگہ تو آخرت ہے۔

(۲)۔ **تکبر:** اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اگر مسلسل ملتی رہیں تو انسان عام طور پر خود کو برتر اور دوسروں کو اپنے سے کمتر محسوس کرنے لگتا ہے۔ برتری کا یہ احساس ایک حد سے بڑھ جائے تو تکبر میں تبدیل ہو جاتا ہے حالانکہ یہ نعمتیں آزمائش کے لیے دی جاتی ہیں۔

(۳)۔ **نعمت کو حق سمجھنا:** شکر کے امتحان کی ایک مشکل یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والی نعمتوں کو اپنا حق سمجھ لیتا ہے کہ یہ نعمتیں تو اسے ملنی ہی چاہیے تھیں۔ جب یہ سوچ پیدا ہو جاتی ہے تو انسان ان نعمتوں کو ایک معمول کی چیز سمجھ لیتا ہے۔ یوں وہ شکر کی صلاحیت سے محروم ہو جاتا ہے۔

(۴)۔ **نعمت کا عادی ہو جانا:** جب انسان مسلسل کسی نعمت کو استعمال کرتا ہے تو وہ اسے معمولی اور حقیر سمجھنے لگتا ہے بلکہ وہ اسے نعمت کی حیثیت سے قبول کرنے کی صلاحیت ہی کھو بیٹھتا ہے۔ مثال کے طور پر آنکھیں بڑی نعمت ہیں لیکن ان آنکھوں کا استعمال مسلسل ہونے کی بنا پر انسان بینائی کی نعمت کو سراہنے سے محروم رہ جاتا ہے۔

(۵)۔ **اسباب کو منعم سمجھ لینا:** شکر کے امتحان کی ایک مشکل یہ ہے کہ اکثر اوقات انسان نعمتوں کے ملنے کو اسباب (سبب) کا نتیجہ سمجھنے لگتا ہے اور ان نعمتوں کے اصل مالک اللہ تعالیٰ کو بھول جاتا ہے۔ ایسا انسان اسباب میں الجھ کر رہ جاتا ہے اور اسباب پیدا کرنے والے کی معرفت سے محروم رہتا ہے۔

(۶)۔ **نعمتوں کے حصول کو اپنی صلاحیتوں کا مرہون منت سمجھ لینا:** ناشکری کی ایک وجہ یہ ہے کہ انسان دولت، صحت، عہدہ، ترقی اور شہرت وغیرہ حاصل کرنے کے بعد یہ سمجھ لیتا ہے کہ یہ سب کچھ اس کی

اپنی محنت کا نتیجہ ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کا کوئی خاص کردار نہیں۔ حالانکہ انسان کو جو کچھ بھی ملتا ہے سب اسی کا عطا کردہ ہے۔

(۷)۔ **نسیان یا فراموشی:** انسان کی یادداشت وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ دھندلی ہوتی چلی جاتی ہے جس کی بنا پر بھی وہ نعمتوں کا بہتر طور پر شکر ادا کرنے سے قاصر رہتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک شخص کو اللہ تعالیٰ نے اولاد سے نوازا۔ وہ اولاد کی پیدائش کے وقت تو اللہ تعالیٰ کا خوب شکر ادا کرتا ہے لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ یہ بھول جاتا ہے کہ یہ اولاد اسے اللہ پاک نے دعاؤں کے ذریعے عطا کی ہے اور یہ اس کا احسان ہے۔

۸۔ شکر خداوندی کی وجوہات

اکثر اوقات انسان کے ذہن میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ پاک کا شکر کیوں کیا جائے؟ کچھ لوگ شکر گزاری کو ایک رسم اور روایت کے طور پر مانتے ہیں اور کچھ لوگ یہ سمجھنا ہی نہیں چاہتے کہ شکر کیوں ضروری ہے۔ ایک صاحب دل انسان جب غور و فکر سے کام لیتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ کا شکر کرنے کی بے شمار وجوہات نظر آتی ہیں۔ مثال کے طور پر

(ا)۔ اجتماعی نعمتوں پر شکر کی وجوہات

(i)۔ اجتماعی شکر کرنے کی پہلی وجہ انسان پر اللہ تعالیٰ کی بے پایاں شفقت اور رحمت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کو پیدا کیا۔ ان میں تقاضے پیدا کیے اور پھر ان تقاضوں کو انتہائی خوبی کے ساتھ پورا کرتے ہوئے اپنی رحمت اور کرم کا اظہار کیا۔

(ii)۔ اجتماعی شکر کی دوسری وجہ اللہ تعالیٰ کی صفت ربوبیت ہے۔ ربوبیت کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ پاک مخلوقات کو پیدا کر کے ان سے غافل نہیں ہو گیا بلکہ دن رات ان کو ہر قسم کی سہولت فراہم کر رہا ہے۔ وہ سانس کے لیے آکسیجن، حرارت کے لیے سورج کی روشنی، نشوونما کے لیے سازگار ماحول اور ذائقے کی تسکین کے لیے انواع و اقسام کے میوے اور پھل بنا کر اپنی ربوبیت اور رزاقیت (روزی دینے کا کام) کا اظہار کر رہا ہے۔ اسی طرح وہ ایک نومولود کو دنیا میں آتے ہی ماں کی گود

میں اس کی پرورش کا بندوبست کرتا اور دنیا کے ماحول کو اس کے لیے سازگار بنا دیتا ہے۔

(۲)۔ انفرادی نعمتوں پر شکر کی وجوہات

اجتماعی شکر کے ساتھ ساتھ انفرادی طور پر شکر کرنے کی بھی کئی وجوہات ہوسکتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر بندے کے ساتھ انفرادی معاملہ کرتا اور خاص طور پر اسے اپنی نعمتوں سے نوازتا ہے تاکہ اسے شکر کے امتحان میں ڈال کر آزمائے۔ انفرادی طور پر شکر کرنے کی کئی وجوہات ہوسکتی ہیں۔ مثال کے طور پر

(i)۔ جسم کے تمام اعضا کی سلامتی، بیماری سے حفاظت یا بیماری سے تندرستی، کسی بھی جسمانی معذوری سے پاک ہونے پر اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہونا۔

(ii)۔ اچھے حافظہ اور عقل پر شکر گزار ہونا۔

(iii)۔ زندگی میں مادی اور روحانی دونوں پہلوؤں سے سکون حاصل ہونے پر اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ بننا۔

(iv)۔ مال اور جائداد میں کثرت پر اللہ تعالیٰ کا شکر کرنا۔

(v)۔ اولاد میں کثرت یا حسب توقع اولاد کے حصول میں کامیابی پر اللہ پاک کا شکر گزار ہونا۔

(vi)۔ شہرت اور عزت حاصل ہونے پر اظہار تشکر کرنا۔

(vii)۔ انسان کا ماں باپ کے زندہ ہونے پر اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہونا۔

(viii)۔ انسان جب تک زندہ رہتا ہے اس کے علم میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ علم میں اضافے پر اللہ پاک کا شکر گزار ہونا چاہیے۔

(ix)۔ کسی مصیبت یا بیماری سے نجات پانے پر شکر گزار ہونا۔

(x)۔ کسی گناہ سے بچنے پر یا نیکی کی توفیق (طاقت) ملنے پر شکر کا اظہار کرنا۔

۹۔ شاکر اور شکور کا فرق

(۱)۔ شاکر وہ ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اسے عطا کیا ہے اس پر شکر کرے اور شکور وہ ہے جو اس چیز پر بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے اسے عطا نہیں کی۔

(۲)۔ بعض کا خیال ہے کہ شاکر وہ ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی عطا پر شکر کرے اور شکور وہ ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی عطا کے چھن جانے پر بھی شکوہ شکایت کی بجائے اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لائے۔

(۳)۔ شاکر نفع پر شکر کرتا ہے اور شکور نفع کے روک لینے پر بھی شکر کرتا ہے۔

(۴)۔ شاکر اللہ تعالیٰ کی عنایات کو دیکھ کر شکر کرتا ہے اور شکور مصیبتوں اور تکالیف ملنے کے باوجود اللہ تعالیٰ کا شکر کرتا ہے۔

۱۰۔ شکر کے طریقے

شکر باری تعالیٰ کے کئی طریقے ہیں۔ ان میں چند ایک یہ ہیں:

(۱)۔ زبان سے نہایت عجز وانکساری کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اقرار کرنا چاہیے۔ جب دل میں کسی نعمت کا سرور محسوس ہوتا ہے تو اس کا اظہار سب سے پہلے زبان ہی سے ہوتا ہے۔ اس کے لیے ضروری نہیں کہ عربی میں ہی شکر ادا کیا جائے بلکہ زیادہ بہتر یہ ہے کہ اپنے الفاظ میں شکر کیا جائے۔ البتہ انبیاء علیہم السلام کی مانگی ہوئی شکر گزاری کی دعاؤں پر بھی غور کر لینا چاہیے۔ اس سے شکر گزاری کے کئی مضامین ذہن میں آجاتے ہیں۔ یہ شکر اہل علم/علماء کا شکر ہے جو ان کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے۔

(۲)۔ جسم اور اعضا سے اللہ پاک سے وفاداری اور بندگی دکھانی چاہیے۔ نعمت کے ملنے پر دو رکعت نماز شکرانہ ادا کی جائے۔ اس میں لمبا قیام اور لمبے سجدے کیے جائیں اور خدا کا شکر ادا کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے لیے نفلی روزہ رکھا جائے۔ اللہ پاک کی راہ میں مال خرچ کیا جائے۔ یہ عبادت گزاروں کا شکر ہے جو ان کے اعمال (کاموں) سے ظاہر ہوتا ہے۔

(۳)۔ دل سے اللہ پاک کے احترام کا خیال کرنا چاہیے۔ ہمیشہ اللہ پاک کے احسان کو پیشِ نظر رکھنا چاہیے اور اپنی خواہشات کو اس کی مرضی کے تابع کر دینا، شکر کا سب سے مشکل لیکن مؤثر طریقہ ہے۔ یہ شکر گزاری کی حقیقی صورت ہے کہ اپنے منعم (نعمت دینے والے) کے احسانات پر احسان مند ہوتے ہوئے اس کی مکمل فرماں برداری کی جائے۔ یہ عارفوں کا شکر ہے جو اپنے عام حالات میں اللہ پاک کی نعمتیں دیکھتے ہیں اور ان پر کامل یقین دکھاتے ہیں۔

(۴)۔ اللہ پاک کے احسانات اور نعمتوں کو بار بار سوچنا اور یاد کرنا چاہیے اور ہر نعمت کو صحیح معنوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تصور کرنا چاہیے۔ اس سے اللہ تعالیٰ سے محبت پیدا ہوتی ہے اور محبت خداوندی سے شکر کا اعلیٰ درجہ نصیب ہوتا ہے۔

(۵)۔ انسان کی سجدہ کی حالت اللہ پاک کو انتہائی پسند ہے اس لیے جب بھی انسان اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کے احسانات کو دیکھے تو فوراً سجدہ شکر بجالائے۔ جیسا کہ عَنْ أَبِي بَكْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ: "إِذَا جَاءَهُ أَمْرُ سُرُورٍ، أَوْ بُشِّرَ بِهِ خَرَّ سَاجِدًا شَاكِرًا لِلَّهِ". (سنن ابوداؤد، ج:۲، رقم الحدیث:۱۰۰۸)۔ (حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جب کوئی خوشی والی بات پیش آتی یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کسی بات کی خوشخبری سنائی جاتی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فوراً اللہ پاک کا شکر ادا کرنے کے لیے سجدہ کرتے)

(۶)۔ ہمیں اپنے سے کم نعمتوں والوں کو دیکھنا چاہیے۔ اپنے سے کم نعمتوں والوں کو دیکھنے سے بھی شکر کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "مَنْ رَأَى مَنْ فُضِّلَ عَلَيْهِ فِي الْخَلْقِ وَالرِّزْقِ فَلْيَنْظُرْ إِلَى مَنْ هُوَ أَسْفَلُ مِنْهُ مِمَّنْ فُضِّلَ هُوَ عَلَيْهِ، فَإِنَّهُ أَجْدَرُ أَنْ لَا يَزْدَرِيَ نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْهِ"۔ (جامع ترمذی، ج:۱، رقم الحدیث:۱۸۵۶) 'جو شخص اپنے سے بہتر صورت یا زیادہ مالدار کی طرف دیکھے تو اسے اپنے سے کم تر آدمی کو دیکھنا چاہیے، جس پر اسے فضیلت دی گئی۔ یقیناً اس سے اس کی نظر میں اللہ تعالیٰ کی نعمت حقیر نہیں ہوگی'۔

(۷)۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا کہ اے اللہ! مجھے شکر کی توفیق عطا فرما دیجئے، مجھے اپنے شکر گزار بندوں

میں شامل فرما دیجیے۔

(۸)۔ ہمیں شکر پر ملنے والے عظیم اجر پر غور اور فکر کرنا چاہیے جو دنیا و آخرت میں ملتا ہے۔

(۹)۔ ہمیں قیامت کے دن نعمتوں پر جو سوال ہوگا۔اس سوال کی عظمت اور ہیبت (رعب) کا تصور کرنا کیونکہ اس سے زیادہ سے زیادہ شکر الٰہی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

۱۱۔ شکر کے بارے میں صوفیائے کرامؒ کے اقوال

شکر کے بارے میں صوفیائے کرامؒ سے بہت پیارے قول منسوب ہیں:

(۱)۔ حضرت ابوبکر دقاقؒ فرماتے ہیں کہ کسی نعمت کے شکر کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ پاک کے احسان پر نظر رکھے اور اس کی عزت کی حفاظت کرے۔(رسالہ قشیریہ،ص:۲۲۹)

(۲)۔ حضرت رویمؒ فرماتے ہیں کہ شکر یہ ہے کہ ہم پوری استطاعت (طاقت) سے انعامات کرنے والے کی فرماں برداری کریں۔(رسالہ قشیریہ،ص:۲۲۹)

(۳)۔ حضرت ابوبکر شبلیؒ فرماتے ہیں کہ شکر انعام دینے والے کو دیکھنے کا نام ہے نہ کہ نعمت دیکھنے کا۔

(رسالہ قشیریہ،ص:۲۳۰)

(۴)۔ حضرت ابوعثمانؒ فرماتے ہیں کہ عام لوگ تو کھانے اور لباس پر شکر کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے خاص لوگ ان چیزوں پر شکر کرتے ہیں جو دل پر وارد ہوتی ہیں (اللہ تعالیٰ کے راز)۔

(رسالہ قشیریہ،ص:۲۳۰)

(۵)۔ حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ شکر یہ ہوتا ہے کہ انسان خود کو نعمتوں کا اہل نہ سمجھے بلکہ نعمتوں کو اللہ پاک کی رحمت سمجھے۔(رسالہ قشیریہ،ص:۲۳۰)

(۶)۔ حضرت مطرف بن عبداللہؒ فرماتے ہیں کہ میں نے دو چیزوں پر غور کیا: ایک عافیت اور دوسری شکر گزاری۔تب مجھے معلوم ہوا کہ ان دو چیزوں میں دنیا اور آخرت کی سب خیر سمیٹ دی گئی ہے۔مجھے عافیت نصیب ہو اور میں اس پر شکر وں، یہ مجھے اس سے کہیں عزیز (پسند) ہے کہ میں

کسی آزمائش میں پڑوں اوراس پر صبر کروں۔(عدۃ الصابرین وذخیرۃ الشاکرین،ص:۲۲۸)

(۷)۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں کہ شکر یہ ہے کہ عاجزی کرتے ہوئے نعمت دینے والے کی نعمت کا اقرار کرنا اوراسی طرح عاجزی کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے احسان کو ماننا اور یہ سمجھ لینا کہ انسان اس کا شکرادا کرنے سے عاجز ہے۔(عدۃ الصابرین وذخیرۃ الشاکرین،ص:۲۲۸)

(۸)۔ حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں کہ اپنے سے بڑے کا شکر اطاعت وفرمانبرداری کی صورت میں ادا ہوگا۔ برابر والے کا شکر اس پر احسان کرنے سے اور اپنے سے کم اہم شخص کا، اسے بدلہ دینے سے ہوگا۔(تفسیر قرطبی،ذیل سورۃ البقرہ،آیت:۵۲)

(۹)۔ حضرت سہل بن عبداللہؒ فرماتے ہیں کہ شکر سے مراد بڑھ چڑھ کر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا اور ظاہری اور چھپی ہوئی نافرمانیوں سے بچنا ہے۔(تفسیر قرطبی،ذیل سورۃ البقرہ،آیت:۵۲)

(۱۰)۔ حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ شکر زبان سے نعمتوں کے اقرار، دل سے ان نعمتوں کی تصدیق اور عمل سے انعام کرنے والے کی رضا کے حصول میں لگے رہنے کا نام ہے۔

(تفسیر قرطبی،ذیل سورۃ البقرہ،آیت:۵۲)

۱۲۔ شکر کے واقعات

یہاں سیرت پاک اور بزرگان دین کے چند واقعات نقل کرتے ہیں تاکہ ان سے سبق حاصل کیا جاسکے:

(۱)۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک صحابی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تم نے صبح کیسے کی؟ اس نے عرض کیا! خیریت سے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوبارہ پوچھا کیسے ہو؟ اس نے عرض کیا! خیریت سے ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تیسری بار پوچھا کیسے ہو؟ اس نے عرض کیا، خیریت سے ہوں۔ میں اللہ تعالیٰ کی حمد (تعریف) کرتا ہوں اوراس کا شکر کرتا ہوں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے تم سے یہی تعریف اور شکر چاہا تھا۔(قوت القلوب، ج:۱،ص:۴۶۷-۴۶۷)

(۲)۔ حضرت سلیمان علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے عظیم نبی تھے۔ اللہ پاک نے آپ علیہ السلام کو بے شمار نعمتوں سے نوازا تھا۔ آپ انتہائی شکر گزار نبی تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو شکر گزاری پر وہ حکومت ملی کہ اس کی مثال دنیا میں کہیں نہیں ملتی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی شکر گزاری کا خاص مظاہرہ اس وقت ہوا جب حضرت سلیمان علیہ السلام بڑے لشکر کے ساتھ چیونٹیوں کی ایک وادی میں سے گزر رہے تھے، جس کا ذکر اللہ پاک نے اپنی پاک کتاب میں اس طرح فرمایا ہے:

حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ ۙ قَالَتْ نَمْلَةٌ یّٰۤاَیُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ ۚ لَا یَحْطِمَنَّكُمْ سُلَیْمٰنُ وَ جُنُوْدُهٗ ۙ وَ هُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ. (سورۃ النمل، آیت:۱۸)

(جب چیونٹیوں کی وادی میں پہنچے تو ایک چیونٹی نے کہا: اے چیونٹیو! اپنے بلوں میں داخل ہو جاؤ، کہیں ایسا نہ ہو کہ سلیمان (علیہ السلام) اور اس کے لشکر تمہیں کچل ڈالیں اور انہیں خبر بھی نہ ہو)

چیونٹی کی یہ بات سن کر حضرت سلیمان علیہ السلام نے فخر اور غرور نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کا اظہار کرتے ہوئے شکر ادا کیا اور مزید عنایات کے لیے درخواست کی۔ اللہ نے بڑے فخر کے ساتھ اس کا ذکر فرمایا ہے:

فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا وَ قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِیْۤ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْۤ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَ عَلٰى وَالِدَیَّ وَ اَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَ اَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِكَ فِیْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِیْنَ.
(سورۃ النمل، آیت:۱۹)

(پھر اس کی بات سے مسکرا کر ہنس پڑا اور کہا: اے میرے رب! مجھے توفیق دے کہ میں تیرے احسان کا شکر کروں جو تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر کیا اور یہ کہ میں نیک کام کروں جو تو پسند کرے اور مجھے اپنی رحمت سے اپنے نیک بندوں میں شامل کر لے)

(۳)۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص کو دنیا کی دولت سے بہت نوازا گیا اور پھر سب کچھ جاتا رہا۔ یہاں تک کہ اس کے پاس بچھانے کے لیے صرف ایک چٹائی ہی رہ گئی، مگر وہ پھر بھی اللہ پاک کی تعریف اور شکر میں مصروف رہا۔ ایک دوسرے مالدار شخص نے اس سے کہا کہ اب تم کس بات پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ میں ان نعمتوں پر اللہ پاک کا شکر ادا کرتا ہوں کہ ساری دنیا کی دولت بھی خرچ کر کے بھی وہ نعمتیں مجھے نہیں مل سکتیں۔

مالدار نے پوچھا کہ وہ کون سی نعمتیں ہیں؟ اس نے جواب دیا: کیا تم اپنی آنکھ، زبان، ہاتھوں اور پاؤں کو نہیں دیکھتے؟ یہ اللہ تعالیٰ کی کتنی بڑی نعمتیں ہیں۔ (شکر اللہ عزوجل، رقم الحدیث: ۱۰۰)

(۴)۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جب بیت المقدس تشریف لائے تو دیکھا کہ ایک فقیر ہے جس کے ہاتھ پاؤں نہیں ہیں۔ بہرا ہے اور اندھا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اسے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ لوگ حیران ہوئے۔ پوچھنے لگے کہ اے امیر المومنین رضی اللہ عنہ کیا اس غریب فقیر کو بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: جی ہاں! یہ فقیر سانس تو لے رہا ہے، رفع حاجت (پیشاب) تو کر لیتا ہے۔

(۵)۔ حضرت اسحاق بن عبداللہؒ بیان کرتے ہیں، ایک شخص کا یہ معمول تھا کہ جب بھی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا سلام عرض کرتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس سے دریافت فرماتے: تم نے صبح کس حال میں کی؟ وہ عرض کرتا: میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس کے لیے دعا فرماتے۔ ایک دن وہ حاضر خدمت ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حسب معمول پوچھا: اے فلاں کیسے ہو؟ اس نے عرض کیا کہ اگر شکر کروں تو خیریت سے ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خاموش ہو گئے اور اس کے حق میں کوئی دعا نہ کی۔ اس شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! پہلے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میرا حال دریافت فرمانے کے بعد میرے لیے دعا بھی فرمایا کرتے تھے جبکہ آج میرا حال دریافت فرمانے کے بعد میرے لیے دعا نہیں فرمائی؟ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: پہلے جب میں تمہارا حال معلوم کرتا تھا تو تم اللہ پاک کا شکر بجا لاتے تھے جبکہ آج میں نے تمہارا حال پوچھا تو تم نے شکر بجا لانے میں شک کیا۔

(شعب الایمان، ج: ۴، رقم الحدیث: ۴۴۴۹)

(۶)۔ ایک آدمی نے اپنے شہر والوں سے اپنے فقر و فاقہ کی شکایت کی اور اللہ تعالیٰ سے شکوہ کیا۔ شہر والوں میں سے ایک نے کہا کہ تجھے اچھا لگے گا کہ تو اندھا ہو اور تجھے دس ہزار مل جائیں؟ اس آدمی نے کہا نہیں۔ اس آدمی نے پوچھا کیا تجھے اچھا لگے گا کہ تو گونگا ہو اور تجھے دس ہزار مل جائیں؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں۔ اس آدمی نے دوبارہ پوچھا کیا تو اس بات کو پسند کرتا ہے کہ

تیرے ہاتھ پاؤں کٹے ہوں اور تجھے دس ہزار مل جائیں؟ تو شکوہ کرنے والے نے جواب دیا بالکل نہیں۔اس نے کہا کہ پھر تجھے اللہ تعالیٰ سے حیا کرنی چاہیے۔اس کا شکرادا کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے اتنی بڑی بڑی نعمتیں عطا فرمائی ہیں۔(قوت القلوب، ج:۱،ص: ۷۶۴)

(۷)۔ ایک شخص حضرت سہل بن عبداللہؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا کہ چور میرے گھر میں داخل ہوا اور میرا سامان لے گیا۔انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا شکرادا کرو اگر چور (شیطان) تمہارے دل میں داخل ہو کر تمہارے عقیدہ توحید کو خراب کر دیتا تو تم کیا کر سکتے تھے؟

(۸)۔ حضرت شیخ سعدی شیرازیؒ فرماتے ہیں کہ ایک سفر کے دوران میرا سب سامان ختم ہو گیا۔کئی دن بھوکا رہا حتیٰ کہ پاؤں میں جوتا تک نہ تھا۔اس حال میں اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں دل میں شکوہ پیدا ہوا۔نماز کے لیے کوفہ (عراق کا شہر) کی جامع مسجد میں گیا تو واپسی پر دیکھا کہ مسجد کی سیڑھیوں پر ایک آدمی بھیک مانگ رہا ہے، جس کے دونوں پاؤں نہیں ہیں۔میں نے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگی اور شکر کیا کہ اگر پاؤں میں جوتے نہیں ہیں تو کیا ہوا کم از کم پاؤں تو ہیں۔اگر اللہ تعالیٰ پاؤں بھی نہ دیتا تو پھر کیا کیا جا سکتا تھا؟ (حکایات سعدی، رقم الحکایت: ۱۴)

(۹)۔ حضرت سلام بن ابو مطیع فرماتے ہیں کہ میں ایک مریض کی عیادت کے لیے گیا تو وہ چیخ و پکار کر رہا تھا۔میں نے اسے کہا! ان کو یاد کرو جو راستوں میں پڑے ہیں اور ان کو یاد کرو جن کا کوئی ٹھکانہ ہی نہیں، نہ کوئی ان کا خدمت گار ہے۔حضرت سلام بن ابو مطیع فرماتے ہیں کہ بعد میں ایک بار پھر میں اس مریض کی عیادت کے لیے گیا تو وہ سرگوشی کے انداز میں خود سے کہہ رہا تھا! اے میرے نفس ان کو یاد کر جو راستوں میں پڑے ہیں۔ان کو یاد کرو جن کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے، نہ ہی کوئی ان کی دیکھ بھال کرنے والا ہے۔(شکر گزار بننے کے فوائد،ص: ۱۲۰)

(۱۰)۔ حضرت بکر بن عبداللہؒ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک قلی (سامان اٹھانے والے) سے ملا جو وزن اٹھائے ہوئے تھا اور ساتھ ہی ساتھ الحمد للہ اور استغفر اللہ کا ورد کیے جا رہا تھا۔میں اس کے فارغ ہونے کا انتظار کرنے لگا۔جب اس نے اپنا بوجھ اتارا تو میں نے اس سے پوچھا: کیا تم اس سے اچھا کوئی کام نہیں کر سکتے؟ اس نے جواب دیا کیوں نہیں! میں اچھا کام کر سکتا ہوں،

قرآن پاک پڑھ سکتا ہوں۔لیکن بندہ چونکہ نعمت اور گناہ کے درمیان رہتا ہے، اس لیے میں اس کی نعمتوں پر اس کا شکرادا کرتا ہوں اور اس سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتا ہوں۔میں نے کہا کہ یہاں کا قلی بھی مجھ سے زیادہ سمجھ دار ہے۔(الدرالمنثور، ذیل سورۃ البقرہ، آیت:۱۵۲)

(۱۱)۔ حضرت وہب بن منبہؒ ایک ایسے مصیبت زدہ کے پاس سے گزرے جو اندھا، کوڑھی اور برص میں مبتلا تھا۔اس کا لباس بھی اچھا نہ تھا لیکن وہ اللہ پاک کی حمد وثنا (تعریف اور شکر) بیان کررہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمت پر اس کا شکر ہے۔حضرت وہب بن منبہؒ کے ساتھ موجود شخص نے کہا کہ تیرے پاس کون سی نعمت باقی بچی ہے جس پر اللہ پاک کا شکر کررہا ہے؟ وہ شخص بولا: ذرا اپنی نگاہ اس شہر کے رہنے والوں کی طرف اٹھا کر دیکھو اور ان کی کثرت کو ملاحظہ کرو۔کیا میں اس بات پر اللہ پاک کا شکرادا نہ کروں کہ اس نے مجھے اپنی معرفت عطا فرمائی ہے۔

(الدرالمنثور، ذیل سورۃ البقرہ، آیت:۱۵۲)

(۱۲)۔ شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں کہ مخلوق پر اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہر وقت نازل ہوتی رہتی ہیں۔اس لیے انسان کو ہر وقت اللہ پاک کا شکرادا کرتے رہنا چاہیے کیونکہ شکر سے نعمت زیادہ ہوتی ہے۔ انسان کے سانس کا اندر جانا بھی ایک نعمت ہے کہ زندگی بڑھاتا ہے اور، باہر آنا بھی ایک نعمت ہے کہ تفریح دیتا ہے۔اگر ہوا اندر نہ جائے تو موت ہے اور اگر باہر نہ آئے تو بھی موت ہے۔انسان کے ایک سانس پر دو اتنی بڑی نعمتیں ملتی ہیں اور ہر نعمت پر شکر واجب ہے۔پس انسان پر ہر سانس پہ دوبار شکر کرنا ضروری ہے۔

حوالہ جات

۱۔ تفسیر قرطبی، امام ابوعبداللہ محمد بن احمد بن ابوبکر قرطبیؒ ترجمہ پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ۔ لاہور: ضیاء القرآن، ۲۰۱۲ء۔

۲۔ جامع ترمذی، امام محمد بن عیسیٰ ترمذیؒ ترجمہ مولانا افضل احمد۔ کراچی: دارالاشاعت، ۲۰۰۶ء۔

۳۔ حکایات سعدی: بوستان سعدیؒ انسائیکلوپیڈیا، شیخ شرف الدین مصلح سعدیؒ ترجمہ مولانا غلام حسن قادری۔ لاہور: مشتاق بک کارنر، ۱۹۹۸ء۔

۴۔ الدرالمنثور فی التفسیر بالماثور، امام جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر سیوطیؒ ترجمہ پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ۔ لاہور: ضیاء القرآن، ۲۰۰۶ء۔

۵۔ رسالہ القشیریہ فی علم التصوف، امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیریؒ ترجمہ شاہ محمد چشتی۔ لاہور: ادارہ پیغام القرآن، ۲۰۰۷ء۔

۶۔ سنن ابی داؤد، امام ابی داؤد سلیمان بن الاشعث سجستانیؒ ترجمہ ڈاکٹر عبدالرحمٰن بن عبدالجبار الفریوائی۔ نئی دہلی: مجلس علمی دارالدعوۃ، ۲۰۰۱ء۔

۷۔ شعب الایمان، امام ابی بکر احمد بن حسین البیہقیؒ ترجمہ مولانا قاضی ملک محمد اسماعیل۔ کراچی: دارلاشاعت، ۲۰۰۷ء۔

۸۔ شکرگزار بننے کے فوائد، ڈاکٹر شہزادہ فیصل بن مشعل آلِ سعود ترجمہ طاہر صدیق بن محمد صدیق۔ لاہور: دارالابلاغ، ۲۰۱۰ء۔

۹۔ شکرگزار بننے کے فوائد، ڈاکٹر شہزادہ فیصل بن مشعل آلِ سعود ترجمہ طاہر صدیق بن محمد صدیق۔ لاہور: دارالابلاغ، ۲۰۱۰ء۔

۱۰۔ صحیح بخاری، امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاریؒ ترجمہ حضرت مولانا محمد داؤد راز۔ دہلی: مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند، ۲۰۰۴ء۔

۱۱۔ صحیح مسلم، امام ابوالحسین مسلم بن الحجاج نیشاپوریؒ ترجمہ علامہ وحیدالزمان۔ دہلی: مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند، ۲۰۰۴ء۔

۱۲۔ عدۃ الصابرین وذخیرۃ الشاکرین، علامہ حافظ ابی عبداللہ محمد ابن قیمؒ۔ بیروت: دارالکتاب العربی، ۱۹۸۸ء۔

۱۳۔ قوت القلوب، شیخ ابوطالب محمد بن عطیہ حارثی مکیؒ ترجمہ محمد منظور الوجیدی۔ لاہور: شیخ غلام اینڈ سنز، ۱۹۹۹ء۔

۱۴۔ کنزالعمال، علامہ علاء الدین علی متقی بن حسام الدینؒ ترجمہ مولانا مفتی احسان اللہ شائق۔ کراچی: دارالاشاعت، ۲۰۰۹ء۔

۱۵۔ مسند امام احمد بن حنبل، امام احمد بن حنبلؒ ترجمہ مولانا محمد ظفر اقبال۔ لاہور: مکتبہ رحمانیہ، ۲۰۰۴ء۔

۱۶۔ مشکوٰۃ المصابیح، شیخ ولی الدین خطیب التبریزیؒ ترجمہ مولانا محمد صادق خلیلؒ۔ لاہور: مکتبہ محمدیہ، ۲۰۰۵ء۔

۱۷۔ مصنف ابن ابی شیبہ، امام ابی بکر عبداللہ بن محمد ابن ابی شیبہ العبسی الکوفیؒ ترجمہ مولانا محمد اویس سرور۔ لاہور: مکتبہ رحمانیہ، ۲۰۰۱ء۔

۱۸۔ http//:www.hadithurdu.com/

۱۹۔ https//:easyquranwahadees.com/

۲۷

صبر

۱۔ صبر کا مفہوم

(۱)۔ صبر کے لغوی معانی کسی صدمے، حادثے یا تکلیف کو خاموشی سے برداشت کر لینا اور ضبط وتحمل سے کام لینا کے ہیں۔ اصطلاح میں، نفس کو شریعت کا پابند بنانا، صبر کہلاتا ہے۔ اللہ پاک کی اطاعت پر اپنے نفس کو روکنا اور شریعت کی حرام کردہ چیزوں سے باز رہنا صبر ہے۔ تصوف کی اصطلاح میں اللہ پاک کی محبت میں ثابت قدم رہنا، اللہ پاک کے وصال کے لیے تکلیف اٹھانا اور اس پر نالاں نہ ہونا صبر کہلاتا ہے۔ کسی خاص بات پر اللہ پاک صبر عطا فرما دے تو یہ حال ہے۔ اگر صبر اپنی ریاضت سے ایک مستقل کیفیت بن جائے تو یہ مقام ہے۔

(۲)۔ صبر کے دو مفہوم ہیں: ایک یہ کہ آدمی مشکلات میں حوصلہ و برداشت سے کام لے، مایوس نہ ہو، چیخے چلائے نہیں۔ دوسرے یہ کہ ہر حالت میں حق وانصاف پر قائم رہے۔ پہلے معنی کے لحاظ سے یہ دینی رویے کا ایک جز ہے اور دوسرے معنی کے لحاظ سے یہ پورے دین پر قائم رہنے کی ایک جدوجہد کا نام ہے۔

(۳)۔ صبر ایک لحاظ سے شکر کے مقابل مفہوم میں استعمال ہوتا ہے۔ صبر وشکر دونوں ایک ہی تصویر کے دو رخ ہیں۔ اچھے حالات میں نیکی کرتے رہنا اور تکبر وغرور وغیرہ سے بچنا شکر ہے۔ اور برے حالات میں نیکی پر قائم رہنا اور مایوسی و بدگمانی سے بچنا صبر ہے۔

(۴)۔ صبر مشکلات میں ثابت قدمی کا نام ہے، مگر جس طرح مشکلات میں صبر کرنا پڑتا ہے، ایسے ہی انعامات کے وقت بھی صبر کرنا پڑتا ہے۔ جس طرح مشکل کی وجہ سے اس بات کا امکان ہوتا ہے کہ آدمی حق سے ہٹ جائے، اسی طرح نعمتیں بھی اس بات کا امکان پیدا کر دیتی ہیں کہ آدمی ان میں مگن ہو کر اپنے دین سے دور اور مغرور ہو جائے۔ قرآنِ پاک میں ارشادِ ربانی ہے:

وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ ۚ اِنَّهٗ لَيَئُوْسٌ كَفُوْرٌ ○ وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ ؕ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ ○ اِلَّا الَّذِيْنَ

صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ط اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ. (سورۃ ہود، آیت:۹-۱۱)

(اگر کبھی ہم انسان کو اپنی رحمت سے نوازنے کے بعد پھر اس سے محروم کر دیتے ہیں تو وہ مایوس ہو جاتا ہے اور ناشکری کرنے لگتا ہے۔ اگر اس مصیبت کے بعد جو اس پر آئی تھی ہم اسے نعمت کا مزہ چکھاتے ہیں تو کہتا ہے میری تو ساری سختیاں دور ہو گئیں۔ پھر وہ پھولا نہیں سماتا اور اکڑنے لگتا ہے۔ صرف صبر کرنے والے اور نیکوکار لوگ ہی اس عیب سے پاک ہیں۔ پس ان کے لیے بخشش اور بڑا اجر ہے)

(۵)۔ دراصل انسان کے اندر دو قوتیں پائی جاتی ہیں ان میں سے ایک قوت دین پر ابھارتی ہے اور دوسری قوت نفسانی خواہشات پر۔ سو دین پر ابھارنے والی قوت کو خواہشاتِ نفسانی پر ابھارنے والی قوت پر غالب کر دینا صبر ہے۔ مشاہدے سے یہ ثابت ہے کہ جیسے مصیبت کے اندر ناگواری ہوتی ہے ویسے ہی عبادت کے اندر بھی ناگواری ہوتی ہے۔ صبر کا تعلق دو چیزوں سے ہے: مصیبت سے بھی اور عبادت سے بھی۔ مصیبت میں صبر یہ ہے کہ رونا دھونا نہ کرے اور عبادت میں صبر یہ ہے کہ ناگواری کی پروا نہ کرے اور عبادت کرتا رہے۔

(۶)۔ دین کا بڑا حصہ صبر پر قائم ہے۔ اگر آدمی کے اندر یہ صفت نہ ہو تو کوئی طمع، کوئی ترغیب اور کوئی آزمائش بھی اس کو حق سے ہٹا کر باطل کے آگے جھکا سکتی ہے۔ جو شخص سچائی کے راستے پر چلنا چاہے اور اس پر چل کر اس پر قائم رہنے کا خواہش مند ہو تو اسے سب سے پہلے اپنے اندر صبر کی صفت پیدا کرنی چاہیے کیونکہ اس راہ میں ہر قدم پر مزاحمتوں سے مقابلہ ہوتا ہے۔ مزاحمتوں کے مقابلے کے لیے اصل ہتھیار یہی صبر ہے۔ فلسفۂ دین کے نقطۂ نظر سے دین، نصف شکر اور نصف صبر ہے، لیکن اگر آدمی میں صبر نہ ہو تو شکر کا حق بھی ادا نہیں ہوسکتا۔

بہ ملکِ جم ندہم مصرعِ نظیری را
کسے کہ کشتہ نہ شد، از قبیلہ ما نیست

(میں جمشید بادشاہ کی سلطنت کے بدلے میں بھی نظیری کا یہ مصرع نہ دوں جو قتل نہ ہوا وہ ہمارے قبیلے سے نہیں ہے)

(۷)۔ یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ سے سوال کرنا اور اس کی بارگاہ میں گڑگڑانا صبر کے منافی نہیں۔ یہ ایک فطری اور غیر اختیاری امر ہے۔ اس پر کوئی گناہ نہیں۔ مصیبت کے وقت رونا پیٹنا، چیخنا چلانا وغیرہ

جاہلیت کے کام ہیں جو اسلام میں منع ہیں ورنہ صرف غمگین ہونا صبر کے خلاف نہیں ہے بلکہ انسانی فطرت کا تقاضا ہے۔

(i)۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی آنکھیں حضرت یوسف علیہ السلام کی جدائی میں خدا کے حضور گڑگڑا کر دعا مانگتے مانگتے سفید ہوگئی تھیں۔اور آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

اِنَّمَآ اَشۡكُوۡا بَثِّىۡ وَحُزۡنِىۡۤ اِلَى اللّٰهِ. (سورۃ یوسف، آیت:۸۶)
(میں تو اپنی پریشانی اور غم کا اظہار اللہ تعالیٰ ہی کے سامنے کرتا ہوں)

(ii)۔ حضرت ایوب علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے صابر کہا ہے حالانکہ انہوں نے حق تعالیٰ سے اپنی بیماری کی شفا کی دعا مانگی تھی۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(ا)۔ وَاَيُّوۡبَ اِذۡ نَادٰى رَبَّهٗۤ اَنِّىۡ مَسَّنِىَ الضُّرُّ وَاَنۡتَ اَرۡحَمُ الرّٰحِمِيۡنَ. (سورۃ الانبیاء، آیت:۸۳)
(اور جب حضرت ایوب علیہ السلام اپنے پروردگار کو پکارا کہ مجھے یہ بیماری لگ گئی ہے اور تو سارے رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے)

(iii)۔ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: أَخَذَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ، فَانْطَلَقَ بِهِ إِلَى ابْنِهِ إِبْرَاهِيمَ فَوَجَدَهُ يَجُودُ بِنَفْسِهِ، فَأَخَذَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَضَعَهُ فِي حِجْرِهِ فَبَكَى، فَقَالَ لَهُ عَبْدُ الرَّحْمَنِ: أَتَبْكِي، أَوَلَمْ تَكُنْ نَهَيْتَ عَنِ الْبُكَاءِ، قَالَ: " لَا، وَلَكِنْ نَهَيْتُ عَنْ صَوْتَيْنِ أَحْمَقَيْنِ فَاجِرَيْنِ: صَوْتٍ عِنْدَ مُصِيبَةٍ، وَخَمْشِ وُجُوهٍ، وَشَقِّ جُيُوبٍ، وَرَنَّةِ شَيْطَانٍ".
(جامع ترمذی، ج:۱، رقم الحدیث:۱۰۰۱)

(حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور انہیں اپنے صاحبزادے ابراہیم رضی اللہ عنہ کے پاس لے گئے۔وہ اس وقت نزع کی حالت میں تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اپنی گود میں لیا اور رونے لگے۔حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ نے عرض کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی روتے ہیں؟ کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رونے سے منع نہیں کیا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نہیں بلکہ بیوقوفی اور نافرمانی کی دو آوازوں سے منع کیا ہے۔ایک تو مصیبت کے وقت کی آواز جب چہرہ نوچا جائے اور گریبان چاک کیا جائے؛ دوسری شیطان کی طرح رونے کی آواز)

۲۔ صبر قرآن پاک کی روشنی میں

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے بہت سے مقامات پر صبر کا ذکر فرمایا ہے۔ان میں سے چند آیات یہاں درج کی جاتی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے صبر کرنے کا حکم دیا ہے یا پھر صبر کرنے والوں کے بلند درجات کا ذکر فرمایا ہے:

(۱)۔ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا ٱصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا وَٱتَّقُوا ٱللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ.
(سورۃ آلِ عمران، آیت:۲۰۰)

(اے ایمان والو! صبر سے کام لو، باطل پرستوں کے مقابلہ میں پامردی دکھاؤ، حق کی خدمت کے لیے کمر بستہ رہو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، امید ہے کہ فلاح پاؤ گے)

اس آیت کریمہ میں فرمایا گیا ہے:

(i)۔ ایمان لانے والوں کے لیے صبر لازم ہے۔

(ii)۔ اللہ پاک کے راستے میں چلتے ہوئے مشکلات آئیں گی، مخالفت ہوگی۔اس کا صبر سے مقابلہ کرنا ہے، دل نہیں ہارنا، مایوس نہیں ہونا۔

(iii)۔ حق کے لیے کوشش کرتے رہنا ہے، جم کر کام کرنا ہے، بے صبری نہیں دکھانی۔

(iv)۔ صبر اللہ پاک کی ذات کے شعور کے ساتھ کرنا ہے۔صبر میں اس کی رضا طلب کرنی ہے اور اس سے دعا کرنی ہے کہ وہ صبر کی توفیق دے اور صبر کو قبول فرمائے۔

(v)۔ صبر کا انجام یہ ہے کہ اس کے نتیجہ میں دنیا وآخرت میں کامیابی ملے گی۔

(۲)۔ وَٱصْبِرْ فَإِنَّ ٱللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ ٱلْمُحْسِنِينَ. (سورۃ ہود، آیت:۱۱۵)

(اور صبر کر، اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کا اجر کبھی ضائع نہیں کرتا)

اس آیت کریمہ میں صبر کی تلقین کرتے ہوئے یہ بتایا گیا ہے کہ صبر ایک نیکی ہے اور ہر نیکی کا اجر ملتا ہے۔اللہ پاک صبر کا بھی اجر دے گا اور صبر کا اجر اللہ تعالیٰ کی مدد ہے اور دین ودنیا کی کامیابی ہے۔

(۳)۔ وَٱصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِٱللَّهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِى ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُونَ.
(سورۃ النحل، آیت:۱۲۷)

(صبر سے کام کیے جاؤ اور تمہارا یہ صبر اللہ پاک ہی کی توفیق سے ہے ان لوگوں کی حرکات پر رنج نہ کرو اور نہ ان کی چال بازیوں پر دل تنگ ہو)

اس آیت میں چار اصول بیان کیے گئے ہیں:

(i)۔ زندگی کی جدوجہد اور دین کی محنت صبر سے کرنا ہے۔

(ii)۔ صبر اللہ پاک کا انعام ہے۔ یہ اللہ پاک کی توفیق سے ہوتا ہے، اس لیے اللہ عزوجل سے صبر مانگتے رہنا چاہیے اور صبر عطا ہونے پر اس ذاتِ کریم کا شکر ادا کرنا چاہیے۔

(iii)۔ جو تکالیف ماضی میں آئی ہیں، ان پر غم زدہ نہیں ہونا چاہیے۔ جو مل گیا ہے اس پر شکر کرنا چاہیے اور جو نہیں ملا اس پر افسوس نہیں کرنا چاہیے۔

(iv)۔ دشمنوں کی مکاریوں پر دل تنگ نہیں کرنا چاہیے بلکہ ان کا حکمت اور صبر کے ساتھ مقابلہ کرنا چاہیے۔ اس کے لیے اللہ پاک سے مدد کی درخواست کرنی چاہیے۔

(۴)۔ فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ۚ وَمِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى. (سورۃ طٰہٰ، آیت: ۱۳۰)

(جو باتیں یہ لوگ بناتے ہیں ان پر صبر کرو اور اپنے رب کی حمد و ثنا کے ساتھ اس کی تسبیح کرو سورج نکلنے سے پہلے اور غروب ہونے سے پہلے اور رات کے اوقات میں بھی تسبیح کرو اور دن کے کناروں پر بھی، شاید کہ آپ راضی ہو جائیں)

اس آیت کریمہ میں نصیحت کی گئی ہے کہ

(i)۔ زندگی کی مشکلات اور دشمنوں کی طرف سے دی گئی تکالیف اور خاص طور پر دشمنوں کی فضول باتوں کو صبر اور ہمت سے برداشت کرنا ہے۔

(ii)۔ ہر وقت اللہ پاک کا شکر ادا کرنا ہے۔ صبر بھی اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہے۔ اس لیے صبر عطا کرنے پر اس کا شکر کرنا ہے اور اس لیے بھی شکر ادا کرنا ہے کہ وہ صبر کی نعمت اور بڑھا دے۔

(iii)۔ شکر کرنا اللہ پاک کی تسبیح کرنے کا ایک طریقہ ہے اور تسبیح کے لیے کوئی وقت متعین نہیں ہے۔ ہر

لمحہ اللہ پاک کا لمحہ ہے۔ خاص طور پر رات کے افتتاح سے پہلے اور دن کی ابتدا سے پہلے اللہ پاک کی تسبیح اور شکر ادا کرنا ہے۔ اس طرح دن کے خاتمے پر اللہ تعالیٰ کا شکر کرنا ہے کہ اچھا گزر گیا اور پھر رات کو بھی اللہ پاک کا شکر کرنا ہے۔ اس کی تسبیح کرنا ہے۔ حضرت سلطان باھوؒ اسی سلسلے میں فرماتے ہیں:

جو دم غافل سو دم کافر سانوں مرشد ایہہ پڑھایا ہو
سنیاں سخن گئیاں کھل اکھیں اساں چت مولے ول لایا ہو
(ہم کو اپنے ازلی مرشد حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ سبق پڑھایا ہے کہ انسان کا جو دم اور سانس یاد الٰہی کے بغیر غفلت میں گزرتا ہے وہ کفر کا لمحہ ہے۔ میں نے جس وقت یہ بات سنی میری غفلت کی آنکھیں کھل گئیں اور میں نے یاد الٰہی میں اپنا رخ اپنے اللہ پاک کی طرف پھرلیا)

(iv)۔ جب صبر کریں گے اور پھر شکر کے لیے اللہ پاک کی تسبیح کریں گے تو پھر مقام رضا حاصل ہو جائے گا۔ آپ بھی اللہ پاک سے راضی اور وہ بھی آپ سے راضی اور پھر آپ صبر و شکر پر خوش رہنے لگیں گے۔ آپ کو نفسِ مطمئنہ (۱) مل جائے گا اور یہ وہ لوگ ہیں جن کو وفات کے وقت کہا جائے:

يَٰٓأَيَّتُهَا ٱلنَّفْسُ ٱلْمُطْمَئِنَّةُ ۝ ٱرْجِعِىٓ إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۝ فَٱدْخُلِى فِى عِبَٰدِى ۝ وَٱدْخُلِى جَنَّتِى. (سورۃ الفجر، آیت: ۲۷-۳۰)

(اے اطمینان والی روح چل اپنے رب کی طرف اس حال میں کہ تو اپنے انجام سے خوش اور اپنے رب کے نزدیک پسندیدہ ہے۔ شامل ہو جا میرے نیک بندوں میں۔ داخل ہو جا میری جنت میں)

(۵)۔ يَٰبُنَىَّ أَقِمِ ٱلصَّلَوٰةَ وَأْمُرْ بِٱلْمَعْرُوفِ وَٱنْهَ عَنِ ٱلْمُنكَرِ وَٱصْبِرْ عَلَىٰ مَآ أَصَابَكَ ۖ إِنَّ ذَٰلِكَ مِنْ عَزْمِ ٱلْأُمُورِ. (سورۃ لقمان، آیت: ۱۷)

(بیٹا، نماز قائم کرنے کا حکم دے، بدی سے منع کر اور جو مصیبت بھی پڑے اس پر صبر کر۔ یہ وہ باتیں ہیں جن کی بڑی تاکید کی گئی ہے)

۱۔ نفس انسانی کے درجات میں سے ایک جو انسان کو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اور ذکر و فکر میں مطمئن اور حیوانی خواہشات اور گناہوں سے دور ہو نفس مطمئنہ کہلاتا ہے۔ قرآن مجید کی سورۃ الفجر کی آیت: ۲۷ میں نفس مطمئنہ کا ذکر کیا گیا ہے۔

اس آیت پاک میں حضرت لقمان علیہ السلام اپنے بیٹے کو ان چیزوں کی نصیحت کرتے ہیں:

(i)۔ خود بھی نماز پڑھنی ہے اور دوسروں کو بھی پڑھنے کی تلقین کرنی ہے۔

(ii)۔ نیکی کا حکم دینا ہے۔

(iii)۔ برائی سے منع کرنا ہے۔

(iii)۔ مشکلات اور مصائب پر صبر کرنا ہے۔

(iv)۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ تبصرہ بھی فرمایا ہے کہ یہ اعلیٰ مراتب لوگوں کے کام ہیں اور اگر عظمت کے راستے پر چلنا ہے تو یہ کام کرنے پڑیں گے۔

(۲)۔ وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ.

(سورۃ الرعد، آیت: ۲۲)

(وہ جنھوں نے اپنے رب کی رضا مندی کے لیے صبر کیا اور نماز قائم کی اور ہمارے دیے ہوئے (مال) میں سے پوشیدہ اور ظاہر خرچ کیا اور برائی کے مقابلے میں بھلائی کرتے ہیں انھیں کے لیے آخرت کا گھر ہے)

ان آیات میں جنت کے رہنے والوں کی چار صفات (خوبیاں) بیان کی گئی ہیں:

(i)۔ وہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے صبر کرتے ہیں۔

(ii)۔ نماز قائم کرتے ہیں یعنی خود بھی پابندی سے نماز پڑھتے ہیں اور لوگوں کو بھی نماز ادا کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔

(iii)۔ اللہ پاک کے عطا کردہ مال میں سے اس کی رضا کے لیے حق داروں پر اعلانیہ اور خفیہ طور پر خرچ کرتے ہیں۔

(iv)۔ جب ان سے برائی کی جائے تو اس کے جواب میں وہ برائی نہیں کرتے بلکہ برائی کا جواب بھلائی سے دیتے ہیں۔ وہ محروم کرنے والے کو عطا کرتے ہیں۔ رشتہ توڑنے والے سے رشتہ

جوڑتے ہیں۔یعنی وہ برتر اخلاق کے مالک ہیں۔

(۷)۔ اُولٰٓىِٕكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَيُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا ۝ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا. (سورۃ الفرقان، آیت:۷۵-۷۶)

(ان لوگوں کو ان کے صبر کے بدلے اونچے اونچے محل دیے جائیں گے اور وہاں فرشتے ان سے دعا و سلام کے ساتھ ملاقات کریں گے۔اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور وہ ٹھہرنے اور رہنے کی بہت ہی عمدہ جگہ ہے)

صبر کا اجر بہت بڑا ہے۔صبر کرنے پر جنت عطا ہوگی۔ جنت میں اعلیٰ محل عطا ہوں گے۔صرف جنت ہی نہیں بلکہ فرشتے ان سے مصافحہ کریں گے۔ ان کو دعا دیں گے۔ ان پر سلامتی بھیجیں گے۔وہ لوگ جنت میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

(۸)۔ وَجَزٰىهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّحَرِيْرًا. (سورۃ الدہر، آیت:۱۲)

(اور (اللہ تعالیٰ) ان کے صبر کے بدلے میں انہیں جنت اور ریشمی لباس عطا کرے گا)

صبر کی بہت بڑی جزا ہے۔دنیا میں جنہوں نے لالچ چھوڑا، اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کیا، غربت پر صبر کیا اور نیکی پر جمے رہے، آخرت میں اللہ تعالیٰ انہیں اس کی جزا عطا فرمائے گا۔ جنت میں خوبصورت زندگی، محلات و باغات اور اعلیٰ ریشمی لباس عطا فرمائے گا۔

(۹)۔ وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ.
(سورۃ البقرہ، آیت:۴۵)

(صبر اور نماز کے ساتھ مدد طلب کرو۔ یہ بات عاجزی کرنے والوں کے سوا دوسروں کے لیے بہت مشکل ہے)

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں بتایا ہے کہ

(i)۔ اللہ پاک کی مدد حاصل کرنے کے دو ذریعے ہیں: صبر اور نماز۔

(ii)۔ مشکل کے وقت صبر اور نماز کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرنی چاہیے۔

(iii)۔ صبر کرنے پر اللہ پاک کی مدد شامل حال ہو جاتی ہے۔

(iv)۔ مشکل کے وقت صبر کرنا اور نماز پڑھنا بھاری کام ہیں مگر اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے آسان ہیں۔

(۱۰)۔ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ. (سورۃ الروم، آیت:۶۰)

(اور ہم ضرور تمہاری آزمائش کریں گے دشمن کے ڈر، بھوک، مال و جان اور پھلوں کی کمی سے اور صبر کرنے والوں کو خوش خبری دیجیے)

اس آیتِ پاک میں ایمان والوں کی آزمائش کا ذکر فرماتے ہوئے یہ نکات بیان کیے گئے ہیں:

(i)۔ اللہ رب العزت اہل ایمان کی آزمائش فرماتا ہے۔

(ii)۔ اس آزمائش میں خوف، غربت، مال کی کمی، پیاروں کی موت اور رزق کی کمی وغیرہ ہو سکتی ہیں۔

(iii)۔ مصیبتوں اور آزمائشوں پر صبر کرنے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے خوشخبری کا پیغام ہے۔

(iv)۔ آزمائش میں ثابت قدمی کے بعد اللہ پاک کی مدد یقینی اور قریب ہوا کرتی ہے۔

(v)۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش ذلیل کرنے کے لیے نہیں بلکہ انسان کی چھپی ہوئی صلاحیتیں ابھارنے کے لیے آتی ہے۔

(vi)۔ آزمائشوں پر صبر کرنا آخرت کے درجوں میں اضافہ کا سبب بنتا ہے۔

(۱۰)۔ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ. (سورۃ آل عمران، آیت:۱۴۶)

(اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں سے محبت کرتا ہے)

اس آیت پاک میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہی لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اس کی طرف سے آنے والی آزمائش میں ثابت قدمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے صبر کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی محبت ایک عظیم کامیابی ہے، جس کے لیے ہم سب کو کوشش کرنی چاہیے۔

(۱۱)۔ اِنِّيْ جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوْٓا ۙ اَنَّهُمْ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ. (سورۃ المدثر، آیت:۷)

(آج ان کے صبر کا میں نے انہیں یہ صلہ دیا ہے کہ وہ کامیاب ہیں)

اس آیت پاک میں بتایا گیا ہے کہ دنیا میں ایمان والوں کے لیے ایک صبر کا مرحلہ یہ بھی ہوتا ہے

کہ جب دین وایمان پر عمل کرتے ہیں تو دین سے ناواقف اور ایمان سے بے خبر لوگ انھیں ہنسی مذاق وملامت کا نشانہ بنا لیتے ہیں یا پھران پر سختی کی جانے لگتی ہے۔ ایسے حالات میں کچھ لوگ دوسروں کی طرف سے ملنے والی تکلیفوں پر پریشان ہوجاتے ہیں اور صبر کا دامن چھوڑ دیتے ہیں۔ البتہ خوش قسمت لوگ ان تمام حالات و واقعات میں صبر وتحمل سے کام لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قیامت والے دن ان صبر کرنے والوں کو اس کی بہترین جزا عطا فرمائے گا اور انھیں کامیابی سے سرفراز کرے گا۔ اس کے علاوہ عمومی زندگی میں بھی صبر کرنے والوں کو یہی جزا ملے گی۔ اللہ پاک ان سے راضی ہوگا اور ان کو کامیاب قرار دے گا۔

۳۔ صبر احادیث مبارکہ کی روشنی میں

احادیث شریف میں صبر کی اہمیت کچھ یوں بیان کی گئی ہے:

(۱)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، أَنّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: يَقُولُ اللّٰهُ تَعَالَىٰ: "مَا لِعَبْدِي الْمُؤْمِنِ عِنْدِي جَزَاءٌ إِذَا قَبَضْتُ صَفِيَّهُ مِنْ أَهْلِ الدُّنْيَا ثُمَّ احْتَسَبَهُ، إِلَّا الْجَنَّةُ". (صحیح بخاری، ج:۳، رقم الحدیث:۶۴۲۴)

(حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے اس مومن بندے کا، جس کی میں کوئی عزیز چیز دنیا سے اٹھالوں اور وہ اس پر ثواب کی نیت سے صبر کرلے، اس کا بدلہ میرے ہاں جنت کے سوا اور کچھ نہیں)

(۲)۔ عَنْ صُهَيْبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "عَجَبًا لِأَمْرِ الْمُؤْمِنِ، إِنَّ أَمْرَهُ كُلَّهُ خَيْرٌ وَلَيْسَ ذَاكَ لِأَحَدٍ إِلَّا لِلْمُؤْمِنِ، إِنْ أَصَابَتْهُ سَرَّاءُ شَكَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهُ وَإِنْ أَصَابَتْهُ ضَرَّاءُ صَبَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهُ".
(صحیح مسلم، ج:۳، رقم الحدیث:۲۹۹۹)

(حضرت صہیب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مومن انسان کا بھی عجیب حال ہے۔ اس کے ہر حال میں خیر ہی خیر ہے۔ یہ بات مومن کے سوا کسی دوسرے کو حاصل نہیں۔ اگر اسے کوئی خوشی بھی پہنچی، اس نے شکر کیا تو اس کے لیے اس میں بھی ثواب ہے اور اگر اسے کوئی نقصان پہنچا اور اس نے صبر کیا تو اس کے لیے اس میں بھی ثواب ہے)

(۳)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، رَفَعَهُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: يَقُولُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: "مَنْ أَذْهَبْتُ حَبِيبَتَيْهِ فَصَبَرَ وَاحْتَسَبَ لَمْ أَرْضَ لَهُ ثَوَابًا دُونَ الْجَنَّةِ". (جامع ترمذی، ج:۲، رقم الحدیث: ۲۹۴)

(حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ مرفوعاً حدیث قدسی (۱) نقل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: میں نے اگر کسی بندے کی بینائی (دیکھنے کی صلاحیت) زائل کردی اور اس نے اس آزمائش پر صبر کیا اور مجھ سے ثواب کی امید رکھی تو میں اس کے لیے جنت سے کم بدلہ دینے پر کبھی راضی نہیں ہوں گا)

(۴)۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "الْمُؤْمِنُ الَّذِي يُخَالِطُ النَّاسَ وَيَصْبِرُ عَلَى أَذَاهُمْ، أَعْظَمُ أَجْرًا مِنَ الْمُؤْمِنِ الَّذِي لَا يُخَالِطُ النَّاسَ وَلَا يَصْبِرُ عَلَى أَذَاهُمْ". (سنن ابن ماجہ، ج:۳، رقم الحدیث: ۹۱۲)

(حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ مومن جو لوگوں سے میل جول رکھتا ہو اور ان کے تکلیف دینے پر صبر کرتا ہے، اس مومن سے افضل ہے جو لوگوں سے میل جول نہیں رکھتا اور ان کے تکلیف پہنچانے پر صبر نہیں کرتا)

(۵)۔ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، أَنَّهُ قَالَ: قِيلَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، أَيُّ الْأَعْمَالِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: "الصَّبْرُ وَالسَّمَاحَةُ". (مجمع الزوائد، رقم الحدیث: ۱۹۸)

(حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا گیا: یا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کون سا عمل سب سے بہتر ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: صبر کرنا اور نرمی کرنا)

(۶)۔ سُئِلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْإِيمَانِ؟ قَالَ: "الصَّبْرُ وَالسَّمَاحَةُ". (کنز العمال، ج:۱، رقم الحدیث: ۱۳۸۹)

(حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ ایمان کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب ارشاد فرمایا: صبر اور طبیعت کی نرمی)

(۷)۔ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "الصَّبْرُ عِنْدَ الصَّدْمَةِ الْأُولَى". (سنن نسائی، ج:۱، رقم الحدیث: ۱۸۷۴)

(حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اصل صبر صدمہ کی ابتدا

۱۔ علم حدیث کی اصطلاح میں حدیث قدسی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منسوب اس روایت کو کہتے ہیں جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روایت کو اللہ تعالیٰ سے منسوب کرتے ہیں۔ یعنی اس کی سند اللہ تعالیٰ تک بیان کی جاتی ہے۔

کے وقت ہی ہوتا ہے۔(رونے دھونے کے بعد تو صبر آ ہی جاتا ہے))

(۸)۔ عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ لِي ابْنُ عَبَّاسٍ "أَلَا أُرِيكَ امْرَأَةً مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ؟، قُلْتُ: بَلٰى، قَالَ: هٰذِهِ الْمَرْأَةُ السَّوْدَاءُ أَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَتْ: إِنِّي أُصْرَعُ، وَإِنِّي أَتَكَشَّفُ فَادْعُ اللّٰهَ لِي، قَالَ: إِنْ شِئْتِ صَبَرْتِ وَلَكِ الْجَنَّةُ، وَإِنْ شِئْتِ دَعَوْتُ اللّٰهَ أَنْ يُعَافِيَكِ، فَقَالَتْ: أَصْبِرُ، فَقَالَتْ: إِنِّي أَتَكَشَّفُ، فَادْعُ اللّٰهَ لِي أَنْ لَا أَتَكَشَّفَ، فَدَعَا لَهَا". (صحیح بخاری، ج:۳، رقم الحدیث:۶۲۹)

(حضرت عطاء بن ابی رباحؒ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے مجھ سے پوچھا کہ میں تمہیں ایک جنتی عورت نہ دکھلاؤں؟ میں نے عرض کیا کیوں نہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ سیاہ فام عورت حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئی اور اس نے عرض کیا مجھے مرگی کا دورہ پڑتا ہے اور میرا ستر (پردہ) کھل جاتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے لیے اللہ پاک سے دعا فرمائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر تو چاہے تو صبر کر، تیرے لیے جنت ہے اور اگر تو چاہے تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ پاک تجھے صحت وعافیت دے دے۔ وہ عورت کہنے لگی کہ میں صبر کروں گی لیکن میرا ستر (پردہ) کھل جاتا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے لیے دعا فرمائیں کہ میرا ستر نہ کھلے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس عورت کے لیے دعا فرمائی)

(۹)۔ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "يَقُولُ اللّٰهُ سُبْحَانَهُ: يَا ابْنَ آدَمَ إِنْ صَبَرْتَ وَاحْتَسَبْتَ عِنْدَ الصَّدْمَةِ الْأُولٰى، لَمْ أَرْضَ لَكَ ثَوَابًا دُونَ الْجَنَّةِ". (سنن ابن ماجہ، ج:۱، رقم الحدیث:۱۵۹۷)

(حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ پاک فرماتا ہے: اے آدم کے بیٹے! اگر صدمہ کے شروع میں تو صبر اور ثواب کی امید رکھے تو میں (تیرے لیے) جنت کے علاوہ اور کسی بدلہ کو پسند نہ کروں گا)

(۱۰)۔ عَنْ أَبِي النَّضْرِ السَّلَمِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "لَا يَمُوتُ لِأَحَدٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ثَلَاثَةٌ مِنَ الْوَلَدِ فَيَحْتَسِبُهُمْ إِلَّا كَانُوا لَهُ جُنَّةً مِنَ النَّارِ"۔ فَقَالَتِ امْرَأَةٌ عِنْدَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَوِ اثْنَانِ؟ قَالَ: "أَوِ اثْنَانِ". (موطا امام مالک، ج:۱، رقم الحدیث:۴۹۶)

(حضرت ابوالنصر سلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس مسلمان

کے تین بچے مر جائیں اور وہ اس پر صبر کرے تو قیامت کے روز وہ بچے اس کو جہنم کے عذاب سے بچائیں گے۔ ایک عورت نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اگر دو مر جائیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس کے دو مر جائیں، وہ بھی)

(۱۱)۔ عَنْ خَبَّابِ بْنِ الْأَرَتِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: شَكَوْنَا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مُتَوَسِّدٌ بُرْدَةً لَهُ فِي ظِلِّ الْكَعْبَةِ، قُلْنَا: لَهُ أَلَا تَسْتَنْصِرُ لَنَا أَلَا تَدْعُو اللَّهَ لَنَا، قَالَ: "كَانَ الرَّجُلُ فِيمَنْ قَبْلَكُمْ يُحْفَرُ لَهُ فِي الْأَرْضِ فَيُجْعَلُ فِيهِ فَيُجَاءُ بِالْمِنْشَارِ فَيُوضَعُ عَلَى رَأْسِهِ فَيُشَقُّ بِاثْنَتَيْنِ وَمَا يَصُدُّهُ ذَلِكَ عَنْ دِينِهِ".

(صحیح بخاری، ج:۲، رقم الحدیث: ۸۶۳)

(حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی چادر کو تکیہ بنا کر کعبہ شریف کے سائے میں آرام کر رہے تھے۔ ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت پاک میں حاضر ہوئے اور شکوہ کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے لیے اللہ پاک سے دعا کیوں نہیں کرتے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم سے پہلی لوگوں میں سے کسی کو سزا کے لیے لایا جاتا تھا اور ایک گڑھا کھود کر اس میں ڈال دیا جاتا۔ پھر آرا اس کے سر پر رکھ کر اسے دو ٹکڑے کر دیا جاتا، لیکن یہ تکلیف اسے دین سے نہیں پھیرتی تھی)

(۱۲)۔ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ اللَّهَ لَا يَرْضَى لِعَبْدِهِ الْمُؤْمِنِ إِذَا ذَهَبَ بِصَفِيِّهِ مِنْ أَهْلِ الْأَرْضِ فَصَبَرَ وَاحْتَسَبَ، وَقَالَ: مَا أُمِرَ بِهِ بِثَوَابٍ دُونَ الْجَنَّةِ".

(سنن نسائی، ج:۱، رقم الحدیث: ۱۸۷۶)

(حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے کسی بچے کو لے لیتا ہے اور وہ بندہ اپنے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے صبر کرتا ہے اور وہی کہتا ہے جس کے کہنے کا حکم دیا گیا ہے (انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھتا ہے) تو اللہ تعالیٰ جنت کے سوا کسی بدلے پر راضی نہیں ہوتا)

(۱۳)۔ عَنْ أَبِي كَبْشَةَ الْأَنْمَارِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: ثَلَاثَةٌ أُقْسِمُ عَلَيْهِنَّ وَأُحَدِّثُكُمْ حَدِيثًا فَاحْفَظُوهُ، قَالَ: "مَا نَقَصَ مَالُ عَبْدٍ مِنْ صَدَقَةٍ، وَلَا ظُلِمَ عَبْدٌ مَظْلَمَةً فَصَبَرَ عَلَيْهَا إِلَّا زَادَهُ اللَّهُ عِزًّا، وَلَا فَتَحَ عَبْدٌ

بَابَ مَسْأَلَةٍ إِلَّا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْهِ بَابَ فَقْرٍ أَوْ كَلِمَةً نَحْوَهَا ".

(جامع ترمذی، ج:۲، رقم الحدیث:۲۱۱)

(حضرت ابو کبشہ انماری رضی اللہ عنہ بیان کرتے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں تین چیزوں کے متعلق قسم کھاتا ہوں اور تم لوگوں کے سامنے بیان کرتا ہوں تم لوگ یاد رکھنا:

(i)۔ کسی صدقہ (خیرات) کرنے والے کا مال صدقے (خیرات) سے کبھی کم نہیں ہوتا۔

(ii)۔ کوئی مظلوم ایسا نہیں کہ اس نے ظلم پر صبر کیا ہو اور اللہ تعالیٰ اس کی عزت نہ بڑھائیں۔

(iii)۔ جو شخص اپنے اوپر سوال کا دروازہ کھولتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لیے فقر و محتاجی کا دروازہ کھول دیتے ہیں۔

(۱۴)۔ عَنْ فَضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "طُوبٰى لِمَنْ هُدِيَ إِلَى الْإِسْلَامِ وَكَانَ عَيْشُهُ كَفَافًا وَقَنَعَ".

(جامع ترمذی، ج:۲، رقم الحدیث:۲۳۶)

(حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس کے لیے بشارت ہے جسے اسلام کی ہدایت دی گئی۔ضرورت کے مطابق رزق دیا گیا اور اس پر اس نے صبر کیا)

(۱۵)۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: "هَلْ تَدْرُونَ أَوَّلَ مَنْ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ خَلْقِ اللّٰهِ"؟ قَالُوا: اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ. قَالَ: "أَوَّلُ مَنْ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ خَلْقِ اللّٰهِ الْفُقَرَاءُ وَالْمُهَاجِرُونَ الَّذِينَ تُسَدُّ بِهِمُ الثُّغُورُ وَيُتَّقٰى بِهِمُ الْمَكَارِهُ وَيَمُوتُ أَحَدُهُمْ وَحَاجَتُهُ فِي صَدْرِهِ لَا يَسْتَطِيعُ لَهَا قَضَاءً. فَيَقُولُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: لِمَنْ يَشَاءُ مِنْ مَلَائِكَتِهِ ائْتُوهُمْ فَحَيُّوهُمْ، فَتَقُولُ الْمَلَائِكَةُ نَحْنُ سُكَّانُ سَمَائِكَ وَخِيرَتُكَ مِنْ خَلْقِكَ أَفَتَأْمُرُنَا أَنْ نَأْتِيَ هَؤُلَاءِ فَنُسَلِّمَ عَلَيْهِمْ؟ قَالَ: إِنَّهُمْ كَانُوا عِبَادًا يَعْبُدُونِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا وَتُسَدُّ بِهِمُ الثُّغُورُ وَيُتَّقٰى بِهِمُ الْمَكَارِهُ وَيَمُوتُ أَحَدُهُمْ وَحَاجَتُهُ فِي صَدْرِهِ لَا يَسْتَطِيعُ لَهَا قَضَاءً. قَالَ: فَتَأْتِيهِمُ الْمَلَائِكَةُ عِنْدَ ذٰلِكَ فَيَدْخُلُونَ عَلَيْهِمْ مِنْ كُلِّ بَابٍ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ".

(مسند احمد، ج:۳، رقم الحدیث:۲۰۶۷)

(حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھا کیا تم جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سب سے پہلے جنت میں کون لوگ

داخل ہوں گے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے سب سے پہلے جنت میں وہ فقرا (فقیر) اور مہاجرین (ہجرت کرنے والے) داخل ہوں گے، (دنیا میں) جن کے آنے پر دروازے بند کر دیے جاتے تھے۔ ان کے ذریعے ناپسندیدہ امور سے بچا جاتا تھا اور وہ اپنی حاجات (ضروریات) اپنے سینوں میں لیے ہوئے ہی مر جاتے تھے لیکن انہیں پورا نہیں کر سکتے تھے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں میں سے جسے چاہیں گے حکم دیں گے کہ ان کے پاس جاؤ اور انہیں سلام کرو۔
فرشتے عرض کریں گے کہ ہم آسمانوں کے رہنے والے اور آپ کی مخلوق میں منتخب لوگ ہیں اور آپ ہمیں انہیں سلام کرنے کا حکم دے رہے ہیں؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ یہ ایسے لوگ تھے جو صرف میری ہی عبادت کرتے تھے۔ میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے تھے۔ دنیا میں ان پر دروازے بند کر دیے جاتے تھے۔ ان کے ذریعے ناپسندیدہ امور سے بچا جاتا تھا اور یہ اپنی ضروریات اپنے سینوں ہی میں لیے مر جاتے تھے لیکن انہیں پورا نہ کر پاتے تھے۔ چنانچہ فرشتے ان کے پاس آئیں گے اور ہر دروازے سے یہ آواز لگائیں گے تم پر سلام ہو کہ تم نے صبر کیا، آخرت کا گھر کتنا بہترین ہے)

(۱۶)۔ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:" إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ إِذَا أَحَبَّ قَوْمًا ابْتَلَاهُمْ فَمَنْ صَبَرَ فَلَهُ الصَّبْرُ وَمَنْ جَزِعَ فَلَهُ الْجَزَعُ".
(مسند احمد، ج:۹، رقم الحدیث:۳۵۹۱)
(حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ جب کسی قوم سے محبت کرتا ہے تو اسے آزمائش میں مبتلا کرتا ہے۔ پھر جو شخص صبر کرتا ہے اسے صبر ملتا ہے اور جو شخص جزع (شور شرابہ) کرتا ہے اس کے لیے جزع (شور شرابہ) ہے)

(۱۷)۔ عَنْ أَبِي مُوسَى رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "لَيْسَ أَحَدٌ أَوْ لَيْسَ شَيْءٌ أَصْبَرَ عَلَى أَذًى سَمِعَهُ مِنَ اللَّهِ، إِنَّهُمْ لَيَدْعُونَ لَهُ وَلَدًا وَإِنَّهُ لَيُعَافِيهِمْ وَيَرْزُقُهُمْ". (صحیح بخاری، ج:۳، رقم الحدیث:۱۰۵۲)
(حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کوئی شخص تکلیف دینے والی بات سن کر اللہ تعالیٰ سے زیادہ صبر کرنے والا نہیں ہے۔ لوگ اس کے لیے بیٹا بتاتے ہیں اور وہ انہیں معاف کر دیتا ہے اور انہیں رزق دیتا ہے)

۴۔ صبر کی اقسام

حکم کے اعتبار سے صبر کی چار اقسام ہیں:

(۱)۔ **فرض:** اسلامی شریعت نے جن کاموں سے منع کیا ہے ان کے کرنے سے صبر (رکنا) کرنا فرض ہے۔ جیسا کہ اسلام نے شراب پینے سے منع فرمایا ہے۔ انسان کی طبیعت اس کی طرف مائل ہوتی ہے اور وہ انتہائی صبر سے کام لیتے ہوئے اس سے بچا رہتا ہے۔ اس کا یہ صبر کرنا فرض ہے۔ بالکل ایسے ہی اسلام نے جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا ہے ان کاموں کو پورا کرتے ہوئے تکلیف پر صبر کرنا بھی فرض ہے۔ جیسا کہ نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج سرانجام دینا۔

(۲)۔ **مستحب:** مستحب صبر یہ ہے کہ انسان ایسے ناپسندیدہ کام جو شریعت میں منع بھی نہ ہوں کو چھوڑ دے۔

(۳)۔ **مکروہ:** مکروہ صبر یہ ہے کہ انسان شریعت میں ناپسند کیے جانے والی چیز سے پہنچنے والی تکلیف پر صبر کرے۔

(۴)۔ **حرام:** تکلیف دینے والا کام جس سے اسلامی شریعت نے منع کیا ہے پر خاموش رہنا صبر حرام ہے۔ جیسا کہ اگر کسی آدمی یا اس کے بیٹے کا ناحق ہاتھ کاٹا جائے تو وہ اس پر خاموشی اختیار کر لے تو یہ صبر حرام ہے۔ بالکل اسی طرح اگر کوئی برے ارادے سے کسی کے گھر والوں کی طرف بڑھے، تو اس پر خاموشی کو اسلامی شریعت نے حرام قرار دیا ہے۔ ایسا صبر بالکل حرام ہے۔

۵۔ صبر کرنے والوں کی اقسام

صبر کرنے والوں کی تین اقسام ہیں:

(۱)۔ **متصبّر:** جو دل پر زور ڈال کر (تکلف سے) صبر کرتے ہیں۔ تکلف سے صبر کرنے ولا اللہ تعالیٰ کے ذریعے صبر کرتا ہے وہ بعض اوقات تو صبر اختیار کرتا ہے اور بعض اوقات صبر کرنے سے عاجز ہوتا ہے اور شکایت کرتا ہے۔

(۲)۔ **صابر:** جو بالکل صبر اختیار کرتے ہیں۔ صابر کی یہ علامت ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے صبر اختیار کرتا

ہے۔ وہ کسی حالت میں بھی دکھوں، تکلیفوں اور مصیبتوں پر غم کا اظہار نہیں کرتا، مگر اس سے یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ فریاد کرے۔ جیسا کہ حضرت ذوالنون مصریؒ کہتے ہیں کہ میں حالتِ مرض میں ایک صوفی کی عیادت کو گیا تو گفتگو کے دوران اس نے ایک چیخ ماری۔ اس پر میں نے کہا کہ وہ شخص صبر میں سچا نہیں جس نے مصیبت و دکھ میں صبر نہ کیا۔ اس کے جواب میں اس نے کہا، نہیں بلکہ یوں کہیے کہ وہ شخص سچا محب (محبت کرنے والا) نہیں جس نے دکھ سے لذت حاصل نہ کی۔

(۳)۔ **صبّار:** جو بہت زیادہ صبر کرنے والے ہوتے ہیں۔ جہاں تک صبر کرنے والوں میں سے صبّار (انتہائی درجے کا صابر) کا تعلق ہے تو یہ درجہ اسی کو حاصل ہو سکتا ہے جس نے اللہ تعالیٰ کے ذریعے، اللہ تعالیٰ ہی کے لیے اور اللہ پاک ہی کو اپنا جاننے پر صبر کر لیا ہو۔ صبّار وہ ہوتا ہے کہ اگر مصیبتوں کے پہاڑ بھی اس پر ٹوٹ پڑیں تو بھی اس کے ہاتھوں سے صبر کا دامن چھوٹنے نہیں پاتا۔ وہ ظاہری و باطنی دونوں لحاظ سے مضبوط رہتا ہے۔

(۴)۔ **صبرِ زکریا علیہ السلام:** صبر کا ایک مقام یہ بھی ہے کہ جب حضرت زکریا علیہ السلام کے سرِ مبارک پر اللہ تعالیٰ کے دشمنوں نے آرہ چلایا تو انہوں نے ایک دردناک آواز نکالی اور اللہ پاک نے وحی کے ذریعے سے انہیں خبر دی کہ اے زکریا علیہ السلام! اگر تیری دوسری آہ مجھ تک پہنچی تو میں تمام زمینوں اور آسمانوں کو ایک دوسرے پر الٹا دوں گا۔

٦۔ صبر میں معاون چیزیں

کچھ ایسی چیزیں ہیں جو صبر کرنے میں مدد دیتی ہیں اور کچھ چیزیں ایسی ہیں جو رکاوٹ بنتی ہیں۔ مثال کے طور پر

(۱)۔ خدا کی ذات اس دنیا میں صبر کے لیے ایک بڑا سہارا ہے۔ خدا تعالیٰ کے انکار یا بے اعتمادی پر شاید ہی کوئی شخص نیکی پر قائم رہ سکے۔ اللہ پاک پر اعتماد کی کمی یا اس کی ذات کے بارے میں کم علمی کی وجہ سے انسان کبھی کبھی صبر سے محروم ہو جاتا ہے۔

(۲)۔ جس آدمی میں توکل نہیں ہو گا، وہ صبر نہیں کر سکے گا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ پر بھروسا ہی وہ سہارا

ہے، جس سے نفس مشکلات میں مطمئن رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے بارے میں فیصلہ کرتے وقت کبھی ہمیں مشکل سے دو چار کرتا ہے اور کبھی آسانی سے۔ ان دونوں طرح کے فیصلوں میں اپنے معاملات کا والی وارث اللہ پاک کو سمجھنا اور اس کی رضا پر قائم رہنے کی کوشش کرنا ہی وہ چیز ہے جس کو ہم توکل کہتے ہیں۔ توکل دراصل صبر کرنے میں بڑی مدد دیتا ہے۔

(۳)۔ بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ نیکی کریں گے تو ہم پر مصیبت نہیں آئے گی۔ یہ فکر اللہ پاک کی سنت کے بارے میں غلط فہمی کا نتیجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ دنیا انعام کے لیے نہیں بنائی، بلکہ آزمائش کے لیے بنائی ہے۔ اس نے نیکی کو بس ایک عمومی غلبہ دے رکھا ہے، مگر یہ لازم نہیں ہے کہ کسی فرد کی نیکی کے بعد اس پر کوئی آزمائش نہیں آئے گی۔ انبیا علیہم السلام کی زندگیاں اس کی بہترین مثال ہیں۔ یہ لوگ معصوم (گناہ سے پاک) تھے، مگر ان پر مصیبت کے ایسے ایسے پہاڑ ٹوٹے ہیں کہ قرآن مجید کے مطابق:

يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ (سورۃ البقرہ، آیت: ۲۱۴)

(رسول علیہم السلام اور ان کے ساتھ ایمان والے پکار اٹھے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد کب آئے گی؟)

(۴)۔ صبر کو نقصان پہنچانے والے کاموں میں سے ایک چیز یہ بھی ہے کہ ہمیں ہر معاملہ کی حقیقت کا علم نہیں ہوتا۔ ہم اس کے بہت سارے پہلوؤں سے واقف نہیں ہوتے ہیں۔ اس وجہ سے ہم غصہ میں آجاتے ہیں۔ اگر ہمیں اس کی حقیقت کا علم ہو جائے تو ہمیں نہ اتنا دکھ ہو اور نہ اتنی بے صبری پیدا ہو۔

۷۔ صبر کے بارے میں اقوال

صبر کے بارے میں بزرگوں سے بہت سے قول آئے ہیں:

(۱)۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اَلصَّبْرُ مِنَ الْإِيْمَانِ بِمَنْزِلَةِ الرَّأْسِ مِنَ الْجَسَدِ، فَإِذَا ذَهَبَ الصَّبْرُ ذَهَبَ الْإِيْمَانُ۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، ج:۹، رقم الحدیث: ۱۳۵)

(ایمان اور صبر کا تعلق اس طرح ہے جیسے جسم اور سر کا تعلق ہوتا ہے۔ جس کا سر نہ ہو اس کا بدن نہیں

ہوتا اور جسے صبر حاصل نہ ہو اس کا ایمان نہیں ہوتا)

(۲)۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ الصبر نصف الإيمان. (کنز العمال، ج: ۲، رقم الحدیث: ۲۲۰۴)۔ 'صبر نصف ایمان ہے'۔

(۳)۔ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایمان کا سب سے بلند مقام اللہ تعالیٰ کے احکامات پر صبر و استقلال کے ساتھ عمل کرنا اور تقدیر پر راضی رہنا ہے۔ (احیاء العلوم الدین، ج: ۴، ص: ۱۰۷)

(۴)۔ حضرت حسن بصریؒ کہتے ہیں کہ صبر کی دو قسمیں ہیں: (i)۔ مصیبت اور غم پر صبر کرنا، (ii)۔ ان چیزوں سے بچنا جن سے اللہ تعالیٰ نے بچنے کا حکم دیا ہے۔ (تصوف اور تصورات صوفیہ، ص: ۳۶۹)

(۵)۔ حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ مومن کے لیے دنیا سے آخرت کو جانا آسان ہے لیکن اللہ پاک کی خاطر مخلوق کو چھوڑ دینا مشکل ہوتا ہے پھر خواہشات کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ اس سے بھی مشکل ہے اور ہر وقت اللہ پاک پر نظر رکھ کر صبر تو اور بھی مشکل ہے۔

(رسالہ قشیریہ، ص: ۳۴۱)

(۶)۔ حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں کہ مصیبت کے وقت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حسن ادب سے ٹھہرنا صبر کہلاتا ہے۔ (رسالہ قشیریہ، ص: ۲۳۹)

(۷)۔ حضرت عمرو بن عثمانؒ فرماتے ہیں کہ اللہ پاک کے احکام پر ثابت قدمی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ مصیبت کو خوشی سے قبول کرنا صبر کہلاتا ہے۔ (رسالہ قشیریہ، ص: ۳۴۲)

(۸)۔ حضرت رویمؒ فرماتے ہیں کہ شکایت وشکوہ چھوڑ دینا صبر ہے۔ (رسالہ قشیریہ، ص: ۳۴۲)

(۹)۔ حضرت ابودقاقؒ فرماتے ہیں کہ صبر یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی طرف سے لکھی گئی تقدیر کے بارے میں اعتراض نہ کرو۔ مصیبت کا اظہار بغیر شکوہ کے ہونا چاہیے اور یوں وہ صبر کے خلاف نہ ہوگا۔

(رسالہ قشیریہ، ص: ۲۳۹)

(۱۰)۔ حضرت ابومحمد جریریؒ فرماتے ہیں کہ صبر یہ ہوتا ہے کہ انسان کے سامنے چین اور مصیبت کی دونوں حالتیں ایک جیسی ہوں اور وہ دونوں میں پرسکون بھی ہو۔ (رسالہ قشیریہ، ص: ۳۴۳)

(۱۱)۔ حضرت قتادؒ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں سے منع فرمایا ہے ان سے باز رہنا اور جن کے اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے ان پر ثابت قدم رہنا صبر ہے۔ (کتاب اللمع، ص: ۸۸)

(۱۲)۔ حضرت ملا جلال الدین دوانیؒ فرماتے ہیں کہ خواہشات نفسانی سے نفس کے مقابلہ کرنے کو صبر کہتے ہیں۔ (تصوف اور تصوراتِ صوفیہ، ص: ۳۶۹)

(۱۳)۔ حضرت اردشیر عبادیؒ کا خیال ہے کہ صبر یہ ہے کہ انسان خواہشات کی پیروی اور گناہوں سے دور رہے اور لذتوں کو چھوڑ دے اور اس عادت پر قائم رہے۔

(تصوف اور تصوراتِ صوفیہ، ص: ۳۶۶)

(۱۴)۔ حضرت فضیل بن عیاضؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر راضی رہنا صبر ہے۔

(رسالہ قشیریہ، ص: ۳۴۹)

(۱۵)۔ حضرت احمد بن خضرویہؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص صبر پر صبر کرتے چلا جاتا ہے، وہی صابر کہلاتا ہے۔ (طبقات صوفیہ، ص: ۸۱)

۸۔ اہل صبر کے واقعات

نصیحت حاصل کرنے کے لیے کچھ اللہ والوں کے صبر کے واقعات نقل کیے جاتے ہیں:

(۱)۔ حضرت زکریا علیہ السلام کے خلاف جب دشمنوں نے آخری کارروائی کا فیصلہ کر لیا تو آپ علیہ السلام شہر سے نکل کر جنگل کی طرف روانہ ہو گئے۔ تاکہ کسی جگہ چھپ جائیں اور دشمن کے شر سے نجات پا سکیں مگر انہوں نے آپ علیہ السلام کا پیچھا کیا۔ ان بدبختوں کو قریب آتا دیکھ کر آپ علیہ السلام ایک پرانے درخت کی کھوہ میں چھپ گئے۔ دشمن جب اس درخت کے پاس پہنچے تو شیطان نے ان کو ساری بات بتادی۔ لہٰذا دشمن نے آری سے درخت کو چیرنا شروع کر دیا۔ آری درخت کو چیرتے ہوئے حضرت زکریا علیہ السلام کے سر تک پہنچ گئی۔ اس پر آپ علیہ السلام نے کوئی آہ و بکا نہیں کی بلکہ صبر سے کام لیا اور صبر کرتے ہوئے چر کر دو ٹکڑے ہو گئے لیکن اُف تک نہ کی۔ (رسالہ قشیریہ، ص: ۳۴۹)

(۲)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت شریفہ تھی کہ نماز کے بعد ہم لوگوں کے ساتھ مسجد میں بیٹھ جاتے اور باتیں کرتے۔ ایک دن حسبِ معمول مسجد سے نکلے تو ایک بدو آیا اور اس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چادر اس زور سے پکڑ کی کھینچی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گردن مبارک سرخ ہوگئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مڑ کر دیکھا تو اس نے مطالبہ کیا کہ میرے اونٹوں کو غلہ سے لا ددو، تیرے پاس جو مال ہے وہ نہ تیرا ہے اور نہ تیرے باپ کا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ پہلے میری گردن تو چھوڑ دو۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے اونٹوں پر جو اور کھجور لدوا دیں اور صبر سے کام لیتے ہوئے کچھ تعرض نہ کیا۔ (سنن نسائی، ج: ۳، رقم الحدیث: ۱۰۸۵)

(۳)۔ ایک دفعہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تبلیغ کے لیے طائف تشریف لے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ راستے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جس قبیلے سے بھی گزر ہوتا اسے اسلام کی دعوت دیتے لیکن کسی نے بھی اسلام قبول نہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب طائف پہنچے تو قبیلہ ثقیف کے تین سرداروں کے پاس تشریف لے گئے جو آپس میں بھائی تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے پاس بیٹھنے کے بعد انہیں اسلام کی دعوت دی۔ انہوں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کرتے ہوئے انتہائی بدتمیزی والا رویہ اختیار کیا۔

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طائف میں دس دن قیام فرمایا۔ اس دوران میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طائف کے ایک ایک سردار کے پاس تشریف لے گئے اور ہر ایک سے گفتگو فرمائی لیکن سب کا ایک ہی جواب تھا کہ تم ہمارے شہر سے نکل جاؤ۔ بلکہ انہوں نے اپنے آوارہ لڑکوں کو شہ دے دی۔ چنانچہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واپسی کا ارادہ فرمایا تو یہ آوارہ لڑکے گالیاں دیتے، تالیاں بجاتے اور شور مچاتے ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے لگ گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے اتنی بھیڑ جمع ہوگئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے راستے کے دونوں طرف قطار لگ گئی۔ پھر بدزبانی کے ساتھ ساتھ پتھر بھی مارنے لگے۔ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ ڈھال بن کر چلتے ہوئے پتھروں کو روک رہے تھے، پھر بھی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاؤں مبارک لہولہان ہوگئے۔ بدمعاشوں نے یہ سلسلہ برابر جاری رکھا، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عتبہ اور شیبہ کے ایک باغ میں پناہ لینے پر مجبور کردیا۔ یہ باغ طائف سے تین میل کے فاصلے پر تھا۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے باغ میں پناہ لی تو اوباشوں کی بھیڑ واپس چلی گئی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک دیوار سے ٹیک لگا کر انگور کی بیل کے سائے میں بیٹھ گئے۔ قدرے ٹھہر کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باغ سے نکلے اور مکے کی راہ پر چل پڑے۔ غم و تکلیف کی شدت سے طبیعت نڈھال اور دل پاش پاش تھا۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لائے۔ ان کے ساتھ پہاڑوں کا فرشتہ بھی تھا۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ گزارش کرنے آیا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حکم دیں تو ان لوگوں کو دو پہاڑوں کے درمیان کچل دوں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل طائف کی سختی و بدتمیزی پر صبر کیا اور ان کے لیے ہدایت کی دعا فرمائی۔ (صحیح بخاری، ج: ۲، رقم الحدیث: ۴۹۱)

(۴)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا ایک بیٹا بیمار تھا، وہ فوت ہوگیا۔ ان کی زوجہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے گھر والوں سے کہہ دیا کہ تم میں سے کوئی بھی ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو ان کے بیٹے کی موت کی خبر نہ دے۔

جب حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ واپس آئے، ان کے سامنے رات کا کھانا لا کر رکھا۔ انہوں نے کھانا کھایا اور پانی پیا۔ جب انہوں نے دیکھا کہ وہ اچھی طرح سیراب ہو چکے ہیں تو انہوں نے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اے ابوطلحہ رضی اللہ عنہ! کیا خیال ہے اگر لوگ کسی سے کوئی چیز ادھار لیں۔ اس سے فائدہ اٹھاتے رہیں۔ جب ان سے واپسی کا مطالبہ ہو، کیا وہ انکار کر سکتے ہیں؟ انہوں نے کہا نہیں۔ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے کہا کہ پھر اپنے بیٹے پر صبر کیجیے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں واپس اپنے پاس بلا لیا ہے۔

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ اور اس کی بیوی حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے اپنے چہیتے بیٹے کی وفات پر رونا دھونا نہیں کیا بلکہ اللہ رب العزت کی رضا کی خاطر صبر و تحمل سے کام لیا۔ صبح ہوئی تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا واقعہ بیان کیا۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ تم دونوں میاں بیوی کے لیے اس رات کو مبارک فرمائے۔

(مسند احمد، ج: ۵، رقم الحدیث: ۱۹۹۶)

(۵)۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ ایک مشہور محدث (حدیث کے عالم) تھے۔ آپؒ کے دور میں قرآن

پاک کے مخلوق (پیدا کردہ) یا غیر مخلوق ہونے کا مسئلہ پیدا ہوا۔ دراصل عیسائیوں کی طرف سے مسلمانوں کے سامنے یہ سوال آیا کہ اللہ تعالیٰ کے کلمات مخلوق ہیں یا غیر مخلوق؟ اولاً اس کا جواب یہ دیا گیا کہ وہ مخلوق نہیں ہیں۔ اس پر انہوں نے کہا کہ تمہارا قرآن مجید حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ پاک کا کلمہ کہتا ہے۔ لہٰذا حضرت عیسیٰ علیہ السلام قرآن پاک کے مطابق غیر مخلوق قرار پائے۔ یعنی ان کے بارے میں الوہیت (خدائی) کا وہ عقیدہ جو عیسائیوں میں رائج ہے، وہ قرآن کریم کے مطابق بالکل درست عقیدہ ہے۔ اس الجھن کے سامنے آنے کے بعد حکومت نے یہ مؤقف سختی سے اپنا لیا کہ قرآن مجید مخلوق ہے۔ اللہ پاک کا کلام مخلوق ہے۔ حکومت نے یہ کوشش بھی کی کہ اسی رائے کو سب علمائے امت کی تائید حاصل ہو جائے۔ چنانچہ اس کی خاطر پہلے علما کو قائل کرنے کی کوششیں کی گئیں۔ کئی علما نے یہ موقف اختیار کر لیا۔ جن علما نے بغیر کسی شرعی دلیل کے اس موقف کو ماننے سے انکار کر دیا، ان پر خوب ظلم وستم ڈھایا گیا تا کہ وہ خلق قرآن کے قائل ہو جائیں۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کو بھی اس رائے کا قائل کرنے کے لیے قید و بند کی حالت میں بغداد لایا گیا۔ ان کے پیروں میں بھاری بیڑیاں پہنا کر انہیں قید کر دیا گیا۔ آپؒ کو جب سزا کے لیے عباسی خلیفہ معتصم باللہ کے سامنے پیش کیا گیا تو پہلے درباری علما نے اور خود معتصم نے بھی ان کو عقیدۂ خلق قرآن اختیار کرنے کی دعوت دی۔ اس مقصد کے لیے درباری علما نے ان سے بحث بھی کی۔ آپؒ اپنے مخالفین کی ساری دلیلوں کے جواب میں ایک ہی بات کہتے رہے کہ تم اپنی بات کے حق میں کتاب وسنت کی کوئی دلیل پیش کرو تو میں مان لوں گا۔ آپؒ کی یہ استقامت دیکھ کر (جسے ہٹ دھرمی کا رویہ قرار دیتے ہوئے) خلیفہ معتصم باللہ نے کوڑے لگانے کا فیصلہ کیا۔ جلادوں کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ کو کوڑے لگائیں۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ خود بیان کرتے ہیں کہ معتصم باللہ کے حکم پر کئی جلادوں نے مجھے کوڑے لگائے۔ ہر جلاد مجھے دو کوڑے پوری قوت سے لگاتا اور پیچھے ہٹ جاتا پھر نیا جلاد آتا۔ اس طرح مجھے بہت سے کوڑے لگائے گئے۔ ہر کوڑے پر مجھے غشی طاری ہو جاتی تھی۔ جب کوڑے لگانے بند کر دیے جاتے تو میں ہوش میں آجاتا اور دیکھتا کہ معتصم باللہ میرے پاس موجود ہے اور کہہ رہا ہے کہ احمد تم لوگوں کی بات کیوں نہیں مان لیتے۔ دوسرے حاضرین ان سے مخاطب ہو کر کہتے کہ

خلیفہ تم سے درخواست کر رہے ہیں اور تم ان کی بات ٹھکرا رہے ہو۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ کہتے ہیں کہ میرا اصرار صرف اس قدر تھا کہ میرے سامنے اللہ تعالیٰ کی کتاب یا اس کے رسول ﷺ کی سنت سے کوئی دلیل پیش کرو۔ میں تمہاری بات تبھی مان سکتا ہوں۔ اس پر مجھے زدوکوب کیا جاتا۔ بالآخر مار کی شدت سے میرے ہوش وحواس بجا نہ رہے اور تکلیف کا احساس تک ختم ہو گیا۔ اس سے خلیفہ خوف زدہ ہو گیا اور اس نے میری رہائی کا فرمان جاری کر دیا۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ اس فرمان کے جاری ہونے تک جلاد مجھے کل اسی کوڑے اپنے پورے زور وقوت کے ساتھ لگا چکے تھے۔ بہر حال اس کے بعد مجھے رہا کر دیا گیا۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کو اس آزمائش کے دوران میں ۲۸ سے ۳۰ مہینے تک قید و بند اور مشقت میں گزارنے پڑے۔ اس سارے عرصے میں آپؒ نے خلیفہ وقت کی سختیوں پر صبر کیا اور ایک غلط عقیدہ کو ماننے سے صاف انکار کر دیا۔ (البدایہ والنہایہ، ج:۱۰، ص:۴۰۱)

(۶)۔ حضرت ابوبکر شبلیؒ کو شفا خانے میں علاج کے لیے داخل کروایا گیا تو کچھ لوگ ان سے ملنے گئے۔ آپؒ نے پوچھا تم کون ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ آپؒ کے دوست ہیں اور آپؒ کی زیارت کرنے آئے ہیں۔ آپؒ ان کے ساتھ ذرا سی سختی سے پیش آئے تو وہ آپؒ کو چھوڑ کر چلے گئے۔ آپؒ نے فرمایا کہ اگر تم میرے سچے دوست ہوتے تو میری طرف سے ملنے والی تکلیف پر صبر کرتے۔ (تصوف اور تصوراتِ صوفیہ، ص:۳۶۹)

(۷)۔ حضرت سری سقطیؒ سے صبر کے بارے میں پوچھا گیا تو آپؒ نے اس پر گفتگو شروع کر دی۔ اسی دوران ایک بچھو نے ٹانگ پر کاٹ دیا، آپؒ نے کوئی چیخ و پکار نہیں کی بلکہ صبر کیا۔ آپؒ سے پوچھا گیا تو فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ سے حیا آ رہی تھی کہ میں صبر کا وعظ کر رہا ہوں لیکن خود صبر نہیں کر سکا۔

(رسالہ قشیریہ، ص:۲۳۹)

(۸)۔ حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں کہ میں ایک بیمار صوفی کی عیادت کو گیا۔ گفتگو کے دوران اس نے ایک دل دوز چیخ ماری۔ اس پر میں نے اس سے کہا کہ وہ شخص محبت میں سچا نہیں جس نے مصیبت و دکھ میں صبر نہ کیا۔ اس کے جواب میں اس نے کہا نہیں بلکہ وہ شخص سچی محبت کرنے والا

نہیں جس نے اپنے خالق و مالک کی طرف سے آنے والی آزمائش سے لذت حاصل نہ کی۔

(۹)۔ حضرت مالک بن دینارؒ کے دل میں موت کے وقت اس بات کی خواہش پیدا ہوئی کہ شہد اور دودھ میں گرم روٹی ڈال کر ثرید بنا کر کھاؤں۔ آپؒ نے خادم کو حکم دیا تو وہ کہیں سے یہ سب کچھ تیار کر کے آپؒ کی خدمت میں لایا۔ آپؒ کچھ دیر تک خالی نگاہوں سے ان چیزوں کی طرف دیکھتے رہے اور فرمایا: اے نفس تو نے تیس برس تک مسلسل صبر کیا ہے۔ اب اپنی عمر کے اس آخری لمحہ میں تجھ سے صبر نہیں ہوسکتا؟ یہ فرماتے ہوئے آپؒ نے پیالہ کو اپنے سے دور کر دیا اور صبر جمیل کرتے ہوئے وصال فرما گئے۔ (رسالہ قشیریہ، ص:۲۳۹)

حوالہ جات

۱۔ احیاء العلوم الدین، امام ابو الحامد محمد غزالیؒ ترجمہ مولانا ندیم الواجدی۔ کراچی: دارالاشاعت، ۱۹۹۹ء۔

۲۔ البدایہ والنہایہ: تاریخ ابن کثیر، حافظ عماد الدین ابوالفدا ء ابن کثیرؒ ترجمہ پروفیسر کوکب شادانی، کراچی: نفیس اکیڈیمی، ۱۹۸۷ء۔

۳۔ تصوف اور تصورات صوفیہ، پروفیسر ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی۔ لاہور: سیٹھی بکس، ۲۰۰۸ء۔

۴۔ جامع ترمذی، امام محمد بن عیسیٰ ترمذیؒ ترجمہ مولانا افضل احمد۔ کراچی: دارالاشاعت، ۲۰۰۶ء۔

۵۔ رسالہ القشیریہ فی علم التصوف، امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیریؒ ترجمہ شاہ محمد چشتی۔ لاہور: ادارہ پیغام القرآن، ۲۰۰۷ء۔

۶۔ سنن ابن ماجہ، حافظ ابی عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہؒ ترجمہ مولانا محمد قاسم امین۔ لاہور: مکتبہ العلم، ۲۰۱۰ء۔

۷۔ سنن نسائی، امام احمد بن شعیب نسائیؒ ترجمہ مولانا افضل احمد۔ کراچی: دارالاشاعت، ۲۰۰۱ء۔

۸۔ صحیح بخاری، امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاریؒ ترجمہ حضرت مولانا محمد داؤد راز۔ دہلی: مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند، ۲۰۰۴ء۔

۹۔ صحیح مسلم، امام ابوالحسین مسلم بن الحجاج نیشاپوریؒ ترجمہ علامہ وحید الزمان۔ دہلی: مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند، ۲۰۰۴ء۔

۱۰۔ طبقات صوفیہ، ابی عبدالرحمٰن محمد بن حسین سلمیؒ ترجمہ شاہ محمد چشتی۔ لاہور: ادارہ پیغام القرآن، ۲۰۱۱ء۔

۱۱۔ کتاب اللمع فی التصوف، شیخ ابونصر سراجؒ ترجمہ سید اسرار بخاری۔ لاہور: تصوف فاؤنڈیشن، ۲۰۰۰ء۔

۱۲۔ کنزالعمال، علامہ علاء الدین علی متقی بن حسام الدینؒ ترجمہ مولانا مفتی احسان اللہ شائق۔ کراچی: دارالاشاعت، ۲۰۰۹ء۔

۱۳۔ مجمع الزوائدومنبع الفوائد، امام علی بن ابوبکر ہیتمیؒ۔ مدینہ شریف: مکتبہ العلماء والحکما، ۱۹۸۴ء۔

۱۴۔ مسند امام احمد بن حنبل، امام احمد بن حنبلؒ ترجمہ مولانا محمد ظفر اقبال۔ لاہور: مکتبہ رحمانیہ، ۲۰۰۴ء۔

۱۵۔ مصنف ابن ابی شیبہ، امام ابی بکر عبداللہ بن محمد ابن ابی شیبہ العبسی الکوفیؒ ترجمہ مولانا محمد اویس سرور۔ لاہور: مکتبہ رحمانیہ، ۲۰۰۱ء۔

۱۶۔ موطا امام مالک، امام مالک بن انسؒ ترجمہ حافظ زبیر علی۔ لاہور: مکتبہ اسلامیہ، ۲۰۰۹ء۔

۱۷۔ http//:www.hadithurdu.com/

۱۸۔ https//:easyquranwahadees.com/

۲۸

صحو و سکر

ا۔ صحو وسکر کا مفہوم

(۱)۔ صحو کے لغوی معانی ہوش میں ہونا، بیداری کی حالت میں ہونا اور ہر قسم کی کجی، جنون اور مدہوشی سے پاک ذہنی حالت میں ہونا ہے۔ سکر کے لغوی معانی نیم خوابی، اپنے آپ سے گم ہونا، غلبہ شوق میں آنا یا غلبہ محبت میں کچھ عرصہ کے لیے بے خود ہو جانا کے ہیں۔ سکر میں بشریت کے تمام لوازمات، دنیاوی تدابیر، اختیارات اور انسانی کوششوں سے دوری ہو جاتی ہے۔ تصوف کی اصطلاح میں سکر یہ ہے کہ نور ایمان پہلے عقل میں، پھر دل میں اس درجہ غالب ہو کہ دنیا کی مصلحتیں ہاتھ سے نکل جائیں۔ ان سے توجہ ہٹ جائے اور عموماً لوگ جو چیزیں ناپسند کرتے ہیں، ان کو پسند کرنے لگے، جیسے موت، بیماری اور محتاجی وغیرہ۔ سالک اس مدہوش جیسا ہو جائے جو عقل کی سنتا ہے اور نہ ہی عرف و عادت کی پروا کرتا ہے۔

(۲)۔ جیسا کہ حضرت ابودرداؓ فرماتے ہیں کہ میں پروردگار سے ملنے کے شوق میں موت کو پسند کرتا ہوں۔ بیماری کو اس لیے پسند کرتا ہوں کہ وہ میرے گناہوں کا کفارہ بن جائے۔ محتاجی کو اس لیے پسند کرتا ہوں کہ اللہ پاک کے سامنے فروتنی (عاجزی وانکساری) کا ذریعہ بنے۔ (حجۃ اللہ البالغہ، ج: ۴، ص: ۴۸۱) حضرت ابوذر غفاریؓ کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ آپؓ طبعی طور پر مال کو ناپسند کرتے تھے۔ مال داری اور دولت سے ایسی نفرت تھی جیسے کسی ناپاک چیز سے ہوتی ہے۔ حالانکہ موت، بیماری اور محتاجی کو پسند کرنا اور مال و منازل کو ناپسند کرنا عام انسانی احوال سے ہم آہنگ نہیں۔ مگر ان دونوں حضرات رضوان اللہ علیہم اجمعین پر آخرت اور اس کی نعمتوں کا یقین اس درجہ غالب آ گیا تھا کہ وہ عام انسانی عادات کی روش سے ہٹ گئے تھے۔

(حجۃ اللہ البالغہ، ج: ۴، ص: ۴۸۱)

(۳)۔ سکر روحانی حال کے غلبے کا نام ہے اور تہذیب اقوال اور ترتیب افعال کی جانب (سکر سے) واپس آ جانے کا نام صحو ہے۔ سکر یہ ہے کہ سالک اشیا سے تو بے خبر نہ ہو مگر ان میں امتیاز کرنے سے غافل ہو اور یہ اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ کی موافقت کرتے ہوئے مفید چیزوں کو غیر مفید

چیزوں سے ممتاز نہ کر سکے۔ صحو یہ ہے کہ انسان اشیا میں تمیز کر سکے اور لذیذ اور غیر لذیذ چیزوں میں امتیاز کر سکے۔

(۴)۔ غلبہ حال سے ظاہری اور باطنی احکام میں تمیز کا اٹھ جانا سکر ہے اور اس امتیاز کا واپس آنا صحو ہے۔ عموماً ناقصین کو یہ حالت زیادہ پیش آتی ہے لیکن کبھی کبھار حال کے بہت قوی ہونے کی وجہ سے کاملین کو بھی پیش آسکتی ہے جیسا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ساتھ پیش آئی۔

(۵)۔ سکر مستی اور بے خودی کی کیفیت ہے۔ اس میں انسان از خود رفتہ ہو جاتا ہے۔ اسے تن بدن کا ہوش نہیں رہتا۔ حالت سکر میں اہل سکر سے جو اقوال و افعال صادر ہوں وہ ساقط اور ناقابل سند ہوتے ہیں۔ ایسی حالت میں صادر ہونے والے کلمات کو شطحیات (بے اختیاری میں کوئی کلمہ زبان پر لانا) کہتے ہیں اور حالت صحو میں انکا تدارک لازم ہوتا ہے۔

۲۔ صحو وسکر قرآن مجید کی روشنی میں

قرآن پاک کی متعدد آیات مبارکہ میں صحو وسکر کا ذکر ملتا ہے ان میں سے کچھ حسب ذیل ہیں:

(۱)۔ ثُمَّ اَنۡزَلَ عَلَيۡكُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ الۡغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا. (سورۃ آل عمران، آیت: ۱۵۴)
(پھر تم پر غم کے بعد چین کی نیند اتاری)

اس آیت مبارکہ میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ جب اسلامی لشکر غزوہ بدر میں غمگین ہو رہا تھا تو اللہ پاک نے ان پر مدہوشی (سکر) کی سی کیفیت طاری فرما دی۔ سکر اللہ تعالیٰ کی خاص عطا ہے جس میں بندے پر اللہ پاک کی طرف سے امن و امان عطا ہوتا ہے۔ جب غزوہ بدر میں مومنین پر سکر کی سی کیفیت طاری فرمائی گئی تو وہ تازہ دم ہو کر لڑے اور اللہ پاک نے انہیں قریش مکہ پر فتح نصیب فرمائی۔

(۲)۔ فَلَمَّا سَمِعَتۡ بِمَكۡرِهِنَّ اَرۡسَلَتۡ اِلَيۡهِنَّ وَاَعۡتَدَتۡ لَهُنَّ مُتَّكَاً وَّاٰتَتۡ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنۡهُنَّ سِكِّيۡنًا وَّقَالَتِ اخۡرُجۡ عَلَيۡهِنَّ ۚ فَلَمَّا رَاَيۡنَهٗۤ اَكۡبَرۡنَهٗ وَقَطَّعۡنَ اَيۡدِيَهُنَّ ۫ وَقُلۡنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ؕ اِنۡ هٰذَاۤ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيۡمٌ. (سورۃ یوسف، آیت: ۳۱)

(پھر جب عزیز کی بیوی نے ان کی ملامت سنی تو انھیں بھلا بھیجا اور ان کے واسطے ایک مجلس تیار کی اور ان میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں ایک چھری دی اور کہا ان کے سامنے نکل آ، پھر جب انہوں نے اسے دیکھا تو حیرت میں رہ گئیں اور اپنے ہاتھ کاٹ لیے اور کہا اللہ پاک ہے، یہ انسان تو نہیں ہے یہ تو کوئی بزرگ فرشتہ ہے)

بعض اوقات سالک اچانک کسی بارعب شے کو دیکھنے سے اپنے ماحول سے بے خبر ہو جاتا ہے۔ ایسے میں وہ خود سے بے خود ہو کر اسی دوسری ذات کی محبت و معرفت میں گم ہو جاتا ہے۔ اس حال میں اسے اپنی تکالیف وضروریات تک بھول جاتی ہیں۔ اس آیت مبارکہ میں اسی چیز کو بیان کیا گیا ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام عزیز مصر کی بیوی کی طرف سے سجائی گئی مجلس میں موجود عورتوں کے سامنے سے گزرے تو وہ آپ علیہ السلام کے حسن و جمال ایسی گم ہو گئیں کہ گردو پیش کی اشیاء حتیٰ کہ اپنی ذات سے بھی بے خبر ہو گئیں۔ اسی حال میں انہوں نے اپنی انگلیوں کو کاٹ لیا اور انہیں درد بھی محسوس نہ ہوا۔ اس غفلت (حالت سکر) میں انہوں نے کہا کہ آپ علیہ السلام انسان نہیں ہیں حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انسان تھے۔ انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو فرشتہ سمجھا حالانکہ آپ علیہ السلام فرشتہ نہ تھے۔

اس آیت پاک سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ جب مخلوق کی محبت میں سکر کا یہ عالم ہے تو معرفت خداندی میں گم ہو جانے والوں کا کیا حال ہوگا۔ ایسے سالکین حق کے حال کو اللہ پاک ہی بہتر جانتا ہے۔

(۳)۔ وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ۭ قَالَ لَنْ تَرٰىنِيْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا. (سورۃ الاعراف، آیت: ۱۴۳)

(اور جب موسیٰ علیہ السلام ہمارے مقررہ وقت پر پہنچے اور ان کا رب ان سے ہم کلام ہوا تو وہ کہنے لگے: میرے پروردگار! مجھے دیدار کرا دیجیے کہ میں تجھے دیکھ لوں۔ فرمایا کہ تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکو گے، البتہ پہاڑ کی طرف نظر اٹھاؤ، اس کے بعد اگر وہ اپنی جگہ برقرار رہا تو تم مجھے دیکھ لو گے۔ پھر جب اس کے رب نے پہاڑ پر تجلی فرمائی تو اس کو ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑے)

قرآن پاک کی یہ آیت صحو وسکر کے بیان کا بہترین نمونہ ہے۔ اس آیت پاک سے ہمیں معلوم

ہوتا ہے کہ صحو وسکر انبیا علیہم السلام کا بھی خاصہ رہا ہے۔ آپ علیہ السلام نے حالت صحو میں اللہ پاک کے دیدار کی درخواست کی۔ اللہ پاک نے تجلی فرمائی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام تجلی حق کے پرتو سے حالت سکر میں چلے گئے۔

اس آیت پاک میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ کے دیدار کی خواہش کا اظہار کرنا اور پھر تجلی حق سے بیہوش ہو جانا سکر کی دلیل ہے۔ بالکل اسی طرح جب سالک کی اللہ تعالیٰ سے محبت حد سے بڑھ جاتی ہے تو دیدار خداوندی کا شوق اسے بے چین کر دیتا ہے۔ ایسے میں تجلیات الٰہی کے پرتو کی تاب نہ لاتے ہوئے اس پر بے ہوشی طاری ہو جاتی ہے۔

اس آیت پاک میں اللہ تعالیٰ نے جس تجلی کا ذکر فرمایا ہے اس کی تفسیر کرتے ہوئے شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ اس کائنات کو ظاہر کرنے کے اعتبار سے اللہ پاک کی چار صفات کام کرتی ہیں جو حسب ذیل ہیں:

(i)۔ اللہ پاک کی پہلی صفت ابداع ہے۔ ایسی شے جو کسی مادے، آلے یا مکان و زمان کے بغیر وجود میں آئے۔ اللہ پاک نے آسمانوں اور زمین کو اپنی صفت ابداع کے ذریعے بغیر کسی مادے یا آلے کے پیدا کیا۔

(ii)۔ اللہ تعالیٰ کی دوسری صفت خلق ہے۔ یہ ہے کہ ایک چیز کو دوسری چیز کے مادے سے تیار کیا جائے۔ جیسا کہ مٹی سے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کی گئی۔

(iii)۔ خدا تعالیٰ کی تیسری صفت تدبیر ہے جس کے ذریعہ اللہ پاک کسی شے کو ترقی و تنزل سے دوچار کرتا ہے۔

(iv)۔ اللہ پاک کی چوتھی صفت تدلی ہے۔ تدلی اللہ تعالیٰ کے عرش عظیم پر ہمہ وقت پڑنے والی تجلی اعظم کا خفیف سا عکس ہے۔ جو مادی دنیا میں آنے پر ہر شخص کے قلب پر پڑتا ہے۔ جب انسان سے مادی خول اتر جاتا ہے تو یہ تجلی فوراً ظاہر ہو جاتی ہے۔ عرش عظیم کی تجلی اعظم اس کو اپنی طرف کھینچتی ہے اور ہر آدمی کے قلب پر تجلی اعظم کا عکس پڑتا ہے۔

اسی تجلی کی وجہ سے سالک پر سکر کی کیفیت طاری ہوتی ہے۔اسی تجلی کے سبب حضرت موسیٰ علیہ السلام پر یہ کیفیات وارد ہوئیں۔(معالم العرفان، ذیل سورۃ الاعراف، آیت: ۱۴۳)

(۴)۔ ثُمَّ بَعَثۡنٰهُمۡ لِنَعۡلَمَ اَیُّ الۡحِزۡبَیۡنِ اَحۡصٰی لِمَا لَبِثُوۡۤا اَمَدًا. (سورۃ الکھف، آیت: ۱۲)

(پھر ان کو جگا اُٹھایا تاکہ معلوم کریں کہ جتنی مدّت وہ (غار میں) رہے دونوں جماعتوں میں سے اس کی مقدار کس کو خوب یاد ہے)

اس آیت پاک میں اصحاب کہف کی حالت صحو وسکر کا ذکر کیا گیا ہے۔اصحاب کہف کا قصہ مختصر طور پر کچھ یوں ہے کہ سابقہ اقوام میں کچھ توحید پرست نوجوان تھے۔اس وقت ہر طرف کفر وشرک کا دور دورہ تھا۔بادشاہ وقت بھی اسی شرک کی نجاست سے آلودہ تھا اور مشرکین کی حوصلہ افزائی اور موحدین پر ظلم کرتا تھا۔ایک دن اس بادشاہ نے موحدین کو اپنے دربار میں بلایا اور ان سے کہا: میں تمہیں چند دن کی مہلت دیتا ہوں،تم اپنے دین سے باز آ جاؤ ورنہ قتل کر دیے جاوگے۔جب نوجوانوں نے بادشاہ کی دھمکی سنی تو شدید پریشان ہو گئے۔وہ بادشاہ سے لڑنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے اور نہ شہر میں رہ کر توحید پرستی جاری رکھ سکتے تھے۔لہٰذا انہوں نے شہر چھوڑ کر کہیں بھاگ جانے کا فیصلہ کیا۔اللہ پاک پر بھروسہ کرتے ہوئے وہ شہر سے نکل گئے اور غار میں جا کر چھپ گئے۔انہوں نے پروردگار عالم سے اپنے لیے رحمت اور آسانی کی دعا مانگی۔

جب انہوں نے غار میں پناہ لی تو اللہ پاک نے ان پر حالت سکر طاری کر دی۔انہیں دیکھنے والوں کو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ وہ بیدار ہیں حالانکہ وہ حالت سکر میں تھے۔کچھ عرصہ بعد جب حالات سازگار ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان نوجوانوں کو نیند سے بیدار (حالت سکر سے حالت صحو) کر دیا۔تو وہ آپس میں پوچھنے لگے کہ ہم اس حالت (سکر) میں کتنی دیر تک رہے۔ان میں سے ایک نے جواب دیا کہ شاید ایک دن یا پھر اس سے بھی کچھ کم۔پھر انہوں نے اپنے ایک ساتھی کو بازار میں کھانا لانے کے لیے بھیجا۔اسے بازار میں جا کر معلوم ہوا کہ وہ غار میں ایک لمبے عرصے تک سوتے رہے ہیں۔اس طرح اللہ پاک نے ان غار والوں کے حالات سے دوسروں کو باخبر کر دیا۔

اصحاب کہف کا اللہ پاک کے حکم سے ایک لمبے عرصے تک بغیر کچھ کھائے پیے یوں سوئے رہنا اور ان کی جسمانی حالت میں تغیر نہ ہونا سکر کی کامل ترین صورت ہے جسے اللہ پاک نے سورۃ الکھف

میں تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔

(۵)۔ اِذْ یَغْشَی السِّدْرَۃَ مَا یَغْشٰی ۝ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی. (سورۃ النجم، آیات:۱۶-۱۷)
(اس وقت اس بیری کے درخت پر وہ چیزیں چھائی ہوئی تھیں جو بھی اس پر چھائی ہوئی تھیں۔ (پیغمبر کی) آنکھ نہ تو چندھیائی اور نہ حد سے آگے بڑھی)

ان آیات مبارکہ میں معراج کے واقعے میں مشاہدہ ذات باری تعالیٰ کے وقت حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حالت صحو کو بیان کیا گیا ہے۔ اس واقعے کے پہلے مرحلے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مسجد حرام سے بیت المقدس تک سیر کرائی گئی۔ بیت المقدس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام انبیا علیہم السلام کی امامت فرماتے ہوئے نماز پڑھائی۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اسی رات بیت المقدس سے آسمان دنیا تک لے جایا گیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے پہلے آسمان کا دروازہ کھلوایا گیا۔ جہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت آدم علیہ السلام سے ملاقات فرمائی۔ اللہ پاک نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت آدم علیہ السلام کے دائیں جانب سعادت مند روحیں اور بائیں طرف بدبخت روحیں دکھلائیں۔ پھر دوسرے آسمان پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت یحییٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ملاقات، سلام کیا۔ دونوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سلام کا جواب دیا۔

تیسرے آسمان پر حضرت یوسف علیہ السلام، چوتھے آسمان پر حضرت ادریس علیہ السلام، پانچویں آسمان پر حضرت ہارون علیہ السلام، چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ساتویں آسمان پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملاقات حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام سے ہوئی۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سدرۃ المنتہیٰ [1] تک لے جایا گیا۔

سدرۃ المنتہیٰ کا حسن اور خوبصورتی بیان سے باہر تھی۔ ایسی تجلیات و انوار برس رہے تھے کہ ہر لحظہ اس کا رنگ تبدیل ہو رہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سدرۃ المنتہیٰ پر اللہ پاک کی تجلیات کا مشاہدہ

---

[1]۔ سدرۃ المنتہیٰ ساتویں آسمان پر عرش مبارک کے دائیں طرف بیری کا ایک درخت ہے جہاں پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شب معراج تشریف فرما ہوئے تھے۔

فرمایا۔ان تجلیات سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھیں نہ تو چندھیائیں اور نہ حد سے آگے بڑھیں۔گویا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھ یں ان تجلیات میں محو ہونے کی بجائے حالت صحو ہی میں رہیں۔

۳۔ صحو وسکر احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں

احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہمیں صحو وسکر کا پتا چلتا ہے ان میں کچھ حسب ذیل ہیں:

(۱)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللّٰهَ قَالَ: "مَنْ عَادَى لِي وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالْحَرْبِ، وَمَا تَقَرَّبَ إِلَيَّ عَبْدِي بِشَيْءٍ أَحَبَّ إِلَيَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَيْهِ، وَمَا يَزَالُ عَبْدِي يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتَّى أُحِبَّهُ، فَإِذَا أَحْبَبْتُهُ كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ، وَبَصَرَهُ الَّذِي يُبْصِرُ بِهِ، وَيَدَهُ الَّتِي يَبْطِشُ بِهَا، وَرِجْلَهُ الَّتِي يَمْشِي بِهَا، وَإِنْ سَأَلَنِي لَأُعْطِيَنَّهُ، وَلَئِنْ اسْتَعَاذَنِي لَأُعِيذَنَّهُ".

(صحیح بخاری، ج:۳، رقم الحدیث:۱۴۴۹)

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ پاک فرماتا ہے کہ جس نے میرے ولی سے دشمنی کی، میں اس سے اعلان جنگ کرتا ہوں۔میرا بندہ جن چیزوں کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا ہے ان میں سے کوئی چیز مجھے فرض عبادات سے زیادہ محبوب نہیں ہے اور نوافل کے ذریعہ میرا قرب حاصل کرتا ہے۔یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔ جب میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو اس کے کان ہوجاتا ہوں، جس سے وہ سنتا ہے۔اس کی آنکھ ہوجاتا ہوں، جس سے وہ دیکھتا ہے۔اس کا ہاتھ ہوجاتا ہوں، جس سے وہ پکڑتا ہے۔اس کا پاؤں ہوجاتا ہوں، جس سے وہ چلتا ہے۔اگر وہ مجھ سے کوئی چیز مانگتا ہے تو میں اسے دیتا ہوں۔اگر وہ مجھ سے پناہ مانگے تو پناہ دیتا ہوں)

(۲)۔ عَنْ أَبِي مُوسَىٰ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: سَأَلْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَتَى تَنْقَطِعُ مَعْرِفَةُ الْعَبْدِ مِنَ النَّاسِ؟، قَالَ: إِذَا عَايَنَ".

(سنن ابن ماجہ، ج:۱، رقم الحدیث:۱۴۵۳)

(حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا بندے کی لوگوں سے جان پہچان کب ختم ہوجاتی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب وہ مشاہدہ کرلے)

گویا کہ جب سالک اللہ پاک کے انوار وتجلیات میں سے کسی کا مشاہدہ کر لیتا ہے تو اس پر حالت سکر غالب آ جاتی ہے۔

(۳)۔ عَنْ زُبَيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : كَيْفَ أَصْبَحْتَ يَا حَارِثَ بْنَ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ : أَصْبَحْتُ مُؤْمِنًا حَقًّا ، قَالَ : إِنَّ لِكُلِّ قَوْلٍ حَقِيقَةً فَمَا حَقِيقَةُ ذٰلِكَ ، قَالَ : أَصْبَحْتُ عَزَفَتْ نَفْسِي عَنِ الدُّنْيَا فَأَسْهَرْتُ لَيْلِي وَأَظْمَأْتُ نَهَارِي وَلَكَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى عَرْشِ رَبِّي قَدْ أُبْرِزَ لِلْحِسَابِ ، وَلَكَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى أَهْلِ الْجَنَّةِ يَتَزَاوَرُونَ فِي الْجَنَّةِ ، وَلَكَأَنِّي أَسْمَعُ عُوَاءَ أَهْلِ النَّارِ ، قَالَ : فَقَالَ لَهُ : عَبْدٌ نُوِّرَ الْإِيمَانُ فِي قَلْبِهِ. (مصنف ابن ابی شیبہ، ج:۹، رقم الحدیث:۱۲۰)

(حضرت زبید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا: اے حارث بن مالک رضی اللہ عنہ تم نے کس حال میں صبح کی؟ حضرت حارث رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میں نے سچا مومن ہونے کی حالت میں صبح کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یقیناً ہر بات کی ایک حقیقت ہوتی ہے، تمہارے ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ آپ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میں نے اس حال میں صبح کی کہ میرے نفس نے دنیا سے کنارہ کشی اختیار کی۔ پس میں نے راتوں میں خود کو جگایا (رات میں عبادت کی) اور دن میں خود کو پیاسا رکھا (روزہ رکھا)۔ جیسا کہ میں اپنے رب کے عرش کی طرف دیکھ رہا ہوں کہ وہ حساب لینے کے لیے ظاہر ہو گیا ہے۔ گویا میں اہل جنت کی طرف دیکھ رہا ہوں کہ وہ جنت میں ایک دوسرے سے بات چیت کر رہے ہیں اور گویا میں اہل جہنم کی چیخ و پکار کی آواز سن رہا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے ارشاد فرمایا: یہ ایسا بندہ ہے کہ اس کے دل میں ایمان کا نور بھر دیا ہے)

حضرت حارث بن مالک رضی اللہ عنہ پر اللہ پاک کی عبادت اور انوار وتجلیات کا غلبہ ہو گیا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ اس غلبہ کی وجہ سے اللہ پاک کے عرش اور جنت وجہنم کو اپنے سامنے پاتے تھے۔ یہی حالت سکر ہے۔

(۴)۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ : لَا يَبْلُغُ عَبْدٌ حَقِيقَةَ الْإِيمَانِ حَتّٰى يَعُدَّ النَّاسُ حَمْقَى فِي دِينِهِ. (مصنف ابن ابی شیبہ، ج:۹، رقم الحدیث:۴۸۳۰)

(حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ کوئی بندہ ایمان کی حقیقت کو نہیں پہنچ سکتا یہاں تک کہ لوگ اس کو اس کے دین کے بارے میں پاگل شمار نہ کرنے لگیں)

(۵)۔ عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا، تَقُولُ لِلْحَجَّاجِ إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ احْتَجَمَ فَدَفَعَ دَمَهُ إِلَى ابْنِي فَشَرِبَهُ فَأَتَاهُ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَأَخْبَرَهُ. فَقَالَ: "مَا صَنَعْتَ"؟ قَالَ: كَرِهْتُ أَنْ أَصُبَّ دَمَكَ.
(سنن دار قطنی، ج:۲، رقم الحدیث: ۲۱۳)

(حضرت اسما بنت ابوبکر رضی اللہ عنہا نے حجاج بن یوسف سے یہ کہا تھا کہ ایک مرتبہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پچھنے لگوائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا (نکلا ہوا خون) میرے بیٹے کو دیا تو میرے بیٹے نے اسے پی لیا۔ حضرت جبریل علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس بارے میں بتایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (میرے بیٹے) سے دریافت کیا کہ تم نے ایسا کیوں کیا؟ تو اس نے عرض کیا مجھے یہ اچھا نہیں لگا کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خون بہادوں)

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی یہ کیفیت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کے غلبہ کی وجہ سے تھی اور یہ غلبہ حالت سکر تک پہنچا ہوا تھا۔

(۶)۔ عَنْ أَبِي جُحَيْفَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، يَقُولُ: "خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْهَاجِرَةِ، فَأُتِيَ بِوَضُوءٍ فَتَوَضَّأَ، فَجَعَلَ النَّاسُ يَأْخُذُونَ مِنْ فَضْلِ وَضُوئِهِ فَيَتَمَسَّحُونَ بِهِ. (صحیح بخاری، ج:۱، رقم الحدیث:۱۸۹)

(حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوپہر کے وقت ہمارے پاس تشریف لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے وضو کا پانی لایا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وضو کیا (جب وضو کر چکے تو) لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وضو کا بچا ہوا پانی لے کر اس کو اپنے چہرہ اور آنکھوں پر ملنے لگے)

(۷)۔ عَنْ أَبِي جُحَيْفَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: "رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي قُبَّةٍ حَمْرَاءَ مِنْ أَدَمٍ، وَرَأَيْتُ بِلَالًا أَخَذَ وَضُوءَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَرَأَيْتُ النَّاسَ يَبْتَدِرُونَ ذَاكَ الْوَضُوءَ، فَمَنْ أَصَابَ مِنْهُ شَيْئًا تَمَسَّحَ بِهِ، وَمَنْ لَمْ يُصِبْ مِنْهُ شَيْئًا أَخَذَ مِنْ بَلَلِ يَدِ صَاحِبِهِ". (صحیح بخاری، ج:۱، رقم الحدیث: ۳۷۳)

(حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چمڑے کے ایک سرخ خیمہ میں دیکھا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو میں نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے وضو کا پانی لائے اور لوگوں کو دیکھا کہ وہ اس وضو کے پانی کو ہاتھوں ہاتھ لینے لگے۔ جس کو اس میں سے کچھ

مل جاتا تو وہ اسے (اپنے چہرہ پر) مل لیتا تھا اور جسے اس میں سے کچھ نہ ملتا وہ اپنے پاس والے کے ہاتھ سے تری لیتا)

(۸)۔ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، أَنَّ أُمَّ سُلَيْمٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا كَانَتْ تَبْسُطُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نِطَعًا، فَيَقِيلُ عِنْدَهَا عَلَى ذٰلِكَ النِّطَعِ، قَالَ: "فَإِذَا نَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخَذْتُ مِنْ عَرَقِهِ وَشَعَرِهِ فَجَمَعْتُهُ فِي قَارُورَةٍ، ثُمَّ جَمَعْتُهُ فِي سُكٍّ". قَالَ: فَلَمَّا حَضَرَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ الْوَفَاةُ، أَوْصَى إِلَيَّ أَنْ يُجْعَلَ فِي حَنُوطِهِ مِنْ ذٰلِكَ السُّكِّ، قَالَ: فَجُعِلَ فِي حَنُوطِهِ. (صحیح بخاری، ج: ۳، رقم الحدیث: ۱۲۳۴)

(حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے چمڑے کا فرش بچھایا کرتی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس اس فرش پر قیلولہ فرماتے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سو جاتے تو میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پسینہ مبارک اور بال لے کر ایک شیشی میں جمع کر لیتا۔ پھر میں اس کو خوشبو میں ملا لیتا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جب حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے وصیت کی کہ اس خوشبو میں سے میرے حنوط (وہ خوشبو جو میت کو لگائی جاتی ہے) میں ملا دینا۔ چنانچہ ان کے حنوط میں وہ ملائی گئی)

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خون پینا، وضو کا پانی اپنے ہاتھوں پر لینا اور جسم پر ملنا، بالوں کو سنبھالنا، پسینہ مبارک بطور خوشبو استعمال کرنا غلبہ محبت کی وجہ سے تھا۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ محبت کے غلبہ کی وجہ سے طاری ہونے والی حالت سکر تھی جو اکثر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو پیش آتی رہتی تھی۔ (حجۃ اللہ البالغہ، ج: ۴، ص: ۴۸۱)

(۹)۔ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ ابْنِ الْحَنَفِيَّةِ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "ذَرُوا الْعَارِفِينَ الْمُحَدَّثِينَ مِنْ أُمَّتِي، لَا تُنْزِلُوهُمُ الْجَنَّةَ وَلَا النَّارَ حَتَّى يَكُونَ اللّٰهُ الَّذِي يَقْضِي فِيهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ". (کنز العمال، ج: ۱، رقم الحدیث: ۱۲۱)

(حضرت محمد رحمۃ اللہ علیہ بن علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ (ابن حنفیہ رحمۃ اللہ علیہ) اپنے والد (حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری امت کے عارفین محدثین کو نہ تم جنت میں پہنچا سکتے نہ جہنم میں۔ بس ان کا فیصلہ تو اللہ تعالیٰ ہی قیامت کے روز فرمائے گا)

اس سے مراد مغلوب الحال سالکین ہیں جن کے دلوں میں ملا اعلیٰ کی طرف سے القا کیا جاتا ہے۔

ان سے بعض اوقات خلاف شرع امور مشاہدہ میں آتے ہوں تو بھی ان کو برا بھلا نہیں کہنا چاہیے بلکہ ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دینا چاہیے۔

۴۔ سکر کی اقسام

سکر کی حسب ذیل دو اقسام ہیں:

(۱)۔ **سکر مودت:** ایسی مستی و مدہوشی جو نعمت کے دیدار سے یا بہت زیادہ خوش یا مسرور ہونے سے پیدا ہو۔ اسے سکر معلول بھی کہتے ہیں کیونکہ یہ کسی سبب سے پیدا ہوتا ہے۔

(۲)۔ **سکر محبت:** ایسی مستی و مدہوشی جو منعم کے دیدار سے پیدا ہو۔ اسے سکر غیر معلول بھی کہتے ہیں۔

لہٰذا جس نے نعمتوں کو دیکھا گویا اس نے خود کو دیکھا اور جس نے منعم کو دیکھا اس نے اپنے آپ کو نہیں دیکھا۔ اگرچہ وہ حالت سکر میں ہے لیکن اس کا یہ سکر، صحو ہے۔

۵۔ صحو کی اقسام

صحو کی دو اقسام حسب ذیل ہیں:

(۱)۔ **صحو غفلت:** محبت الٰہی سے غفلت کی بنا پر پیدا ہونے والا بڑا حجاب۔ غفلت سے پیدا ہونے والا صحو اگرچہ ہوشمندی کی حالت ہے لیکن اسے ہوشمندی نہیں کہا جا سکتا۔

(۲)۔ **صحو محبت:** ایسا صحو جو اللہ پاک سے محبت کی وجہ سے پیدا ہو اور سالک کو پابند شریعت بنائے۔ صحو بر محبت روشن و واضح کشف و مشاہدہ ہے۔

۶۔ سکر کے درجات

کیفیت کے اعتبار سے سکر کے تین مدارج حسب ذیل ہیں:

(۱)۔ **سکر خفیف:** جو کبھی کبھار طاری ہو اور جلد ہی یہ صحو سے بدل جائے۔

(۲)۔ **میانہ سکر:** کبھی سکر تو کبھی صحو، ایسے سالک کو صاحب صحو وسکر کہا جاتا ہے۔ اہل صحو بھی ہر وقت ایک سی حالت میں نہیں رہ سکتے کیونکہ سالک جب بھی اللہ پاک کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اس پر ازخود رفتگی کی حالت لازمی طور پر طاری ہوتی ہے اور وہ دنیا سے کٹ جاتا ہے۔ یہ صاحبان سکر کا میانہ درجہ ہے۔

(۳)۔ **سکر شدید:** ایسے سالک کو دنیاوی اشیا و امور سے قطعاً کوئی رغبت نہیں رہتی غلبہ سکر سے وہ عالم جذب میں چلا جاتا ہے۔ جب اسے کھانے، پینے، سونے وغیرہ سے کوئی تعلق نہ رہا تو غیر مکلف ہو گیا۔ ایسے سالک کو شریعت برا کہنے کی اجازت نہیں دیتی۔

۷۔ صحو وسکر کے بارے میں صوفیائے کرامؒ کے اقوال

صحو وسکر سے متعلق اولیائے کرامؒ سے سنہرے اقوال منسوب ہیں ان میں سے کچھ حسب ذیل ہیں:

(۱)۔ حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ سکر بچوں کے کھیل کی جگہ ہے اور صحو مردوں کے فنا کا میدان۔ (کشف المحجوب، ص: ۲۴۷)

(۲)۔ حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ صحو کے معنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ بندے کے اس طرح سے صحیح الحال ہونے کے ہیں کہ اس میں کچھ بھی خلاف نہ رہے۔ (کشف المحجوب، ص: ۲۴۷)

(۳)۔ حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ صحو اللہ تعالیٰ کے سامنے صحت حال کا نام ہے اور سکر فرط شوق اور غایت محبت کو کہتے ہیں۔ (کشف المحجوب، ص: ۱۷۵)

(۴)۔ حضرت ابی بکر الکلاباذیؒ فرماتے ہیں کہ سکر یہ ہے کہ انسان اشیا سے تو بے خبر نہ ہو مگر ان میں امتیاز کرنے سے غافل ہو اور یہ اس طرح ہے کہ حق کی موافقت کرتے ہوئے فائدہ مند چیزوں کو غیر فائدہ مند چیزوں سے اور لذیذ چیزوں کو غیر لذیذ چیزوں سے علیحدہ نہ کر سکے کیونکہ جب اللہ تعالیٰ کو پا لینے کا غلبہ ہو جائے تو انسان درد رساں اور لذت رساں چیزوں میں فرق نہیں کر سکتا۔

(کتاب التعرف، ص: ۱۸۲-۱۸۳)

(۵)۔ حضرت ابی بکر الکلاباذیؒ فرماتے ہیں کہ صحو جو سکر سے پہلے یا بعد میں ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ انسان اشیا میں تمیز کر سکے اور لذیذ اور غیر لذیذ چیزوں میں فرق کر سکے۔ (کتاب التعرف، ص: ۱۸۳)

(۶)۔ شیخ اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں: سکر یہ ہے کہ وارد غیبی سے ظاہری اور باطنی احکام میں امتیاز اٹھ جائے اور حالت صحو اس امتیاز کا عود کر آنا ہے۔ (شریعت و طریقت، ص: ۳۱۷)

(۷)۔ حضرت حسین بن منصور حلاجؒ فرماتے ہیں کہ صحو و سکر بندے کی صفتیں ہیں اور یہ بندے کے ساتھ اس وقت تک پیوست ہیں جب تک وہ اپنے رب سے محجوب ہے حتیٰ کہ بندے کی تمام صفتیں فنا نہ ہو جائیں۔ (کشف المحجوب، ص: ۲۹۸)

(۸)۔ حضرت سید علی ہجویریؒ فرماتے ہیں کہ صاحب سکر کے حال کا کمال صحو ہے اور صحو کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ وہ بشری حالت میں دیدار سے محروم رہ جائے۔ لہٰذا ایسا صحو جو یہ آفت برپا نہ کرے اس سکر سے بہتر ہے جو سراسر آفت ہے۔ (کشف المحجوب، ص: ۲۴۹)

(۹)۔ بعض علمائے کرامؒ نے لکھا ہے کہ سکر عشق الٰہی میں مدہوشی کو کہتے ہیں۔ مدہوشی بھی صفت برحق ہے مگر اس کا غلبہ ہو جائے تو نقصان کا باعث بن جاتا ہے۔ صحو کا مطلب یہ ہے کہ حالت ہوش میں رہ کر عبادات اور اطاعات کی تکمیل کی کوشش کی جائے۔ (جنیدؒ و بایزیدؒ، ص: ۳۰۲)

(۱۰)۔ حضرت محمد ابو عبداللہ بن خفیفؒ بیان کرتے ہیں کہ سکر، محبوب کا ذکر آنے پر دل کا جوش ہوتا ہے۔ (طبقات صوفیہ، ص: ۳۲۶)

(۱۱)۔ شیخ محمد بن عبداللہ بہلویؒ فرماتے ہیں کہ انوار غیب کے غلبہ سے ظاہری و باطنی احکام میں امتیاز کا اٹھ جانا سکر کہلاتا ہے۔ اس امتیاز کا واپس پلٹ آنا صحو ہے۔ (معارف بہلوی، ج: ۴، ص: ۴۵۹)

(۱۲)۔ سید محمد ذوقیؒ فرماتے ہیں کہ حیرت و وحشت، بیخودی و مدہوشی، تعطل عقل جو مشاہدہ جمال حق کا نتیجہ ہو، سکر کہلاتا ہے۔ (سر دلبراں، ص: ۱۹۸) اسی طرح سالک کا سکر سے احساس کی جانب واپس آنا صحو کہلاتا ہے۔ (سر دلبراں، ص: ۲۴۲)

(۱۳)۔ شیخ مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ دل پر کسی وارد قوی کا غلبہ ہو جانے سے حال طاری ہو جانا سکر

ہے اور اس کے بعد کسی وارد قوی کے سبب احساس کا واپس آنا صحو ہے۔

(مکتوب دوم مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ)

(۱۴)۔ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ فرماتے ہیں کہ سکر سلطان حال کا غلبہ ہے اور صحو ترتیب افعال اور تہذیب اقوال کی طرف رجوع کرنا ہے۔ (عوارف المعارف، ص: ۶۲۴)

(۱۵)۔ شیخ ابوبکر محمد بن موسیٰ واسطیؒ فرماتے ہیں کہ سکر وجد کے مقامات میں سے ایک مقام ہے۔

(عوارف المعارف، ص: ۶۲۴)

۸۔ صحو وسکر کے واقعات

سلف الصالحین کی زندگیوں سے چند واقعات نصیحت حاصل کرنے کے لیے درج کیے جاتے ہیں:

(۱)۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے ایک جنگ میں جالوت کو قتل کیا۔ جس کا ذکر قرآن پاک میں اللہ پاک نے ان الفاظ میں کیا ہے:

وَقَتَلَ دَاوُدُ جَالُوتَ. (سورۃ البقرہ، آیت: ۲۵۱)

(اور داؤد علیہ السلام نے جالوت کو قتل کیا)

چونکہ حضرت داؤد علیہ السلام حالت صحو میں تھے اس لیے اللہ پاک نے اس فعل یعنی جالوت کو قتل کرنے کو آپ علیہ السلام کی طرف منسوب کیا ہے۔ اس کے برعکس حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب حالت سکر میں تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہر وہ فعل جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے ظہور میں آیا اللہ رب العزت نے اس کی اضافت اپنی طرف فرمائی۔ جس کا قرآن پاک میں ان الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے:

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۠ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى.

(سورۃ الانفال، آیت: ۱۷)

(سو تم نے انہیں قتل نہیں کیا بلکہ اللہ پاک نے انہیں قتل کیا اور (اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جب تو نے ان پر سنگریزے پھینکے تھے تو درحقیقت تو نے نہیں پھینکے تھے بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکے تھے)

اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جو بندہ اپنی ذات کے ساتھ قائم تھا اور اپنی صفات پر قائم تھا اس کے

فعل کے متعلق یہ فرمایا کہ یہ کام تو نے کیا لیکن جو بندہ اپنی صفات سے فانی تھا اور اپنے رب کے ساتھ باقی تھا اس کے معجزے کے متعلق یہ فرمایا کہ یہ کام جو تو نے کیا وہ ہم نے کیا ہے۔
(کشف المحجوب، ص: ۲۴۸)

(۲)۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ پاک نے کوہ طور پر تیس دنوں کے مجاہدہ کے لیے بلایا اور پھر اس مدت کو بڑھا کر چالیس روز کر دیا۔ اس دوران آپ علیہ السلام پر کلام الٰہی نازل ہوتا رہا اور اللہ پاک سے بار بار ہم کلام ہونے کا شرف ملتا رہا۔ اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دیدار الٰہی کے شوق کو مزید بڑھا دیا تو آپ علیہ السلام نے اللہ پاک سے اس خواہش کا اظہار کیا جسے قرآن پاک میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ۭ قَالَ لَنْ تَرٰىنِيْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا۔ (سورۃ الاعراف، آیت: ۱۴۳)

(کہا (موسیٰ علیہ السلام نے) اے میرے پروردگار! اپنا دیدار مجھ کو کرا دیجیے کہ میں ایک نظر تجھے دیکھ لوں۔ فرمایا: تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکو گے، البتہ پہاڑ کی طرف نظر اٹھاؤ، اس کے بعد اگر وہ اپنی جگہ برقرار رہا تو تم مجھے دیکھ لو گے۔ پھر جب ان کے رب نے پہاڑ پر تجلی فرمائی تو اس کو ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑے)

جب اللہ پاک نے اپنی تجلی کا ظہور فرمایا تو پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بے ہوشی کی کیفیت طاری ہو گئی۔ اس واقعہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ سالک کو پیش آنے والی سکر کی کیفیت حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی پیش آئیں تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی اللہ تعالیٰ کے دیدار کے مشتاق تھے اور پھر تجلی حق کی تاب نہ لاتے ہوئے بے ہوش ہو گئے۔ اسی طرح سالک بھی اللہ تعالیٰ کا مشتاق ہوتا ہے اور پھر تجلی حق سے کی تاب نہ لاتے ہوئے حالت سکر میں چلا جاتا ہے۔

(۳)۔ ایک بار حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس وقت حق تعالیٰ کی معیت اور قرب کی تجلیات میں محو تھے۔ غلبہ حضور مع الحق کا یہ عالم تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو پہچان نہ سکے اور دریافت فرمایا کہ تو کون ہے؟ حضرت

عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: یا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ! میں عائشہ (رضی اللہ عنہا) ہوں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر فرمایا: کون عائشہ (رضی اللہ عنہا)؟ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: یا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں عائشہ (رضی اللہ عنہا) بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہوں۔ پھر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کون ابوبکر (رضی اللہ عنہ)؟ حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) نے عرض کیا: ابوبکر رضی اللہ عنہ ابو قحافہ کے بیٹے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا ابوقحافہ کون؟ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر دہشت اور خوف کا غلبہ ہوا اور چپکے سے واپس ہوگئیں۔ پھر جب حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس حالت سے واپس آئے تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے سب ماجرا کہہ سنایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے عائشہ (رضی اللہ عنہا)! میرے اور میرے اللہ تعالیٰ کے درمیان ایک مخصوص وقت ہوتا ہے۔ اس وقت مجھے ایسا قرب نصیب ہوتا ہے کہ اس مقام قرب میں نہ تو کسی نبی مرسل علیہ السلام کی رسائی ہوسکتی ہے اور نہ کسی مقرب فرشتہ علیہ السلام کی۔ (جنیدؒ و بایزیدؒ، ص: ۲۹۷)

(۴)۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۶ ہجری/ ۶۲۸ء میں چودہ سو (۱۴۰۰) مسلمانوں کے ہمراہ مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کی طرف عمرہ کے ارادہ سے روانہ ہوئے۔ عرب کے اس وقت کے رواج کے مطابق غیر مسلح افراد چاہے وہ دشمن ہی کیوں نہ ہوں کعبہ کی زیارت اور عمرہ کر سکتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ مسلمان تقریباً غیر مسلح تھے۔ مگر عرب کے رواج کے خلاف مشرکین مکہ نے ایک مسلح دستے کے ساتھ مسلمانوں کو حدیبیہ کے مقام پر مکہ معظّمہ کے باہر ہی روک لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو سفیر بنا کر مکہ بھیجا۔ ان کے واپس آنے میں تاخیر ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ سے بیعت لی جو بیعت رضوان کے نام سے مشہور ہے۔ اس بیعت میں مسلمانوں نے عہد کیا کہ وہ مرتے دم تک حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے۔ اس بیعت کی خبر مکہ والوں کو ہوئی اور انہوں نے مسلمانوں کو جنگ کے لیے تیار پایا تو صلح پر آمادہ ہوگئے۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ والوں کی شرائط کو قبول فرما لیا۔ اس معاہدے کی طے پانے والی شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی تھی کہ اگر کوئی مسلمان مکہ سے دوڑ کر مسلمانوں کے پاس مدینہ منورہ چلا جائے تو مسلمان اسے واپس کریں گے لیکن اگر کوئی مدینہ سے دوڑ کر مکہ آجائے تو کفار مکہ اسے واپس نہیں کریں گے۔

ابھی صلح حدیبیہ کا معاہدہ لکھا جا رہا تھا تو حضرت ابوجندل رضی اللہ عنہ اپنی بیڑیوں سمیت حضور نبی

کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گئے۔ انہیں ان کے باپ نے اسلام قبول کرنے کی پاداش میں بطورِ سزا گھر میں قید کر رکھا تھا۔ انہیں اس حالت میں دیکھ کر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین غم و غصہ میں آ گئے۔ معاہدے کے مطابق جب حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ کو ان کے والد کے سپرد کر دیا گیا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اچھل کر حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے۔ آپ رضی اللہ عنہ اس کے پہلو میں چلتے جا رہے تھے اور کہتے جا رہے تھے: ابو جندل رضی اللہ عنہ! صبر کرو، یہ لوگ مشرک ہیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سکر کی حالت میں وہاں سے لوٹے تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئے اور عرض کیا: یا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے سچے رسول نہیں ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیوں نہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا ہم حق پر اور وہ باطل پر نہیں ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیوں نہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا ہمارے مقتولین جنت میں اور ان کے جہنم میں نہیں ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیوں نہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا: پھر ہم کیوں اپنے دین میں دنائت (متوسط عمل) قبول کریں؟ اور ایسی حالت میں پلٹیں کہ اللہ پاک نے ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ نہ کیا ہو؟

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: عمر (رضی اللہ عنہ) میں اللہ پاک کا رسول ہوں اور اس کی نافرمانی نہیں کر سکتا، وہ میری مدد کرے گا اور مجھے ہرگز ضائع نہیں کرے گا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم سے یہ بیان نہیں کیا تھا کہ ہم بیت اللہ کے پاس پہنچیں گے اور اس کا طواف کریں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیوں نہیں، مگر کیا میں نے یہ بھی کہا تھا کہ ہم اسی سال طواف کریں گے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم بہرحال بیت اللہ پہنچو گے اور اس کا طواف کرو گے۔

اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اسی حالت میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور ان سے بھی وہ باتیں کیں جو رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کر چکے تھے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی وہی جوابات دیے جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دے چکے تھے۔ البتہ آخر میں یہ بھی کہا کہ اے عمر (رضی اللہ عنہ) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رکاب تھامے رہو۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تابع رہو، بخدا! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم برحق رسول ہیں۔ (حجۃ اللہ البالغہ، ج: ۴، ص: ۴۸۳-۴۸۴)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ سارا رویہ سکر کی وجہ سے تھا جو کہ اللہ پاک، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہل ایمان سے شدید محبت کی وجہ سے پیدا ہو گیا تھا۔

(۵)۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے انتہائی درجے کی محبت رکھتے تھے اور دشمنان اسلام سے شدید نفرت رکھتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب عبداللہ بن ابی (منافق) مر گیا تو اس کا بیٹا (جو کہ مسلمان تھا) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ اپنا کرتہ مبارک اس کے کفن کے لیے دید یجیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دے دیا۔ پھر وہ کہنے لگا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی نماز جنازہ بھی پڑھا دیجیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چلنے کا ارادہ کیا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دامن پکڑ کر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منافق کی نماز پڑھا رہے ہیں اور دعائے مغفرت فرما رہے ہیں، اللہ تعالیٰ نے تو اس سے منع فرمایا ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ پاک نے مجھ کو اختیار دیا ہے کہ میں ان کے لیے دعائے مغفرت کروں یا نہ کروں اور اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے کہ اگر ان کے لیے ستر بار بھی دعائے مغفرت کی جائے گی تو بھی میں ان کو نہیں بخشوں گا۔ لہٰذا میں اس کے لیے ستر بار سے زیادہ مغفرت چاہوں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: وہ تو منافق ہے۔ آخر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز پڑھا دی۔

(صحیح بخاری، ج:۲، رقم الحدیث: ۱۸۵۴)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عبداللہ بن ابی منافق کی نماز جنازہ پڑھانے سے روکنا حالت سکر میں تھا کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی کام کرنے کا ارادہ کر لیں تو اللہ کے سوا تمام امت کو اس کی تابعداری کا حکم دیا گیا ہے۔ ایسی حالت میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو بھی لامحالہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تابعداری کرنی چاہیے تھی مگر وہ نور ایمان کے قلب میں متحرک ہونے اور عبداللہ بن ابی کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کھلی ہوئی دشمنی کی وجہ سے حالت سکر میں تھے۔ اس لیے آپ رضی اللہ عنہ کو اس کا خیال ہی نہ ہوا کہ وہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ قولاً اور فعلاً کیا معاملہ کر رہے ہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو حالت سکر کی وجہ سے معذور رکھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے بعد میں اپنی اس جرات پر تعجب اور ندامت ہوئی۔

(۶)۔ حضرت ابودرداؓ دمشق کے قاضی تھے۔ جب آپؓ کو دمشق کا قاضی بنایا گیا تو لوگ آپؓ کو مبارک باد دینے لگے۔ آپؓ نے فرمایا: کیا تم عہدہ قضا پر مجھے مبارک باد دے رہے ہو حالانکہ میں ایک ایسے گڑھے کے کنارے پر کھڑا کر دیا گیا ہوں جس کی گہرائی عدن ابین سے بہت زیادہ ہے۔ آپؓ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے رب کے سامنے تواضع کی وجہ سے فقر سے محبت ہے اور رب کے دیدار کی وجہ سے موت سے پیار ہے اور گناہوں کے مٹ جانے کی وجہ سے بیماری سے الفت ہے۔ لوگوں نے آپؓ سے پوچھا: آپؓ کو کیا چیز محبوب ہے تو فرمایا موت۔ پوچھا گیا اگر موت نہ آئے تو؟ ارشاد فرمایا: مال اور اولاد کی قلت۔ نزع کے وقت آپؓ کے پاس حبیب بن مسلمہ آئے تو پوچھا اے ابوالدرداؓ کیا حال ہے؟ فرمایا: میں خود کو بوجھل پاتا ہوں۔ حبیب بن مسلمہ نے کہا کہ میرے خیال میں یہ موت کا پیغام ہے۔ آپؓ نے جواب دیا ہاں! اللہ پاک آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

(طبقات ابن سعد، ج: ۴، ص: ۲۸۵)

موت، بیماری اور محتاجی کو پسند کرنا اور مال کو ناپسند کرنا عام انسانی احوال سے ہم آہنگ نہیں ہے۔ مگر آپؓ پر آخرت اور اس کی نعمتوں کا یقین اس قدر غالب آ گیا تھا کہ عام انسانی روش سے ہٹ گئے تھے۔ یہی حالت سکر ہے۔

(۷)۔ غزوہ احد میں حضور نبی کریم ﷺ کو بھی کچھ زخم آئے۔ حضرت مالک بن سنانؓ نے ان زخموں سے رسول اللہ ﷺ کا خون چوس چوس کر صاف کرنا شروع کر دیا۔ آپ ﷺ نے اس سے فرمایا: خون تھوک دو۔ حضرت مالک بن سنانؓ نے جواب دیا کہ واللہ! میں اسے ہرگز نہ تھوکوں گا اور اسے نگل لیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص کسی جنتی کو دیکھنا چاہے تو مالک بن سنان (ؓ) کو دیکھ لے۔ (مشکوٰۃ المصابیح، ج: ۵، رقم الحدیث: ۴۳۰۰)

یہ بھی سکر کی وجہ سے تھا جو غلبہ محبت کی وجہ سے لاحق ہو گیا تھا۔

(۸)۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ مجھے اس کی کچھ پرواہ نہیں کہ میں کس حالت میں ہوں۔ مال داری کی حالت میں یا محتاجی کی حالت میں۔ اگر محتاجی کی حالت ہو تو صبر کروں گا اور مالداری ہو تو شکر ادا کروں گا۔

آپ رضی اللہ عنہ آرام دہ اور غیر آرام دہ چیزوں میں فرق نہ کر سکے کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ پر اللہ تعالیٰ کے حقوق کا غلبہ ہو گیا تھا جو حالت سکر ہے۔ (کتاب التعرف، ص: ۱۸۳)

(۹)۔ قرآن پاک میں اصحاب کہف کی حالت صحو وسکر کا ذکر کیا گیا ہے۔ اصحاب کہف دراصل میں کچھ توحید پرست نوجوان تھے۔ اس زمانے میں ہر طرف کفر و شرک کا دور دورہ تھا۔ بادشاہ وقت بھی اسی شرک کی نجاست سے آلودہ تھا اور مشرکین کی حوصلہ افزائی اور موحدین پر ظلم کرتا تھا۔ ایک دن اس بادشاہ نے ان نوجوانوں کو اپنے دربار میں بلایا اور کہا: میں تمہیں چند دن کی مہلت دیتا ہوں، اپنے اس دین سے باز آ جاؤ ورنہ قتل کر دیے جاؤ گے۔ جب انہوں نے یہ دھمکی سنی تو شدید پریشان ہو گئے۔ وہ بادشاہ سے لڑنے کی ہمت نہیں رکھتے تھے اور نہ شہر میں رہ کر خدائے واحد کی عبادت جاری رکھ سکتے تھے۔ لہٰذا انہوں نے شہر چھوڑ کر کہیں بھاگ جانے کا فیصلہ کیا اور اللہ پاک پر بھروسہ کرتے ہوئے شہر سے نکل گئے۔ یہاں تک کہ ایک پہاڑ کے غار میں جا کر چھپ گئے۔ انہوں نے پروردگار عالم سے اپنے لیے دعا مانگی جسے قرآن پاک میں یوں بیان کیا گیا ہے:

إِذْ أَوَى الْفِتْيَةُ إِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوا رَبَّنَآ ءَاتِنَا مِن لَّدُنكَ رَحْمَةً وَهَيِّئْ لَنَا مِنْ أَمْرِنَا رَشَدًا ○ فَضَرَبْنَا عَلَىٰٓ ءَاذَانِهِمْ فِي الْكَهْفِ سِنِينَ عَدَدًا. (سورۃ الکہف، آیات: ۱۰-۱۱)

(جب ان جوانوں نے غار میں پناہ لی تو انہوں نے کہا: اے ہمارے پروردگار! ہمیں اپنی طرف سے رحمت عطا فرما اور ہمارے لیے ہمارے کام میں آسانی پیدا فرما۔ تو ہم نے ان کے کانوں پر غار میں گنتی کے مطابق کئی سال پردہ ڈال دیا)

جب انہوں نے غار میں پناہ لی تو اللہ پاک نے ان پر حالت سکر (نیند) کا غلبہ طاری کر دیا۔ انہیں دیکھنے والوں کو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ وہ بیدار ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَتَحْسَبُهُمْ أَيْقَاظًا وَهُمْ رُقُودٌ ۚ وَنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِينِ وَذَاتَ الشِّمَالِ ۖ وَكَلْبُهُم بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيدِ ۚ لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا. (سورۃ الکہف، آیت: ۱۸)

(اور (اگر تم انہیں دیکھتے تو) تم سمجھتے کہ وہ جاگ رہے ہیں حالانکہ وہ سو رہے تھے اور ہم ان کی دائیں بائیں کروٹیں بھی بدلتے رہے اور ان کا کتا اپنے دونوں ہاتھ پھیلائے ہوئے دہلیز پر (بیٹھا) تھا۔ اگر

تم انہیں دیکھتے تو پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتے اور تم پر ان کی طرف سے ہیبت طاری ہو جاتی)
کچھ عرصہ بعد جب حالات سازگار ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان نوجوانوں کو نیند سے بیدار (حالت سکر سے حالت صحو) کر دیا۔ قرآن پاک میں اسے یوں بیان کیا گیا ہے:

وَ كَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ ؕ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ ؕ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ؕ قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ ؕ فَابْعَثُوْۤا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖۤ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَاۤ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا. (سورۃ الکہف، آیت:۱۹)

(اور اسی طرح ہم نے انہیں اٹھایا تاکہ وہ آپس میں ایک دوسرے سے پوچھیں۔ ان میں سے ایک نے پوچھا: کہو، کتنی دیر اس حال میں رہے؟ دوسروں نے کہا کہ شاید ایک دن پھر یا اس سے کچھ کم رہے ہوں گے۔ پھر وہ بولے: اللہ پاک ہی بہتر جانتا ہے کہ ہمارا کتنا وقت اس حال میں گزرا۔ چلو، اب اپنے میں سے کسی کو چاندی کا یہ سکہ دے کر شہر بھیجیں اور وہ دیکھے کہ سب سے اچھا کھانا کہاں ملتا ہے۔ وہاں سے وہ کچھ کھانے کے لیے لائے۔ چاہیے کہ ذرا ہوشیاری سے کام کرے، ایسا نہ ہو کہ کسی کو ہمارے یہاں ہونے سے خبردار کر بیٹھے)
ان میں سے ایک نوجوان بازار میں کھانا لینے کے لیے گیا تو اسے معلوم ہوا کہ وہ غار میں ایک لمبا عرصہ سوتے رہے ہیں۔ اس طرح اللہ پاک نے ان غار والوں کے حالات سے دوسروں کو باخبر کر دیا۔ اصحاب کہف کا اللہ پاک کے حکم سے ایک لمبے عرصے تک بغیر کچھ کھائے پیے یوں سوئے رہنا اور ان کی جسمانی حالت میں کچھ بھی تغیر نہ ہونا سکر کی کامل ترین صورت ہے۔

(۱۰)۔ حضرت سید علی ہجویریؒ بیان کرتے ہیں کہ حضرت سہل بن عبداللہ تستریؒ اپنے بڑھاپے کے زمانے میں بے ہوشی کے عالم میں پڑے رہتے تھے۔ لیکن نماز کا وقت آتا تو بالکل اچھے بھلے ہو جاتے۔ یعنی حالت صحو میں لوٹ آتے اور نماز سے فارغ ہوتے تو پھر اسی حال سکر میں چلے جاتے۔ (کشف المحجوب، ص:۲۴۶)

(۱۱)۔ ایک دفعہ حضرت خواجہ ادریس سامانیؒ اپنے حجرہ شریف میں اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول تھے کہ ان پر حالت سکر طاری ہو گئی۔ آپؒ کے گھر والوں کا معمول تھا کہ وہ جانوروں کے لیے بھوسا

وغیرہ بھی اسی حجرہ میں ذخیرہ کیا کرتے تھے۔ اتفاق سے اسی گھڑی اہل خانہ نے حجرے میں گھاس ڈالنا شروع کی تو انہیں شیخ کی موجودگی کا کوئی علم نہ ہوسکا۔ شیخؒ بھی سکر کی وجہ سے بے خبر رہے حتیٰ کہ حجرہ شریف کو بھوسہ سے بھر کر بند کر دیا گیا۔ بعد میں شیخ صاحبؒ کو ہر جگہ ڈھونڈا گیا لیکن کہیں نہ ملے حتیٰ کہ مایوس ہوکر تلاش کرنا چھوڑ دیا گیا۔ کافی دنوں بعد جب چارہ باہر لانے کی ضرورت پڑی تو حجرے کا دروازہ کھولا گیا تو پتا چلا کہ شیخ صاحبؒ کو حجرے میں ہی بند کر دیا گیا تھا۔ اس وقت شیخ صاحب کی حالت سکر حالت صحو سے بدل گئی۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ انہیں درازی مدت کا احساس رہا اور نہ کچھ کھانے پینے کا۔ (انفاس العارفین، ص: ۵۵)

(۱۲)۔ حضرت حبیب عجمیؒ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دن آپؒ نے پاس کھڑی ایک عورت سے کہا: ذرا میری خادمہ کو بلا دینا۔ اس عورت نے کہا کہ تیس سال سے میں آپؒ کی خدمت کر رہی ہوں۔ آپؒ مجھے پہچانتے نہیں۔ آپؒ نے فرمایا: میں نے تمہیں اس لیے نہیں پہچانا کہ تیس برسوں سے میری توجہ اللہ پاک کے سوا کسی اور طرف نہیں گئی۔ (جنیدؒ و بایزیدؒ، ص: ۲۴۹)

(۱۳)۔ حضرت منصور مغربیؒ فرماتے ہیں کہ ایک صوفی بزرگ ایک عرب قبیلے میں تشریف لائے تو ایک عرب نوجوان نے ان کی بہت زیادہ مہمان نوازی کی۔ اسی دوران جب وہ نوجوان بزرگ کی خدمت میں مصروف تھا تو بے ہوش ہوگیا۔ بزرگ نے اس کی حالت کے بارے میں دوسروں سے پوچھا تو پتا چلا کہ یہ نوجوان اپنی چچازاد پر عاشق ہے۔ اس کی چچازاد اس وقت سامنے سے گزری تو اس نوجوان نے اس کے دامن کو دیکھ لیا جس سے بے ہوش ہوگیا۔

وہ صوفی بزرگ ایک لڑکی کے دروازے پر گئے اور کہا: اے بیٹی میں ایک مسافر ہوں۔ میں اس نوجوان کی سفارش کرنے آیا ہوں۔ تم اس کی محبت کے حوالے سے اس پر رحم کرو۔

اس لڑکی نے جواب دیا: اے بزرگ! یہ نوجوان میرے دامن کے مشاہدے کی تاب نہیں لا سکا میری محبت کی تاب کیسے لائے گا۔ (رسالہ قشیریہ، ص: ۱۷۴-۱۷۵) یہی حالت سالک کی اللہ پاک کی محبت میں ہوتی ہے۔ جب وہ اللہ پاک کی تجلی کا مشاہدہ کر لیتے ہیں تو حالت سکر میں چلے جاتے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ انفاس العارفین، شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ترجمہ محمد فاروق قادری۔ لاہور: فرید بک سٹال، ۲۰۰۷ء۔

۲۔ جنیدؒ و بایزیدؒ، حضرت عبداللطیف خان نقشبندیؒ۔ لاہور: نشان منزل پبلی کیشنز، ۲۰۱۳ء۔

۳۔ حجۃ اللہ البالغہ: رحمۃ اللہ واسعہ، شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ترجمہ مولانا محمد سعید پالن پوریؒ۔ کراچی: زمزم پبلشرز، ۲۰۰۵ء۔

۴۔ رسالہ القشیریہ فی علم التصوف، امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیریؒ ترجمہ شاہ محمد چشتی۔ لاہور: ادارہ پیغام القرآن، ۲۰۰۷ء۔

۵۔ سر دلبراں، شاہ سید محمد ذوقیؒ۔ کراچی: محفل ذوقیہ، ۱۹۶۹ء۔

۶۔ سنن ابن ماجہ، حافظ ابی عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہؒ ترجمہ مولانا محمد قاسم امین۔ لاہور: مکتبہ العلم، ۲۰۱۰ء۔

۷۔ شریعت و طریقت، مولانا اشرف علی تھانویؒ۔ ممبئی: مکتبہ الحق، ۱۹۸۶ء۔

۸۔ صحیح بخاری، امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاریؒ ترجمہ حضرت مولانا محمد داؤد راز۔ دہلی: مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند، ۲۰۰۴ء۔

۹۔ طبقات ابن سعد: طبقات کبیر، محمد ابن سعدؒ ترجمہ علامہ عبداللہ العمادی۔ کراچی: نفیس اکیڈمی، ۲۰۰۶ء۔

۱۰۔ طبقات صوفیہ، ابی عبدالرحمٰن محمد بن حسین سلمیؒ ترجمہ شاہ محمد چشتی۔ لاہور: ادارہ پیغام القرآن، ۲۰۱۱ء۔

۱۱۔ عوارف المعارف، شیخ شہاب الدین سہروردیؒ ترجمہ مولانا ابوالحسن۔ لاہور: ادارہ اسلامیات۔

۱۲۔ کتاب التعرف لمذہب اہل التصوف، امام ابوبکر بن ابواسحاق محمد بن ابراہیم بن یعقوب البخاری کلاباذیؒ ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن۔ لاہور: تصوف فاؤنڈیشن، ۱۹۹۸ء۔

۱۳۔ کشف المحجوب، سید علی ہجویریؒ ترجمہ غلام معین الدین نعیمی اشرفی۔ لاہور: ہجویری کمپوزرز اینڈ ڈیزائنرز، ۱۹۷۰ء۔

۱۴۔ کشف المحجوب، سید علی ہجویریؒ ترجمہ میاں طفیل محمد۔ لاہور: اسلامک پبلیکیشنز، ۱۹۸۸ء۔

۱۵۔ کشف المحجوب، سید علی ہجویریؒ منقولہ خواجہ بہاالدین زکریا ملتانیؒ ترجمہ ایف ڈی گوہر۔ لاہور: احمد ربانی ایم اے، ۱۹۷۲ء۔

۱۶۔ کنز العمال، علامہ علاء الدین علی متقی بن حسام الدینؒ ترجمہ مولانا مفتی احسان اللہ شائق۔ کراچی: دارالاشاعت، ۲۰۰۹ء۔

۱۷۔ مشکوٰۃ المصابیح، شیخ ولی الدین خطیب التبریزیؒ ترجمہ مولانا محمد صادق خلیلؒ۔ لاہور: مکتبہ محمدیہ، ۲۰۰۵ء۔

۱۸۔ مصنف ابن ابی شیبہ، امام ابی بکر عبداللہ بن محمد ابن ابی شیبہ العبسی الکوفیؒ ترجمہ مولانا محمد اویس سرور۔ لاہور: مکتبہ رحمانیہ، ۲۰۰۱ء۔

۱۹۔ معارف بہلوی، مولانا محمد عبداللہ بہلویؒ۔ کارچی: مکتبہ لدھیانوی، ۲۰۰۶ء۔

۲۰۔ معالم العرفان فی دروس القرآن، صوفی عبدالحمید سواتیؒ۔ گوجرانوالہ: مکتبہ دروس القرآن، ۲۰۰۸ء۔

۲۱۔ http//:www.hadithurdu.com/

۲۲۔ https//:easyquranwahadees.com/

۲۹

فتوت

۱۔ فتوت کا مفہوم

(۱)۔ فتوت کے لغوی معانی جوانمردی، ہمت، ایثار، سخاوت، مروت اور مردانگی کے ہیں۔ اصطلاح تصوف میں دنیا و آخرت میں اللہ پاک کی مخلوق سے ایثار کرنا فتوت کہلاتا ہے۔ فتوت فیاضی کا سب سے بڑا اور آخری درجہ ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ سالک دوسروں کی ضرورتوں کو اپنی ضرورت پر مقدم رکھے۔ خود بھوکا رہے اور دوسروں کو کھلائے۔ خود تکلیف اٹھائے اور دوسروں کو آرام پہنچائے۔

(۲)۔ جب سالک اللہ پاک کی صفات میں غور و فکر کرتا ہے۔ ان صفات کو اپنانے کی پوری پوری کوشش کرتا ہے تو اس پر اللہ پاک کی طرف سے ایک حال وارد ہو جاتا ہے۔ اس حال میں وہ دوسروں کے ساتھ اپنے معاملات کرتے وقت ان کی خامیوں کو ایسے ہی نظر انداز کرنے لگتا ہے جیسے اللہ پاک دنیا میں انسانوں کے گناہوں کو جاننے کے باوجود نظر انداز کر کے، ان پر اپنی نوازشیں جاری رکھتا ہے۔ سالک کا یہی حال فتوت کہلاتا ہے۔

(۳)۔ صوفیائے اکرامؒ بعض اوقات فتوت کے لیے اخوت کا لفظ بھی استعمال کرتے ہیں۔ اخوت سے مراد ہر ایک کے ساتھ حسن خلق سے پیش آنا، ایثار کرنا، خود مشکلات برداشت کر کے دوسرے کی مشکلات و تکالیف دور کرنا، ہر ایک کی خدمت کرنا، اپنے حقوق دوسرے پر قربان کرنا، ہر لمحہ اپنے بھائیوں بہنوں اور والدین کی خدمت کرنا ہے۔

(۴)۔ فتوت سے مراد دوسروں کے عیب اور گناہوں کو جانتے ہوئے بھی ان سے اچھا سلوک کرنا، مروت سے کام لینا، ایثار کرنا، دوسروں کے عیب چھپانا اور دوسروں کی طرف سے ملنے والی تکالیف کو معاف کر دینا ہے۔ اس بارے میں صوفیائے کرامؒ ایک جملہ تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللہ. (اللہ پاک کے اخلاق اختیار کرو) استعمال کرتے ہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کے اخلاق کے

لیے اللہ پاک کے رنگ کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے اور اسے اپنانے کی ترغیب یوں دی گئی ہے۔ صِبۡغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنۡ اَحۡسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبۡغَةً ۔(سورۃ البقرہ، آیت:۱۳۸)'اللہ پاک کا رنگ اختیار کرو، بھلا اللہ تعالیٰ کے رنگ سے کس کا رنگ بہتر ہوسکتا ہے'؟

(۵)۔ جب بندہ اللہ کی تمام صفات کو اپنا لیتا ہے تو اللہ کے رنگ میں رنگا جاتا ہے اور اللہ کی ذات کے قرب کے لائق بن جاتا ہے۔ جیسا کہ اللہ پاک اپنی مخلوق کے عیب دیکھتا ہے لیکن ان کی پردہ پوشی کرتا ہے۔ باوجود قدرت کے انہیں فوری سزا نہیں دیتا۔ توبہ کریں تو معاف کر دیتا ہے یا پھر اپنی رحمت کے سبب بغیر توبہ کے ہی معاف فرما دیتا ہے۔ بالکل اسی طرح سالکین کے بھی اخلاق ایسے ہونے چاہئیں کہ وہ بھی دوسروں کی پردہ پوشی کریں۔ اگر وہ زیادتی کریں تو کھلے دل کا مظاہرہ کرتے ہوئے انہیں معاف کر دیں۔

(۶)۔ انبیائے کرام علیہم السلام کی زندگیاں اہل فتوت کے لیے مشعل راہ ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ و انابت، حضرت نوح علیہ السلام کا تبلیغ کی مشکلات پر صدہا سال تک صبر و استقامت، حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا اپنے فرزند کو اللہ پاک کی راہ میں قربان کرنے کی کوشش میں غیر معمولی جذبہ و ایثار، نمرود کی سلطنت میں بت شکنی، غیر معمولی مہمان نوازی اور مشکل سے مشکل وقت میں صرف اللہ پاک سے ہی مدد چاہنا، حضرت یوسف علیہ السلام کا مفسدانہ ماحول میں اپنی عصمت کا تحفظ اور اپنے بھائیوں کے مظالم سے درگزر، حضرت ایوب علیہ السلام کا مصائب و امراض میں صبر وشکر، حضرت یونس علیہ السلام کا مچھلی کے پیٹ میں استغفار، حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا بادشاہ ہوتے ہوئے بھی کسب کرنا اور اکل حلال کی خاطر زرہ سازی اور زنبیل بافی کو پیشہ بنائے رکھنا، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت شعیب علیہ السلام کا ایک دوسرے سے عادلانہ ایفائے عہد کرنا، حضرت یوشع علیہ السلام بن نون کا حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام سے بہادرانہ تعاون اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نہایت نرمی مگر استقامت۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو سید الفتیان ہیں۔ قیامت میں جب ہر انسان نفسی نفسی پکار رہا ہوگا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امتی امتی پکار رہے ہوں گے۔

حضرت علامہ اقبالؒ نے فتوت کے بارے میں کیا خوب فرمایا ہے:

عالم ہے فقط مومن جانباز کی میراث
مومن نہیں جو صاحب لولاک نہیں ہے
(بال جبریلؒ)

(۷)۔ مروت فتوت کی ایک شاخ ہے۔ مروت کونین یعنی دونوں جہاں سے اعراض اور ان دونوں کے درمیان اللہ پاک سے الفت و محبت کا نام ہے۔ (معدن المعانی، ص:۵۵۸)

۲۔ فتوت قرآن پاک کی روشنی میں

قرآن پاک کی چند آیات پیش کی جارہی ہیں جن میں فتوت کا مفہوم پایا جاتا ہے:

(۱)۔ اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنٰهُمْ هُدًى. (سورۃ الکہف، آیت:۱۳)
(وہ چند نوجوان (اہل فتوت) تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے تھے اور ہم نے ان کی ہدایت میں اضافہ کر دیا)
اس آیت مبارکہ میں اصحاب کہف کو اہل فتوت کہا گیا ہے۔ حضرت ابوعلی دقاقؒ فرماتے ہیں کہ اصحاب کہف کو اس لیے اہل فتوت کے نام سے یاد کیا گیا ہے کہ وہ کسی واسطے کے بغیر اللہ پاک پر ایمان لائے تھے۔ (رسالہ قشیریہ، ص:۲۸۲)

(۲)۔ اِذْ اَوَى الْفِتْيَةُ اِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوْا رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا. (سورۃ الکہف، آیت:۱۰)
(جب کہ چند جوان (اہل فتوت) اس غار میں آ بیٹھے پھر کہا اے ہمارے رب ہم پر اپنی طرف سے رحمت نازل فرما اور ہمارے اس کام کے لیے کامیابی کا سامان کر دے)
اس آیت پاک میں اصحاب کہف کو اہل فتوت کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ اصحاب کہف کا قصہ مختصر طور پر کچھ یوں ہے کہ سابقہ اقوام میں کچھ توحید پرست نوجوان تھے۔ اس وقت ہر طرف کفر و شرک کا دور دورہ تھا۔ بادشاہ وقت بھی اسی شرک کی نجاست سے آلودہ تھا اور مشرکین کی حوصلہ افزائی اور توحید پرستوں پر ظلم کرتا تھا۔ ایک دن اس بادشاہ نے چند توحید پرستوں کو اپنے دربار

میں بلایا اور ان سے کہا: میں تمہیں چند دن کی مہلت دیتا ہوں، تم اپنے اس دین سے باز آجاو ورنہ قتل کر دیے جاوگے۔ جب ان نوجوانوں نے بادشاہ کی یہ دھمکی سنی تو شدید پریشان ہو گئے۔ وہ بادشاہ سے لڑنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے اور نہ شہر میں رہ کر توحید پرستی جاری رکھ سکتے تھے۔ لہٰذا انہوں نے شہر چھوڑ کر کہیں بھاگ جانے کا فیصلہ کیا۔ اللہ پاک پر بھروسا کرتے ہوئے وہ شہر سے نکل گئے۔ یہاں تک کہ ایک غار میں جا کر چھپ گئے۔ انہوں نے پروردگار عالم سے اپنے لیے رحمت اور آسانی کی دعا مانگی۔

(۳)۔ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا.
(سورۃ الکہف، آیت: ۶۰)

(اور جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنے جوان سے کہا کہ میں نہ ہٹوں گا یہاں تک کہ دو دریاؤں کے ملنے کی جگہ پر پہنچ جاؤں یا سالہا سال چلتا جاؤں)

اس آیت مبارکہ میں اللہ پاک نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خادم کو جوان (فتیٰ) کے نام سے یاد فرمایا ہے۔ دراصل اس آیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کا قصہ بیان کیا جا رہا ہے جو بڑا عبرت اور بصیرت آموز ہے۔ سب سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے خادم سے اپنے اس سفر کے بارے میں اپنے عزم اور ذوق وشوق کا اظہار فرمایا تا کہ وہ صاحب فتوت بھی اسی عزم و ہمت سے ساتھ چلے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: میں اس سفر پر چلتا رہوں گا، یہاں تک کہ دو دریاؤں کے ملنے کی جگہ پر پہنچ جاوں یا پھر سالوں تک اسی راستے پر چلتا رہوں۔ راہ حق پر چلنے کے لیے ایسا ہی عزم وجزم ہونا چاہیے۔

فارسی زبان کے نامور شاعر حافظؒ نے کیا خوب کہا ہے:

دست از طلب ندارم تا کام من برآید
یا تن رسد بہ جانان یا جان ز تن برآید
(میں اپنے مقصد کی برآوری تک طلب سے
ہاتھ نہیں کھینچوں گا یا تو میرا جسم میرے محبوب تک
پہنچ جائے گا یا پھر میرے جسم سے جان نکل جائے گی)
(دیوان حافظ)

(۴)۔ فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰىهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا۔
(سورۃ الکہف، آیت: ۶۲)
(پھر جب وہ دونوں آگے بڑھ گئے تو اپنے جوان (صاحب فتوت) سے کہا کہ ہمارا ناشتہ لے آ۔ البتہ تحقیق ہم نے اس سفر میں تکلیف اٹھائی ہے)
اس آیت پاک میں بتایا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا خادم جسے جوان (فتیٰ) کہا گیا ہے، حق کے راستے پر آپ علیہ السلام کا ساتھی بن گیا تھا۔ گویا کہ فتی کی یہ خوبی ہے کہ وہ اپنے کمال عزم و ہمت کے ساتھ راہ حق میں نبی علیہ السلام کا ساتھی ہوتا ہے۔

(۵)۔ قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗۤ اِبْرٰهِيْمُ۔ (سورۃ الانبیاء، آیت: ۶۰)
(لوگوں نے کہا کہ ہم نے ایک نوجوان (فتی) کو جسے ابراہیم علیہ السلام کہا جاتا ہے ان (بتوں) کے بارے میں بات کرتے سنا تھا)
اس آیت مبارکہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو فتی کہا گیا ہے۔ آپ نے اپنی قوم کی غیر موجودگی میں ان کے بت خانے میں گھس کر بتوں کو پاش پاش کر دیا۔ جیسا کہ قرآن میں بیان کیا گیا ہے: فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا۔ (سورۃ الانبیاء، آیت: ۵۸) ہر انسان کے لیے بت اس کا اپنا نفس امارہ ہوتا ہے۔ جو بھی سالک اپنے نفس امارہ کی مخالفت کرے گا وہ بتوں کو پاش پاش کرنے والا ہوگا جسے قرآن پاک میں صاحب فتوت کہا گیا ہے۔ (رسالہ قشیریہ، ص: ۲۸۳)

(۶)۔ خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ۔ (سورۃ الاعراف، آیت: ۱۹۹)
(درگزر کرو اور نیکی کا حکم دے اور جاہلوں سے اعراض کرو)
اس آیت پاک کی تفسیر میں شیخ ابو حفص حدادؒ فرماتے ہیں کہ اللہ پاک نے اس آیت شریفہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فتوت کی تعلیم دی ہے۔ دوسروں کی تقصیر معاف کی جائے۔ بصیرت سے نصیحت کی جائے اور جاہلوں کی باتوں کا جواب جہالت سے نہ دیا جائے۔ ہمیں بھی اس سے پوری پوری رہنمائی حاصل کرنی چاہیے۔ (رسالہ فتوتیہ، ص: ۶۸۲)

(۷)۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ۔ (سورۃ الحجرات، آیات: ۱۰)
(بیشک مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں)

مومنین بے شک آپس میں ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ برادری کا تقاضا یہی ہے کہ ایک دوسرے کی تکلیف کا احساس کیا جائے۔ دین و دنیا کے جملہ کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون کیا جائے۔ یہ فتوت ہے اور ایسے کرنے والے ہی اہل فتوت ہیں۔

(نظام فتوت کے چند منابع، ص: ۲۴۲)

(۸)۔ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۚ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ. (سورۃ الحشر، آیت: ۹)

(جو ان مہاجرین کی آمد سے پہلے ایمان لا کر دار الہجرت میں مقیم ہیں یہ ان لوگوں سے محبت کرتے ہیں جو ہجرت کر کے ان کے پاس آتے ہیں۔ اور جو کچھ بھی ان کو دے دیا جائے، اس کی کوئی حاجت اپنے دلوں میں نہیں پاتے۔ اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں حالانکہ خود بھی ضرورت مند ہوتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اپنے دل کی کنجوسی، بخل سے بچا لیے گئے وہی کامیاب ہونے والے ہیں)

اس آیت مبارکہ میں اہل فتوت کی خوبی خود ضرورت مند ہونے کے باوجود دوسروں کو اپنی جان پر ترجیح دینا، بیان کی گئی ہے۔ یہ انصار مدینہ تھے جنہوں نے کمال فتوت کا مظاہرہ کرتے ہوئے، مہاجرین کو خود پر ترجیح دی۔ خود ضرورت مند ہونے کے باوجود اپنے مال و دولت کو حضور نبی کریم ﷺ کی ذات پاک اور مہاجرین پر بے دریغ خرچ کیا۔

(۹)۔ وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ ۝ اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ بِاٰيٰتِيْ وَلَا تَنِيَا فِيْ ذِكْرِيْ ۝ اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۝ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى.

(سورۃ طٰہٰ، آیت: ۴۱-۴۴)

(میں نے تجھ (حضرت موسیٰ علیہ السلام) کو اپنے کام کے لیے منتخب کیا ہے۔ تو (حضرت موسیٰ علیہ السلام) اور تیرا بھائی (حضرت ہارون علیہ السلام) میری نشانیوں کے ساتھ جاؤ اور میری یاد میں کوتاہی نہ کرو۔ دونوں فرعون کے پاس جاؤ بے شک وہ سرکش ہو گیا ہے۔ سو اس سے نرمی سے بات کرنا، شاید وہ نصیحت حاصل کرے یا ڈر جائے)

ان آیات مبارکہ میں اہل فتوت کی ایک صفت کا حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام

کے حوالے سے ذکر کیا گیا ہے۔ وہ صفت یہ ہے کہ دوسروں کی سرکشی و بغاوت، کفر و شرک میں حد سے گزر جانے کے باوجود نرمی سے نصیحت کی جائے۔ اللہ پاک نے حضرت موسیٰ و ہارون علیہم السلام کو فرعون کے پاس توحید کی دعوت کے لیے بھیجا اور ساتھ یہ حکم بھی دیا کہ سرکشی کے باوجود اس سے نرمی سے بات کرنا، شاید وہ دعوت قبول کر لے یا مجھ سے ڈر جائے۔

۳۔ فتوت احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے شمار احادیث میں اہل ایمان کو فتوت اختیار کرنے کی ترغیب دی گئی ہے، جن میں سے کچھ حسب ذیل ہیں:

(۱)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "لَيْسَ الشَّدِيدُ بِالصُّرَعَةِ، إِنَّمَا الشَّدِيدُ الَّذِي يَمْلِكُ نَفْسَهُ عِنْدَ الْغَضَبِ".
(صحیح بخاری، ج: ۳، رقم الحدیث: ۱۰۶۷)

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: طاقتور وہ نہیں کہ جو (کشتی میں کسی کو) پچھاڑ دے بلکہ طاقتور وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے آپ کو قابو میں رکھے)

(۲)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "قَالَ مُوسَى بْنُ عِمْرَانَ عَلَيْهِ السَّلَامُ: يَا رَبِّ مَنْ أَعَزُّ عِبَادِكَ عِنْدَكَ؟ قَالَ: مَنْ إِذَا قَدَرَ غَفَرَ". (مشکوٰۃ المصابیح، ج: ۴، رقم الحدیث: ۱۰۴۳)

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: حضرت موسیٰ علیہ السلام بن عمران نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا: اے میرے پروردگار! تیرے بندوں میں تیرے نزدیک سب سے زیادہ معزز بندہ کون ہے؟ اللہ پاک نے ارشاد فرمایا: وہ شخص جو قدرت پانے کے باوجود معاف کر دے)

(۳)۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، يَقُولُ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ".
(صحیح بخاری، ج: ۳، رقم الحدیث: ۱۴۳۱)

(حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مسلمان وہ ہے کہ جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ ہوں)

(۴)۔ عَنْ أَبِي مُوسٰى رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "الْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا، وَشَبَّكَ بَيْنَ أَصَابِعِهِ".
(صحیح بخاری، ج:۱، رقم الحدیث: ۲۳۴۳)

(حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ایک مومن دوسرے مومن کے لیے عمارت کی طرح ہے کہ ایک حصہ دوسرے حصہ کو تقویت دیتا ہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی انگلیوں کو ملا کر بتایا)

(۵)۔ عَنِ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يُسْلِمُهُ، وَمَنْ كَانَ فِي حَاجَةِ أَخِيهِ كَانَ اللّٰهُ فِي حَاجَتِهِ، وَمَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً فَرَّجَ اللّٰهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرُبَاتِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ". (صحیح بخاری، ج:۱، رقم الحدیث: ۲۳۳۹)

(حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، نہ تو اس پر ظلم کرے اور نہ اس کو ظالم کے حوالے کرے (کہ اس پر کوئی دوسرا ظلم کرے)۔ جو شخص اپنے بھائی کی ضرورت پوری کرنے کی فکر میں ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی ضروریات پوری کرتا ہے۔ جو شخص کسی مسلمان سے اس کی مصیبت کو دور کرے، تو اللہ تعالیٰ قیامت کی مصیبتیں اس سے دور کرے گا۔ جس نے کسی مسلمان کی پردہ پوشی کی، تو اللہ پاک قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی کرے گا)

(۶)۔ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: أَرَادَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُقْطِعَ مِنَ الْبَحْرَيْنِ، فَقَالَتِ الْأَنْصَارُ: حَتّٰى تُقْطِعَ لِإِخْوَانِنَا مِنَ الْمُهَاجِرِينَ مِثْلَ الَّذِي تُقْطِعُ لَنَا. (صحیح بخاری، ج:۱، رقم الحدیث: ۲۲۷۴)

(حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بحرین میں جاگیریں دینے کا ارادہ کیا، تو انصار رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا: (ہم لوگ نہ لیں گے) جب تک کہ ہمارے مہاجر بھائیوں کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اتنی ہی جاگیر عطا فرمائیں)

(۷)۔ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، أَنّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "لَا تَبَاغَضُوا وَلَا تَحَاسَدُوا وَلَا تَدَابَرُوا وَكُونُوا عِبَادَ اللّٰهِ إِخْوَانًا وَلَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ

يَهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثِ لَيَالٍ". (سنن ابوداؤد، ج:۳، رقم الحدیث:۱۵۰۵)

(حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: آپس میں بغض مت رکھو، حسد نہ کیا کرو اور نہ ایک دوسرے سے منہ پھیرا کرو، آپس کی میل ملاقات مت ترک کرو۔ اللہ تعالیٰ کے بندے آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ۔ کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ اپنے مسلمان بھائی کو تین رات سے زیادہ چھوڑے رکھے)

(۸)۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ لَا يَمْحُو السَّيِّئَ بِالسَّيِّئِ وَلَكِنْ يَمْحُو السَّيِّئَ بِالْحَسَنِ إِنَّ الْخَبِيثَ لَا يَمْحُو الْخَبِيثَ". (مسند احمد، ج:۲، رقم الحدیث:۱۷۵۰)

(حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ گناہ کو گناہ سے نہیں مٹاتا، وہ تو گناہ کو اچھائی اور نیکی سے مٹاتا ہے، گندگی سے گندگی نہیں دور ہوتی)

(۹)۔ عَنْ جَرِيرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّهُ مَنْ لَمْ يَرْحَمِ النَّاسَ لَمْ يَرْحَمْهُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ". (مسند احمد، ج:۸، رقم الحدیث:۹۷۷)

(حضرت جریر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص لوگوں پر رحم نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ اس پر بھی رحم نہیں کرتا)

(۱۰)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "لَا يَسْتُرُ عَبْدٌ عَبْدًا فِي الدُّنْيَا إِلَّا سَتَرَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ". (صحیح مسلم، ج:۳، رقم الحدیث:۲۰۹۴)

(حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو بندہ دنیا میں کسی بندے کے عیب چھپائے گا، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کے عیب چھپائے گا)

۴۔ فتوت کی اقسام

فتوت کی تین اقسام ہیں جو حسب ذیل ہیں:

(۱)۔ اللہ پاک سے فتوت: اللہ پاک سے فتوت یہ ہے کہ سالک اپنی پوری ہمت وطاقت کو بروئے کار لا کر اللہ تعالیٰ کی بندگی کی کوشش کرتا رہے۔ اس کی تین نشانیاں ہیں:

(i)۔ حصول علم سے ملال نہ ہو، (ii)۔ علم کی یاد چین سے بیٹھنے نہ دے، (iii)۔ نیک لوگوں کی

صحبت اختیار کرے۔

(۲)۔ اللہ پاک کے بندوں سے فتوت: مخلوق کے ساتھ فتوت یہ ہے کہ مخلوق کو اس عیب کے باعث جسے تو جانتا ہے، رسوا نہ کرے۔ مخلوق کے ساتھ فتوت کی تین علامتیں ہیں:

(i)۔ مخلوق کی جس چیز کا علم نہ ہو، اس پر وہم وگمان اور قیاس آرائی نہ کرے، (ii)۔ جو چیز جانتا ہو، اس کی پردہ پوشی کرے، (iii)۔ اس پردہ داری سے اہل ایمان کی سفارش کرے۔

(۳)۔ سالک کی اپنی ذات سے فتوت: اپنی ذات کے ساتھ فتوت یہ ہے کہ اپنے نفس کے دھوکہ و فریب اور اس کی زیب وزینت کو قبول نہ کیا جائے۔ اس کی بھی تین نشانیاں ہیں:

(i)۔ اپنے عیب تلاش کرنے میں مشغول رہے اور انہیں برا سمجھے، (ii)۔ نعمت کے شکر کو اللہ پاک کی طرف سے اپنے لیے پردہ پوشی سمجھے، (iii)۔ اللہ پاک کا خوف ہر لمحہ دامن گیر رہے۔

۵۔ فتوت کے درجات

فتوت کے تین درجے ہیں جو حسب ذیل ہیں:

(۱)۔ فتوت کا پہلا درجہ سخاوت ہے۔ سخاوت انتہائی محنت ومشقت اور جائز ذرائع سے حاصل کیے گئے مال کو اللہ پاک کی مخلوق کی خاطر خرچ کرنے میں بخل سے کام نہ لینا ہے۔

(۲)۔ فتوت کا دوسرا درجہ باطن کی صفائی ہے یعنی دل کو تکبر وکینہ اور بری خواہشات سے پاک رکھنا ہے۔

(۳)۔ فتوت کا تیسرا اور بلند ترین درجہ وفا ہے۔ وفا سے مراد اللہ پاک اور اس کی مخلوق کے پورے پورے حقوق ادا کرنا ہے۔

۶۔ فتوت کے ارکان

فتوت کے چار ارکان ہیں جو درج ذیل ہیں:

(۱)۔ فتوت کا پہلا رکن اپنے اوپر ہونے والی زیادتی کا بدلہ لینے کی طاقت رکھنے کے باوجود معاف کر

دینا ہے۔اس کی بہترین مثال حضور نبی کریم ﷺ کا فتح مکہ کے بعد عام معافی کا اعلان کر دینا ہے۔حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو تم پر ظلم کرے تم اسے معاف کر دو۔(کنز العمال، ج:۲، رقم الحدیث:۳۵۸۸) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا: اے میرے رب! تیرے بندوں میں تیرے نزدیک سب سے زیادہ معزز بندہ کون ہے؟ اللہ پاک نے ارشاد فرمایا: وہ شخص جو قدرت پانے کے باوجود معاف کر دے۔(مشکوٰۃ المصابیح، ج:۴، رقم الحدیث:۱۰۴۳)

(۲)۔ فتوت کا دوسرا رکن غصے کی حالت میں حلم و بردباری کا مظاہرہ کرنا ہے۔قرآن پاک میں اللہ پاک نے مومنین کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ یَغْفِرُوْنَ۔(سورۃ الشوریٰ، آیت:۳۷) جب انہیں غصہ آتا ہے تو وہ معاف کر دیتے ہیں۔غصہ فتوت کا دشمن ہے۔ غصے کی حالت میں آدمی اخلاقی اصولوں کو بھول جاتا ہے۔بہادر شاہ ظفر نے کیا خوب کہا ہے:

ظفر آدمی اس کو نہ جانیے گا
ہو وہ کیسا ہی صاحبِ فہم و ذکا
جسے عیش میں یادِ خدا نہ رہی
جسے طیش میں خوفِ خدا نہ رہا

(۳)۔ فتوت کا تیسرا رکن، دشمن کو بھی صحیح مشورہ و نصیحت دینا ہے۔اسی بارے میں حدیث نبوی ﷺ ہے کہ اگر دوسرے تم سے اچھا سلوک کریں تو ان سے اچھا سلوک کرو۔اگر وہ تم سے برا سلوک کریں تب بھی ان سے اچھا سلوک کرو۔(مسند احمد۔جلد چہارم: رقم:۸۳۰) اسی حضور نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا: رشتہ توڑنے والے سے رشتہ جوڑو اور محروم رکھنے والے کو عطا کرو۔

(مسند احمد، ج:۷، رقم الحدیث:۶۰۲)

(۴)۔ فتوت کا چوتھا رکن، تنگ دستی کے باوجود دوسروں کی خاطر ایثار کرنے سے دریغ نہ کرنا ہے۔اس کی بہترین مثال اس انصاری صحابی رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے جس نے اپنی بیوی سے پوچھا: کیا گھر میں کچھ کھانے کے لیے ہے؟ اس کی بیوی نے جواب دیا کہ گھر میں بچوں کے لیے کھانے کے سوا کچھ نہیں ہے۔صحابی رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی سے کہا کہ بچوں کو کسی دوسری چیز سے بہلا دو اور جب

مہمان اندر آجائے تو چراغ بجھادینا اور اس پر یہ ظاہر کرنا گویا کہ ہم بھی کھانا کھا رہے ہیں۔

(دیکھیے صحیح بخاری، ج:۲، رقم الحدیث: ۱۰۳۴)

۷۔ فتوت کے بارے میں صوفیائے کرامؒ کے اقوال

فتوت کے بارے میں صالحین امت سے سنہرے اقوال منسوب ہیں، ان میں سے کچھ حسب ذیل ہیں:

(۱)۔ امام جعفر صادقؒ فرماتے ہیں کہ فتوت کی اصل وفاداری، صدق، امانت، سخاوت، تواضع، توبہ اور دوسروں کے ساتھ نصیحت پر استوار ہے۔ (فتوت یا جوانمردی، ص:۵۵۷)

(۲)۔ امام جعفر صادقؒ کا قول ہے: فتوت یہ ہے کہ دوسروں کو حقیر اور خود کو صاحب فضیلت نہ سمجھا جائے۔ (فتوت یا جوانمردی، ص:۵۵۷)

(۳)۔ حضرت ابو حفصؒ فرماتے ہیں کہ فتوت انصاف کرنا ہے اگرچہ خود کو انصاف نہ مل رہا ہو۔

(طبقات صوفیہ، ص:۸۹)

(۴)۔ حضرت رویمؒ فرماتے ہیں: فتوت یہ ہوتی ہے کہ تم اپنے بھائیوں کو ان کی کوتاہیوں میں مجبور جانو اور ان سے وہ معاملہ کرو کہ تم ان کے عذر ماننے کے محتاج ہو۔ (طبقات صوفیہ، ص:۱۳۰)

(۵)۔ حضرت ابو عبداللہ محمد بن فضل بلخیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ پاک کے حکم پر چلتے ہوئے، اس کے راز چھپائے رکھنا، مخلوق کے ساتھ اچھی زندگی گزارنا اور مخلوق سے اچھا معاملہ کرنا، فتوت کہلاتا ہے۔

(طبقات صوفیہ، ص:۱۵۳)

(۶)۔ حضرت ابو عبداللہ سنجریؒ فرماتے ہیں: فتوت یہ ہے کہ تم لوگوں کا عذر دیکھو اور اپنی کوتاہی پر نظر کرو۔ ان کے مکمل کام دیکھو اور اپنا نقصان دیکھو۔ پھر سب لوگوں پر شفقت کرو، خواہ وہ نیک ہوں یا بد۔ کامل فتوت یہ ہوتی ہے کہ مخلوق تمہیں اللہ تعالیٰ سے ہٹا نہ سکے۔

(طبقات صوفیہ، ص:۱۸۰)

(۷)۔ حضرت جعفر بن محمد خلدیؒ فرماتے ہیں کہ فتوت نفس امارہ کو حقیر جاننے اور مسلمانوں کی عزت کا خیال رکھنے کو کہتے ہیں۔ (طبقات صوفیہ، ص:۳۰۷)

(۸)۔ حضرت ابوالحسن بوشنجیؒ فرماتے ہیں کہ تصوف تو فتوت اور حریت کا نام ہے۔
(طبقات صوفیہ، ص:۳۲۳)

(۹)۔ حضرت ابوالقاسمؒ فرماتے ہیں: فتوت یہ ہے کہ تم اپنا نقصان کر کے بھی لوگوں کو اپنے سے اچھا سمجھو۔ (طبقات صوفیہ، ص:۳۶۲)

(۱۰)۔ حضرت فاطمہ خانقیہؒ فرماتی ہیں کہ فتوت بلالحاظ خدمت کرتے چلے جانا ہے۔
(طبقات صوفیہ، ص:۴۲۳)

(۱۱)۔ حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ فتوت، ترک رویت اور اسقاط نسبت ہے۔ یعنی اپنی جوانمردی کے اعمال پر فخر نہ کیا جائے اور نہ انہیں اپنی طرف منسوب کیا جائے کیونکہ اس کے لیے توفیق تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے۔ (جنیدؒ و بایزیدؒ، ص:۵۲۱)

(۱۲)۔ حضرت جنید بغدادیؒ دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ فتوت بخشش کرنے اور برائی سے بچنے کا نام ہے۔ (رسالہ فتوتیہ، ص:۲۸۱)

(۱۳)۔ حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں: کسی کو تکلیف نہ دینے اور مال خرچ کرنے کا نام فتوت ہے۔
(رسالہ قشیریہ، ص:۳۵۰)

(۱۴)۔ امام قشیریؒ فرماتے ہیں: فتوت دراصل یہ ہے کہ انسان ہمیشہ دوسروں کے کاموں میں لگا رہے۔
(روح تصوف، ص:۱۹۶)

(۱۵)۔ شیخ ابوعلی دقاقؒ فرماتے ہیں: فتوت یہ ہے کہ انسان اس بات میں قطعاً امتیاز نہ کرے کہ اس کے ہاں ولی کھانا کھا رہا ہے یا کافر۔ (روح تصوف، ص:۱۹۶)

(۱۶)۔ حضرت فضلؒ فرماتے ہیں: فتوت یہ ہے کہ بھائیوں کی لغزشوں سے درگزر کیا جائے۔
(رسالہ قشیریہ، ص:۳۴۸)

(۱۷)۔ حضرت ابوبکر وراقؒ فرماتے ہیں کہ صاحب فتوت وہ آدمی ہے جو کسی سے نہ جھگڑے۔

(رسالہ قشیریہ، ص:۳۴۸)

(۱۸)۔ حضرت ابوبکر وراقؒ فرماتے ہیں: فتوت یہ ہے کہ تمہارا کوئی دشمن نہ ہو۔

(معدن المعانی، ص:۵۵۸)

(۱۹)۔ شیخ محمد بن علی ترمذیؒ فرماتے ہیں: فتوت یہ ہے کہ تو اپنے رب کے لیے اپنے نفس امارہ سے جھگڑے۔(معدن المعانی، ص:۵۵۸)

(۲۰)۔ حضرت حارث محاسبیؒ فرماتے ہیں: فتوت یہ ہے کہ سالک انصاف سے کام لے، اگرچہ خود اسے انصاف نہ مل رہا ہو۔(رسالہ قشیریہ، ص:۳۴۹)

(۲۱)۔ حضرت حمدون قصارؒ فرماتے ہیں: اگر تم سے ممکن ہو کہ دنیا کی کسی شے کی وجہ سے تمہیں ناراضی نہ ہو تو ایسا کرو، یہی فتوت ہے۔(طبقات صوفیہ، ص:۹۵)

(۲۲)۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں: فتوت یہ ہے کہ آدمی راہ حق میں استقامت کرتے ہوئے اپنے نفس امارہ سے دشمنی برتے۔(رسالہ فتوتیہ، ص:۶۸۰)

(۲۳)۔ شیخ فضیل بن عیاضؒ فرماتے ہیں: فتوت یہ ہے کہ مال و دولت کو اللہ پاک کے راستے میں خرچ کرتے ہوئے مومن اور کافر دونوں کی مدد کی جائے۔ جیسا کہ اللہ پاک عطا کرتے ہوئے کافر و مسلمان کا فرق نہیں کرتا۔(رسالہ فتوتیہ، ص:۶۸۰)

(۲۴)۔ حضرت بایزید بسطامیؒ فرماتے ہیں: فتوت یہ ہے کہ دوسروں کو عزیز ترین چیز دی جائے اور اس چیز کو معمولی سمجھا جائے مگر دوسروں سے جو معمولی سے معمولی چیز ملے اسے اہمیت دی جائے۔

(رسالہ فتوتیہ، ص:۶۸۱)

(۲۵)۔ حضرت معروف کرخیؒ فرماتے ہیں کہ فتوت کامل وفاداری، کسی ذاتی غرض کے بغیر دوسروں کی خوبیوں کی قدر کرنے اور سائل کے سوال کے بغیر ہی اس پر بخشش کرنے کا نام ہے۔

(فتوت یا جوانمردی، ص:۷۵۵)

(۲۶)۔ حضرت ابوالحسین نوریؒ فرماتے ہیں کہ عملی زندگی کی گوناگوں دشواریوں اور باہمی معاملات کو خوش دلی سے طے کرنا فتوت ہے۔(فتوت یا جوانمردی،ص:۷۵۵)

(۲۷)۔ شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ فرماتے ہیں کہ فتوت ہمیشہ دوسروں کے کاموں میں آمادہ اور مستعد رہنے کا نام ہے۔(معدن المعانی،ص:۵۵۸)

(۲۸)۔ حضرت ابوعلی دقاقؒ فرماتے ہیں: فتوت یہ ہوتی ہے کہ بندہ کسی اور کے کام میں لگ جائے۔

(رسالہ قشیریہ،ص:۲۸۲)

(۲۹)۔ امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ جس چیز سے تم ڈر رہے ہو، اس کی خواہش ترک کر دینے کو فتوت کہتے ہیں۔(رسالہ قشیریہ،ص:۲۸۳)

(۳۰)۔ شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ فرماتے ہیں کہ فتوت اپنے نفس اور مزاج پر حکمرانی کا نام ہے۔

(فتوحات مکیہ، باب:۴۲)

۸۔ فتوت کے واقعات

انبیائے کرام علیہم السلام اور اکابرین امت سے فتوت کے سنہرے واقعات منسوب ہیں، جن میں سے کچھ حسب ذیل ہیں:

(۱)۔ شیخ ابوعلی دقاقؒ فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فتوت میں کمال حاصل ہے۔ قیامت کے دن ہر شخص نفسی نفسی پکارے گا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امتی امتی فرمائیں گے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم نے ارشاد فرمایا: قیامت کے روز مسلمان آپس میں کہتے ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کسی کی سفارش لائی جائے۔ لہٰذا سب مل کر حضرت آدم علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور ان سے کہیں گے کہ آپ علیہ السلام تمام انسانوں کے والد ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو خود اپنے ہاتھ سے بنایا۔ فرشتوں سے سجدہ کرایا اور پھر تمام اشیاء کے نام سکھائے۔ آپ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہم سب کی سفارش فرمائیں تاکہ یہ مصیبت ختم ہو کر چین حاصل ہو۔ حضرت آدم علیہ السلام فرمائیں گے: آج مجھے اپنی خطا یاد آ رہی ہے۔ مجھے پروردگار کی بارگاہ میں

جاتے ہوئے حجاب معلوم ہوتا ہے۔لہٰذا تم سب حضرت نوح علیہ السلام کے پاس جاو۔وہ اللہ پاک کی طرف سے زمین میں پہلے نبی علیہ السلام بنائے گئے تھے۔سب ان کی خدمت میں پہنچیں گے۔اپنی درخواست پیش کریں گے۔حضرت نوح علیہ السلام کہیں گے کہ آج مجھ میں یہ ہمت نہیں ہے۔میں خود اس کی بارگاہ میں شرم کررہا ہوں۔لہٰذا تم سب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں جاؤ۔سب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچیں گے اور ان سے اپنی حاجت بیان کریں گے۔آپ علیہ السلام فرمائیں گے: میں اس قابل کہاں۔تم سب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں جاؤ۔وہ کلیم اللہ ہیں اور اللہ تعالیٰ نے انہیں تورات دی ہے۔سب لوگ آپ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوں گے۔آپ علیہ السلام کہیں گے کہ مجھ میں یہ ہمت نہیں ہے۔مجھے ایک آدمی کے خون ناحق کا خیال بارگاہ الٰہی میں جانے سے مانع ہے۔لہٰذا تم سب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاو۔وہ روح اللہ، اللہ کے بندے اور کلمۃ اللہ ہیں۔سب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے۔وہ کہیں گے کہ میں اس لائق نہیں۔تم سب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جاؤ۔اللہ پاک نے ان کے اگلے اور پچھلے سب گناہ معاف فرما دیے ہیں۔میں سب کو لے کر اللہ پاک کی بارہ گاہ میں حاضر ہونے کی اجازت چاہوں گا۔اجازت ملنے پر میں سجدہ میں گر پڑوں گا۔جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا، سجدہ میں رہوں گا۔حکم الٰہی ہوگا: اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! سر کو سجدہ سے اٹھاؤ۔مانگو کیا مانگتے ہو۔ہم سنیں گے اور تمہاری سفارش قبول کریں گے۔میں سر اٹھاؤں گا اور اللہ پاک کی وہ تعریف کروں گا جو مجھے اس کی طرف سے سکھائی جائے گی۔اس کے بعد سفارش کروں گا جس کی حد مقرر کر دی جائے گی۔میں ایک گروہ کو بہشت میں داخل کر کے آؤں گا۔پھر سجدے میں گر جاؤں گا اور وہی کیفیت ہوگی جو پہلے ہوئی تھی۔پھر ایک گروہ کو بہشت میں داخل کر کے آؤں گا۔پھر تیسری مرتبہ بھی داخل کروں گا۔پھر چوتھی مرتبہ بھی سفارش کروں گا۔پھر اپنے رب سے عرض کروں گا کہ اب تو وہی باقی رہ گئے ہیں جن کو قرآن کریم نے منع کیا ہے اور وہ ہمیشہ کے لیے دوزخ میں رہنے والے ہیں۔(صحیح بخاری، ج:۲، رقم الحدیث:۱۶۵۵، حدیث متواتر)

(۲)۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں اپنے بدترین دشمن کو بھی معاف کرنا سکھایا ہے اور یہی فتوت ہے۔ابوجہل اسلام کا بدترین دشمن تھا۔اس کا بیٹا عکرمہ بن ابی جہل بھی باپ کے نقش قدم پر چلتا تھا۔فتح مکہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا خون بھی معاف کر دیا تھا۔وہ مکہ سے بھاگ کر

یمن کی طرف چلا گیا۔ اس کی اہلیہ ام حکیم بنت حارث پہلے مسلمان ہو چکی تھی۔ اس نے آپ ﷺ کی خدمت میں اپنے خاوند کے لیے معافی کی درخواست کی۔ آپ ﷺ نے یہ درخواست قبول کر لی۔ وہ یمن جا کر اپنے خاوند کو واپس لائیں۔ عکرمہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کر لیا۔ جب وہ آپ ﷺ کی محفل میں آنے لگا تو آپ ﷺ نے اپنے ساتھیوں سے ارشاد فرمایا: عکرمہ بن ابی جہل تمہارے پاس آ رہا ہے۔ اس کا باپ اسلام کا سخت ترین دشمن تھا۔ تم اس کے سامنے اس کے باپ کو برا بھلا مت کہنا۔ مردہ کو برا کہنے سے زندہ کو تکلیف ہوتی ہے۔ (کنز العمال، ج:۷، رقم الحدیث:۱۳۳۵)

(۳)۔ سیدہ زینب بنت رسول ﷺ، آپ ﷺ کی سب سے بڑی بیٹی تھیں۔ نبوت سے پہلے آپ رضی اللہ عنہا کی شادی ابوالعاص سے ہوئی جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی حقیقی بہن کے بیٹے تھے۔ ابوالعاص غزوہ بدر میں کفار کی طرف سے شریک ہوئے اور قیدی بنا لیے گئے۔ ان کی رہائی کے لیے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے فدیہ کے طور پر وہ ہار بھیجا جو انہیں والدہ محترمہ سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے عطا فرمایا تھا۔ جب وہ ہار حضور نبی پاک ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی یاد تازہ ہوگئی۔ جس سے آپ ﷺ غمگین ہو گئے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مشاورت کے بعد ابوالعاص کو وہ ہار واپس کرتے ہوئے بلا معاوضہ رہا کر دیا گیا۔ البتہ ان سے یہ وعدہ لیا گیا کہ وہ مکہ مکرمہ پہنچ کر سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو مدینہ منورہ روانہ کر دیں گے۔ ابوالعاص نے اپنا وعدہ وفا کرتے ہوئے، مکہ مکرمہ پہنچ کر سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو اپنے بھائی کنانہ کی حفاظت میں مدینہ پاک روانہ کر دیا۔ دوسری طرف حضور نبی پاک ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو بھی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو لانے کے لیے مکہ مکرمہ کی طرف روانہ فرما دیا۔

کفار کو جب یہ بات معلوم ہوئی کہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کر رہی ہیں تو انہوں نے ان کا پیچھا کیا۔ ہبار بن اسود (جو بعد میں مسلمان ہو گئے تھے) نے آگے بڑھ کر سیدہ زینب رضی اللہ عنہا پر نیزے سے حملہ کر دیا۔ نیزہ اونٹ کو لگا اور زخمی ہو کر درد سے بلک پڑا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا ایک چٹان پر گر پڑیں۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا دیور (شوہر کا چھوٹا بھائی) کنانہ آگے بڑھا اور کفار کا مقابلہ کرنے لگا جس سے کفار پسپا ہو گئے۔ سیدہ زینب اس حملہ سے شدید زخمی ہو

گئیں۔اس وقت وہ حمل سے تھیں۔ان کا حمل ضائع ہو گیا اوراس کے بعد آپ رضی اللہ عنہا بقیہ ساری زندگی بیمار رہیں۔اس سخت مقابلے کی وجہ سے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو واپس مکہ مکرمہ جانا پڑا۔ پھر کچھ عرصے کے بعد جب یہ معاملہ ٹھنڈا ہو گیا تو سیدہ رضی اللہ عنہا رات کے وقت اپنے دیور کے ساتھ مکہ سے باہر تشریف لائیں۔ جہاں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اوران کے ساتھی منتظر تھے۔ پھر یہ حضرات تمام آداب بجالاتے ہوئے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو اپنی حفاظت میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس مدینہ منورہ لے آئے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچ کر سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے کفار کی طرف سے پہنچنے والے مظالم کا ذکر کیا تو حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دل بھر آیا، پھر ارشاد فرمایا: سیدہ زینب رضی اللہ عنہا میری سب سے بہترین بیٹی ہے جسے میری وجہ سے تکالیف سے دوچار کیا گیا۔

فتح مکہ کے دن ہبار بن اسود بھاگ گیا۔ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرمہ سے واپس مدینہ پاک تشریف لے گئے تو ایک دن اچانک ہبار بن اسود نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام کا اقرار کرلیا اور معافی طلب کی۔حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کمال فتوت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے بغیر کسی شرط کے معاف فرمادیا۔(سیرۃ حلبیہ ،ج:۳،ص:۲۷۹)

(۴)۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محسن چچا تھے۔ وحشی بن حرب اور ہند زوجہ ابوسفیان نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بہت زیادتی کی۔ وحشی نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا۔اس نے فتح مکہ کے بعد مدینے میں حاضر ہو کر معافی مانگی۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معاف فرمادیا۔ ہند نے غزوہ احد میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا سینہ چیرا اور جگر نکال کر چبایا تھا۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو بھی معاف کردیا۔(صحیح بخاری، ج:۲، رقم الحدیث:۱۲۹۶)

(۵)۔ فتوت یہ ہے کہ انسان اس بات میں قطعاً امتیاز نہ کرے کہ اس کے ہاں ولی کھانا کھا رہا ہے یا کافر۔ یہ بات ہمیں دینی روایات سے معلوم ہوتی ہے۔حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام اللہ پاک کے جلیل القدر پیغمبر تھے۔جنہیں تینوں الہامی مذاہب یہودیت، عیسائیت اور اسلام میں یکساں طور رسول علیہ السلام تسلیم کیا جاتا ہے۔آپ علیہ السلام اکیلے کھانا نہیں کھاتے تھے۔ جب آپ علیہ السلام کے سامنے کھانا پیش کیا جاتا تو کسی آدمی کو تلاش کرتے جو ساتھ کھانا کھائے۔ اسی لیے آپ علیہ السلام کا لقب ابوالضیفان (بہت بڑے مہمان نواز) پڑ گیا تھا۔ایک دن حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سامنے

کھانا رکھا گیا۔ آپ علیہ السلام کسی مہمان کو ڈھونڈنے نکلے جو ساتھ بیٹھ کر کھانا کھائے۔ ایک اجنبی آدمی ملا۔ آپ علیہ السلام اسے اپنے ساتھ گھر لے آئے اور اپنے ساتھ کھانے میں شریک کر لیا۔ جب وہ اجنبی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ کھانے کے لیے بیٹھا تو آپ علیہ السلام نے اس کو فرمایا: بسم اللہ پڑھ کر کھانا شروع کرو۔ اس اجنبی نے جواب دیا کہ میں نہیں جانتا کہ اللہ کون ہے؟ اس بات پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کو دسترخوان سے اٹھا دیا۔ جب وہ شخص چلا گیا تو حضرت جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کیا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اس اجنبی کو اس کے کفر کے باوجود ساری عمر رزق دیتا رہا ہوں اور تم اسے ایک وقت کا کھانا نہیں کھلا سکے۔ یہ سنتے ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام گھبرا کر اس کی تلاش میں نکلے اور اس کو واپس بلایا۔ اس نے کہا: میں اس وقت تک نہیں آؤں گا جب تک تم مجھے یہ نہ بتاؤ کہ اب مجھے واپس کیوں بلا رہے ہو؟ آپ علیہ السلام نے سارا واقعہ سنایا، تو اس اجنبی نے عرض کیا: یہ تو بڑا کریم رب ہے۔ پھر وہ ایمان لے آیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے گھر میں واپس آ گیا اور بسم اللہ پڑھ کر کھانا کھایا۔ (تفسیر قرطبی، ذیل سورۃ ہود، آیت: ۶۹)

(۶)۔ جب فرعون کے دربار میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شہید کرنے کی پوری تیاری کر لی گئی تو آپ علیہ السلام نے اس وقت ظالموں کے شر سے محفوظ رہنے کی دعا فرمائی۔ اللہ پاک کی رہنمائی و کارسازی کے بھروسے پر مدین کا رخ کیا۔ مدین کے ایک چشمے پر کچھ دیر کے لیے ٹھہرے تو دیکھا کہ کچھ چرواہے اپنے جانوروں کو پانی پلا رہے ہیں۔ لیکن دو لڑکیاں اپنے ریوڑ کو روکے ہوئے کھڑی ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اندر جذبہ فتوت ابھرا۔ آپ علیہ السلام نے ان سے پوچھا: تم کیوں اپنے ریوڑ کو روکے ہوئے کھڑی ہو؟ انہوں نے عرض کیا: ہمارے والد بوڑھے ہیں۔ ریوڑ کی گلہ بانی ہمیں کرنی پڑتی ہے۔ ہم اس بھیڑ میں اپنے جانوروں کو پانی نہیں پلا سکتیں۔ اس وجہ سے ہمیں انتظار کرنا پڑتا ہے کہ دیگر چرواہے اپنے اپنے جانوروں کو پانی پلا لیں۔ ان کی بات سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل میں ہمدردی پیدا ہوئی۔ آپ علیہ السلام اٹھے! کنویں سے پانی نکالا اور ان کے جانوروں کو پلایا۔ قرآن پاک نے اس واقعے کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ أُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ ۖ وَوَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدٰنِ ۚ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا ۖ قَالَتَا لَا نَسْقِيْ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَآءُ ٚ وَاَبُوْنَا شَيْخٌ

كَبِيرٌ ○ فَسَقٰى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰٓى اِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّيْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ.
(سورۃ القصص، آیت: ۲۳-۲۴)

(اور جب وہ (حضرت موسیٰ علیہ السلام) مدین کے کنویں پر پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ لوگ اپنے جانوروں کو پانی پلا رہے ہیں اور ان سے الگ ایک طرف دو عورتیں اپنے جانوروں کو روکے ہوئے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان عورتوں سے پوچھا: تمہارا کیا مسئلہ ہے؟ انہوں نے کہا ہم اپنے جانوروں کو پانی نہیں پلا سکتیں جب تک یہ چرواہے اپنے جانور نہ لے جائیں اور ہمارے والد بہت بوڑھے آدمی ہیں۔ یہ سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کے جانوروں کو پانی پلا دیا۔ پھر ایک سائے کی جگہ جا کر بیٹھ گئے اور دعا کی: اے میرے پروردگار! جو خیر بھی تو مجھ پر نازل کرے، میں اس کا محتاج ہوں)

(۷)۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جب مکہ مکرمہ کی طرف جاتے تو اپنے گدھے کو آسانی کے لیے ساتھ رکھتے تھے۔ جب اونٹ کی سواری سے اکتا جاتے تو گدھے پر سوار ہو جاتے اور اپنے سر پر عمامہ باندھتے تھے۔ ایک دن حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اپنے اسی گدھے پر سوار تھے۔ ان کے پاس سے ایک دیہاتی آدمی گزرا تو آپ رضی اللہ عنہ نے اس دیہاتی سے پوچھا کہ کیا تو فلاں بن فلاں کا بیٹا ہے؟ اس نے عرض کیا: کیوں نہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اس دیہاتی کو اپنا گدھا دے دیا اور کہا کہ اس پر سوار ہو جا اور اسے اپنا عمامہ دے کر کہا کہ اسے اپنے سر پر باندھ لو۔ آپ رضی اللہ عنہ کے بعض ساتھیوں نے کہا: اللہ تعالیٰ آپ رضی اللہ عنہ کی مغفرت فرمائے، آپ رضی اللہ عنہ نے اس دیہاتی آدمی کو گدھا عطا کر دیا، حالانکہ آپ رضی اللہ عنہ نے اسے اپنی سہولت کے لیے رکھا ہوا تھا۔ عمامہ بھی عطا کر دیا جسے آپ رضی اللہ عنہ اپنے سر پر باندھتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے تھے کہ نیکیوں میں سب سے بڑی نیکی آدمی کا اپنے باپ کی وفات کے بعد اس کے دوستوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا ہے۔ اس دیہاتی کا باپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دوست تھا۔ (صحیح مسلم، ج: ۳، رقم الحدیث: ۲۰۱۴)

(۸)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے سخت بھوک لگی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بیویوں کے پاس اس کا کھانا منگانے کے لیے ایک آدمی کو بھیجا۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے پاس پانی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کون ہے جو اس مہمان کو اپنے ساتھ لے

جائے اور اس کی میز بانی کرے۔ ایک انصاری صحابی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اس خدمت کے لیے میں حاضر ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ مہمان اس کے سپرد کر دیا۔ پس وہ اسے اپنے گھر لے گیا اور اپنی بیوی سے کہا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مہمان ہے۔ اس سے کوئی چیز چھپانی نہیں۔ بیوی نے عرض کیا کہ ہمارے ہاں تو بچوں کے لیے کھانے کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ انصاری صحابی رضی اللہ عنہ نے کہا تم کھانا تیار کرو۔ جب بچے کھانا مانگیں تو انہیں کسی طریقے سے سلا دینا۔ پھر جب مہمان کے سامنے کھانا رکھ دیا جائے تو چراغ کو ٹھیک کرنے کے بہانے بجھا دینا۔ نیک بخت بیوی نے ایسے ہی کیا۔ کھانا تیار کیا۔ بچوں کو سلا کر چراغ کو بہانے سے بجھا دیا۔ اندھیرے میں مہمان کھانا کھاتا رہا اور یہ سمجھتا رہا کہ میز بان بھی ان کے ساتھ کھانا کھا رہے ہیں، حالانکہ میز بان نے بھوکے رہ کر رات گذار دی۔ جب اگلی صبح وہ صحابی رضی اللہ عنہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ رات تمہارے کام سے بڑا خوش ہوا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۭ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ. (سورۃ الحشر، آیت:۹)

(اور وہ دوسروں کو اپنی جانوں پر ترجیح دیتے ہیں اگر چہ خود ضرورت مند ہوں اور جو اپنے نفس کے لالچ سے بچایا جائے پس وہی لوگ کامیاب ہیں)

(دیکھیے صحیح بخاری، ج:۲، رقم الحدیث:۱۰۳۴، صحیح بخاری، ج:۲، رقم الحدیث:۲۰۹۹)

(۹)۔ حضرت ابودردا رضی اللہ عنہ کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ ایک نوجوان آپ رضی اللہ عنہ کی مجلس میں آپ رضی اللہ عنہ کے بہت قریب ہو گیا۔ حتیٰ کہ وہ اس مجلس پر چھا گیا۔ حضرت ابودردا رضی اللہ عنہ بھی دین کی خاطر اس سے محبت کرنے لگے۔ آپ رضی اللہ عنہ اسے بڑوں سے مقدم اور قریب رکھتے۔ کچھ لوگوں کو اس نوجوان سے حسد پیدا ہو گیا۔ پھر وہ جوان کوئی گناہ کر بیٹھا۔ لوگ اسے پکڑ کر حضرت ابودردا رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لائے اور سارا ماجرا سنا کر عرض کیا: آپ رضی اللہ عنہ اسے اپنے سے دور کر دیں۔ حضرت ابودردا رضی اللہ عنہ نے فرمایا: سبحان اللہ! ہم ایک چیز کی وجہ سے اپنے دوست کو نہیں چھوڑ سکتے۔ (قوت القلوب، ج:۲، ص:۷۵۳-۷۵۴)

(۱۰)۔ حضرت عبداللہ بن سنانؒ فرماتے ہیں کہ میں ایک جہاد میں حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے ساتھ تھا۔ اچانک دشمن کے ساتھ لڑائی شروع ہوگئی۔ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ بھی لشکر میں نکل کھڑے ہوئے۔ جب مسلمانوں اور دشمنوں کی صفیں آمنے سامنے آگئیں تو رومیوں کی طرف سے ایک شخص نے نکل کر مقابلے کی دعوت دی۔ ایک مسلمان آگے بڑھا مگر رومی نے اسے شہید کر دیا اور پھر مقابلے کی دعوت دی۔ اسی طرح سے اس نے باری باری چھ مسلمان شہید کر دیے۔ وہ رومی دونوں لشکروں کے درمیان اکڑ کر چل رہا تھا اور بار بار مقابلے کی دعوت دے رہا تھا مگر کوئی اس کے مقابلے میں نہیں نکل رہا تھا۔

یہ دیکھ کر حضرت عبداللہ بن مبارکؒ میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمانے لگے اگر میں شہید ہو گیا تو تم فلاں فلاں کام کر لینا۔ پھر آپؒ نے اس رومی سے مقابلہ کیا اور اس کو قتل کر دیا۔ رومیوں پر اس قتل کا اس قدر خوف طاری ہوا کہ کسی نے حضرتؒ کے مقابلے کی ہمت نہ کی۔ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ جب دوبارہ مجھے ملے تو فرمانے لگے کہ میں نے یہ جہاد صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشی کے لیے کیا تھا۔ ریاکاری اور دکھلاوے کے لیے نہیں، تم یہ واقعہ کسی کو ہرگز نہ بتانا۔ عبداللہ بن سنانؒ کہتے ہیں کہ میں نے یہ واقعہ ان کی زندگی میں کسی کو نہیں سنایا۔

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کا اپنی جوانمردی پر فخر نہ کرنا اور اسے اللہ پاک کی توفیق سمجھنا، فتوت کی بہترین مثال ہے۔ (جنیدؒ و بایزیدؒ، ص:۵۲۱)

(۱۱)۔ فتوت یہ ہے کہ بھائیوں کی لغزشوں سے درگزر کیا جائے۔ ایک بزرگ کا واقعہ ہے کہ ان کا ایک خدمت گار ان کے لیے گرم گرم چائے لایا۔ جو اس خدمت گار کی کوتاہی کی وجہ سے بزرگ کے پاؤں پر گر گئی۔ اس بزرگ کا پاؤں جل گیا۔ کرب و غصے کے عالم میں انہوں نے اس خدمت گار کی طرف دیکھا۔ وہ سخت پریشان و پشیمان تھا۔ اس نے موقع کی نزاکت سے قرآن مجید کا سہارا لیا اور کہا: وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ (وہ غصہ پی جاتے ہیں)۔ بزرگ خاموش ہو گئے۔ چہرے سے کرب و غصے کی علامات ختم ہو گئیں۔ خدمت گار نے آیت مبارکہ کا اگلا جز پڑھا: وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ (وہ لوگوں کو معاف کر دیتے ہیں)۔ بزرگ نے فرمایا: جا! میں نے تمہیں معاف کر دیا۔ خادم نے آیت مبارکہ کا باقی حصہ تلاوت کیا: وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ (اللہ تعالیٰ احسان کرنے

والوں کو پسند کرنا ہے)۔ بزرگ نے فرمایا کہ جاؤ! میں نے تمہیں آزاد کیا۔ یہ ہے اسلامی اخلاق کہ پاؤں جلانے کے بدلے میں آزادی بخش دی جائے۔

(روح المعانی، ذیل سورۃ آل عمران، آیت: ۱۳۴)

حوالہ جات

۱۔ بال جبریل، ڈاکٹر محمد اقبالؒ۔ لاہور: اقبال آفاقی اردو کتب خانہ نیٹ ورک، ۲۰۰۳ء۔

۲۔ تفسیر قرطبی، امام ابوعبداللہ محمد بن احمد بن ابوبکر قرطبیؒ ترجمہ پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ۔ لاہور: ضیاء القرآن، ۲۰۱۲ء۔

۳۔ جنیدؒ و بایزیدؒ، حضرت عبداللطیف خان نقشبندیؒ۔ لاہور: نشان منزل پبلی کیشنز، ۲۰۱۳ء۔

۴۔ دیوان حافظ، شمس الدین محمد حافظؒ ترجمہ مولانا قاضی سجاد حسین۔ لاہور: پروگریسو بکس، ۲۰۱۰ء۔

۵۔ رسالہ القشیریہ فی علم التصوف، امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیریؒ ترجمہ شاہ محمد چشتی۔ لاہور: ادارہ پیغام القرآن، ۲۰۰۷ء۔

۶۔ رسالہ فتوتیہ یا فتوت نامہ: فکر و نظر، امیر سید علی ہمدانیؒ ترجمہ ڈاکٹر محمد ریاض۔ اسلام آباد: ادارہ تحقیقات اسلامی، ۱۹۷۱ء۔

۷۔ روح تصوف، سید خورشید گیلانی۔ لاہور: فرید بک سٹال، ۱۹۸۱ء۔

۸۔ سنن ابی داؤد، امام ابی داؤد سلیمان بن الاشعت سجستانیؒ ترجمہ ڈاکٹر عبدالرحمٰن بن عبدالجبار الفریوائی۔ نئی دہلی: مجلس علمی دارالدعوۃ، ۲۰۰۱ء۔

۹۔ سیرۃ حلبیہ، علامہ علی بن برہان الدین حلبیؒ ترجمہ مولانا محمد اسلم قاسمی۔ کراچی: دارالاشاعت، ۲۰۰۹ء۔

۱۰۔ صحیح بخاری، امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاریؒ ترجمہ حضرت مولانا محمد داؤد راز۔ دہلی: مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند، ۲۰۰۴ء۔

۱۱۔ صحیح مسلم، امام ابوالحسین مسلم بن الحجاج نیشاپوریؒ ترجمہ علامہ وحید الزمان۔ دہلی: مرکزی جمعیت

اہل حدیث ہند، ۲۰۰۴ء۔

۱۲۔ طبقات صوفیہ، ابی عبدالرحمٰن محمد بن حسین سلمیؒ ترجمہ شاہ محمد چشتی۔ لاہور: ادارہ پیغام القرآن، ۲۰۱۱ء۔

۱۳۔ فتوت یا جوانمردی: مسلمانوں کا ایک اجتماعی و رفاعی نظام: فکر و نظر، ج:۷، شمارہ: ۱۰، ڈاکٹر محمد ریاضؒ۔ اسلام آباد: ادارہ تحقیقات اسلامی، ۲۰۱۶ء۔

۱۴۔ فتوحات مکیہ، شیخ الاکبر محی الدین محمد بن علی بن محمد ابن عربیؒ۔ راولپنڈی: تصوف فاؤنڈیشن، ۲۰۱۵ء۔

۱۵۔ قوت القلوب، شیخ ابو طالب محمد بن عطیہ حارثی مکیؒ ترجمہ محمد منظور الوجیدی۔ لاہور: شیخ غلام اینڈ سنز، ۱۹۹۹ء۔

۱۶۔ کنز العمال، علامہ علاء الدین علی متقی بن حسام الدینؒ ترجمہ مولانا مفتی احسان اللہ شائق۔ کراچی: دارالاشاعت، ۲۰۰۹ء۔

۱۷۔ مسند امام احمد بن حنبل، امام احمد بن حنبلؒ ترجمہ مولانا محمد ظفر اقبال۔ لاہور: مکتبہ رحمانیہ، ۲۰۰۴ء۔

۱۸۔ مشکوٰۃ المصابیح، شیخ ولی الدین خطیب التبریزیؒ ترجمہ مولانا محمد صادق خلیلؒ۔ لاہور: مکتبہ محمدیہ، ۲۰۰۵ء۔

۱۹۔ معدن المعانی، شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیریؒ ترجمہ شاہ قسیم الدین احمد شرفی البلخی۔ پٹنہ: مکتبہ شرف، ۲۰۱۱ء۔

۲۰۔ نظام فتوت کے چند منابع: فکر و نظر، ج:۱۶، شمارہ: ۴، ڈاکٹر محمد ریاضؒ۔ اسلام آباد: ادارہ تحقیقات اسلامی، ۲۰۱۶ء۔

۲۱۔ http//:www.hadithurdu.com/

۲۲۔ https//:easyquranwahadees.com/

۳۰

فنا و بقا

ا۔ فنا و بقا کا مفہوم

(۱)۔ فنا کے لغوی معانی فانی، ناپائیدار اور نیستی کے ہیں۔ اس کے مقابلے میں بقا کا لفظ ہے جس کا لغوی معنی باقی رہنا ہے۔ فنا و بقا صوفیا کے احوال میں سے ہے۔ جس میں سالک پر ایسی کیفیت طاری ہوتی ہے جس کے زیر اثر اس کی اپنی ذات کا کوئی تقاضا باقی نہیں رہتا وہ اللہ پاک کی رضا میں محو ہو جاتا ہے۔ اس کا ہر عمل اللہ پاک کی رضا کے تابع ہو جاتا ہے۔ عارفین ہر وقت اللہ تعالیٰ کے دھیان میں ڈوب کر اپنی اور تمام عالم کی نیستی (ناپائیداری) اور اللہ تعالیٰ کی ہستی معلوم کرتے رہتے ہیں۔

(۲)۔ فنا کا درجہ توحید کے اعلیٰ مرتبہ پر حاصل ہوتا ہے اور توحید کامل ہی اس درجہ پر ہوتی ہے۔ جو انسان اس درجہ پر پہنچتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں کچھ ایسا کھو جاتا ہے کہ اس کا اپنا وجود بالکل نیست و نابود ہو جاتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے عشق اور محبت میں ایک نئی زندگی حاصل کرتا ہے۔

(۳)۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک آدمی کسی دبدبہ والے شخص کے پاس جاتا ہے تو خوف کے مارے وہ اپنے آپ اور مخلوق سے غافل ہو جاتا ہے اور بعض اوقات وہ اس رعب و دبدبہ والے انسان سے بھی غافل ہو جاتا ہے حتیٰ کہ اس مجلس سے چلے آنے کے بعد اہل مجلس کے بارے میں اور خود اس کی ذات کے متعلق پوچھا جائے تو وہ کسی چیز کے بارے میں بتانے سے عاجز دکھائی دیتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ اَرْسَلَتْ اِلَيْهِنَّ وَاَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَاً وَّاٰتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّيْنًا وَّقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ ۚ فَلَمَّا رَاَيْنَهٗۤ اَكْبَرْنَهٗ وَقَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ ۫ وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ؕ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ. (سورۃ یوسف، آیت: ۳۱)

(پھر جب (عزیز مصر کی بیوی نے) ان کی ملامت سنی تو انھیں بلا بھیجا اور ان کے واسطے ایک مجلس تیار کی اور ان میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں ایک چھری دی اور (حضرت یوسف علیہ السلام سے) کہا کہ ان کے سامنے نکل آؤ پھر جب انہوں نے انہیں دیکھا تو حیران رہ گئیں اور اپنے ہاتھ کاٹ لیے اور کہا اللہ

پاک ہے یہ انسان تونہیں ہے یہ تو کوئی بزرگ فرشتہ ہے)

حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھتے ہی بیخودی میں انہیں اپنی انگلیاں کاٹنے پر تکلیف محسوس نہ ہوئی، حالانکہ طبعی طور پر زندہ جسم کو کاٹنے پر تکلیف ہوتی ہے۔ وہ بول اٹھیں کہ یہ بشر (انسان) نہیں ہیں حالانکہ وہ تو بشر تھے اور پھر کہنے لگیں یہ تو فرشتہ ہیں حالانکہ وہ فرشتہ نہ تھے۔

(۴)۔ یہ غفلت تو ایسی ہے جو ایک مخلوق کو مخلوق سے تعلق کی بناء پر پیدا ہو گئی تھی اور جب سالک کو حق تعالیٰ کا مشاہدہ ہو اور وہ اس مشاہدے میں گم ہو کر اپنی ذات اور مخلوق خدا کے احساس سے غافل ہو جائے تو اس میں تعجب نہیں ہونا چاہیے۔ جب سالک پر فنا طاری ہو جاتی ہے تو وہ ترقی کرتے ہوئے ایسے درجے پر پہنچ جاتا ہے جہاں اپنی فنا تک کو دیکھنے سے عاجز ہوتا ہے۔

(۵)۔ مسلم صوفیائے کرامؒ کے تصور فنا و بقا کے مطابق نہ تو سالک اللہ پاک کی ذات میں ضم ہوتا ہے اور نہ اللہ پاک سالک میں حلول کرتا ہے بلکہ سالک کی مرضی اللہ پاک کی مرضی میں فنا ہو جاتی ہے، یہ مقام فنا ہے اور صرف اللہ پاک کی ہی مرضی باقی رہتی ہے جو مقام بقا ہے۔ دراصل صوفیا کا یہ تصور فنا و بقا قرآن پاک کی آیت کے مطابق ہے:

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۠ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى.

(سورۃ الانفال، آیت: ۱۷)

(سوتم نے انہیں قتل نہیں کیا بلکہ اللہ پاک نے انہیں قتل کیا اور (اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جب تو نے ان پر سنگریزے پھینکے تھے تو درحقیقت تو نے نہیں پھینکے تھے بلکہ اللہ پاک نے پھینکے تھے)

(۶)۔ مختصر طور پر ہم فنا و بقا کے بارے میں کہہ سکتے ہیں کہ جو سالک فنا و بقا پر پہنچ جاتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی حضوری میں زندگی گزارتے ہیں۔ ان کی اپنی مرضی ختم ہو جاتی ہے۔ ان کی مرضی اللہ پاک کی مرضی میں فنا ہو جاتی ہے جس سے وہ بقا حاصل کر لیتے ہیں۔ اس نظریے کے زیر اثر سالک کے دل میں یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ جب میری کوئی مرضی ہی باقی نہیں رہی تو احکام شریعت بھی مجھ سے ساقط ہو گئے۔ میں اوامر و نواہی (احکام اور منع کردہ چیزیں) سے بالاتر ہو گیا۔ یہ احکام تو دنیا والوں کے لیے ہیں نہ کہ میرے لیے۔ کہتے ہیں حضرت جنید بغدادیؒ کے دور میں جاہلوں کے ہاں یہ غلط خیال پیدا ہو گیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ جو سالک احکام شریعت سے روگردانی کرے وہ

سخت گناہ گار ہے۔تصوف تو سراسر اتباع شریعت کا نام ہے۔ جب سالک فنا سے بقا کی منزل پر پہنچتا ہے تو وہ حالت سکر (بے ہوشی) سے حالت صحو (ہوش) میں لوٹ آتا ہے۔ اسے ایک نئی شخصیت حاصل ہو جاتی ہے۔ وہ دنیا داری سے دور رہ کر احکام حق کے مطابق انسانوں کی بھلائی کے کام کرتا ہے۔ یوں وہ دنیا والوں کے سامنے ایک سچے مومن کی زندگی کا نمونہ پیش کرتا ہے۔

۲۔ فناو بقا قرآن مجید کی روشنی میں

اللہ پاک نے اپنی پاک کتاب میں کئی جگہ پر فنا و بقا کا ذکر فرمایا ہے جن میں سے کچھ آیات حسب ذیل ہیں:

(۱)۔ فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۖ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ۗ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ. (سورۃ الانفال، آیت: ۱۷)

(سو تم نے انہیں قتل نہیں کیا بلکہ اللہ پاک نے انہیں قتل کیا اور (اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) جب تو نے ان پر سنگریزے پھینکے تھے تو درحقیقت تو نے نہیں پھینکے تھے بلکہ اللہ پاک نے پھینکے تھے تاکہ ایمان والوں پر اپنی طرف سے خوب احسان کرے۔ بیشک اللہ تعالیٰ سننے والا، جاننے والا ہے)

غزوہ بدر کے موقعہ پر حضرت جبریل علیہ السلام نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے عرض کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مٹی کی ایک مٹھی بھر کر دشمنوں کی طرف پھینک دیجیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایسا ہی کیا۔ وہ مٹی مشرکین میں سے ہر شخص کی آنکھوں میں، ناک کے نتھنوں اور منہ میں پہنچ گئی جس کی وجہ سے وہ لوگ پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے اور مسلمانوں کو فتح حاصل ہو گئی۔

اسی طرح غزوہ احد کے دن ابی بن خلف، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف بڑھا۔ لوگوں نے اس کا راستہ چھوڑ دیا۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ اس کے مقابلہ پر آ گئے۔ ابی بن خلف کی زرہ اور خود (سر کو تلوار کے وار سے بچانے کے لیے لوہے کی ٹوپی) کے درمیان ایک شگاف تھا جس سے اس کی ہنسلی کی ہڈی نظر آ رہی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس شگاف میں چھوٹا نیزہ (برچھی) مارا۔ ابی بن خلف فوراً گھوڑے سے گر پڑا۔ اس کی ایک پسلی ٹوٹ گئی مگر زخم سے خون نہیں نکلا۔ یعنی ایسا زخم نہیں لگا کہ خون نکلتا بلکہ کچھ خراش لگ گئی۔ اس خراش کے درد سے ابی بن خلف بیل کی طرح

چلانے لگا۔اس کے ساتھیوں نے کہا: تو کیسا ڈھیلا آدمی ہے۔کوئی زخم نہیں پھر کیوں چلاتا ہے، صرف ایک خراش ہی تو لگی ہے۔ابی بن خلف نے کہا: رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے تو یہ کہا تھا کہ میں ابی بن خلف کو قتل کیے دیتا ہوں۔قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر یہ زخم تمام ذی المجاز (ذی المجاز ایک میلہ کا نام ہے جہاں عکاظ کے میلہ کے بعد عرب جمع ہوتے تھے) والوں کو لگتا تو سب مرجاتے۔غرض مکہ پہنچنے سے پہلے ابی بن خلف مرگیا۔

(تفسیر مظہری، ذیل سورۃ الانفال، آیت: ۱۷)

اللہ پاک نے ان دونوں واقعات (قتل کرنے اور مٹی پھینکنے) کی نسبت اپنی طرف فرمائی ہے حالانکہ یہ حضور نبی کریم ﷺ کے دست مبارک سے وقوع پذیر ہوئے تھے۔ دراصل آپ ﷺ اپنی خواہشات وآرزوؤں کو اللہ پاک کی رضا میں فنا کر چکے تھے۔صرف اللہ پاک کی رضا ہی باقی تھی۔گویا آپ ﷺ فنا و بقا کے سب سے ارفع واعلیٰ درجے پر فائز تھے۔اس لیے آپ ﷺ سے وہی فعل سرزد ہوتا تھا جو عین رضا الٰہی ہوتا تھا۔اس لیے اللہ پاک نے آپ ﷺ کے افعال کی نسبت اپنی طرف فرمائی۔سالکین کی اسی حالت کے بارے میں علامہ محمد اقبالؒ فرماتے ہیں:

ہاتھ ہے اللہ کا بندہ مومن کا ہاتھ
غالب و کار آفریں، کارکشا، کارساز
خاکی و نوری نہاد بندہ مولا صفات
ہر دو جہاں سے غنی اس کا دل بے نیاز
(بال جبریل: مسجد قرطبہ)

(۲)۔ اِنَّ الَّذِیۡنَ یُبَایِعُوۡنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوۡنَ اللّٰہَ ؕ یَدُ اللّٰہِ فَوۡقَ اَیۡدِیۡہِمۡ ۚ (سورۃ الفتح، آیت: ۱۰)
(بیشک جو لوگ آپ ﷺ سے بیعت کررہے ہیں وہ اللہ پاک ہی سے بیعت کررہے ہیں ان کے ہاتھوں پر اللہ پاک کا ہاتھ ہے)

امر واقعہ یہ ہے کہ ذی القعدہ ۶ ہجری میں حضور نبی کریم ﷺ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ عمرہ کے لیے مکہ روانہ ہوئے۔جب آپ ﷺ حدیبیہ کے قریب پہنچے تو

معلوم ہوا کہ کفار مکہ نے مسلمانوں کو عمرہ کے لیے مکہ میں داخل ہونے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا ہے۔ آپ ﷺ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو اپنا خصوصی نمائندہ بنا کر قریش مکہ کے پاس روانہ کیا تا کہ وہ ان کو سمجھائیں کہ مسلمانوں کی آمد کا مقصد جنگ نہیں ہے بلکہ صرف عمرہ کرنا ہے۔ کفار مکہ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے کہا: تم مکہ میں آ گئے ہو تو عمرہ کر سکتے ہو مگر ہم حضور نبی کریم ﷺ کو مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ جب تک رسول اللہ ﷺ تشریف لا کر طواف نہیں کریں گے، میں ہرگز طواف نہیں کروں گا۔ اہل مکہ کو چاہیے کہ مسلمانوں کو عمرہ کے لیے مکہ میں داخل ہونے دیں۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو مکہ میں کچھ دیر ہو گئی جس سے یہ افواہ پھیل گئی کہ آپ رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا ہے۔ تب حضور نبی پاک ﷺ نے میدان حدیبیہ میں ایک درخت کے نیچے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بیعت لی کہ ہم حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے خون کا بدلہ لیے بغیر واپس نہیں جائیں گے، خواہ اس کے لیے جان ہی دینی پڑے۔ ہر صحابی رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر بیعت کی۔ اللہ تعالیٰ کو یہ بیعت رضوان اس قدر پسند آئی کہ یہ اس کے بارے میں وحی نازل فرمائی اور ارشاد فرمایا: اے پیارے رسول ﷺ! جن لوگوں نے آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی ہے انہوں نے حقیقت میں اللہ پاک کے ہاتھ پر بیعت کی ہے۔ ان کے ہاتھوں پر جو آپ ﷺ کا ہاتھ تھا، وہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کا ہاتھ تھا۔ (دیکھیے مشکوٰۃ المصابیح، ج:۵، رقم الحدیث: ۶۸۲)

حضور نبی کریم ﷺ اپنی ذات وصفات سے فنا ہو کر بقا باللہ کے مقام پر فائز ہو چکے تھے اس لیے آپ ﷺ کے فعل کی نسبت اللہ پاک نے اپنی طرف فرمائی ہے۔ دوسرے الفاظ میں جو فعل آپ ﷺ سے صادر ہوتا تھا درحقیقت وہ اللہ پاک سے صادر ہوتا تھا۔ جو لوگ آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کر رہے تھے وہ درحقیقت اللہ پاک کے ہاتھ پر بیعت کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر تھا۔ یہ نسبت ہے جو فنا و بقا کے درجہ پر حاصل ہوتی ہے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ اللہ پاک اس طرح کے ظاہری ہاتھوں (وغیرہ) سے پاک اور وراء الورا ہے۔

حضور نبی کریم ﷺ کی پوری زندگی اللہ پاک کے احکامات کے تابع تھی۔ آپ ﷺ کے ہاتھ نے چونکہ پوری زندگی میں کبھی بھی احکام الٰہی کی مخالفت نہیں کی تھی، اس لیے یہ ہاتھ مبارک

اس قابل تھا کہ اس کی نسبت اللہ پاک خود اپنی طرف فرمائے۔

(۳)۔ مَنۡ یُّطِعِ الرَّسُوۡلَ فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰہَ. (سورۃ النساء، آیت:۸۰)

(جس نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کی، اس نے اللہ پاک کی اطاعت کی)

نبوت کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایک آدمی کو اس منصب کے لیے چن لیتا ہے۔ اس کی ہر بات اللہ پاک کی طرف سے ہوتی ہے۔ اس کا دل و دماغ انوار و تجلیات سے معمور ہوتا ہے۔ اس کی ہر حرکت اللہ پاک کی رضا کی ترجمان ہوتی ہے۔ گویا نبی علیہ السلام اپنی ذات سے فنا ہو کر ذات حق کے ساتھ باقی ہوتا ہے۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم دینا، اللہ پاک کا حکم دینا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منع کرنا، اللہ تعالیٰ کا منع کرنا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وعدہ، اللہ کریم کا وعدہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فرماں برداری، اللہ پاک کی فرماں برداری ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضا، اللہ پاک کی رضا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غضب، اللہ پاک کا غضب ہے۔

(۴)۔ کُلُّ شَیۡءٍ ہَالِکٌ اِلَّا وَجۡہَہٗ. (سورۃ القصص، آیت:۸۸)

(اس کی ذات پاک کے سوا ہر چیز فنا ہو جانے والی ہے)

اس آیت مبارکہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اس دنیا کی ہر چیز فانی ہے۔ صرف اور صرف اللہ پاک کی ذات بابرکات باقی رہنے والی ہے۔ اس لیے سالکین حق کو چاہیے کہ وہ اس فانی دنیا سے دل لگانے کی بجائے، اللہ پاک کی فرماں برداری کریں۔ اپنی رضا و خواہشات نفسانی کو اللہ پاک کی رضا میں فنا کر دیں۔ یہی مطلوب و مقصود ہے۔

(۵)۔ وَاللّٰہُ خَیۡرٌ وَّ اَبۡقٰی. (سورۃ طٰہٰ، آیت:۷۳)

(اور اللہ تعالیٰ بہتر اور سدا باقی رہنے والا ہے)

اس آیت پاک میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ اللہ پاک ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔ باقی ساری دنیا فانی ہے۔ پس ہمیں اس فانی دنیا کی معرفت کو اللہ پاک کی معرفت میں فنا کر دینا چاہیے۔

(۶)۔ فَلَمَّا سَمِعَتۡ بِمَکۡرِہِنَّ اَرۡسَلَتۡ اِلَیۡہِنَّ وَاَعۡتَدَتۡ لَہُنَّ مُتَّکَاً وَّاٰتَتۡ کُلَّ وَاحِدَۃٍ مِّنۡہُنَّ سِکِّیۡنًا وَّقَالَتِ اخۡرُجۡ عَلَیۡہِنَّ ۚ فَلَمَّا رَاَیۡنَہٗۤ اَکۡبَرۡنَہٗ وَقَطَّعۡنَ اَیۡدِیَہُنَّ ۫ وَقُلۡنَ حَاشَ

لِلّٰہِ مَا هٰذَا بَشَرًا ۭ اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ. (سورۃ یوسف، آیت:۳۱)
(پھر جب عزیز کی بیوی نے ان کی ملامت سنی تو انھیں بھلا بھیجا اور ان کے واسطے ایک مجلس تیار کی اور ان میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں ایک چھری دی اور کہا ان کے سامنے نکل آ، پھر جب انہوں نے اسے دیکھا تو حیرت میں رہ گئیں اور اپنے ہاتھ کاٹ لیے اور کہا اللہ پاک ہے، یہ انسان تو نہیں ہے یہ تو کوئی بزرگ فرشتہ ہے)

اکثر اوقات یہ دیکھا جاتا ہے کہ کسی بارعب چیز کا خوف یا محبت انسان کو اس کے ماحول سے بے خبر کر دیتی ہے۔ انسان پر یہ حال طاری ہو جاتا ہے کہ وہ اپنی ذات تک سے فنا ہو کر اسی دوسری ذات کی محبت و معرفت میں گم ہو جاتا ہے۔ اس حال میں اسے اپنی تکالیف وضروریات تک بھول جاتی ہیں۔ اس آیت مبارکہ میں اسی چیز کو بیان کیا گیا ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام عزیز مصر کی بیوی کی سجائی گئی مجلس میں موجود عورتوں کے سامنے سے گزرے تو وہ عورتیں اپنے حال سے فنا ہو کر حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن ومحبت میں گم ہو گئیں۔ اسی حال میں انہوں نے اپنی انگلیوں کو کاٹ لیا اور انہیں درد بھی محسوس نہ ہوا۔ اس غفلت میں انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو فرشتہ سمجھا۔

اس آیت پاک سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ جب مخلوق کی محبت میں فنائیت کا یہ عالم ہے تو معرفت خداندی میں گم ہو جانے والوں کا کیا حال ہو گا۔ پس ایسے سالکین حق کے مرتبے و مقام کو اللہ پاک ہی بہتر جانتے ہیں۔

(۷)۔ اللہ پاک نے قرآن پاک کی بہت سی آیات مبارکہ میں اس دنیا کے فانی ہونے اور اپنی ذات کے باقی رہنے کو بیان فرمایا ہے تاکہ انسان اپنی خواہشات اور مرضی کو ہمیشہ باقی رہنے والی اللہ پاک کی رضا میں فنا کر دے۔ ان آیات مبارکہ میں سے کچھ حسب ذیل ہیں:

(i)۔ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ.
(سورۃ الرحمٰن، آیت:۲۶-۲۷)
(زمین پر جو ہیں سب فنا ہونے والے ہیں۔ صرف تیرے رب کی ذات جو عظمت اور عزت والی ہے باقی رہ جائے گی)

(ii)۔ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى. (سورة اعلیٰ، آیت:۱۷)

(اور آخرت بہت بہتر اور بہت بقا والی ہے)

(iii)۔ مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ. (سورة النحل، آیت:۹۶)

(تمہارے پاس جو کچھ ہے سب فانی ہے اور اللہ تعالیٰ کے پاس جو کچھ ہے باقی رہنے والا ہے)

۲۔ فنا و بقا احادیث مبارکہ کی روشنی میں

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے شمار احادیث مبارکہ میں فنا و بقا کا مفہوم ملتا ہے جن میں سے کچھ احادیث حسب ذیل ہیں:

(۱)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللّٰهَ قَالَ: "مَنْ عَادٰى لِي وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالْحَرْبِ، وَمَا تَقَرَّبَ إِلَيَّ عَبْدِي بِشَيْءٍ أَحَبَّ إِلَيَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَيْهِ، وَمَا يَزَالُ عَبْدِي يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰى أُحِبَّهُ، فَإِذَا أَحْبَبْتُهُ كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ، وَبَصَرَهُ الَّذِي يُبْصِرُ بِهِ، وَيَدَهُ الَّتِي يَبْطِشُ بِهَا، وَرِجْلَهُ الَّتِي يَمْشِي بِهَا، وَإِنْ سَأَلَنِي لَأُعْطِيَنَّهُ، وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِي لَأُعِيذَنَّهُ".

(صحیح بخاری، ج:۳، رقم الحدیث:۱۴۴۹)

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ پاک فرماتا ہے کہ جس نے میرے ولی سے دشمنی کی، میں اس سے اعلان جنگ کرتا ہوں۔ میرا بندہ میری فرض کی ہوئی چیزوں اور نوافل کے ذریعہ میرا قرب حاصل کرتا ہے۔ یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔ جب میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو اس کا کان ہو جاتا ہوں، جس سے وہ سنتا ہے۔ اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں، جس سے وہ دیکھتا ہے۔ اس کا ہاتھ ہو جاتا ہوں، جس سے وہ پکڑتا ہے۔ اس کا پاؤں ہو جاتا ہوں، جس سے وہ چلتا ہے۔ اگر وہ مجھ سے کوئی چیز مانگتا ہے تو میں اسے دیتا ہوں۔ اگر وہ مجھ سے پناہ مانگے تو پناہ دیتا ہوں)

(۲)۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُونَ هَوَاهُ تَبَعًا لِّمَا جِئْتُ بِهٖ".

(مشکوٰۃ المصابیح، ج:۱، رقم الحدیث:۱۶۴)

(حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم

میں سے کوئی آدمی اس وقت تک پورا مومن نہیں ہوتا جب تک کہ اس کی خواہشات میرے لائے ہونے دین کے تابع نہیں ہوجاتیں)

اس حدیث مبارکہ میں انسان کے کامل مومن ہونے کی یہ شرط بتائی گئی ہے کہ وہ اپنی خواہشات کو اللہ پاک کے احکامات اور حضور نبی کریم ﷺ کے دین کے تابع کردے۔ اپنی رضا کو اللہ و رسول اللہ ﷺ کی رضا میں فنا کردے۔ اپنی خواہشات اور آرزوؤں کو اللہ پاک کی رضا میں فنا کردینے کا نتیجہ ہی بقا ہے۔

(۳)۔ عَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْه، قَالَ: أَخَذَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، بِبَعْضِ جَسَدِي، فَقَالَ: "يَا عَبْدَ اللّٰهِ، كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيبٌ، أَوْ كَأَنَّكَ عَابِرُ سَبِيلٍ، وَعُدَّ نَفْسَكَ مِنْ أَهْلِ الْقُبُورِ". (سنن ابن ماجہ، ج: ۳، رقم الحدیث: ۹۹۴)

(حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ایک دن میرے جسم کے ایک حصے کو پکڑ کر ارشاد فرمایا: تم دنیا میں اس طرح رہو گویا کہ تم مسافر ہو یا راہ گیر ہو اور خود کو قبر والوں میں شمار کرو)

(۴)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْه، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يَقُولُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ: يَا ابْنَ آدَمَ، مَرِضْتُ فَلَمْ تَعُدْنِي، قَالَ يَا رَبِّ: كَيْفَ أَعُودُكَ وَأَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِينَ؟ قَالَ: أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ عَبْدِي فُلَانًا مَرِضَ فَلَمْ تَعُدْهُ؟ أَمَا عَلِمْتَ أَنَّكَ لَوْ عُدْتَهُ لَوَجَدْتَنِي عِنْدَهُ؟ يَا ابْنَ آدَمَ، اسْتَطْعَمْتُكَ فَلَمْ تُطْعِمْنِي، قَالَ يَا رَبِّ: وَكَيْفَ أُطْعِمُكَ وَأَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِينَ؟ قَالَ: أَمَا عَلِمْتَ أَنَّهُ اسْتَطْعَمَكَ عَبْدِي فُلَانٌ؟ فَلَمْ تُطْعِمْهُ، أَمَا عَلِمْتَ أَنَّكَ لَوْ أَطْعَمْتَهُ لَوَجَدْتَ ذٰلِكَ عِنْدِي؟ يَا ابْنَ آدَمَ، اسْتَسْقَيْتُكَ فَلَمْ تَسْقِنِي، قَالَ يَا رَبِّ: كَيْفَ أَسْقِيكَ وَأَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِينَ؟ قَالَ: اسْتَسْقَاكَ عَبْدِي فُلَانٌ، فَلَمْ تَسْقِهِ، أَمَا إِنَّكَ لَوْ سَقَيْتَهُ وَجَدْتَ ذٰلِكَ عِنْدِي"؟ (صحیح مسلم، ج: ۳، رقم الحدیث: ۲۰۵۵)

(حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ پاک قیامت کے دن فرمائے گا: اے ابن آدم! میں بیمار ہوا اور تو نے میری عیادت نہیں کی۔ وہ عرض کرے گا: اے پروردگار! میں تیری عیادت کیسے کرتا حالانکہ تو تو رب العالمین ہے؟ اللہ پاک فرمائے گا: کیا تو

نہیں جانتا کہ میرا فلاں بندہ بیمار تھا اور تو نے اس کی عیادت نہیں کی؟ کیا تو نہیں جانتا کہ اگر تو اس کی عیادت کرتا تو مجھے اس کے پاس پاتا؟ اے ابن آدم! میں نے تجھ سے کھانا مانگا لیکن تو نے مجھے کھانا نہیں کھلایا۔ وہ عرض کرے گا: اے پروردگار! میں تجھے کیسے کھانا کھلاتا حالانکہ تو رب العالمین ہے؟ تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تو نہیں جانتا کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا مانگا تھا لیکن تو نے اس کو کھانا نہیں کھلایا تھا؟ کیا تو نہیں جانتا کہ اگر تو اس کو کھانا کھلاتا تو اسے میرے پاس پاتا؟ اے ابن آدم! میں نے تجھ سے پانی مانگا لیکن تو نے مجھے پانی نہیں پلایا؟ وہ عرض کرے گا: اے پروردگار! میں تجھے کیسے پانی پلاتا حالانکہ تو رب العالمین ہے؟ اللہ پاک فرمائے گا: میرے فلاں بندے نے تجھ سے پانی مانگا تھا لیکن تو نے اس کو پانی نہیں پلایا تھا، اگر تو اسے پانی پلاتا تو اسے میرے پاس پاتا)

اللہ سبحان وتعالیٰ کھانے، پینے اور بیمار ہونے سے پاک ہے۔ اس کی ہستی تمام انسانی ضروریات اور عیبوں سے بلند ہے۔ جب انسان اپنی خواہشات نفسانی سے فنا ہو کر اللہ پاک کی رضا میں باقی ہو جاتا ہے تو اللہ پاک اس کی ضروریات کی نسبت اپنی طرف فرما لیتا ہے جیسا کہ اس حدیث مبارکہ میں بیان کیا گیا ہے۔

(۵)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "مَنْ أَطَاعَنِي فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ، وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ".

(صحیح بخاری، ج:۳، رقم الحدیث:۲۰۵۰)

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ پاک کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی)

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات با برکات اللہ تعالیٰ کی رضا و رغبت میں فنا ہو چکی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام اعمال اور ارادے اللہ پاک کے احکامات اور رضا کے عین مطابق تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات میں اللہ پاک کی رضا کا عملی انداز میں ظہور ہوتا تھا۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فرماں برداری عین ذات الٰہی کی فرماں برداری اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی اللہ پاک کی نافرمانی ہے۔ یہی فنا و بقا کا تصور ہے۔

(۶)۔ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، يَقُولُ: "جَاءَتْ مَلَائِكَةٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ نَائِمٌ، فَقَالَ بَعْضُهُمْ: إِنَّهُ نَائِمٌ، وَقَالَ بَعْضُهُمْ: إِنَّ الْعَيْنَ نَائِمَةٌ وَالْقَلْبَ يَقْظَانُ، فَقَالُوا: إِنَّ لِصَاحِبِكُمْ هٰذَا مَثَلًا، فَاضْرِبُوا لَهُ مَثَلًا، فَقَالَ بَعْضُهُمْ: إِنَّهُ نَائِمٌ، وَقَالَ بَعْضُهُمْ: إِنَّ الْعَيْنَ نَائِمَةٌ وَالْقَلْبَ يَقْظَانُ، فَقَالُوا: مَثَلُهُ كَمَثَلِ رَجُلٍ بَنَى دَارًا وَجَعَلَ فِيهَا مَأْدُبَةً وَبَعَثَ دَاعِيًا، فَمَنْ أَجَابَ الدَّاعِيَ دَخَلَ الدَّارَ وَأَكَلَ مِنَ الْمَأْدُبَةِ، وَمَنْ لَمْ يُجِبِ الدَّاعِيَ لَمْ يَدْخُلِ الدَّارَ وَلَمْ يَأْكُلْ مِنَ الْمَأْدُبَةِ، فَقَالُوا: أَوِّلُوهَا لَهُ يَفْقَهْهَا، فَقَالَ بَعْضُهُمْ: إِنَّهُ نَائِمٌ، وَقَالَ بَعْضُهُمْ: إِنَّ الْعَيْنَ نَائِمَةٌ وَالْقَلْبَ يَقْظَانُ، فَقَالُوا: فَالدَّارُ الْجَنَّةُ، وَالدَّاعِي مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَمَنْ أَطَاعَ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ، وَمَنْ عَصٰى مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَدْ عَصَى اللّٰه. (صحیح بخاری، ج: ۳، رقم الحدیث: ۲۱۸۵)

(حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ فرشتے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سوئے ہوئے تھے۔ بعض (فرشتوں) نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سوئے ہوئے ہیں اور بعض (فرشتوں) نے کہا کہ آنکھ سوتی ہے اور دل جاگتا رہا ہے۔ انہوں نے ایک دوسرے سے کہا ان (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ایک مثال ہے وہ مثال تو بیان کرو؟ بعض (فرشتوں) نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سوئے ہوئے ہیں۔ بعض نے کہا کہ آنکھ سوتی ہے اور دل جاگتا ہے۔ پھر انہوں نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مثال اس شخص جیسی ہے جس نے ایک گھر بنایا اور وہاں کھانے کی دعوت کی اور بلانے والے کو بھیجا۔ جس نے بلانے والے کی دعوت قبول کر لی وہ گھر میں داخل ہو گیا اور دستر خوان سے کھایا اور جس نے بلانے والے کی دعوت قبول نہیں کی وہ گھر میں داخل نہیں ہوا اور دستر خوان سے کھانا نہیں کھایا۔ پھر ان (فرشتوں) نے کہا کہ اس بات کی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے تفسیر کر دو وہ سمجھ جائیں گے۔ بعض (فرشتوں) نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو سوئے ہوئے ہیں لیکن بعض (فرشتوں) نے کہا کہ آنکھیں سو رہی ہیں لیکن دل بیدار ہے۔ پھر انہوں نے کہا کہ وہ گھر جنت ہے اور دعوت پر بلانے والے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ جو ان کی فرماں برداری کرے گا، وہ اللہ کی فرماں برداری کرے گا اور جو ان کی نافرمانی کرے گا وہ اللہ کی نافرمانی کرے گا)

۴۔ فنا کی حالتیں

فنا کی تین حالتیں ہیں جوحسب ذیل ہیں:

(۱)۔ فنا کی پہلی حالت یہ ہے کہ سالک اپنی ذات وصفات سے فنا ہوکر اللہ تعالیٰ کی صفات کے ساتھ باقی رہے۔

(۲)۔ فنا کی دوسری حالت یہ ہے کہ سالک مشاہدہ حق کی وجہ سے اللہ پاک کی صفات سے فنا ہوجائے۔

(۳)۔ فنا کی تیسری حالت یہ ہے کہ سالک وجودحق میں کامل فنا کی وجہ سے مشاہدہ حق سے بھی فنا ہوجائے۔

۵۔ فنا وبقا کے درجات

فنا وبقا کے دو درجے ہیں جوحسب ذیل ہیں:

(۱)۔ فنا وبقا کا ابتدائی درجہ یہ ہے کہ سالک کی خواہشات، افعال اور اقوال عین اللہ پاک کے احکامات کے مطابق ہوجائیں۔ وہ صرف وہ کام سرانجام دے جو اللہ پاک چاہتا ہے۔ وہی بات کرے جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فنا وبقا کے اسی درجے کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے:

"لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِّمَا جِئْتُ بِهٖ".
(مشکوٰۃ المصابیح، ج:۱، رقم الحدیث: ۱۶۴)

(تم میں سے کوئی آدمی اس وقت تک پورا مومن نہیں ہوتا جب تک کہ اس کی خواہشات میرے لائے ہونے دین کے تابع نہیں ہوجاتیں)

(۲)۔ فنا وبقا کا انتہائی درجہ یہ ہے کہ سالک اللہ پاک کی بندگی ومحبت میں اس قدر محو ومستغرق ہوجاتا ہے کہ وہ اپنی ذات سے کامل طور پر فنا ہوکر اللہ پاک کی صفات کے ساتھ باقی رہتا ہے۔ اللہ پاک اس سے محبت کرنے لگتا ہے۔ اس کے اعمال کی نسبت اپنے ساتھ کرنے لگتا ہے۔ اسی بارے میں

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ

"إِنَّ اللَّهَ قَالَ: "مَنْ عَادَى لِي وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالْحَرْبِ، وَمَا تَقَرَّبَ إِلَيَّ عَبْدِي بِشَيْءٍ أَحَبَّ إِلَيَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَيْهِ، وَمَا يَزَالُ عَبْدِي يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتَّى أُحِبَّهُ، فَإِذَا أَحْبَبْتُهُ كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ، وَبَصَرَهُ الَّذِي يُبْصِرُ بِهِ، وَيَدَهُ الَّتِي يَبْطِشُ بِهَا، وَرِجْلَهُ الَّتِي يَمْشِي بِهَا". (صحیح بخاری، ج: ۳، رقم الحدیث: ۱۴۴۹)

(اللہ پاک فرماتا ہے کہ جس نے میرے ولی سے دشمنی کی، میں اس سے اعلان جنگ کرتا ہوں۔ وہ نوافل جن کے ذریعے میرا بندہ میرا قرب حاصل کرتا ہے وہ مجھے ان چیزوں سے زیادہ محبوب نہیں ہیں جو میں نے اس پر فرض کی ہیں۔ میرا بندہ نوافل کے ذریعہ میرا قرب حاصل کرتا ہے۔ یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔ جب میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو اس کے کان ہوجاتا ہوں، جس سے وہ سنتا ہے۔ اس کی آنکھ ہوجاتا ہوں، جس سے وہ دیکھتا ہے۔ اس کا ہاتھ ہوجاتا ہوں، جس سے وہ پکڑتا ہے۔ اس کا پاؤں ہوجاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے)

۶۔ فنا و بقا کی اقسام

فنا کی دو اقسام ہیں جو حسب ذیل ہیں:

(۱)۔ فنا کی پہلی قسم فنا واقعی ہے۔ فنا واقعی یہ ہے کہ سالک سے ظاہری گناہ چھوٹ جائیں۔ دل سے اللہ پاک سے سوا کی محبت، لالچ، کبر و عجب و ریاکاری وغیرہ نکل جائیں۔ اس کو حسی فنا یا جسمانی فنا بھی کہتے ہیں۔

(۲)۔ فنا کی دوسری قسم فنائے علمی ہے۔ علمی فنا یہ ہے کہ سالک کے دل سے غیر اللہ مرتبہ علم میں بھی نکل جائے۔ یعنی سالک کو غیر اللہ کے ساتھ تعلق علمی بھی نہ رہے بلکہ یاد الٰہی راسخ ہوجائے۔ ہر وقت اللہ پاک ہی دل میں بسا رہے غیر اللہ کی طرف توجہ ہی نہ ہو۔ اس کے مراتب سالک کی استعداد کے مطابق مختلف ہوتے ہیں کسی کو محض استغراق ہوجاتا ہے۔ کسی پر سکر غالب ہوجاتا ہے۔ کوئی مجذوب محض ہوجاتا ہے تو کوئی بعض احوال کی تکمیل کے لیے یا دوسروں کی رہنمائی کے لیے علم بالا شیا کی طرف لوٹایا جاتا ہے مگر ابتدا کے علم بالا شیا سے اس علم بالا شیا کی کمیت، کیفیت اور غایت

مختلف ہوتی ہے۔اس حالت کو بقا کہتے ہیں۔

فنا کی اس دوسری قسم کو فنائے علمی اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں جو چیز اس کے علم سے نکل گئی وہ واقعتاً فنا یا معدوم نہیں ہوتی۔مثلاً ہم کو زید کا خیال نہ آیا،تو حقیقت میں زید معدوم نہیں ہوا۔فنا کی اس دوسری قسم کا نام گمشدگی بھی ہے۔مطلق فنا عام ہے اور گمشدگی اس کی ایک قسم خاص ہے۔پھر بعض اوقات اس فنا کا بھی علم نہیں ہوتا۔جیسے سوتے میں اکثر اوقات یہ بھی خبر نہیں ہوتی کہ میں سوتا ہوں۔اس کو فناء الفنا کہتے ہیں اور بعض صوفیائے کرامؒ کے ہاں فناء الفنا،بقا ہی کو کہتے ہیں۔

۷۔ فنا کی منزلیں

فنا کی تین منزلیں ہیں جو حسب ذیل ہیں:

(۱)۔ خواہشات کو ترک کر دینا۔

(۲)۔ جسمانی لذتوں کو ترک کرنا بلکہ ان کی خواہش کو بھی چھوڑ دینا اور اس بات پر فخر بھی نہ کرنا۔

(۳)۔حضورِ حق حاصل ہونے کے شعور سے بھی بے خبر ہو جانا۔یہی بقا کا مقام ہے جو فنا کا پھل ہے۔

۸۔ فنا و بقا کے بارے میں صوفیائے کرامؒ کے اقوال

فنا و بقا کے بارے میں صالحین امت سے بہت خوبصوت اقوال منسوب ہیں ان میں سے کچھ حسب ذیل ہیں:

(۱)۔ حضرت امام محمد الکلاباذیؒ فرماتے ہیں صفات الٰہیہ کے بوجھ کی وجہ سے سالک کا صفات بشریہ سے فنا ہو جانا فنا کہلاتا ہے۔(کتاب التعرف،ص:۲۰۱)

(۲)۔ خواجہ عبداللہ انصاریؒ فرماتے ہیں کہ فنا سے مراد نیستی ہے اور وہ تین چیزوں کے تین چیزوں میں فنا ہونے سے عبارت ہے جو حسب ذیل ہیں:

(i)۔ تلاش کا یافت (انکشاف) میں فنا ہو جانا۔

(ii)۔ عرفان کا اس میں فنا ہونا جس کا عرفان ہو چکا ہے۔

(iii)۔ دیکھنے کا اس میں فنا ہونا، جسے دیکھ لیا ہے۔

فنا کے میدان سے بقا کا میدان نکلتا ہے۔ بقا کے مقام میں صرف اللہ پاک کی ذات بابرکات ہے۔(صد میدان، ص: ۲۰۳)

(۳)۔ حضرت ابوالقاسم فارسؒ فرماتے ہیں کہ فنا اس شخص کا حال ہے جو اپنی صفت کو نہ دیکھے بلکہ یوں دیکھے کہ غائب کنندہ نے اسے ڈھانپ دیا ہے۔(کتاب التعرف، ص: ۲۰۱)

(۴)۔ حضرت سید علی ہجویریؒ فرماتے ہیں: فنا و بقا یہ ہے کہ سالک اس زندگی اور اس دنیا کی عارضی اور فنا ہو جانے والی چیزوں کو زندگی کا مقصد بنانے کی بجائے اپنی توجہ اور ساری کوششیں آخرت کو بنانے میں اور پوری زندگی اللہ پاک کی فرمانبرداری میں صرف کردے جو کہ ہمیشہ رہنے والی ہے۔(کشف المحجوب، ص: ۲۶۷)

(۵)۔ حضرت شیخ احمد سرہندیؒ فرماتے ہیں کہ فنا سے مراد اللہ پاک کی ہستی کے معرفت کے غلبہ کی وجہ سے ماسوائے حق سبحانہ کو بھول جانا ہے۔(معارف لدنیہ)

(۶)۔ حضرت ابراہیم شیبانیؒ فرماتے ہیں کہ فنا و بقا سے مراد انسان کی ساری زندگی میں خالص توحید کا جاری و ساری ہونا اور بندگی میں درستی ہیں۔(کشف المحجوب، ص: ۲۶۶-۲۶۷)

(۷)۔ حضرت ابوالقاسم قشیریؒ فرماتے ہیں کہ سالک کا اپنے برے افعال اور حقیر احوال سے فنا ہونا یہ ہے کہ ان کاموں کو چھوڑ دے اور اپنے نفس اور مخلوق سے فنا ہونا یہ ہے کہ اپنے نفس اور دوسرے لوگوں کا احساس نہ رہے۔(رسالہ قشیریہ، ص: ۱۶۴-۱۶۵)

(۸)۔ حضرت ابوسعید ابوالخیرؒ فرماتے ہیں کہ جو نفس کے ساتھ زندہ ہے وہ موت سے مر جاتا ہے اور جو صدق و خلوص کے ساتھ زندہ ہے وہ مرتا نہیں بلکہ ایک گھر سے دوسرے گھر میں منتقل ہو جاتا ہے۔(تصوف اور تصورات صوفیہ، ص: ۳۸۸)

(۹)۔ حضرت ابوسعید خرازؒ فرماتے ہیں کہ فنا کے معنی محو ہوجانے کے ہیں اور بقا سے مراد حق کے ساتھ حاضر ہونے کے ہیں۔ (تصوف اور تصورات صوفیہ، ص:۳۹۰)

(۱۰)۔ حضرت ابوسعید خرازؒ فرماتے ہیں کہ

(i)۔ علم کے میدان میں فنا کا مفہوم یہ ہے کہ سالک یہ جان لے کہ یہ دنیا اور اس کے متعلق سب چیزیں عارضی اور فانی ہیں۔ بقا کا مطلب یہ ہے کہ سالک یہ جان لے کہ آخرت اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہی باقی اور ہمیشہ رہنے والا ہے۔

(ii)۔ عمل کے میدان میں فنا و بقا کا مطلب یہ ہے کہ سالک اپنے اندر سے جہل و غفلت اور خدا کی نافرمانی اور خواہشات نفس کی پیروی فنا کردے اور اللہ پاک کا علم و ذکر اور اس کی فرمانبرداری ہی اس کے ساتھ باقی رہ جائے۔ (کشف المحجوب، ص:۲۶۶)

(۱۱)۔ حضرت ابوسعید خرازؒ فرماتے ہیں کہ فانی کی یہ نشانی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اس کی تمام لذتیں خواہ دنیا کی ہوں یا آخرت کی، فنا ہوجائیں۔ اس کے بعد اللہ پاک کی قدرت میں سے کچھ امور اس پر ظاہر ہوتے ہیں جو اسے یہ دکھاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم کی خاطر اس کی وہ لذتیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہیں وہ بھی غائب ہوجاتی ہیں۔ اس کے بعد اللہ پاک کی طرف سے ایک اور کیفیت طاری ہوتی ہے تو اسے اس طرح دکھائی دیتا ہے کہ اپنے حظ (لذت) کے جاتے رہنے کا احساس بھی جاتا رہا ہے۔ صرف یہ باقی رہ جاتا ہے کہ وہ ان حقوق کو دیکھ سکے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر عائد ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ واحد و صمد اپنی یکتائی میں اکیلا رہ جاتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے اللہ پاک کے ساتھ ہوتے ہوئے غیر اللہ کی فنا ہوتی ہے نہ بقا۔

(کتاب التعرف، ص:۲۰۰)

(۱۲)۔ شیخ ابونصر سراج طوسیؒ فرماتے ہیں کہ تصوف میں فنا سے مراد سالک کی بشریت کی فنا نہیں کیونکہ انسان کی بشریت کبھی فنا نہیں ہوتی البتہ بشری اخلاق میں تبدیلی آجاتی ہے وہ یوں کہ علم کے ذریعہ سے جہالت اور ذکر کے ذریعہ سے غفلت فنا ہوجاتی ہے۔

(تصوف اور تصورات صوفیہ، ص:۳۸۹)

(۱۳)۔ مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ فرماتے ہیں: فنا اس بات سے عبارت ہے کہ باطن پر ذات حق کے غلبہ ظہور کے سبب ہمارے پاس اس کی ذات کے سوا کوئی شعور باقی نہ رہے اور فنا کے باقی نہ رہنے کا مطلب یہ ہے کہ اس عالم بے شعوری کا شعور تک بھی حاصل نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ فنا کا باقی نہ رہنا بھی اسی تصور فنا میں مضمر ہے کیونکہ اگر فنا فی الذات ہو جانے والے کو اپنے فنا ہو جانے کا ذرہ بھر بھی خیال رہے تو وہ مقام فنا پر فائز نہیں کیونکہ فنا کی صفت اور اس صفت کا حامل دونوں حق سبحانہ وتعالیٰ کی ذات سے الگ ہیں۔ لہٰذا فنا کا شعور بھی صفت شعور کے منافی ہے۔ (لوائح، ص: ۲۶)

(۱۴)۔ حضرت ابوایوب نہر جوریؒ فرماتے ہیں: فنا یہ ہے کہ سالک صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہو چکا ہے اور بقا یہ ہے کہ اللہ پاک کو احکام دیتا دیکھا کرے۔ (طبقات صوفیہ، ص: ۲۶۵)

۹۔ فنا و بقا کے واقعات

(۱)۔ روایات سے معلوم ہتا ہے کہ فنا و بقا انبیا علیہم السلام کو بھی حاصل ہوتا ہے جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے: حضرت داؤد علیہ السلام نے ایک جنگ میں جالوت کو قتل کیا۔ جس کا ذکر قرآن پاک میں اللہ پاک نے ان الفاظ میں کیا ہے:

وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ. (سورۃ البقرہ، آیت: ۲۵۱)

(اور حضرت داؤد علیہ السلام نے جالوت کو قتل کیا)

حضرت داؤد علیہ السلام کے اس فعل یعنی جالوت کو قتل کرنے کو آپ علیہ السلام کی طرف منسوب کیا ہے۔ اس کے برعکس حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب حالت فنا میں تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہر وہ فعل جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے ظہور میں آیا اللہ رب العزت نے اس کی نسبت اپنی طرف فرمائی۔ جس کا قرآن پاک میں ان الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے:

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۪ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى.

(سورۃ الانفال، آیت: ۱۷)

(سو تم نے انہیں قتل نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں قتل کیا اور (اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جب تو نے ان پر سنگریزے پھینکے تھے تو درحقیقت تو نے نہیں پھینکے تھے بلکہ اللہ پاک نے پھینکے تھے)

اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جو بندہ اپنی ذات کے ساتھ قائم تھا اور اپنی صفات پر قائم تھا اس کے فعل کے متعلق یہ فرمایا کہ یہ کام تو نے کیا لیکن جو بندہ اپنی صفات سے فانی تھا اور اپنے رب کے ساتھ قائم تھا اس کی کرامت کے متعلق یہ فرمایا کہ یہ کام جو تو نے کیا وہ ہم نے کیا ہے۔ایسی نسبت جو اللہ پاک کی طرف ہے وہ بہترین ہے۔(کشف المحجوب،ص:۲۴۸)

(۲)۔ ایک بار حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اس وقت فنا علمی کی حالت طاری تھی۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حق تعالیٰ کی معیت اور قرب کی تجلیات میں محو تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو نہ پہچان سکے اور دریافت فرمایا کہ تو کون ہے؟ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: یا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں عائشہ (رضی اللہ عنہا) ہوں۔حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر فرمایا: عائشہ (رضی اللہ عنہا) کون؟ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: یارسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں عائشہ (رضی اللہ عنہا) بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہوں۔ پھر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کون؟ حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) نے عرض کیا: ابوبکر رضی اللہ عنہ ابو قحافہ کے بیٹے۔حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا ابوقحافہ کون؟ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر دہشت اور خوف کا غلبہ ہوا اور چپکے سے واپس ہوگئیں۔ پھر جب حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس حالت فنائے علمی سے واپس بقائے علمی میں آئے تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے سارا ماجرا سنایا۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے عائشہ (رضی اللہ عنہا)! میرے اور میرے پروردگار کے درمیان ایک مخصوص وقت ہوتا ہے۔اس وقت مجھے ایسا قرب نصیب ہوتا ہے کہ اس مقام قرب میں نہ تو کسی نبی مرسل علیہ السلام کی رسائی ہو سکتی ہے اور نہ کسی مقرب فرشتہ علیہ السلام کی۔

(جنیدؒ و بایزیدؒ،ص:۲۹۷)

(۳)۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فنا و بقا کا بہترین نمونہ تھے۔آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی خودی کو بالکل مٹا دیا تھا۔آپ رضی اللہ عنہ بڑے مالدار تھے لیکن اللہ پاک کی راہ میں اپنا مال بے دریغ خرچ کیا۔حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو خرید کر آزاد کیا حالانکہ اس کے مالک نے بہت زیادہ قیمت طلب کی تھی۔اسی طرح بہت سے غلام آزاد کرائے۔آپ رضی اللہ عنہ کی حالت یہاں تک پہنچ گی کہ ایک روز حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ایک موٹا کرتا پہنا ہوا تھا جو کئی جگہ سے پھٹا ہوا تھا۔

آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے پھٹے ہوئے کرتے کو کانٹوں سے جوڑ رکھا تھا۔ اس وقت حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سلام بھیجا ہے اور ارشاد فرمایا ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے دریافت کرو کہ پہلے وہ حالت تھی، اب یہ حالت ہے، تمہیں ہم سے کوئی شکایت تو نہیں؟

جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو یہ پیغام سنایا تو آپ رضی اللہ عنہ سنتے ہی بے ہوش ہو گئے۔ جب ہوش میں آئے تو پھر دریافت کیا گیا تو آپ رضی اللہ عنہ پھر بے ہوش گئے۔ دوسری دفعہ ہوش میں آئے تو عرض کیا: یہ اللہ پاک کی مہربانی ہے کہ میرا حال دریافت فرمایا۔ ایک بندہ کو اپنے آقا سے کیا شکایت ہوسکتی ہے۔ یہ کہہ کر آپ رضی اللہ عنہ پھر بے ہوش ہو گئے۔

(تربیۃ العشاق، ص:۳۰۶-۳۰۸)

(۴)۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا شمار حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جلیل القدر صحابہ میں ہوتا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی ہستی کو اللہ پاک کے سامنے فنا کر دیا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے اس بات کا علم نہ تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب میں ایسے لوگ بھی ہیں جو دنیا کی خواہش کرتے ہیں حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوئی:

مِنۡكُمۡ مَّنۡ يُّرِيۡدُ الدُّنۡيَا وَمِنۡكُمۡ مَّنۡ يُّرِيۡدُ الۡاٰخِرَةَ. (سورۃ آل عمران، آیت:۱۵۲)
(تم میں سے کچھ دنیا کے طالب تھے اور کچھ آخرت کے طالب تھے)
حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ دنیا کی خواہشات کرنے سے فنا ہو چکے تھے۔

(کتاب التعرف، ص:۱۹۹)

(۵)۔ حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ اپنی آخرت کے ساتھ مشغولیت کے سبب دنیا سے فانی ہو چکے تھے اور اغیار سے فنا ہو کر جبار کے ساتھ مشغول تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اپنے نفس کو دنیا کی رغبت سے ہٹا لیا ہے اور اب یہ حالت ہے کہ اپنے رب کے عرش کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ رہا ہوں۔ (کتاب التعرف، ص:۱۹۹)

(۶)۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ کی

طرف (محبت بھری نظروں سے) دیکھا اور فرمایا: جس شخص کی خواہش ہو کہ اس انسان کو دیکھے جو زمین پر چلتا پھرتا ہے لیکن حقیقت میں وہ مردہ (فنا و بقا کے مقام پر فائز) ہے تو اس کو چاہیے کہ وہ اس انسان (طلحہ رضی اللہ عنہ) کو دیکھے۔ (مشکوٰۃ المصابیح، ج:۵، رقم الحدیث: ۵۴۷)

بعض حضرات نے لکھا ہے کہ اس حدیث میں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے تعلق سے جو کچھ فرمایا گیا اس میں درحقیقت اس اختیاری موت کی طرف اشارہ ہے جو اہل سلوک اور ارباب فنا کو حاصل ہوتی ہے۔ ذات باری تعالیٰ کی طرف جذب ہونے، ذکر الٰہی اور مشاہدہ ملکوت میں پوری طرح مستغرق ہونے کے سبب عالم شہادت سے غائب ہونا ہے جو دراصل (اختیاری موت) کا نتیجہ ہوتا ہے۔

(۷)۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سلوک کے بلند مرتبے پر فائز تھے۔ فنا و بقا کے غلبہ نے آپ رضی اللہ عنہ کی توجہ ان چیزوں سے ہٹا دی تھی جنہیں عموماً لوگ پسند کرتے ہیں۔ اسی غلبہ کی وجہ سے آپ رضی اللہ عنہ عقل، عرف و عادت کی پروا بھی نہیں کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن خراش رضی اللہ عنہ ایسی ہی کیفیت کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو مقام ربذہ[۱] میں دیکھا۔ آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک سحماء یا شحباء نامی عورت تھی۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ ایک سیاہ سائبان کے سائے میں تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ سے عرض کیا گیا۔ اگر آپ رضی اللہ عنہ اس عورت سے بلند مرتبے والی عورت رکھتے تو کیا ہی اچھا ہوتا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: اللہ پاک کی قسم! میں کوئی ایسی عورت رکھوں جو مجھے نیچا کرے، یہ بات مجھے اس سے زیادہ محبوب ہے کہ میں ایسی عورت رکھوں جو مجھے بلند کرے۔ عرض کیا گیا: اے ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ! آپ رضی اللہ عنہ اولاد کی طرف سے غم زدہ ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ کا کوئی بچہ زندہ نہیں رہتا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ہم اس اللہ پاک کی حمد و ثنا بیان کرتے ہیں جو ہم سے دار الفنا میں بچے لیتا ہے اور ان کو ہمارے لیے دار البقا میں ذخیرہ کر لیتا ہے۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ ٹاٹ اور بالوں سے بنے ہوئے بچھونے پر بیٹھتے تھے۔ لوگوں نے ان سے عرض کیا: اے ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ! اگر آپ رضی اللہ عنہ کوئی ایسا بچھونا بنا لیتے جو آپ رضی اللہ عنہ کے اس بچھونے سے نرم ہوتا؟ اس بات پر آپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: اَللّٰھُمَّ غُفْرًا (اے اللہ

---

[۱]۔ ربذہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور مبارک میں مدینہ منورہ کی نواحی بستی تھی۔

پاک! مجھے بخش دے)، مجھے جو دیا جائے وہ تو لے لے کیونکہ ہم تو اس گھر کے لیے عامل پیدا کیے گئے ہیں اور اسی کی طرف ہمیں لوٹنا ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، ج:۹، رقم الحدیث:۴۸۸۸)

(۸)۔ حضرت ابو درداؓ نے اپنی ذات کو اللہ پاک کی ذات کے سامنے بالکل فنا کر دیا تھا۔ اسی حال کے غلبہ کا اثر تھا کہ آپ رضی اللہ عنہ ان چیزوں کو پسند کرنے لگے تھے جنہیں عموماً لوگ ناپسند کرتے ہیں، جیسے موت، بیماری اور محتاجی وغیرہ۔ جیسا کہ روایات میں آتا ہے کہ حضرت ابو درداؓ فرماتے ہیں: میں پروردگار سے ملنے کے شوق میں موت کو پسند کرتا ہوں۔ بیماری کو اس لیے پسند کرتا ہوں کہ وہ میرے گناہوں کا کفارہ بن جائے۔ محتاجی کو اس لیے پسند کرتا ہوں کہ اللہ پاک کے سامنے فروتنی کا ذریعہ بنے۔ (حجۃ اللہ البالغہ، ج:۴، ص:۴۸۱)

(۹)۔ بعض اوقات انسان کسی دوسرے انسان کی ہیبت وجلالت دیکھ کر اپنی ہستی سے فنا ہو جاتا ہے۔ وہ اپنے اردگرد موجود چیزوں حتیٰ کہ اپنی ذات سے بھی بے خبر ہو جاتا ہے۔ زلیخا کے بارے میں جب مصر کی عورتیں باتیں کرنے لگی کہ عزیز مصر کی بیوی ایک غلام کی محبت میں گرفتار ہوگئی ہے تو ایک دن زلیخا نے ان عورتوں کو کھانے پر بھلایا۔ زلیخا نے ان عورتوں کے ہاتھ میں پھل اور چھریاں دیں اور حضرت یوسف علیہ السلام سے کہا کہ وہ ان عورتوں کے سامنے سے گزر جائیں۔ جب عورتوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف دیکھا تو وہ اپنے اردگرد کے ماحول حتیٰ کہ اپنی ذات سے بھی بے خبر ہوگئیں اور اپنے ہاتھ کاٹ لیے۔ اپنے ہاتھوں کے کٹنے سے انہیں کوئی تکلیف بھی محسوس نہ ہوئی۔ قرآن پاک میں اس بارے میں ارشاد ہے:

فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ اَرْسَلَتْ اِلَيْهِنَّ وَاَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَاً وَّاٰتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّيْنًا وَّقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ ۚ فَلَمَّا رَاَيْنَهٗۤ اَكْبَرْنَهٗ وَقَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ ۫ وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ؕ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ. (سورۃ یوسف، آیت:۳۱)

(پھر جب عزیز کی بیوی نے ان کی ملامت سنی تو انھیں بلا بھیجا اور ان کے واسطے ایک مجلس تیار کی اور ان میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں ایک چھری دی اور کہا ان کے سامنے نکل آ، پھر جب انہوں نے اسے دیکھا تو حیرت میں رہ گئیں اور اپنے ہاتھ کاٹ لیے اور کہا اللہ پاک ہے یہ انسان تو نہیں ہے یہ تو کوئی بزرگ فرشتہ ہے)

جب یہ عورتیں اپنی حالت سے فنا ہوگئیں تو حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں کہنے لگیں کہ یہ تو کوئی فرشتہ ہے حالانکہ آپ علیہ السلام فرشتہ نہ تھے اور کہا کہ یہ انسان نہیں حالانکہ آپ علیہ السلام انسان تھے۔(رسالہ قشیریہ،ص:۱۶۵)

(۱۰)۔ حضرت بایزید بسطامیؒ فرماتے ہیں کہ جب میں پہلی مرتبہ حج کو گیا تو خانہ کعبہ کی زیارت کی اور دوسری مرتبہ کعبہ اور صاحب کعبہ دونوں کی زیارت سے مشرف ہوا اور تیسری مرتبہ کعبہ کو دیکھا اور نہ کعبہ کے مالک (اللہ پاک) کو یعنی حق میں فنا ہو گیا۔کسی شخص نے آپؒ کے دروازے پر دستک دی آپؒ کے پوچھنے پر اس نے بتایا کہ مجھے بایزیدؒ سے ملنا ہے۔آپؒ نے جواب دیا کہ میں خود بایزید کی تلاش میں ہوں، مجھے بھی وہ ابھی تک نہیں ملا۔حضرت بایزید بسطامیؒ جب صفات خداوندی بیان فرماتے تو ہوش میں رہتے اور جب ذات خداوندی کے موضوع پر گفتگو ہوتی تو بے خودی کے عالم میں یہ کہتے رہتے کہ میں سر کے بل آ رہا ہوں۔

(تصوف اور تصورات صوفیہ،ص:۳۹۴)

(۱۱)۔ شیخ مسلم بن یسارؒ مسجد میں نماز ادا کر رہے تھے کہ مسجد کا ستون گر گیا۔اس کے گرنے کی آواز سن کر بازار کے لوگ جمع ہو گئے۔آپؒ کو اپنی حالت فنا کی وجہ سے اس کا کچھ علم نہ ہو سکا اور اسی طرح نماز ادا کرتے رہے۔(تصوف اور تصورات صوفیہ،ص:۳۹۴)

(۱۲)۔ مشہور تابعی حضرت ربیع بن خثیمؒ اپنی حالت فنا و بقا کی وجہ سے وہ چیزیں پسند کرنے لگے تھے جو انسان طبعی طور پر ناپسند کرتا ہے اور ان چیزوں کو ناپسند کرنے لگے تھے جو انسان طبعی طور پر پسند کرتا ہے۔آپؒ کی اسی حالت کے بارے میں حضرت عبد الملک بن عمیرؒ بیان کرتے ہیں: حضرت ربیع بن خثیمؒ کو ان کی بیماری میں پوچھا گیا کہ کیا ہم آپؒ کے لیے طبیب (حکیم) کو بلائیں؟ آپؒ نے جواب دیا: تم مجھے کچھ مہلت دے دو۔پھر آپؒ نے غور و فکر فرمایا اور قرآن پاک کی آیات:

وَّعَادًا وَّثَمُوْدَ وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ وَقُرُوْنًا بَیْنَ ذٰلِكَ كَثِیْرًا ○ وَكُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ الْاَمْثَالَ ز وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِیْرًا۔ (سورۃ الفرقان،آیات:۳۸-۳۹)

(اسی طرح ہم نے عاد وثمود اور کنویں والوں کو اور ان کے درمیان بہت سی نسلوں کو تباہ کیا۔ ان میں سے ہر ایک کو سمجھانے کے لیے ہم نے مثالیں دیں اور (جب وہ نہ مانے تو) ہر ایک کو ہم نے ملیا میٹ کر دیا)

تلاوت فرمائیں۔ پھر ان لوگوں کے دنیا پر حرص اور دلچسپی کا ذکر کیا۔ پھر فرمایا: یہ لوگ بھی مریض تھے اور ان میں بھی طبیب تھے۔ پس نہ کوئی دوائی لینے والا ہے نہ کوئی دوائی دینے والا ہے۔ تعریف کرنے والا بھی ہلاک ہو گیا اور جس کی تعریف کی گئی وہ بھی ہلاک ہو گیا۔ اللہ پاک کی قسم! تم لوگ میرے لیے طبیب کو نہ بلاؤ۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، ج:۷، رقم الحدیث:۱۵)

(۱۳)۔ حضرت ربیع بن خثیمؒ کے فنا و بقا کا یہ عالم تھا کہ آپؒ ساری زندگی اس فانی دنیا سے منہ موڑ کر دار البقا (آخرت) کی باتیں کرتے رہے۔ حضرت حیانؒ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ربیع بن خثیمؒ کو دنیا کے معاملات میں سے کسی کا ذکر کرتے نہیں سنا۔ ہاں ایک مرتبہ میں نے انہیں کہتے سنا: یتیم کی کتنی ہی مسجدیں ہیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، ج:۹، رقم الحدیث:۷۵۰۴)

(۱۴)۔ حضرت ابو درداؓ کے اس دنیا سے مکمل طور پر فنا ہو چکے تھے۔ روایات میں آتا ہے کہ آپؓ بیان کرتے ہیں: جس رات میں بیمار ہوتا ہوں تو مجھے سرخ اونٹ (ملنے) جتنی خوشی ہوتی ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، ج: ج:۳، رقم الحدیث:۲۷۳۰)

(۱۵)۔ حضرت یعلی بن ولیدؒ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ابوالدرداؓ کے ساتھ چلا جا رہا تھا۔ میں نے کہا: اے ابوالدرداؓ! آپؓ کو جس سے محبت ہے اس کے لیے آپؓ کیا پسند کرتے ہیں؟ فرمایا: موت۔ میں نے آپؓ سے عرض کیا: لیکن اگر وہ نہ مرے؟ فرمایا: اس کے بچے اور مال کم ہو۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، ج:۹، رقم الحدیث:۴۷۹۹)

(۱۶)۔ حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ ایک دن حضور نبی کریم ﷺ نے طلحہ بن عبید اللہؓ کی طرف (محبت بھری نظروں سے) دیکھا اور فرمایا: جس شخص کی خواہش ہو کہ اس انسان کو دیکھے جو زمین پر چلتا پھرتا ہے لیکن حقیقت میں وہ مردہ ہے تو اس کو چاہیے کہ وہ اس انسان (طلحہ) کو دیکھے۔ (مشکوٰۃ المصابیح، ج:۵، رقم الحدیث:۷۵۴)

بعض حضرات نے لکھا ہے کہ اس حدیث میں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے تعلق سے جو کچھ فرمایا گیا اس میں درحقیقت اس اختیاری موت کی طرف اشارہ ہے جو اہل سلوک اور ارباب فنا کو حاصل ہوتی ہے۔ ذات باری تعالیٰ کی طرف انجذاب اور ذکر الٰہی اور مشاہدہ ملکوت میں پوری طرح مستغرق ہونے کے سبب عالم شہادت سے غائب ہونا ہے جو دراصل (اختیاری موت) کا نتیجہ ہوتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ بال جبریل، ڈاکٹر محمد اقبالؒ۔ لاہور: اقبال آفاقی اردو کتب خانہ نیٹ ورک، ۲۰۰۳ء۔

۲۔ تربیت العشاق، شاہ سید محمد ذوقیؒ۔ کراچی: محفل ذوقیہ، ۱۹۷۴ء۔

۳۔ تصوف اور تصورات صوفیہ، پروفیسر ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی۔ لاہور: سیٹھی بکس، ۲۰۰۸ء۔

۴۔ تفسیر مظہری، قاضی محمد ثناء اللہ عثمانی مجددی پانی پتیؒ۔ کراچی: دارالاشاعت، ۱۹۹۹ء۔

۵۔ جنیدؒ و بایزیدؒ، حضرت عبداللطیف خان نقشبندیؒ۔ لاہور: نشان منزل پبلی کیشنز، ۲۰۱۳ء۔

۶۔ حجۃ اللہ البالغہ: رحمۃ اللہ واسعہ، شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ترجمہ مولانا محمد سعید پالن پوریؒ۔ کراچی: زمزم پبلشرز، ۲۰۰۵ء۔

۷۔ رسالہ القشیریہ فی علم التصوف، امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیریؒ ترجمہ شاہ محمد چشتی۔ لاہور: ادارہ پیغام القرآن، ۲۰۰۷ء۔

۸۔ سنن ابن ماجہ، حافظ ابی عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہؒ ترجمہ مولانا محمد قاسم امین۔ لاہور: مکتبہ العلم، ۲۰۱۰ء۔

۹۔ صحیح بخاری، امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاریؒ ترجمہ حضرت مولانا محمد داؤد دراز۔ دہلی: مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند، ۲۰۰۴ء۔

۱۰۔ صحیح مسلم، امام ابوالحسین مسلم بن الحجاج نیشاپوریؒ ترجمہ علامہ وحید الزمان۔ دہلی: مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند، ۲۰۰۴ء۔

۱۱۔ صد میدان، خواجہ عبداللہ انصاریؒ ترجمہ حافظ محمد افضل فقیر۔ لاہور: تصوف فاؤنڈیشن، ۱۹۹۸ء۔

۱۲۔ طبقات صوفیہ، ابی عبدالرحمٰن محمد بن حسین سلمیؒ ترجمہ شاہ محمد چشتی۔ لاہور: ادارہ پیغام القرآن، ۲۰۱۱ء۔

۱۳۔ کتاب التعرف لمذہب اہل التصوف، امام ابوبکر بن ابواسحاق محمد بن ابراہیم بن یعقوب البخاری کلاباذیؒ ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن۔ لاہور: تصوف فاؤنڈیشن، ۱۹۹۸ء۔

۱۴۔ کشف المحجوب، سید علی ہجویریؒ ترجمہ میاں طفیل محمد۔ لاہور: اسلامک پبلیکیشنز، ۱۹۸۸ء۔

۱۵۔ لوائح، مولانا نور الدین عبدالرحمٰن جامیؒ ترجمہ سید فیض الحسن فیضی۔ لاہور: اسلامک بک فاؤنڈیشن، ۱۹۷۹ء۔

۱۶۔ مشکوٰۃ المصابیح، شیخ ولی الدین خطیب التبریزیؒ ترجمہ مولانا محمد صادق خلیلؒ۔ لاہور: مکتبہ محمدیہ، ۲۰۰۵ء۔

۱۷۔ مصنف ابن ابی شیبہ، امام ابی بکر عبداللہ بن محمد ابن ابی شیبہ العبسی الکوفیؒ ترجمہ مولانا محمد اویس سرور۔ لاہور: مکتبہ رحمانیہ، ۲۰۰۱ء۔

۱۸۔ معارف لدنیہ، مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ ترجمہ سید زوار حسین شاہ۔ کراچی: زوار اکیڈمی پبلی کیشنز، ۲۰۱۲ء۔

۱۹۔ http//:www.hadithurdu.com/

۲۰۔ https//:easyquranwahadees.com/

۳۱

قبض وبسط

۱۔ قبض و بسط کا مفہوم

(۱)۔ قبض کے لفظی معانی تنگی، سکڑنے، بند ہونے اور بسط کے معانی کھلنے، کشادہ ہونے اور وسعت کے ہیں۔ تصوف کی اصطلاح میں مومن کے دل کی یہ حالتیں عطائے الٰہی ہوتی ہیں۔ واردات قلبی کا نہ ہونا قبض اور ہونا بسط کہلاتا ہے۔ سالک (اللہ پاک کی طرف چلنے والے) کے دل پر اس ذات پاک کی طرف سے جو کیفیات القاء کی جاتی ہیں انہیں کو واردات قلبی کہتے ہیں۔

(۲)۔ سالک کے دل پر اللہ پاک کے خوف کا غلبہ ہو جانے سے قبض کی حالت پیدا ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تجلی جلالی (آثار عظمت و استغناء) کے وارد ہونے سے قلب کی تنگی ہونا قبض کہلاتا ہے اور اس کے برعکس حالت کا نام بسط ہے یعنی اللہ پاک کی تجلی جمالی (آثار لطف و فضل) کے نزول سے دل کو جو فرحت حاصل ہوتی ہے اسے بسط کہتے ہیں۔

(۳)۔ تجلی جلالی کے دل پر وارد ہونے سے سالک پر خوف و ہیبت طاری ہو جاتی ہے جس سے اس کے دل کا سرور اور اطمینان ختم ہو جاتا ہے اور وہ خود کو مردود خیال کرتے ہوئے زندگی سے بیزار ہو جاتا ہے۔ اسے یوں محسوس ہونے لگتا ہے کہ شاید اس خالق و مالک نے اسے تنہا چھوڑ دیا ہے۔ اس کیفیت سے سالک کے دل پر مایوسی طاری ہو جاتی ہے۔ جس سے وہ خودکشی پر بھی اتر سکتا ہے۔ اس وقت مرشد کامل کی سخت ضرورت ہوتی ہے جو سالک کی تسلی اور توجہ سے مدد کرتا رہے یہاں تک کہ حالت قبض حالت بسط سے نہ بدل جائے۔

(۴)۔ جس طرح عام طبعی علوم کے ماہرین پر مختلف کیفیات طاری ہوتی رہتی ہیں کہ کسی وقت تو وہ مشکل ترین مسائل منٹوں میں سلجھاتے چلے جاتے ہیں اور کبھی انتہائی آسان باتوں کی طرف بھی ان کا خیال نہیں جاتا بالکل اسی طرح صاحب دل لوگوں کا بھی کسی وقت یہ حال ہوتا ہے کہ اسرار الٰہی ان کے قلب و روح پر بلا کسی خاص کوشش کے کھلتے اور منکشف ہوتے چلے جاتے ہیں اور دل خود بخود ہی اللہ تعالیٰ کی طرف کھچا چلا جاتا ہے اور کسی وقت خواہش اور کوشش کے باوجود نہ دل کی کلی

کھلتی ہے اور نہ ہی روح ادھر راغب ہوتی ہے۔ان حالتوں میں سے پہلی حالت کو بسط اور دوسری کو قبض کے نام سے جانا جاتا ہے۔سالک کا دل جب قبض کی حالت میں ہوتو اس کا نفس بسط کی حالت میں ہوتا ہے اور جب دل بسط کی حالت میں ہوتو نفس قبض کی حالت میں ہوتا ہے۔

(۵)۔ طریقت کی وادی میں، ولی، عارف اور صوفی کو قبض و بسط کے مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔کبھی ایسا محسوس ہوتا ہے کہ سینہ کھل گیا ہے۔تجلیات الٰہی کی بارشیں ہونے لگی ہیں اور سارے پردے اٹھ گئے ہیں۔اس کیفیت کو صوفیائے کرامؒ بسط (یعنی دل کھل جانے) کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔کبھی قبض طاری ہو جاتی ہے۔یعنی گھٹن، روحانی بندش اور تاریکی کا احساس۔ایسی کیفیات صوفیاؒ پر ہی نہیں بلکہ شاعروں، موجدوں، فلسفیوں، فن کاروں اور موسیقاروں پر بھی گزرتی ہیں۔

(۶)۔ حضرت شیخ سعدی شیرازیؒ سالک کی حالت قبض و بسط کے حوالے سے فرماتے ہیں:

گہے بر طارم اعلیٰ نشینم
گہے بر نفس پائے خود نہ بینم
(کبھی تو میں ساتویں آسمان پر جا بیٹھتا ہوں)
(کبھی اپنے پاؤں کا اوپر والا حصہ بھی نظر نہیں آتا)

۲۔ قبض و بسط قرآن مجید کی روشنی میں

اللہ کریم نے اپنی پاک کتاب قرآن مجید میں حالت قبض و بسط کا ان الفاظ میں ذکر فرمایا ہے:

(ا)۔ وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُۜطُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ (سورۃ البقرہ، آیت:۲۴۵)
(اللہ تعالیٰ تنگی بھی دیتا ہے اور کشادگی بھی اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے)
اس آیت پاک میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ

(i)۔ انسان کے دل کی مختلف کیفیات ہوتی ہیں۔

(ii)۔ قبض اور بسط انسان کے دل کی دو کیفیتیں ہیں۔

(iii)۔ ہر چیز کو پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔

(iv)۔ قبض اور بسط کا خالق بھی اللہ پاک ہی ہے۔

(v)۔ ہر انسان کو آخر کار ایک دن اللہ رب العزت کی طرف لوٹنا ہے۔

(۲)۔ لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ.
(سورۃ التوبہ، آیت:۲۵)
(یقیناً اللہ تعالیٰ نے بہت سے میدانوں میں تمہیں فتح دی ہے اور حنین کی لڑائی والے دن بھی جب کہ تمہیں اپنی کثرت پر ناز تھا مگر وہ تمہارے کوئی کام نہ آئی بلکہ زمین باوجود اپنی کشادگی کے تم پر تنگ ہوگئی پھر تم پیٹھ پھیر کر مڑ گئے)
اس آیت پاک میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ اللہ پاک نے مسلمانوں کو کئی مقامات پر خصوصی طور پر کشادگی اور دشمنوں پر فتح عطا فرمائی۔ البتہ غزوہ حنین کے دن جب مسلمانوں نے دشمن کے مقابلے میں تعداد میں زیادہ ہونے کا خیال کیا تو اللہ پاک نے ان کے دلوں کو تنگ کر دیا۔ حتیٰ کہ زمین کشادہ ہونے کے باوجود تنگ محسوس ہونے لگی اور مسلمان مقابلہ سے پیچھے ہٹ گئے۔

(۳)۔ فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ (سورۃ الانعام، آیت:۱۲۵)
(پس جس شخص کو اللہ تعالیٰ ہدایت دینا چاہے اس کے سینہ کو اسلام کے لیے کشادہ کر دیتا ہے)
اس آیت کریمہ میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ اللہ پاک جس انسان کو اپنے فضل و کرم اور مہربانی سے حق کے راستے پر ڈالنا چاہتا ہے اس کو بسط عطا فرماتا ہے اور اس کا سینہ کھول دیتا ہے۔

(۴)۔ اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ. (سورۃ الم نشرح، آیت:۱)
(کیا ہم نے آپؐ کی خاطر آپ کا سینہ کشادہ نہیں کر دیا؟)

(i)۔ علامہ راغب اصفہانیؒ فرماتے ہیں: الشرح کا مفہوم یہ ہے کہ نورِ الٰہی سے سینہ کا کشادہ ہو جانا اللہ تعالیٰ کی جانب سے تسکین و طمانیت کا حاصل ہو جانا، اس کی طرف سے دل میں مسرت و راحت کا شعور پیدا ہو جانا۔ (ضیاء القرآن، ذیل سورۃ الم نشرح، آیت:۱)

(ii)۔ علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں کہ نفس کو قوت قدسیہ اور انوار الٰہیہ سے اس طرح منور کر دیا جائے کہ وہ

معلومات کے قافلوں کے لیے میدان بن جائے، ملکات کے ستاروں کے لیے آسمان بن جائے اور گوناگوں تجلیات کے لیے عرش بن جائے۔ جب کسی کی یہ کیفیت ہوتی ہے تو اس کو ایک حالت دوسری حالت سے مشغول نہیں کرسکتی۔ (ضیاء القرآن، ذیل سورۃ الم نشرح، آیت:۱)

(iii)۔ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اس آیت کے ضمن میں لکھتے ہیں اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں علوم و معارف کے سمندر اتار دیے اور لوازم نبوت اور فرائض رسالت برداشت کرنے کے لیے بڑا وسیع حوصلہ دیا۔ (ضیاء القرآن، ذیل سورۃ الم نشرح، آیت:۱)

(iv)۔ ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ساری زندگی اس آیت کی آئینہ دار ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس بلند حوصلے اور مستقل مزاجی سے فرائض نبوت کو ادا کیا، جس صبر اور شکر کے ساتھ اس راہ میں آنے والی مشکلات کو برداشت کیا وہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ حالت بسط کے بغیر ممکن نہ تھا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انسانی زندگی کے ہر پہلو کو اپنے علم کے نور سے منور کیا۔ اسے بسط کی برکت کے علاوہ اور کیا کہا جاسکتا ہے۔

(۵)۔ قَالَ رَبِّ اِنِّیۡۤ اَخَافُ اَنۡ یُّکَذِّبُوۡنِ ۝ وَ یَضِیۡقُ صَدۡرِیۡ وَ لَا یَنۡطَلِقُ لِسَانِیۡ.
(سورۃ الشعراء، آیت:۱۲-۱۳)

((موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا) میرے پروردگار! میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے جھٹلا دیں گے اور میرا سینہ تنگ ہو رہا ہے اور میری زبان اچھی طرح نہیں چلتی)

ان آیات مبارکہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کا ذکر کیا گیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کی رہنمائی کے چن لیا اور فرعون کے دربار میں تبلیغ کے لیے بھیجا جانے لگا تو آپ علیہ السلام پر خوف طاری ہوگیا کہ قبطی قوم اور فرعون جس نے خدائی کا دعویٰ کر رکھا تھا کہیں آپ علیہ السلام کو قتل نہ کر دیں۔ اس خوف کی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر قبض (سینے کی تنگی) کی کیفیت طاری ہوگئی جس کا اس آیت مبارکہ میں ذکر فرمایا گیا ہے۔

(۶)۔ قَالَ رَبِّ اشۡرَحۡ لِیۡ صَدۡرِیۡ ۝ وَ یَسِّرۡ لِیۡۤ اَمۡرِیۡ. (سورۃ طٰہٰ، آیت:۲۵-۲۶)

((موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا) میرے رب! میرا سینہ میرے لیے کھول دے اور میرا کام میرے لیے آسان کردے)

ان آیت مبارکہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ قبض اور بسط کی کیفیات سے انبیاء علیہم السلام کو بھی واسطہ رہا ہے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت سے نوازا گیا تو اس منصب کی ذمہ داریوں کے خوف سے آپ علیہ السلام پر حالت قبض طاری ہوگئی۔ آپ علیہ السلام نے اس کیفیت کی بسط میں تبدیلی کے لیے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا فرمائی: اے میرے پروردگار! مجھے شرح صدر عطا فرمائیے اور میرا کام میرے لیے آسان کردیجیے۔

(۷)۔ اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ. (سورۃ الزمر، آیت: ۲۲)
(کیا وہ شخص جس کے دل کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لیے کشادہ کردیا ہے تو وہ اپنے پروردگار کی طرف سے نورانیت کا حامل ہے)
اس آیت مبارکہ میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ اللہ پاک جس شخص سے محبت کرتا ہے اسے اسلام کے بارے میں شرح صدر عطا فرماتا ہے اور جسے شرح صدر عطا کیا جاتا ہے اس کا سینہ تجلیات الٰہی کی نورانیت سے روشن ہوتا ہے۔

(۸)۔ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى. (سورۃ الضحیٰ، آیت: ۳)
(نہ تو تیرے رب نے تجھے چھوڑا ہے اور نہ وہ بیزار ہو گیا ہے)
اس آیت مبارکہ میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ قبض و بسط کی کیفیات سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی سابقہ پیش آیا۔ جب وحی کا سلسلہ کچھ عرصہ کے لیے رک گیا جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سب سے بڑا سہارا تھا تا بہت غم زدہ ہوئے۔ غم اس قدر تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود کو کسی بلند پہاڑ سے گرا دینے کا سوچتے تھے۔ ایسے وقت میں حضرت جبریل علیہ السلام سامنے آکر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دیتے کہ ایسا نہ کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یقیناً حق پر ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سچے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس بات کا خدشہ اور صدمہ تھا کہ کہیں میرا پرودگار مجھ سے ناراض نہ ہوگیا ہو۔ کفار و مشرکین بھی اسی بنا پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر طعنہ زنی کرنے لگ گئے تھے۔ جس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدمے اور پریشانی میں مزید اضافہ ہوگیا تھا۔ ایسے میں اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرما کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رب نہ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ناراض ہے اور نہ ہی اس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چھوڑا ہے۔ وحی کی اس عارضی بندش میں کچھ دوسری حکمتیں

کارفرماتھیں۔

پس جس طرح روشن دن کے بعد پرسکون رات کا چھا جانا، کسی سے راضی یا ناراض ہونے کا نتیجہ نہیں ہوتا بلکہ یہ دونوں اللہ پاک کی بے پایاں حکمت اور اس کی بے پناہ رحمت کے دو الگ الگ مظہر ہیں۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے چند دنوں کے لیے سلسلہ وحی کا منقطع ہو جانا بھی اسی حکمت وقدرت اور عنایت ربانی کا تقاضا تھا۔ اس کے بعد جب وحی کا سلسلہ دوبارہ شروع ہو گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حالت قبض، حالت بسط میں تبدیل ہو گئی۔ صحیح بخاری شریف میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس کیفیت قبض و بسط کے بارے میں ایک طویل روایت منقول ہے۔ (دیکھیے صحیح بخاری، ج: ۳، رقم الحدیث: ۱۹۰۸)

(۹)۔ قَالَ اِنَّ اللّٰہَ اصۡطَفٰىہُ عَلَیۡکُمۡ وَزَادَہٗ بَسۡطَۃً فِی الۡعِلۡمِ وَالۡجِسۡمِ.

(سورۃ البقرہ، آیت: ۲۴۷)

(کہا کہ اللہ پاک نے اسے تم میں سے چن لیا ہے اور اسے علم اور جسم میں تم سے زیادہ بسط (وسعت و کشادگی) عطا کیا گیا ہے)

اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت طالوتؒ کو اللہ پاک نے بنی اسرائیل کی سربراہی کے لیے منتخب فرمایا تو بنی اسرائیل نے اس پر اعتراض کیا۔ اللہ پاک نے اس وقت کے نبی حضرت سموئیل علیہ السلام کی طرف وحی نازل فرمائی کہ حضرت طالوتؒ کو بنی اسرائیل کی سربراہی کے لیے اللہ تعالیٰ نے چن لیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت طالوتؒ کو علم اور جسم میں قوم کے دیگر افراد کے مقابلے میں بسط (وسعت) عطا کیا گیا ہے۔ گویا کہ بسطِ علم وجسم وہ خوبیاں ہیں جو کسی فرد کی دوسروں پر فوقیت کا سبب بنتی ہیں اور امامت وقیادت کا حق دار بناتی ہے۔

۳۔ قبض وبسط احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کئی احادیث میں سالک کی حالت قبض وبسط کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان میں سے کچھ حسب ذیل ہیں:

(۱)۔ عَنۡ عَبۡدِ اللّٰہِ الزُّرَقِیِّ، قَالَ: لَمَّا کَانَ یَوۡمُ اُحُدٍ وَانۡکَفَأَ الۡمُشۡرِکُونَ، قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "اسْتَوُوا حَتَّى أُثْنِيَ عَلَى رَبِّي فَصَارُوا خَلْفَهُ صُفُوفًا". فَقَالَ: "اللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ كُلُّهُ. اللّٰهُمَّ لَا قَابِضَ لِمَا بَسَطْتَ وَلَا بَاسِطَ لِمَا قَبَضْتَ وَلَا هَادِيَ لِمَا أَضْلَلْتَ وَلَا مُضِلَّ لِمَنْ هَدَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ وَلَا مُقَرِّبَ لِمَا بَاعَدْتَ وَلَا مُبَاعِدَ لِمَا قَرَّبْتَ. اللّٰهُمَّ ابْسُطْ عَلَيْنَا مِنْ بَرَكَاتِكَ وَرَحْمَتِكَ وَفَضْلِكَ وَرِزْقِكَ. اللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ النَّعِيمَ الْمُقِيمَ الَّذِي لَا يَحُولُ وَلَا يَزُولُ. اللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ النَّعِيمَ يَوْمَ الْعَيْلَةِ وَالْأَمْنَ يَوْمَ الْخَوْفِ. اللّٰهُمَّ إِنِّي عَائِذٌ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا أَعْطَيْتَنَا وَشَرِّ مَا مَنَعْتَ. اللّٰهُمَّ حَبِّبْ إِلَيْنَا الْإِيمَانَ وَزَيِّنْهُ فِي قُلُوبِنَا وَكَرِّهْ إِلَيْنَا الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ وَاجْعَلْنَا مِنَ الرَّاشِدِينَ. اللّٰهُمَّ تَوَفَّنَا مُسْلِمِينَ وَأَحْيِنَا مُسْلِمِينَ وَأَلْحِقْنَا بِالصَّالِحِينَ غَيْرَ خَزَايَا وَلَا مَفْتُونِينَ". (مسند احمد، ج:۶، رقم الحدیث:۱۳۵۰)

(حضرت عبداللہ زرقی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب غزوہ احد کے دن مشرکین شکست خوردہ ہو کر بھاگے تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ارشاد فرمایا کہ سیدھے ہو جاؤ تاکہ میں اپنے رب کی ثناء بیان کروں۔ چنانچہ وہ سب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے صف بستہ ہو گئے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اے میرے پروردگار! تمام تعریفیں تیرے ہی لیے ہیں۔ اے اللہ تو جسے بسط (وسعت) عطا کرے، اسے کوئی قبض (تنگی) عطا نہیں کر سکتا اور جسے تو قبض (تنگی دل) عطا کرے، اسے کوئی بسط (وسعت) عطا نہیں کر سکتا۔ جسے تو گمراہ کر دے، اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا اور جسے تو ہدایت دے، اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا۔ تیری عطا کو کوئی روک نہیں سکتا اور جسے تو کچھ نہ دے، اس کو کوئی دے نہیں سکتا۔ جسے تو دور کر دے، اسے کوئی قریب نہیں کر سکتا اور جسے تو قریب کر لے، اسے کوئی دور نہیں کر سکتا۔ ہم پر اپنی رحمتیں، برکتیں، فضل و کرم اور رزق کشادہ کر۔

اے میرے پروردگار! میں تجھ سے ان دائمی نعمتوں کا سوال کرتا ہوں جو نہ تبدیل ہوں اور نہ ختم ہوں۔

اے میرے پروردگار! میں تجھ سے تنگدستی کے دن نعمتوں کا اور خوف کے دن امن کا سوال کرتا ہوں۔

اے میرے پروردگار! میں اس چیز کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں جو تو نے ہمیں عطا فرمائی یا ہم سے روک لی۔

اے اللہ! ایمان کو ہماری نگاہوں میں محبوب کر دے اور اسے ہمارے دلوں میں مزین فرما۔ کفر و فسق

اور نا فرمانی سے ہمیں کراہت عطا فرما اور ہمیں ہدایت یافتہ لوگوں میں شمار کر۔
اے میرے پروردگار! ہمیں حالت اسلام میں موت عطا فرما، حالت اسلام میں زندہ رکھ اور نیک لوگوں میں اس طریقے سے شامل فرما کہ ہم نہ رسوا ہوں اور نہ کسی فتنے کا شکار ہوں۔

(۲)۔ احادیث مبارکہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اللہ پاک کے صفاتی ناموں میں یہ بھی ہیں کہ وہ سالک پر قبض و بسط کی کیفیات طاری کرتا ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ لِلّٰهِ تَعَالَى تِسْعَةً وَتِسْعِينَ اسْمًا مِائَةً غَيْرَ وَاحِدَةٍ مَنْ أَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ. هُوَ اللّٰهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ...... الْقَابِضُ الْبَاسِطُ......". (جامع ترمذی، ج:۲، رقم الحدیث:۱۴۶۱)

(حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں جو شخص ان ناموں کو یاد کرے وہ جنت میں داخل ہوگا۔ وہ اللہ ہے کہ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور اسم ذات اللہ کے علاوہ ننانوے نام یہ ہیں: الرحمن، الرحیم، القابض، الباسط)

(۳)۔ (حضرت عبدالرزاقؒ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک بار نہایت ہی خوشی کے عالم میں حجرہ سے باہر تشریف لائے اور یہ فرمارہے تھے: بے شک ایک سختی دو آسانیوں پر غالب نہیں آسکتی۔ (معارف القرآن، ذیل سورۃ الم نشرح، آیت:۱)

(۴)۔ عَنْ أَنَسٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْخَالِقُ الْقَابِضُ الْبَاسِطُ". (سنن دارمی، ج:۲، رقم الحدیث:۲۹۱)

(حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شک اللہ پاک کی ذات پیدا کرنے والی ہے، قبض اور بسط عطا فرمانے والی ہے)

(۵)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ "لَمَّا تُوُفِّيَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَكَفَرَ مَنْ كَفَرَ مِنَ الْعَرَبِ، فَقَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: كَيْفَ تُقَاتِلُ النَّاسَ؟ وَقَدْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَقُولُوا لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ، فَمَنْ قَالَهَا فَقَدْ عَصَمَ مِنِّي مَالَهُ، وَنَفْسَهُ إِلَّا بِحَقِّهِ، وَحِسَابُهُ عَلَى اللّٰهِ. فَقَالَ: وَاللّٰهِ لَأُقَاتِلَنَّ مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ الصَّلَاةِ، وَالزَّكَاةِ، فَإِنَّ الزَّكَاةَ حَقُّ الْمَالِ، وَاللّٰهِ لَوْ مَنَعُونِي عَنَاقًا كَانُوا يُؤَدُّونَهَا إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ لَقَاتَلْتُهُمْ عَلَى مَنْعِهَا، قَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: فَوَاللّٰهِ مَا هُوَ إِلَّا أَنْ قَدْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَ أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، فَعَرَفْتُ، أَنَّهُ الْحَقُّ".

(صحیح بخاری، ج:۱، رقم الحدیث: ۱۳۴۰)

(حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا سے پردہ فرما گئے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو عرب کے کچھ قبائل کافر ہو گئے (اور زکوٰۃ سے انکار کر دیا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان سے لڑنا چاہا) تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ رضی اللہ عنہ، حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان کی موجودگی میں کیوں کر جنگ کر سکتے ہیں: 'مجھے حکم ہے لوگوں سے اس وقت تک جنگ کروں جب تک کہ وہ لا إله إلا الله کی شہادت نہ دے دیں اور جو شخص اس کی شہادت دے دے تو میری طرف سے اس کا مال و جان محفوظ ہو جائے گا۔ سوا اسی کے حق کے (یعنی قصاص وغیرہ کی صورتوں کے) اور اس کا حساب اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہو گا'۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ اللہ پاک کی قسم! میں ہر اس شخص سے جنگ کروں گا جو زکوٰۃ اور نماز میں فرق کرے گا (نماز تو پڑھے مگر زکوٰۃ سے انکار کرے) کیونکہ زکوٰۃ مال کا حق ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قسم! اگر انہوں نے زکوٰۃ میں چار مہینے کے (بکری کے) بچے کو دینے سے بھی انکار کیا جسے وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیتے تھے تو میں ان سے لڑوں گا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کی قسم یہ بات اس کا نتیجہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیا تھا اور بعد میں، میں بھی اس نتیجہ پر پہنچا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی حق پر تھے)

(۶)۔ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: تَلَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: (فَمَنْ يُرِدِ اللّٰهُ أَنْ يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ) فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ النُّورَ إِذَا دَخَلَ الصَّدْرَ انْفَسَحَ". فَقِيلَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ هَلْ لِتِلْكَ مِنْ عِلْمٍ يُعْرَفُ بِهِ؟ قَالَ: "نَعَمْ التَّجَافِي مِنْ دَارِ الْغُرُورِ وَالْإِنَابَةُ إِلَى دَارِ الْخُلُودِ وَالِاسْتِعْدَادُ لِلْمَوْتِ قبل نُزُوله". (مشکوٰۃ المصابیح، ج:۴، رقم الحدیث: ۱۱۵۳)

(حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیت تلاوت کی: فَمَنْ يُرِدِ اللّٰهُ أَنْ يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ کہ اللہ پاک جس کی ہدایت کا ارادہ کرتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نور جب سینہ میں داخل ہوتا ہے تو سینہ کھل جاتا ہے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا اس کی کوئی نشانی ہے جس سے یہ نور پہچانا

جائے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہاں، دار الغرور (دنیا کے دھوکہ) سے دور رہنا، ہمیشہ باقی رہنے والی آخرت کی طرف ہمیشہ متوجہ رہنا اور مرنے سے پہلے مرنے کی تیاری کرنا)

(۷)۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ سے بسط کی دعا فرمایا کرتے تھے: عَنْ عَلِيٍّ قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : "أَكْثَرُ دُعَائِي وَدُعَاءِ الأَنْبِيَاءِ قَبْلِي بِعَرَفَةَ: لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللّٰهُ وَحْدَهُ لاَ شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، اللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِي قَلْبِي نُورًا وَفِي سَمْعِي نُورًا وَفِي بَصَرِي نُورًا، اللّٰهُمَّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ وَسْوَاسِ الصَّدْرِ، وَشَتَاتِ الأَمْرِ، وَفِتْنَةِ الْقَبْرِ، اللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا يَلِجُ فِي اللَّيْلِ، وَشَرِّ مَا يَلِجُ فِي النَّهَارِ، وَشَرِّ مَا تَهُبُّ بِهِ الرِّيَاحُ". (مصنف ابن ابی شیبہ، ج:۸، رقم الحدیث: ۳۰۱۲)

(حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری اور مجھ سے پہلے تمام انبیاء علیہم السلام کی عرفہ کے دن زیادہ مانگی جانے والی دعا یہ ہے: اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ اکیلا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی کا ملک ہے اور اسی کے لیے تعریف ہے۔ وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔ اے میرے پروردگار! تو میرے دل میں نور ڈال دے۔ میرے کانوں میں بھی نور ڈال دے۔ میری آنکھوں میں بھی نور ڈال دے۔ اے میرے پروردگار! میرے لیے میرے سینہ کھول دے۔ میرے لیے میرے معاملہ کو آسان فرما۔ میں تیری پناہ مانگتا ہوں، سینہ کے وساوس سے، معاملہ کے بگڑنے سے اور قبر کے فتنہ سے۔ اے میرے پروردگار! میں تیری پناہ مانگتا ہوں ہر اس چیز کے شر سے جو رات میں داخل ہوتی ہے اور ہر چیز کے شر سے جو دن میں داخل ہوتی ہے اور اس چیز کے شر سے جس کو ہوائیں چلاتی ہیں)

۴۔ قبض و بسط کا سبب

(۱)۔ سالک کی حالت قبض و بسط کے متعدد اسباب ہو سکتے ہیں۔ کبھی کبھار گناہوں کی وجہ سے نیکی کرنے کی لذت ختم ہو جاتی ہے اور بسا اوقات سستی یا رنج و غم کی وجہ سے یہ حالت طبعاً پیش آتی ہے۔ کبھی امتحان یا آزمائش کے طور پر اس لیے بھی حالت قبض طاری ہو جاتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا طالب ہے یا لذت و سرور کا۔ قبض کا سبب محض اللہ پاک کی ناراضی نہیں ہوتی بلکہ بعض اوقات سالک کی اصلاح کے لیے یا سنبھالا دینے کے لیے بھی بسط کو سلب کر لیا جاتا ہے تاکہ وہ عجب و کبر

میں مبتلا نہ ہو جائے۔ بعض اوقات اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی خاص مرتبہ مقدر ہوتا ہے جسے وہ اپنے عمل سے حاصل نہیں کر سکتا تو اللہ تعالیٰ اسے قبض میں مبتلا کر دیتا ہے تا کہ وہ اس پر صبر کرے، یہاں تک کہ صبر کرنے کی وجہ سے وہ مرتبہ حاصل ہو جاتا ہے۔

(۲)۔ حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنا میرے لیے قبض کا سبب بنتا ہے اور امید (رجا) میرے لیے بسط کا باعث ہے۔ حقیقت مجھے جمع رکھتی ہے، حق مجھے جدا کر دیتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ مجھے خوف کے ذریعے قبض سے موصوف کرتا ہے تو مجھے خود سے فنا کر دیتا ہے اور جب امید (رجا) کے ذریعے مجھے بسط عطا کرتا ہے تو مجھے میری طرف لوٹا دیتا ہے۔ ان تمام امور میں اللہ تعالیٰ میرا محرک ہے۔ وہ خوفزدہ کرنے والا ہوتا ہے۔ وہ مجھے خوش کرنے والا ہوتا ہے۔ وہ مجھے ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل کرتا ہے۔ لہٰذا جب میں حاضر ہوتا ہوں تو اپنے وجود کا مزہ چکھتا ہوں۔ کاش وہ مجھے اپنی ذات سے فنا کر کے نفع عطا کرتا اور کاش وہ مجھے مجھ سے غائب کر کے راحت عطا کرتا۔

(۳)۔ قبض سے تکبر کا علاج اور بندگی کی حقیقت کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ اختیاری کام کی پابندی ایسے ہی وقت میں قابل دید ہوتی ہے۔

۵۔ قبض کی اقسام

قبض کی دو اقسام ہیں جو درج ذیل ہیں:

(۱)۔ **قبض محمود:** قبض کی حالت طاری ہونے پر سالک ملال کی کیفیت میں رہنے لگتا ہے اور اپنی خطاؤں پر غور و فکر کرنا شروع کر دیتا ہے۔ اسے یہ یقین ہوتا ہے کہ یہ کیفیت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی ہے اور اس میں بھی کوئی مصلحت پوشیدہ ہے۔ وہ رحمت الٰہی کا منتظر رہتا ہے۔ قبض کی ایسی کیفیت کو قبض محمود (اچھی) کہتے ہیں۔

(۲)۔ **قبض مذموم:** جب سالک پر ایسی قبض طاری ہو کہ وہ اسے کوئی اہمیت نہ دے، اپنی اصلاح نہ کرے، اللہ پاک کی طرف رخ نہ پھیرے تو ایسی قبض نقصان دہ ثابت ہوتی ہے۔ یہ راہ سلوک

میں ارتقائی منازل طے کرنے میں رکاوٹیں پیدا کرتی ہے۔اسے قبض مذموم (بری) کہتے ہیں۔

۶۔ بسط کی اقسام

قبض کی طرح بسط کی بھی دو اقسام ہیں جو حسب ذیل ہیں:

(۱)۔ **بسط محمود:** جب سالک پر وارداتِ قلبی کا پے در پے نزول ہوتا ہے تو ترقی کا سفر جاری رہتا ہے۔ وہ کسی منزل پر قیام نہیں کرتا اس کا سفر ختم نہیں ہوتا۔ اسے بسط محمود (اچھی) کہتے ہیں۔

(۲)۔ **بسط مذموم:** سالک کو جب مختلف قلبی کیفیات حاصل ہونا شروع ہوتی ہیں تو وہ کسی ایک حالت میں قرار پکڑ لیتا ہے اور اسے اپنے لیے کافی سمجھنے لگتا ہے۔ یہ بسط مذموم (بری) ہے جو نقصان دہ ہے۔ ایسے میں وہ سنگ میل کو منزل یا ترقی سمجھ بیٹھتا ہے اور عجب (تکبر) میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

۷۔ قبض کا علاج اور بسط کے حصول کا طریقہ

(۱)۔ قبض بذات خود تو نقصان دہ نہیں مگر جب اس کا سبب کوئی گناہ ہو تو ایسی قبض مضر ہے۔ اس کی اصلاح کا طریقہ یہی ہے کہ وہ گناہ چھوڑ دیا جائے۔ قبض خود نفع بخش ہے اس کا علاج ضروری نہیں اور جو کچھ علاج کے عنوان سے بزرگوں نے لکھا ہے اس سے یہ مراد نہیں کہ حالت قبض کا ازالہ کیا جائے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ قبض کے وقت یہ عمل کیا جائے۔ گویا یہ اعمال حالت قبض کے آداب و حقوق ہیں۔ پھر اس کے بعد قبض رہے یا جائے، دونوں حالتوں میں مکمل طور پر رضا اور خود سپردگی چاہیے۔

(۲)۔ حالت بسط کے حصول کے لیے غسل کے بعد پاک و صاف کپڑے پہن کر اور خوشبو لگا کر دو رکعت نفل پڑھ کر استغفار کرنا اور ایک ہزار بار 'یا باسط' پڑھنا حالت قبض میں مفید ہے۔ بکثرت ذکر الٰہی اور استغفار کرنا چاہیے۔ اپنے شیخ (استاد) کو اطلاع دیتے رہنا چاہیے۔ ایسا کرنے سے ان شاء اللہ تعالیٰ بہت جلد حالت قبض حالت بسط سے بدل جائے گی۔

(۳)۔ اس سلسلہ میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے ایک دعا منقول ہے جو حسب ذیل ہے:

اللھم إنی أستغفرك من کل ذنب قوی علیه بدنی بعافیتك أو نالته قدرتی بفضل نعمتك أو بسطت إلیه یدی بسابغ رزقك أو اتکلت فیه عند خوفی منك علی أناتك أو وثقت بحلمك أو عولت فیه علی کرم عفوك.

اللھم إنی أستغفرك من کل ذنب خنت فیه أمانتی أو بخست فیه نفسی أو قدمت فیه لذاتی أو آثرت فیه شھواتی أو سعیت فیه لغیری أو استغریت فیه من تبعنی أو غلبت فیه بفضل حیلتی إذا حلت فیه علیك مولای فلم تغلبنی (فلم تغلبنی أی لم تنتقم منی مع أنك تبغض معصیتی و قادر علی الانتقام منی) علی فعلی إذ کنت سبحانك کارھا لمعصیتی لکن سبقك علمك فی اختیاری واستعمالی مرادی وإیثاری فحلمت عنی فلم تدخلنی فیه جبرا ولم تحملنی علیه قھرا ولم تظلمنی شیئا.

یا أرحم الراحمین یا صاحبی عند شدتی یا مؤنسی فی وحدتی یا حافظی فی نعمتی یا ولی فی نفسی یا کاشف کربتی یا مستمع دعوتی یا راحم عبرتی یا مقیل عثرتی یا إلھی بالتحقیق یا رکنی الوثیق یا جاری اللصیق یا مولای الشفیق یا رب البیت العتیق أخرجنی من حلق المضیق إلی سعة الطریق وفرج من عندك قریب وثیق واکشف عنی کل شدة وضیق واکفنی ما أطیق وما لا أطیق.

اللھم فرج عنی کل ھم وغم وأخرجنی من کل حزن و کرب یا فارج الھم وکاشف الغم ویا منزل القطر ویا مجیب دعوة المضطرین یا رحمن الدنیا والآخرة ورحیمھما صل علی خیرتك من خلقك محمد النبی صلی اللہ علیه وسلم وآله الطیبین الطاھرین وفرج عنی ما قد ضاق به صدری وعیل منه صبری وقلت فیه حیلتی وضعفت له قوتی یا کاشف کل ضر وبلیة ویا عالم کل سر وخفیة یا أرحم الراحمین أفوض أمری إلی اللہ إن اللہ بصیر بالعباد وما توفیقی إلا باللہ علیه توکلت وھو رب العرش العظیم. (کنز العمال، ج:۱، رقم الحدیث:۳۹۵۸)

(اے میرے پروردگار! میں تیرے حضور اپنے ہر اس گناہ سے معافی مانگتا ہوں جس پر تیری عافیت کی وجہ سے میرا بدن قوی ہوگیا۔ تیری نعمت کے سبب میں گناہ پر قادر ہوا۔ تیری نعمت کی کثرت کی وجہ سے میں گناہ کی طرف بڑھا۔ گناہ کے وقت تیرے خوف کو بھول کر تیری امید پر بھروسہ کر بیٹھا۔

تیری بردباری پر بھروسہ کرلیا۔ تیری معافی اور درگذر کی تاویل کر کے گناہ میں غرق ہوگیا۔
اے میرے پروردگار! میں اپنے ہر گناہ سے تیری جناب میں معافی مانگتا ہوں، جس میں میں نے اپنی امانت میں خیانت کا ارتکاب کیا۔ اپنے نفس پر ظلم کیا۔ اپنی لذتوں کو آگے رکھا۔ اپنی شہوتوں کو ترجیح دی۔ دوسرے کے لیے کوشش کی (اور تیری نافرمانی ہوئی)۔ اپنے پیچھے چلنے والوں کی وجہ سے گناہ کے دھوکے میں پڑ گیا۔ حیلے بہانوں کے ساتھ گناہوں میں پڑ گیا لیکن تو نے مجھے پھر بھی اپنے عذاب میں مغلوب نہیں کیا (یعنی تو نے مجھ سے بدلہ نہیں لیا باوجودیکہ تجھے میری معصیت ناپسند تھی اور تو بدلہ لینے پر قادر تھا) باوجود اس کے کہ اے پروردگار تو میرے گناہ کو ناپسند کرتا تھا۔ تیرے علم میں پہلے سے تھا کہ میں گناہ کے راستے کو اختیار کروں گا اور بری راہ کو ترجیح دوں گا لیکن تو نے پھر بھی میرے ساتھ بردباری کی۔ یقیناً تو نے مجھے جبراً گناہ کی دلدل میں نہیں ڈالا، نہ مجھے زبردستی اس پر مجبور کیا اور نہ ذرہ بھر بھی ظلم کیا۔
اے سب سے بڑھ کر رحم کرنے والے! اے ہر مصیبت کے وقت کے ساتھی! اے تنہائی کے انیس! اے نعمتوں کے محافظ! اے میرے اندر کے دوست! اے کرب و مصیبت کو دور کرنے والے! اے میری پکار کو سننے والے! اے میرے آنسوؤں پر رحم کھانے والے! اے میری لغزش سے درگذر کرنے والے! اے میرے برحق مولی! اے میرے مضبوط پشت پناہ! اے میرے قریب ترین اور میرے اندر جاری! اے محبت کرنے والے۔ اے بیت عتیق کے پروردگار! مجھے تنگی کے حلقہ سے کشادگی کے راستے کی طرف نکال۔ اپنے ہاں سے جلد کشادگی و فراخی فرما۔ ہر تنگی و سختی کو مجھ سے دور فرما۔ ہر چیز میں میری کفایت فرما۔ چاہے میری طاقت میں ہو یا نہ ہو۔
اے میرے پروردگار! مجھ سے ہر رنج اور غم کو دور کر دے۔ اے بارش برسانے والے! اے مجبوروں کی پکار سننے والے! اے دنیا و آخرت کے رحمٰن و رحیم، اپنی مخلوق کے بہترین بندے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام نازل فرما اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاکیزہ آل پر بھی۔ جس تنگی میں میرا دل مضطر ہے، جس پر میرے صبر کا پیمانہ چھلک رہا ہے، جس میں میری تدبیر کمزور پڑ گئی ہے، میری قوت جواب دے گئی ہے، اس مصیبت و تنگی کو مجھ سے ختم فرما۔ اے ہر نقصان، آزمائش کو ختم کرنے والے! اے ہر پوشیدہ راز کو جاننے والے! اے سب سے بڑھ کر رحم کرنے والے! میں اپنا معاملہ تیرے سپرد کرتا ہوں۔ بیشک اللہ تعالیٰ بندوں کو دیکھ رہا ہے۔ میری توفیق اللہ پاک ہی سے ہے۔ اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور وہ عرش عظیم کا پروردگار ہے)

۸۔ قبض و بسط کے بارے میں صوفیائے کرامؒ کے اقوال

صالحین امت سے قبض و بسط کے بارے میں سنہرے اقوال منسوب ہیں ان میں سے کچھ درج ذیل ہیں:

(ا)۔ خواجہ عبداللہ انصاریؒ فرماتے ہیں کہ بسط سے مراد اللہ تعالیٰ کا بندے کے دل، وقت اور ہمت کو وسعت عطا کرنا ہے اور یہ وسعت تین طرح کی ہوتی ہے:

(i)۔ بسط دعا: بسط دعا کی تین نشانیاں ہیں: (ا)۔ احترام کے ساتھ اپنے مالک کو پکارنا، (ب)۔ ہیبت الٰہی کے ساتھ گریہ زاری کرنا، (ج)۔ وہ سوال کرنا جس میں طلب خیر ہو۔

(ii)۔ بسط خدمت: بسط خدمت کی تین علامتیں ہیں: (ا)۔ انسان کے کام اس پر آسان ہو جاتے ہیں، (ب)۔ بے پناہ جذبہ خدمت جو خلق سے پوشیدہ ہو، (ج)۔ خدمت کے وقت دل کی پیش قدمی۔

(iii)۔ بسط طلب: بسط طلب کی بھی تین نشان ہیں: (ا)۔ معلومات کی کمی کے باوجود فوائد کی کثرت، (ب)۔ خدمت قلیل مگر لذت زیادہ، (ج)۔ فکر کم اور دیدار کی دولت زیادہ۔

(صد میدان، ص: ۱۷۷-۱۷۸)

(۲)۔ شیخ احمد بن عطا اسکندریؒ فرماتے ہیں کہ قبض اور بسط دو حالتیں ہیں جو سالک پر یکے بعد دیگرے وارد ہوتی رہتی ہیں۔ قبض تو یہ ہے کہ قلب پر کوئی جلال کی صفت ایسی وارد ہو جائے کہ جس سے قلب گرفتہ ہو جائے اور دل کی خوشی جاتی رہے اور ذکر و طاعت میں دل لگی نہ رہے۔ بسط یہ ہے کہ جمال و رحمت کی صفت قلب پر اس طرح غالب ہو کہ بشاشت و انشراح کی کیفیت اس قدر ہو جائے کہ تھامنے سے بھی رکے۔ (الحکم العطائیہ: اکمال الشیم، ص: ۲۱۹)

(۳)۔ امام قشیریؒ فرماتے ہیں کہ قبض اور بسط دو کیفیتیں ہیں جو عارفوں کے دل پر طاری ہوتی ہے۔ جب اللہ پاک کا خوف غالب ہوتا ہے تو ان کے دل تنگ ہوتے ہیں اور جب رحمت کی امید غالب ہوتی ہے تو ان کے دل کشادہ ہوتے ہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح، ج: ۲، رقم الحدیث: ۸۱۱)

(۴)۔ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ فرماتے ہیں کہ قبض و بسط سالک کے دل کی دو حالتیں ہیں جو اسے محبت الٰہی کے شروع میں حاصل ہوتی ہیں۔(عوارف المعارف،ص:۶۱۱)

(۵)۔ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ فرماتے ہیں کہ قبض انسان کے نفس کے ظہور اور غلبہ سے پیدا ہوتی ہے اور بسط کی صفت غلبہ قلب سے پیدا ہوتی ہے۔نفس لوامہ کو یہ دونوں حالتیں پیش آتی ہیں۔

(عوارف المعارف،ص:۶۱۲)

(۶)۔ حضرت فارسؒ کے مطابق قبض و بسط ابتدا میں ہوتا ہے کیونکہ یہ وجود میں واقع ہوتا ہے مگر فنا اور بقا کے ساتھ نہیں ہوتا۔(عوارف المعارف،ص:۶۱۲)

(۷)۔ حضرت بایزید بسطامیؒ فرماتے ہیں کہ دلوں کا قبض نفسانی خواہشات کی کشادگی میں ہے اور دلوں کی کشادگی نفسانی خواہشات کے قبض (کنٹرول کرنے) میں ہے۔(کشف المحجوب،ص:۴۲۸)

(۸)۔ سید علی ہجویریؒ فرماتے ہیں کہ دلوں کا حجاب کی حالت میں بند ہو جانا قبض کہلاتا ہے اور دلوں کا کشف کی حالت میں کھل جانا بسط کہلاتا ہے۔ یہ دونوں حق ہیں،سالک کا ان میں کوئی اختیار نہیں ہوتا۔(کشف المحجوب،ص:۴۲۷)

(۹)۔ حضرت ابوعبداللہ بن خفیفؒ فرماتے ہیں: بسط یہ ہے کہ سالک سوال کرتے وقت اپنا رعب نہ دکھائے۔(طبقات صوفیہ،ص:۳۲۶)

۸۔ قبض و بسط کے واقعات

سلف الصالحین کی حالت قبض و بسط کے چند واقعات یہاں نقل کیے جاتے ہیں۔

(۱)۔ حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ پاک نے تخلیق کے بعد جنت میں رکھا تو وہ حالت بسط میں تھے۔ آپ علیہ السلام ہر وقت ہشاش بشاش رہتے اور انوار و تجلیات خداوندی کا مشاہدہ فرماتے۔ آدم و حوا علیہم السلام کو جنت سے زمین پر اتارا تو حالت بسط حالت قبض سے تبدیل ہوگئی۔ اس عرصہ میں آپ علیہم السلام نے جو گریہ کیا اس سے آپ علیہم السلام کے درجات میں اضافہ ہوا اور خلافت الٰہیہ پر فائز

ہوئے۔ اگر جنت میں ہوتے تو حالت بسط میں ہی رہتے تو رونے سے جو بلند مرتبے ملے خوشی میں نہ ملتے۔

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم و حوا علیہم السلام کو قربتیں دے کر بلند کرنا چاہا تو حالت بسط میں شانِ آدمیت سے بہرہ مند فرمایا پھر گناہ ہو جانے کا احساس دلایا تو آپ علیہم السلام کی حالت بسط، حالت قبض سے تبدیل ہو گئی اور آپ علیہم السلام اللہ پاک کے حضور توبہ و استغفار اور ندامت کے آنسو بہانے لگے۔ حالت قبض میں توبہ و استغفار کرنے سے آپ علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ نے بلند درجات عطا فرمائے اور زمین پر اپنا خلیفہ مقرر کیا۔ یہ حالت قبض ہی تھی جس نے آپ علیہ السلام کے درجات کو اور بلند کیا۔

(۲)۔ اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر نبی حضرت یحییٰ علیہ السلام نے اپنی ساری زندگی حالت قبض میں گزاری۔ کسی انسان نے کبھی انہیں ہنستے ہوئے نہیں دیکھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حالت بسط میں تھے اس لیے کسی انسان نے آپ علیہ السلام کو کبھی بھی روتے ہوئے نہیں دیکھا۔ دونوں کی جب ملاقات ہوتی تو حضرت یحییٰ علیہ السلام کہتے کہ اے عیسیٰ علیہ السلام آپ علیہ السلام جدائی سے محفوظ ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے کہ اے یحییٰ علیہ السلام آپ علیہ السلام اللہ پاک کی رحمت پر نظر نہیں رکھتے، اس لیے کہ تمہارا رونا اللہ پاک کے ازلی حکم کو بدلتا ہے اور نہ ہی میرا ہنسنا قضائے الٰہی کو تبدیل کرتا ہے۔ (کشف المحجوب، ص:۴۲۸)

(۳)۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر وحی کی ابتداء سچے خوابوں سے ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جو بھی خواب دیکھتے تو وہ حقیقت بن کر سامنے آتا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم غار حرا میں تشریف لے جاتے تو کھانا اپنے ساتھ لے جاتے اور شب و روز وہاں عبادت الٰہی میں مشغول رہتے۔ پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لاتے اور اسی طرح کھانا لے کر واپس غار حرا میں تشریف لے جاتے۔

اچانک ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس وحی آئی۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم غار حرا میں تھے۔ وہاں حضرت جبریل علیہ السلام آئے اور کہا کہ پڑھ! حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو پکڑا اور زور سے دبایا۔ جس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو تکلیف ہوئی پھر چھوڑ دیا اور کہا کہ پڑھ! آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کہا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ پھر حضرت جبریل علیہ السلام

نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پکڑ کر تیسری بار زور سے دبایا۔ جس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیف ہوئی پھر چھوڑ کر کہا: اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ۔ (سورۃ العلق، آیات: ۵-۱)

(پڑھیے! اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔ جس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا۔ پڑھیے! آپ کا پروردگار بڑے کرم والا ہے۔ جس نے قلم سے تعلیم دی۔ انسان کو وہ کچھ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا)

اس واقعہ کے بعد جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس واپس تشریف لے آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شانے تھرتھرا رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے کمبل اوڑھا دو۔ یہاں تک کہ جب خوف کا اثر جاتا رہا تو فرمایا: اے خدیجہ رضی اللہ عنہا مجھے کیا ہو گیا ہے اور سارا ماجرا بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ مجھے اپنی جان کا ڈر ہے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ ہرگز نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خوش ہوں اللہ کی قسم! اللہ پاک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کبھی رسوا نہیں کرے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صلہ رحمی کرتے ہیں۔ سچی بات کرتے ہیں۔ غریبوں کے ساتھ نیک سلوک کرتے ہیں۔ مہمان نوازی کرتے ہیں اور حق کی راہ میں پیش آنے والے تکالیف میں مدد کرتے ہیں۔ پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبدالعزی بن قصی کے پاس لے گئیں۔ جو زمانہ جاہلیت میں نصرانی ہو گئے تھے۔ انجیل عربی زبان میں لکھا کرتے تھے۔ اس وقت وہ بہت بوڑھے اور نابینا ہو چکے تھے۔ ان سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا اے چچا زاد بھائی اپنے بھتیجے کی بات سنیے۔ ورقہ نے پوچھا اے بھتیجے تم کیا دیکھتے ہو؟ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو کچھ دیکھا وہ بیان فرما دیا۔ ورقہ نے کہا کہ یہی وہ ناموس (فرشتہ) ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا تھا۔ کاش کہ میں اس وقت توانا ہوتا اور زندہ رہتا جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قوم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے آبائی شہر سے نکال دے گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اچھا تو کیا یہ لوگ مجھے نکال دیں گے؟ ورقہ نے کہا، ہاں! جب بھی کوئی آدمی اس طرح کا پیغام لایا جیسا تم لائے ہو تو اس سے دشمنی کی گئی۔ اگر میں نے تمہارا زمانہ پا لیا تو تمہاری زبردست مدد کروں گا۔

اس کے بعد ورقہ بن نوفل کا جلد ہی انتقال ہو گیا اور وحی کی آمد رک گئی۔ یہاں تک کہ حضور نبی

کریم ﷺ ان واقعات سے جو ہم کو معلوم ہوئے اس قدر غمگین ہوئے کہ متعدد بار بلند چوٹی پر سے خود کو گرانا چاہا۔ جب بھی آپ ﷺ پہاڑ کی چوٹی پر پہنچتے کہ خود کو لڑھکا دیں تو حضرت جبریل علیہ السلام ظاہر ہوتے اور کہتے: اے محمد ﷺ! آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ﷺ ہیں تو اس سے آپ ﷺ کا اضطراب تھم جاتا، طبیعت کو قرار آ جاتا اور واپس تشریف لے آتے۔ (صحیح بخاری، ج: ۳، رقم الحدیث: ۱۹۰۸)

حافظ ابن حجرؒ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ سلسلہ وحی کے رک جانے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس دوران آپ ﷺ کے پاس حضرت جبریل علیہ السلام کی آمد کا سلسلہ بھی رک گیا تھا بلکہ وحی کے رک جانے سے مراد نزول قرآن کے سلسلہ کا موقوف ہوجانا ہے۔ اس عرصہ میں حضرت جبریل علیہ السلام تو آتے رہتے تھے لیکن قرآن نہیں لاتے تھے۔ کچھ عرصہ کے لیے نزول وحی کے موقوف ہوجانے میں مصلحت وحکمت یہ تھی کہ ابتدائی مرحلہ پر حضور نبی کریم ﷺ کے دل میں جو خوف پیدا ہو گیا تھا اس کے اثرات زائل ہوجائیں اور اس خوف و ہراس کی جگہ شوق و انتظار کے جذبات پیدا ہوجائیں۔ (دیکھیے مشکوٰۃ المصابیح، ج: ۵، رقم الحدیث: ۴۲۳)

(۴)۔ حضرت حنظلہ اسیدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھ سے حضرت ابوبکر صدیق ﷺ کی ملاقات ہوئی تو انہوں نے پوچھا اے حنظلہ! تم کیسے ہو؟ میں نے جواب دیا کہ حنظلہ تو منافق ہو گیا۔ انہوں نے کہا سُبۡحَانَ اللّٰہِ تم کیا کہہ رہے ہو؟ میں نے کہا: ہم جب حضور نبی پاک ﷺ کی خدمت میں ہوتے ہیں اور آپ ﷺ ہمیں جنت و دوزخ کی یاد دلاتے رہتے ہیں تو گویا ہم انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور جب ہم آپ ﷺ کے پاس سے چلے جاتے ہیں تو ہم بیویوں اور اولاد اور زمینوں وغیرہ کے معاملات میں مشغول ہوجاتے ہیں اور ہم بہت ساری چیزوں کو بھول جاتے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ پاک کی قسم! ہمارے ساتھ بھی اسی طرح کا معاملہ پیش آتا ہے۔

میں اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! حنظلہ تو منافق ہو گیا۔ آپ ﷺ نے پوچھا کیا وجہ ہے؟ میں نے

عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! جب ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ہوتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں جنت و دوزخ کی یاد دلاتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ وہ آنکھوں دیکھے ہو جاتے ہیں۔ جب ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے چلے جاتے ہیں تو ہم اپنی بیویوں اور اولاد اور زمین کے معاملات وغیرہ میں مشغول ہو جانے کی وجہ سے بہت ساری چیزوں کو بھول جاتے ہیں۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر تم اسی کیفیت پر ہمیشہ رہو جس حالت میں میرے پاس ہوتے ہو، ذکر میں مشغول ہوتے ہو تو فرشتے تمہارے بستروں پر تم سے مصافحہ کریں اور راستوں میں بھی لیکن اے حنظلہ (رضی اللہ عنہ) ایک ساعت (یاد کی) ہوتی ہے اور دوسری (غفلت کی) اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین بار یہی ارشاد فرمایا۔

(صحیح مسلم، ج: ۳، رقم الحدیث: ۲۷۶۵)

(۵)۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ہم حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر تھے تو اسی دوران حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قربان! یہ قرآن کریم تو میرے سینے سے نکلتا جا رہا ہے۔ میں اسے محفوظ نہیں رکھ پا رہا ہوں۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ابوالحسن! کیا میں تمہیں ایسے کلمے نہ سکھا دوں کہ جن کے ذریعہ اللہ پاک تمہیں بھی فائدہ دے اور انہیں بھی فائدہ پہنچے جنہیں تم یہ کلمے سکھاؤ؟ اور جو تم سیکھو وہ تمہارے سینے میں محفوظ رہے۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ کلمات ضرور سکھایئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب جمعہ کی رات ہو اور رات کے آخری تہائی حصے میں تم کھڑے ہو سکتے ہو تو اٹھ کر اس وقت عبادت کرو کیونکہ رات کے تیسرے پہر کا وقت ایسا وقت ہوتا ہے جس میں فرشتے بھی موجود ہوتے ہیں اور دعا اس وقت قبول ہوتی ہے۔ میرے بھائی حضرت یعقوب علیہ السلام نے بھی اپنے بیٹوں سے کہا تھا کہ میں تمہارے لیے آنے والی جمعہ کی رات میں اپنے رب سے مغفرت طلب کروں گا۔ اگر نہ اٹھ سکو تو درمیان پہر میں اٹھ جاؤ اور اگر درمیانی حصے (پہر) میں نہ اٹھ سکو تو پہلے پہر ہی میں اٹھ جاؤ اور چار رکعت نماز پڑھو۔ پہلی رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد سورۃ یٰسین پڑھو۔ دوسری رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد سورۃ دخان اور تیسری رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد سورۃ سجدہ اور چوتھی

رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد سورۃ الملک پڑھو۔ پھر جب تشہد (آخری قعدہ) سے فارغ ہو جاؤ تو اللہ پاک کی حمد بیان کرو اور اچھے ڈھنگ سے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کرو اور مجھ پر اچھے طریقے سے صلاۃ (درود) بھیجو۔ سارے انبیاء علیہم السلام پر صلاۃ (درود) بھیجو اور مومن مردوں اور مومنہ عورتوں کے لیے مغفرت طلب کرو۔ ان مومن بھائیوں کے لیے بھی مغفرت کی دعا کرو، جو تم سے پہلے اس دنیا سے جا چکے ہیں۔ پھر اس سب کے بعد یہ دعا پڑھو:

اللَّهُمَّ ارْحَمْنِي بِتَرْكِ الْمَعَاصِي أَبَدًا مَا أَبْقَيْتَنِي، وَارْحَمْنِي أَنْ أَتَكَلَّفَ مَا لَا يَعْنِينِي، وَارْزُقْنِي حُسْنَ النَّظَرِ فِيمَا يُرْضِيكَ عَنِّي.

اللَّهُمَّ بَدِيعَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ وَالْعِزَّةِ الَّتِي لَا تُرَامُ، أَسْأَلُكَ يَا أَللّٰهُ يَا رَحْمٰنُ بِجَلَالِكَ، وَنُورِ وَجْهِكَ أَنْ تُلْزِمَ قَلْبِي حِفْظَ كِتَابِكَ كَمَا عَلَّمْتَنِي، وَارْزُقْنِي أَنْ أَتْلُوَهُ عَلَى النَّحْوِ الَّذِي يُرْضِيكَ عَنِّي.

اللَّهُمَّ بَدِيعَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ وَالْعِزَّةِ الَّتِي لَا تُرَامُ، أَسْأَلُكَ يَا أَللّٰهُ يَا رَحْمٰنُ بِجَلَالِكَ وَنُورِ وَجْهِكَ أَنْ تُنَوِّرَ بِكِتَابِكَ بَصَرِي، وَأَنْ تُطْلِقَ بِهِ لِسَانِي، وَأَنْ تُفَرِّجَ بِهِ عَنْ قَلْبِي، وَأَنْ تَشْرَحَ بِهِ صَدْرِي، وَأَنْ تَغْسِلَ بِهِ بَدَنِي، لِأَنَّهُ لَا يُعِينُنِي عَلَى الْحَقِّ غَيْرُكَ، وَلَا يُؤْتِيهِ إِلَّا أَنْتَ، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ.

(اے پروردگار! مجھ پر رحم فرما اس طرح کہ جب تک تو مجھے زندہ رکھ میں ہمیشہ گناہ چھوڑے رکھوں۔ اے میرے پروردگار! تو مجھ پر رحم فرما اس طرح کہ میں لایعنی چیزوں میں نہ پڑوں۔ تیری رضا و خوشنودی کی چیزوں کو پہچاننے کے لیے مجھے حسن نظر (اچھی نظر) دے۔

اے میرے پرودگار! آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے والے، ذوالجلال (رعب و داب والے) اکرام (عزت و بزرگی والے) ایسی عزت والے کہ جس عزت کو حاصل کرنے کا کوئی ارادہ ہی نہ کر سکے۔ اے اللہ! اے بڑی رحمت والے میں تیرے جلال اور تیرے تابناک و منور چہرے کے وسیلہ سے تجھ سے مانگتا ہوں کہ تو میرے دل کو اپنی کتاب (قرآن پاک) کے حفظ کے ساتھ جوڑ دے، جیسے تو نے مجھے قرآن پاک سکھایا ہے ویسے ہی میں اسے یاد و محفوظ رکھ سکوں۔ تو مجھے اس بات کی توفیق دے کہ میں اس کتاب کو اسی طریقے اور اسی ڈھنگ سے پڑھوں جو تجھے مجھ سے راضی و

خوش کردے۔ اے اللہ! آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے، (جاہ) وجلال اور بزرگی والے اور ایسی عزت والے جس عزت کا کوئی ارادہ (تمنا اور خواہش) ہی نہ کر سکے۔ اے اللہ! اے رحمٰن تیرے جلال اور تیرے چہرے کے نور کے وسیلہ سے تجھ سے مانگتا ہوں کہ تو اپنی کتاب کے ذریعہ میری نگاہ کو منور کر دے (مجھے کتاب الٰہی کی معرفت حاصل ہو جائے) اور میری زبان بھی اسی کے مطابق چلے۔ اس کے ذریعہ میرے دل کا غم دور کر دے۔ اس کے ذریعہ میرا سینہ کھول دے (میں ہر اچھی و بھلی بات کو سمجھنے لگوں)۔ اس کے ذریعہ میرے بدن کو دھو دے (میں پاک وصاف رہنے لگوں) کیونکہ میرے حق پر چلنے کے لیے تیرے سوا کوئی اور میری مدد نہیں کر سکتا۔ اور نہ ہی کوئی تیرے سوا مجھے حق دے سکتا ہے اور اللہ جو برتر اور عظیم ہے اس کے سوا برائیوں سے پلٹنے اور نیکیوں کو انجام دینے کی توفیق کسی اور سے نہیں مل سکتی)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مزید ارشاد فرمایا: اے ابوالحسن! تین، پانچ یا سات جمعہ تک ایسا ہی کرو۔ اللہ پاک کے حکم سے دعا قبول کر لی جائے گی۔ قسم ہے اس پاک ذات کی جس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ اس کو پڑھ کر کوئی مومن کبھی محروم نہ رہے گا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ پاک کی قسم! حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ پانچ یا سات جمعہ ٹھہرے ہوں گے کہ وہ پھر حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں اس سے پہلے چار آیتیں یا ان جیسی دو ایک آیتیں (کم وبیش) یاد کر پاتا تھا۔ جب انہیں دل میں دہراتا تھا تو وہ بھول جاتی تھیں۔ اب یہ حال ہے کہ میں چالیس آیتیں سیکھتا ہوں یا چالیس سے دو چار کم یا زیادہ۔ پھر جب میں انہیں دہراتا ہوں تو مجھے ایسا لگتا ہے کہ کتاب اللہ میری آنکھوں کے سامنے کھلی ہوئی رکھی ہے (اور میں روانی سے پڑھتا چلا جاتا ہوں)۔ اسی طرح اس سے پہلے حدیث سنا کرتا تھا۔ پھر جب میں اسے دہراتا تو وہ دماغ سے نکل جاتی تھی۔ لیکن آج میرا حال یہ ہے کہ میں حدیثیں سنتا ہوں پھر جب میں انہیں بیان کرتا ہوں تو ان میں سے ایک حرف بھی کم نہیں کرتا۔ (جامع ترمذی، ج:۲، رقم الحدیث:۱۵۲۶)

(۶)۔ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تمام لڑائیوں میں حاضر رہا، مگر غزوہ بدر اور غزوہ تبوک میں پیچھے رہ گیا۔ غزوہ بدر میں پیچھے رہنے والوں پر اللہ

تعالیٰ کا عتاب (غصہ) نہیں ہوا۔غزوہ بدر میں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی منشا یہ تھی کہ قریش کے قافلہ کا پیچھا کیا جائے۔دشمنوں سے اچانک واسطہ پڑ گیا اور جنگ ہوگئی۔جنگ تبوک میں شریک نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس سے قبل کبھی بھی میرے پاس دوسواریاں جمع نہیں ہوئی تھیں مگر اس غزوہ کے وقت میرے پاس دوسواریاں تھیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عمل یہ تھا کہ پتا نشان اور جگہ واضح طور پر نہیں بتاتے تھے بلکہ کچھ گول مول سے الفاظ استعمال کرتے تھے تاکہ کوئی دوسرا مقام سمجھتا رہے۔غزوہ تبوک کے موقع پر تو شدید گرمی تھی۔راستہ لمبا، ویران اور دشمن کی تعداد زیادہ تھی۔لہٰذا اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو پرواضح کر دیا کہ ہم تبوک جا رہے ہیں تاکہ وہ تیاری کرلیں۔اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بڑی تعداد میں مسلمان تھے مگر کوئی ایسا رجسٹر نہیں تھا کہ جس میں سب کے نام لکھے ہوئے ہوتے۔کوئی مسلمان ایسا نہیں تھا کہ جو اس لڑائی میں شریک نہ ہونا چاہتا ہو، مگر ساتھ ہی وہ یہ خیال بھی کرتے تھے کہ کسی کی غیر حاضری حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس وقت تک معلوم نہیں ہوسکتی جب تک کہ وحی نہ آئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لڑائی کی تیاریاں شروع کر دیں اور یہ پھلوں کے پکنے کا موسم تھا اور سایہ میں بیٹھنا اچھا معلوم ہوتا تھا۔سب تیاری میں مصروف تھے مگر میں ہر صبح یہی سوچتا تھا کہ کرلوں گا کیا جلدی ہے، میں تو کسی بھی وقت تیاری کر سکتا ہوں۔ یوں دن گزرتے گئے۔ ایک روز صبح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روانہ ہو گئے۔ میں نے سوچا ایک دو دن میں تیاری کر کے راستہ میں ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ شامل ہو جاؤں گا۔اگلی صبح میں نے تیاری کرنا چاہی مگر رہ گیا۔تیسرے روز بھی ایسا ہی ہوا اور پھر متواتر ایسا ہی ہوتا رہا۔تب تک سب لوگ بہت دور نکل چکے تھے۔میں نے کئی مرتبہ ارادہ کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جا ملوں مگر تقدیر میں نہ تھا۔کاش! ایسا کر لیتا۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چلے جانے کے بعد جب میں مدینہ طیبہ میں چلتا پھرتا تو مجھے کو یا تو منافق نظر آتے یا وہ جو کمزور اور بیمار تھے۔ مجھے بہت افسوس ہوتا تھا۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے راستہ میں مجھے کہیں بھی یاد نہیں کیا۔ البتہ تبوک پہنچ کر جب لوگوں میں تشریف فرما ہوئے، تو

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا: کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کہاں ہیں؟ بنی سلمہ کے ایک آدمی حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ تو اپنے حسن پر فخر کرنے کی وجہ سے پیچھے رہ گئے ہیں۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تم نے اچھی بات نہیں کی۔ اللہ تعالیٰ کی قسم! یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہم تو انہیں اچھا آدمی جانتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ سن کر خاموش ہو رہے۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واپس آرہے ہیں تو میں سوچنے لگا کہ کوئی ایسا حیلہ بہانہ ہاتھ آجائے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غصہ سے مجھے بچا سکے۔ میں نے اپنے گھر کے سمجھ دار لوگوں سے بات کی یہ کہ اس سلسلہ میں وہ بھی کوئی مشورہ دیں۔ مگر جب یہ بات معلوم ہوئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ کے بالکل قریب آگئے ہیں، تو میرے دل سے اس حیلہ کا خیال دور ہوگیا۔ میں نے یقین کرلیا کہ جھوٹ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غصہ سے نہیں بچا سکے گا۔ اگلی صبح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ میں تشریف لے آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ یہ تھا کہ جب سفر سے واپس آتے تو پہلے مسجد نبوی میں جاتے اور دو رکعت نفل ادا فرماتے۔

غزوہ تبوک سے واپسی پر بھی حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں تشریف لائے اور دو رکعت نفل ادا فرمائے۔ اب جو لوگ پیچھے رہ گئے تھے انہوں نے آنا شروع کیا اور اپنے اپنے عذر (بہانے) بیان کرنے لگے اور قسمیں کھانے لگے۔ یہ لوگ اسی (۸۰) تھے یا اس سے کچھ زیادہ۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے ان کے عذر قبول کر لئے اور ان سے دوبارہ بیعت لی اور ان کے لئے دعائے مغفرت فرمائی اور ان کے دلوں کے خیالات کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دیا۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں بھی آیا السلام علیکم کہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسی مسکراہٹ سے جس میں غصہ بھی جھلک رہا تھا جواب دیا اور ارشاد فرمایا کہ آؤ! میں سامنے جا کر بیٹھ گیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے دریافت کیا: کعب (رضی اللہ عنہ) تم کیوں پیچھے رہ گئے تھے؟ حالانکہ تم نے تو سواری کا بھی انتظام کرلیا تھا۔ میں نے عرض کیا! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمانا درست ہے۔ میں اگر کسی اور کے سامنے ہوتا تو ممکن تھا کہ اس سے بہانہ وغیرہ کر کے چھوٹ جاتا کیونکہ میں بول بھی خوب سکتا ہوں مگر اللہ پاک گواہ ہے کہ میں جانتا ہوں کہ اگر آج میں نے جھوٹ بول کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو

راضی کرلیا، توکل اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو وحی کے ذریعے بتا دے گا۔ اللہ تعالیٰ کی قسم! میں قصور وار ہوں حالانکہ مال و دولت میں کوئی بھی میرے برابر نہیں ہے۔ مگر میں یہ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی غزوہ میں شریک نہ ہو سکا۔ آپ ﷺ نے یہ سن کر ارشاد فرمایا: کعب (رضی اللہ عنہ) نے صحیح بات بیان کردی۔ اچھا جاؤ اور اپنے بارے میں اللہ پاک کے حکم کا انتظار کرو۔

میں اٹھ کر چلا تو بنی سلمہ کے آدمی بھی میرے ساتھ ہو لیے اور کہنے لگے کہ ہم نے تو اب تک تمہارا کوئی گناہ نہیں دیکھا ہے۔ تم نے بھی دوسرے لوگوں کی طرح آپ ﷺ کے سامنے کوئی بہانہ پیش کردیا ہوتا۔ حضور نبی پاک ﷺ کی دعائے مغفرت آپ رضی اللہ عنہ کے لئے کافی ہوتی۔ وہ برابر مجھے یہی سمجھاتے رہے، یہاں تک کہ میرے دل میں یہ خیال آنے لگا کہ واپس آپ ﷺ کے پاس جاؤں اور پہلے والی بات کو غلط ثابت کر کے کوئی بہانہ پیش کردوں۔ پھر میں نے ان سے پوچھا کہ کیا کوئی اور بھی ہے؟ جس نے میری طرح اپنے گناہ کا اعتراف کیا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں دو آدمی اور بھی ہیں جنہوں نے اپنے گناہ کا اقرار کیا ہے۔ آپ ﷺ نے ان سے بھی وہی فرمایا ہے جو کہ تم سے ارشاد کیا ہے۔ میں نے ان کے نام پوچھے تو پتا چلا کہ ایک حضرت مرارہ بن ربیع عمروی رضی اللہ عنہ اور دوسرے حضرت ہلال بن امیہ واقفی رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ دونوں نیک آدمی تھے اور جنگ بدر میں شریک ہو چکے تھے۔ مجھے ان سے ملنا اچھا معلوم ہوتا تھا۔ غرض ان دو آدمیوں کا نام سن کر مجھے اطمینان ہو گیا اور میں چل دیا۔

حضور نبی کریم ﷺ نے تمام مسلمانوں کو منع فرما دیا تھا کہ ان تین آدمیوں سے کوئی بات نہ کرے۔ مگر دوسرے رہ جانے والے اور جھوٹے بہانے کرنے والوں کے لئے یہ حکم نہیں دیا تھا۔ آخر لوگوں نے ہم سے الگ رہنا شروع کردیا۔ ہم ایسے ہو گئے جیسے ہمیں کوئی جانتا ہی نہیں ہے۔ جیسا کہ آسمان و زمین بدل گئے ہیں۔ پچاس راتیں اسی حال میں گزر گئیں۔ میرے دونوں ساتھی تو گھر میں بیٹھ گئے مگر میں ہمت والا تھا، گھر سے باہر نکلتا۔ نماز با جماعت میں شریک ہوتا۔ بازار وغیرہ جاتا، مگر کوئی بات نہیں کرتا تھا۔

میں حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں بھی آتا۔ آپ ﷺ مصلے پر تشریف رکھے ہوتے۔

میں سلام کرتا اور مجھے ایسا شک ہوتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہونٹ ہل رہے ہیں۔ شاید سلام کا جواب دے رہے ہیں۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب ہی نماز پڑھنے لگتا مگر آنکھ چرا کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی دیکھتا رہتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا کرتے رہتے ہیں۔ چنانچہ میں جب نماز میں ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے دیکھتے رہتے۔ جب میری نظر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملتی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منہ پھیر لیا کرتے تھے۔ اس حال میں مدت گزر گئی اور میں لوگوں کی خاموشی سے عاجز آ گیا۔ پھر اپنے چچا زاد بھائی حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کے پاس باغ میں آیا اور سلام کیا۔ اس سے مجھے بہت محبت تھی مگر اللہ تعالیٰ کی قسم! اس نے میرے سلام کا جواب نہیں دیا۔ میں نے کہا: اے ابوقتادہ رضی اللہ عنہ! تو مجھے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حامی جانتا ہے یا نہیں؟ مگر اس نے جواب نہ دیا۔ پھر میں نے قسم کھا کر یہی بات کہی، مگر جواب نہ ملا۔ میں نے تیسری مرتبہ یہی کہا، تو حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے صرف اتنا جواب دیا کہ اللہ پاک اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خوب معلوم ہے۔ مجھ سے ضبط نہ ہو سکا آنسو جاری ہو گئے اور میں واپس چل دیا۔

میں ایک دن بازار میں جا رہا تھا کہ ایک نصرانی کسان جو ملک شام کا رہنے والا تھا اور اناج فروخت کرنے آیا تھا وہ میرا پتہ لوگوں سے معلوم کر رہا تھا۔ لوگوں نے میری طرف اشارہ کیا کہ یہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں۔ وہ میرے پاس آیا اور غسان کے نصرانی بادشاہ کا ایک خط مجھے دیا۔ اس خط میں لکھا تھا: مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمہارے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تم پر بہت زیادتی کر رہے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تم کو ذلیل نہیں بنایا ہے۔ تم بہت کام کے آدمی ہو۔ تم میرے پاس آ جاؤ۔ تمہیں بہت آرام سے رکھیں گے۔ میں نے سوچا یہ دوہری آزمائش ہے اور پھر اس خط کو آگ کے تندور میں ڈال دیا۔

ابھی صرف چالیس راتیں گزری تھیں اور دس باقی تھیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قاصد حضرت حزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ نے مجھ سے آ کر کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ تم اپنی بیوی سے الگ رہو۔ میں نے کہا کیا مطلب ہے؟ طلاق دے دوں یا کچھ اور؟ حضرت حزیمہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ بس الگ رہو اور تعلق نہ رکھو۔ ایسا ہی حکم میرے دونوں ساتھیوں کو بھی ملا تھا۔ میں نے بیوی سے کہا کہ تم اپنے رشتہ داروں میں جا کر رہو، جب تک اللہ تعالیٰ میرا فیصلہ نہ فرما دے۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پھر ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کی بیوی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہنے لگی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ میرا خاوند بہت بوڑھا ہے اگر میں اس کا کام کردیا کروں تو کوئی برائی تو نہیں ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نہیں مگر وہ تعلق نہیں رکھ سکتا۔ اس نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اس میں تو ایسی خواہش ہی نہیں ہے اور جب سے یہ بات ہوئی ہے، روتا رہتا ہے۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھ سے کچھ میرے عزیزوں نے کہا کہ تم بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جاکر اپنی بیوی کے بارے میں ایسی ہی اجازت حاصل کرلو تاکہ وہ تمہاری خدمت کرتی رہے۔ جس طرح حضرت ہلال رضی اللہ عنہ کی بیوی کو اجازت مل گئی ہے۔ میں نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ کی قسم! میں کبھی ایسا نہیں کرسکتا۔ معلوم نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا ارشاد فرمائیں۔ میں نوجوان آدمی ہوں۔ حضرت ہلال رضی اللہ عنہ کی مانند کمزور نہیں ہوں۔

اس کے بعد وہ دس راتیں بھی گزر گئیں اور میں پچاسویں رات کی صبح نماز کے بعد اپنے گھر کے پاس بیٹھا تھا اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ زندگی بہت مشکل ہوچکی ہے۔ زمین میرے لئے اپنی وسعت (کھلا ہونے) کے باوجود تنگ ہوچکی ہے کہ اتنے میں کوہ سلع (ا) پر سے کسی پکارنے والے نے پکار کر کہا کہ اے کعب بن مالک رضی اللہ عنہ! تم کو بشارت دی جاتی ہے۔ اس آواز کے سنتے ہی میں خوشی سے سجدہ میں گر پڑا اور یقین کرلیا کہ اب یہ مشکل آسان ہوگئی ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز فجر کے بعد لوگوں سے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کا قصور معاف کردیا ہے۔ اب لوگ میرے پاس اور میرے ان ساتھیوں کے پاس خوشخبری اور مبارکباد کے لئے جانے لگے۔ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ اپنے گھوڑے کو بھگاتے ہوئے میرے پاس آئے اور ایک دوسرا آدمی بنی سلمہ کا کوہِ سلع پہاڑ پر چڑھ گیا۔ اس کی آواز جلدی میرے کانوں تک پہنچ گئی۔ اس وقت میں اس قدر خوش ہوا کہ اپنے کپڑے اس کو دے دیے۔ حالانکہ میرے پاس ان کے سوا کوئی دوسرے کپڑے نہیں تھے۔ میں نے حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے دو کپڑے لے کر پہنے۔

ا۔ مدینہ منورہ کے شمال مغرب میں واقع ایک پہاڑ کا نام۔

میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں جانے لگا۔ راستہ میں لوگوں کا ایک ہجوم تھا، جو مجھے مبارکباد دے رہے تھے۔ وہ کہہ رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ انعام تمہیں مبارک ہو۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں مسجد میں گیا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما تھے اور دوسرے لوگ بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ مجھے دیکھ کر دوڑے اور مصافحہ کیا۔ پھر مبارکباد دی۔ مہاجرین میں سے یہ کام صرف حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے کیا۔ اللہ تعالیٰ گواہ ہے کہ میں ان کا یہ احسان کبھی نہ بھولوں گا۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پھر جب میں نے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ خوشی سے چمک رہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے کعب رضی اللہ عنہ! یہ دن تمہیں مبارک ہو۔ یہ دن تمہاری پیدائش سے لے کر آج تک سب دنوں سے اچھا ہے۔ میں نے عرض کی کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! یہ معافی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوئی ہے یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے معاف کیا گیا ہے۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے بیٹھ کر عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں اپنی اس نجات اور معافی کے شکریہ میں اپنا سارا مال اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے خیرات نہ کردوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تھوڑا کرو اور کچھ اپنے لئے بھی رکھو کیونکہ یہ تمہارے لئے فائدہ مند ہے۔ میں نے عرض کیا ٹھیک ہے۔ میں اپنا خیبر کا حصہ روک لیتا ہوں۔ پھر میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں نے سچ بولنے کی وجہ سے نجات پائی ہے۔ اب میں تمام زندگی سچ ہی بولوں گا۔ اللہ تعالیٰ کی قسم! میں نہیں کہہ سکتا کہ سچ بولنے کی وجہ سے اللہ پاک نے کسی پر ایسی مہربانی فرمائی ہو، جیسی مجھ پر کی ہے۔ اس وقت سے جب کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سچی بات کہہ دی، پھر اس وقت سے اب تک میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا اور میں امید کرتا ہوں کہ زندگی بھر اللہ تعالیٰ مجھے جھوٹ سے بچائے گا۔

(صحیح بخاری، ج:۲، رقم الحدیث:۱۶۰۵)

(۷)۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنگ یمامہ [1] میں قرآن مجید کے حفاظ کی بہت زیادہ شہادتوں کی وجہ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مجھے بلایا۔ میں جب ان کے پاس پہنچا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پہلے سے موجود تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مجھ سے کہا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ میرے پاس آئے اور کہا کہ جنگ یمامہ میں قرآن مجید کے قاری بہت زیادہ شہید ہو گئے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اگر وہ دوسری جنگوں میں بھی اسی طرح شہید ہوتے رہے تو خدشہ ہے کہ قرآن پاک کا کچھ حصہ ضائع ہو جائے گا۔ میں سمجھتا ہوں کہ آپ رضی اللہ عنہ قرآن مجید کو (کتابی صورت میں) جمع کرنے کا حکم دیں۔ اس پر میں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میں کوئی ایسا کام کیسے کر سکتا ہوں جسے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہیں کیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اللہ پاک کی قسم! یہ تو کار خیر ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس معاملہ میں برابر مجھ سے کہتے رہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس معاملے میں میرا بھی سینہ کھول دیا۔ میں بھی وہی مناسب سمجھنے لگا جسے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مناسب سمجھتے تھے۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تم جوان ہو اور عقلمند ہو۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کاتب وحی بھی رہ چکے ہو۔ قرآن مجید (کی آیات) کو تلاش کر کے ایک جگہ جمع کر دو۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اللہ پاک کی قسم! اگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مجھے کسی پہاڑ کو اٹھا کر دوسری جگہ رکھنے کا حکم دیتے تو میں اس کا اتنا بوجھ نہ محسوس کرتا جتنا کہ مجھے قرآن مجید کو جمع کرنے کے حکم سے محسوس ہوا۔ میں نے ان سے کہا کہ آپ رضی اللہ عنہم ایسا کام کیوں کرتے ہیں جو حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہیں کیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ واللہ! یہ خیر ہے۔ چنانچہ مجھے آمادہ کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس کام کے لیے میرا بھی سینہ کھول دیا جس کے لیے حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہم کا سینہ کھولا تھا۔ میں بھی وہی مناسب خیال کرنے لگا جسے وہ لوگ مناسب خیال کر رہے تھے۔ (صحیح بخاری، ج:۲، رقم الحدیث:۲۲۲۲)

---

[1]۔ جنگ یمامہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت ۱۲ ہجری میں یمامہ کے مقام پر مسیلمہ کذاب کے خلاف لڑی گئی تھی۔

(۸)۔ ایک دیہاتی شخص نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے زندگی کی تنگی، مال کی کمی اور خاندان کی کثرت کی شکایت کی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا: تم استغفار کو لازم پکڑو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: استغفروا ربکم انه کان غفارا (اپنے رب سے استغفار کرو بیشک وہ مغفرت کرنے والا ہے) چنانچہ (اعرابی چلا گیا اور کچھ دنوں بعد واپس آیا اور عرض کیا: اے امیر المومنین رضی اللہ عنہ! اللہ پاک سے بہت استغفار کیا لیکن میں) جن حالات کا شکار ہوں ان سے خلاصی کی صورت نہ نکلی۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: شاید تم نے اچھی طرح استغفار نہ کیا ہوگا؟ اعرابی نے عرض کیا: پھر آپ رضی اللہ عنہ ہی مجھے سکھا دیجیے! آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اپنی نیت خالص رکھو اپنے پروردگار کی فرمانبرداری کرو اور یوں کہو:

اللهم إنى أستغفرك من كل ذنب قوى عليه بدنى بعافيتك أو نالته قدرتى بفضل نعمتك أو بسطت إليه يدى بسابغ رزقك أو اتكلت فيه عند خوفى منك على أناتك أو وثقت بحلمك أو عولت فيه على كرم عفوك.

اللهم إنى أستغفرك من كل ذنب خنت فيه أمانتى أو بخست فيه نفسى أو قدمت فيه لذاتى أو آثرت فيه شهواتى أو سعيت فيه لغيرى أو استغريت فيه من تبعنى أو غلبت فيه بفضل حيلتى إذا حلت فيه عليك مولاى فلم تغلبنى (فلم تغلبنى أى لم تنتقم منى مع أنك تبغض معصيتى و قادر على الانتقام منى) على فعلى إذ كنت سبحانك كارها لمعصيتى لكن سبقك علمك فى اختيارى واستعمالى مرادى وإيثارى فحلمت عنى فلم تدخلنى فيه جبرا ولم تحملنى عليه قهرا ولم تظلمنى شيئا.

يا أرحم الراحمين يا صاحبى عند شدتى يا مؤنسى فى وحدتى يا حافظى فى نعمتى يا ولى فى نفسى يا كاشف كربتى يا مستمع دعوتى يا راحم عبرتى يا مقيل عثرتى يا إلهى بالتحقيق يا ركنى الوثيق يا جارى اللصيق يا مولاى الشفيق يا رب البيت العتيق أخرجنى من حلق المضيق إلى سعة الطريق وفرج من عندك قريب وثيق واكشف عنى كل شدة وضيق واكفنى ما أطيق وما لا أطيق.

اللهم فرج عنى كل هم وغم وأخرجنى من كل حزن و كرب يا فارج الهم

وكاشف الغم ويا منزل القطر ويا مجيب دعوة المضطرين يا رحمن الدنيا والآخرة ورحيمهما صل على خير تك من خلقك محمد النبي صلى الله عليه وسلم وآله الطيبين الطاهرين وفرج عني ما قد ضاق به صدري وعيل منه صبري وقلت فيه حيلتي وضعفت له قوتي يا كاشف كل ضر وبلية ويا عالم كل سر وخفية يا أرحم الراحمين أفوض أمري إلى الله إن الله بصير بالعباد وما توفيقي إلا بالله عليه توكلت وهو رب العرش العظيم. (کنز العمال، ج:۱، رقم الحدیث:۳۹۵۸)

(اے میرے پروردگار! میں تیرے حضور اپنے ہر اس گناہ سے معافی مانگتا ہوں جس پر تیری عافیت کی وجہ سے میرا بدن قوی ہوگیا۔ تیری نعمت کے سبب میں گناہ پر قادر ہوا۔ تیری نعمت کی کثرت کی وجہ سے میں گناہ کی طرف بڑھا۔ گناہ کے وقت تیرے خوف کو بھول کر تیری امید پر بھروسہ کر بیٹھا۔ تیری بردباری پر بھروسہ کرلیا۔ تیری معافی اور درگذر کی تاویل کر کے گناہ میں غرق ہوگیا۔

اے میرے پروردگار! میں اپنے ہر گناہ سے تیری جناب میں معافی مانگتا ہوں، جس میں میں نے اپنی امانت میں خیانت کا ارتکاب کیا۔ اپنے نفس پر ظلم کیا۔ اپنی لذتوں کو آگے رکھا۔ اپنی شہوتوں کو ترجیح دی۔ دوسرے کے لیے کوشش کی (اور تیری نافرمانی ہوئی)۔ اپنے پیچھے چلنے والوں کی وجہ سے گناہ کے دھوکے میں پڑ گیا۔ حیلے بہانوں کے ساتھ گناہوں میں پڑ گیا لیکن تو نے مجھے پھر بھی اپنے عذاب میں مغلوب نہیں کیا باوجود اس کے کہ اے پروردگار تو میرے گناہ کو ناپسند کرتا تھا۔ تیرے علم میں پہلے سے تھا کہ میں گناہ کے راستے کو اختیار کروں گا اور بری راہ کو ترجیح دوں گا لیکن تو نے پھر بھی میرے ساتھ بردباری کی۔ یقیناً تو نے مجھے جبراً گناہ کی دلدل میں نہیں ڈالا، نہ مجھے زبردستی اس پر مجبور کیا اور نہ ذرہ بھر بھی ظلم کیا۔

اے سب سے بڑھ کر رحم کرنے والے! اے ہر مصیبت کے وقت کے ساتھی! اے تنہائی کے انیس! اے نعمتوں کے محافظ! اے میرے اندر کے دوست! اے کرب و مصیبت کو دور کرنے والے! اے میری پکار کو سننے والے! اے میرے آنسوؤں پر رحم کھانے والے! اے میری لغزش کو درگذر کرنے والے! اے میرے برحق مولی! اے میرے مضبوط پشت پناہ! اے میرے قریب ترین اور میرے اندر جاری! اے محبت کرنے والے۔ اے بیت عتیق کے پروردگار! مجھے تنگی کے حلقہ سے کشادگی کے راستے کی طرف نکال۔ اپنے ہاں سے جلد کشادگی و فراخی فرما۔ ہر تنگی و سختی کو مجھ سے دور فرما۔ ہر چیز میں میری کفایت فرما۔ چاہے میری طاقت میں ہو یا نہ ہو۔

اے میرے پروردگار! مجھ سے ہر رنج اور غم کو دور کر دے۔ اے بارش برسانے والے! اے مجبوروں کی پکار سننے والے! اے دنیا و آخرت کے رحمن و رحیم، اپنی مخلوق کے بہترین بندے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام نازل فرما اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاکیزہ آل پر بھی۔ جس تنگی میں میرا دل مضطر ہے، جس پر میرے صبر کا پیمانہ چھلک رہا ہے، جس میں میری تدبیر کمزور پڑ گئی ہے، میری قوت جواب دے گئی ہے، اس مصیبت و تنگی کو مجھ سے ختم فرما۔ اے ہر نقصان، آزمائش کو ختم کرنے والے! اے ہر پوشیدہ راز کو جاننے والے! اے سب سے بڑھ کر رحم کرنے والے! میں اپنا معاملہ تیرے سپرد کرتا ہوں۔ بیشک اللہ تعالیٰ بندوں کو دیکھ رہا ہے۔ میری توفیق اللہ پاک ہی سے ہے۔ اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور وہ عرش عظیم کا پروردگار ہے)

اعرابی کہتا ہے کہ میں نے اس دعا کو کئی مرتبہ پڑا۔ پس اللہ پاک نے مجھ سے ہر طرح کے غم اور تنگی و مشکل کو ختم کر دیا۔ رزق کشادہ کر دیا اور مشقت و پریشانی بالکل زائل فرمادی۔

(کنز العمال، ج:۱، رقم الحدیث: ۳۹۵۸)

(۹)۔ ایک دفعہ ایک شخص نے ایک بزرگ سے شکایت کی کہ کبھی کبھی اچھی کیفیت ہوتی ہے لیکن دوسرے اوقات میں وہ بند ہو جاتی ہے۔ آپؒ نے فرمایا: اے بھائی! یہ تو انبیا علیہم السلام کے ساتھ بھی ہوتا ہے۔ اصلی سکون تو صرف آخرت میں کامیابی سے ملے گا یا پھر زندگی میں اگر نفس مطمئنہ کا درجہ مل جائے۔ نفس مطمئنہ کا درجہ مل جانے سے بھی یہ سکون عارضی ہی ہوتا ہے۔ انبیا علیہم السلام کے حالات اور کیفیات بھی بدلتی رہتی ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا کرتہ جب مصر سے لایا جا رہا تھا تو حضرت یعقوب علیہ السلام کو دور ہی سے اس کی خوشبو آ گئی تھی۔ لیکن جب حضرت یوسف علیہ السلام کنویں میں تھے تو فاصلہ کے اعتبار سے حضرت یعقوب علیہ السلام کے قریب ہونے کے باوجود آپ علیہ السلام کو اس کا علم نہ ہو سکا۔ یہ معاملہ تو سب کے ساتھ ہوتا ہے۔ کیفیات کے تبدیل ہونے میں ایک خاص مزے کی بات ہے۔ احوال و کیفیات بے انتہا ہیں۔ اگر آدمی صرف ایک ہی حال میں رہتا تو باقی سب احوال کی سعادت سے محروم ہو جاتا۔ ظاہر ہے کہ جب تک ایک حالت ختم نہ ہو جائے دوسری حالت نہیں آ سکتی۔ (تربیۃ العشاق، ص: ۱۲۳-۱۲۴)

حوالہ جات

۱۔ تربیت العشاق، شاہ سید محمد ذوقیؒ۔ کراچی: محفل ذوقیہ، ۱۹۷۴ء۔

۲۔ جامع ترمذی، امام محمد بن عیسیٰ ترمذیؒ ترجمہ مولانا افضل احمد۔ کراچی: دارالاشاعت، ۲۰۰۶ء۔

۳۔ الحکم العطائیہ: اکمال الشیم، شیخ عطاءاللہ اسکندریؒ ترجمہ مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری۔ لاہور: ادارہ اسلامیات، ۱۹۸۴ء۔

۴۔ سنن دارمی، ابومحمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن التمیمی دارمیؒ ترجمہ بنت شیخ الحدیث حافظ عبدالستار حماد۔ لاہور: انصارالسنہ پبلی کیشنز۔

۵۔ صحیح بخاری، امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاریؒ ترجمہ حضرت مولانا محمد داؤد دراز۔ دہلی: مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند، ۲۰۰۴ء۔

۶۔ صحیح مسلم، امام ابوالحسین مسلم بن الحجاج نیشاپوریؒ ترجمہ علامہ وحیدالزمان۔ دہلی: مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند، ۲۰۰۴ء۔

۷۔ صد میدان، خواجہ عبداللہ انصاریؒ ترجمہ حافظ محمد افضل فقیر۔ لاہور: تصوف فاؤنڈیشن، ۱۹۹۸ء۔

۸۔ ضیاءالقرآن، پیر محمد کرم شاہؒ۔ لاہور: ضیاءالقرآن پبلی کیشنز، ۱۹۹۵ء۔

۹۔ طبقات صوفیہ، ابی عبدالرحمٰن محمد بن حسین سلمیؒ ترجمہ شاہ محمد چشتی۔ لاہور: ادارہ پیغام القرآن، ۲۰۱۱ء۔

۱۰۔ عوارف المعارف، شیخ شہاب الدین سہروردیؒ ترجمہ مولانا ابوالحسن۔ لاہور: ادارہ اسلامیات۔

۱۱۔ کشف المحجوب، سید علی ہجویریؒ ترجمہ میاں طفیل محمد۔ لاہور: اسلامک پبلیکیشنز، ۱۹۸۸ء۔

۱۲۔ کنز العمال، علامہ علاء الدین علی متقی بن حسام الدینؒ ترجمہ مولانا مفتی احسان اللہ شائق۔ کراچی: دارالاشاعت،۲۰۰۹ء۔

۱۳۔ مسند امام احمد بن حنبل، امام احمد بن حنبلؒ ترجمہ مولانا محمد ظفر اقبال۔ لاہور: مکتبہ رحمانیہ، ۲۰۰۴ء۔

۱۴۔ مشکوٰۃ المصابیح، شیخ ولی الدین خطیب التبریزیؒ ترجمہ مولانا محمد صادق خلیلؒ۔ لاہور: مکتبہ محمدیہ، ۲۰۰۵ء۔

۱۵۔ مصنف ابن ابی شیبہ، امام ابی بکر عبداللہ بن محمد ابن ابی شیبہ العبسی الکوفیؒ ترجمہ مولانا محمد اویس سرور۔ لاہور: مکتبہ رحمانیہ،۲۰۰۱ء۔

۱۶۔ معارف القرآن،مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ۔شہداد: مکتبہ المعارف،۲۰۰۰ء۔

۱۷۔ http//:www.hadithurdu.com/

۱۸۔ https//:easyquranwahadees.com/

۳۲

قرب

ا۔ قرب کا مفہوم

(۱)۔ قرب کے لغوی معانی نزدیک، قریب، محبوب، پسندیدہ اور مرتبہ و منزلت والا کے ہیں۔ اصطلاح میں سالک کے دل کا اللہ پاک سے نزدیک ہونا اور قریب سے مشاہدہ کرنا قرب کہلاتا ہے۔ بعد کا لغوی معنی دوری ہے۔ تصوف کی اصطلاح میں بعد سے مراد اللہ پاک کی مخالفت سے حاصل ہونے والی پلیدی اور اس کی عبادت سے علیحدگی کا نام ہے۔ قرب کا اولین مرتبہ اللہ تعالیٰ کی عبادت سے ہمہ وقت متصف ہونا ہے۔ مشاہدہ کرنے والے بندے کے قرب کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ اللہ پاک سے اس کا دل قریب ہوتا ہے اور یہ قربت اسے اللہ پاک کی اطاعت و فرمانبرداری اور ظاہری و باطنی طور پر ہر وقت اس کا ذکر کرنے اور اس کے حضور اپنے ارادے پیش کرنے کے باعث حاصل ہوتی ہے۔

(۲)۔ قرب کا ایک مفہوم مل جانا اور یکجان ہو جانا ہے۔ یہ قرب اللہ پاک سے نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ زمان و مکان، جسم و جان اور حدود و قیود سے ماورا ہے۔ اس کی ذات بابرکات، فاصلے کے اعتبار سے دوری یا نزدیکی کے تصور سے پاک ہے۔ اس کے ساتھ کسی مخلوق کا اتصال (یکجا) نہیں ہوتا اور نہ کوئی اس سے الگ ہے۔ اس لیے اللہ پاک کی شان بے نیازی وصل و فصل (دوری و نزدیکی) کو قبول کرنے سے بلند ہے۔ اللہ پاک کی ذات کا فاصلے کے اعتبار سے قرب محال ہے۔ قرب سے مراد یہ ہے کہ اللہ پاک جسے چاہتا ہے اپنے لطف و کرم کا فضل فرمانے کے لیے خاص کر لیتا ہے۔ جب اللہ پاک سالک کو اپنے فضل کے لیے چن لیتا ہے تو سالک بھی خود کو اللہ پاک کے قریب محسوس کرتا ہے۔ یہی قرب ہے۔

(۳)۔ جب سالک لازمی امور اور سنت نبوی ﷺ کی ظاہری و باطنی پابندی کرتا ہے تو اس پر ایک خاص تجلی الٰہی کا فیضان ہوتا ہے۔ جس سے اس کا اپنا ارادہ مضمحل ہو کر ارادہ الٰہی میں فنا ہو جاتا ہے۔ سالک نائب حق بن کر عالم میں ظاہر ہوتا ہے۔

(۴)۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے فرمان کی اطلاع دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: میرا بندہ میری فرض کی ہوئی چیزوں اور نوافل کے ذریعہ میرا قرب حاصل کرتا ہے۔ یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔ جب میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو اس کے کان ہوجاتا ہوں، جس سے وہ سنتا ہے۔اس کی آنکھ ہوجاتا ہوں، جس سے وہ دیکھتا ہے۔اس کا ہاتھ ہوجاتا ہوں، جس سے وہ پکڑتا ہے۔اس کا پاؤں ہوجاتا ہوں، جس سے وہ چلتا ہے۔ (صحیح بخاری، ج: ۳، رقم الحدیث: ۱۴۴۹) اس قرب کی پہلی صورت یہ ہوتی ہے کہ اللہ پاک سالک کو ایمان اور تصدیق عطا فرماتا ہے۔ پھر اسے احسان اور تحقیق سے نوازتا ہے۔ اس دنیا میں قرب یہ ہے کہ اسے اپنی معرفت (اپنی پہچان) اور اپنے لطف و مہربانی سے نوازتا ہے۔ آخرت میں اسے ذات الٰہی کا دیدار نصیب ہوگا۔

۲۔ قرب قرآن پاک کی روشنی میں

قرآن پاک کی بے شمار آیات مبارکہ میں قرب الٰہی کا ذکر ملتا ہے جن میں سے کچھ حسب ذیل ہیں:

(۱)۔ وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ۖ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ.

(سورۃ البقرہ، آیت: ۱۹۶)

(اور جب آپ سے میرے بندے میرے متعلق سوال کریں تو میں نزدیک ہوں، دعا کرنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں جب وہ مجھے پکارتا ہے)

اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ پاک اپنے علم کے اعتبار سے ہمارے قریب ہے۔ جب ہم اس سے دعا مانگتے ہیں تو وہ براہ راست ہماری دعا کو سنتا اور جواب دیتا ہے۔ سالک کی نیکیوں سے آگہی رکھتا اور ان کا صلہ دیتا ہے۔

ایک صحابی نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہمارا رب قریب ہے کہ ہم اس کو چپکے چپکے سے پکاریں یا دور ہے کہ ہم اس کو زور سے پکاریں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کا سوال سن کر خاموش ہوگئے۔ اللہ پاک نے وحی عطا فرمائی کہ جب میرے بندے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے میرے متعلق سوال کرتے ہیں تو انہیں بتادیں کہ میں قریب ہوں۔ دعا

مانگنے والے کی دعا کو سنتا ہوں جب بھی وہ دعا مانگتا ہے۔

(الدرالمنثور، ذیل سورۃ البقرہ، آیت:۱۹۶)

(۲)۔ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ ۚ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ. (سورۃ ق، آیت:۱۶)

(ہم نے انسان کو پیدا کیا اور اس کے دل میں جو خیالات اٹھتے ہیں ہم ان سے واقف ہیں اور ہم اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ اس سے قریب ہیں)

اس آیت پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانوں کو پیدا کرنے والا اللہ پاک ہے۔ خالق انسان کے دل میں پیدا ہونے والے خیالات و وسواس سے بھی باخبر ہے۔ اللہ پاک انسان سے اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔

اس قرب سے مراد اللہ پاک کا حسی اور مکانی قرب نہیں، کیونکہ وہ زمان و مکان کی حدود سے ماورا ہے۔ بلکہ اس سے مراد قرب علمی مراد ہے۔ اللہ پاک اپنے علم کے اعتبار سے ہر انسان کے قریب ہے۔ اتنا قریب کہ انسان کے دل میں پیدا ہونے والے خیالات سے بھی باخبر ہے۔ خیال رہے کہ اللہ پاک کا قرب علمی، قرب عام ہے جو ساری مخلوق کو حاصل ہے۔

شیخ سعدیؒ اسی بارے میں فرماتے ہیں:

دوست نزدیک تر از من بہ من است
وینت مشکل کہ من از وے دورم
(میرا دوست مجھ سے بھی بہت زیادہ میرے قریب ہے)
(تعجب تو اس پر ہے کہ میں اس سے دور ہوں)

(۳)۔ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۝ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى. (سورۃ النجم، آیت:۷-۸)

(پھر وہ نزدیک ہوا، پھر اور نزدیک ہوا۔ یہاں تک کہ دو کمانوں کے برابر یا اس سے بھی کچھ کم فاصلہ رہ گیا)

اس آیت پاک میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اللہ پاک سے قرب کو بیان کیا گیا ہے۔ یہ قرب کی معراج ہے۔ کسی انسان کو اللہ پاک کا اس سے زیادہ قرب حاصل ہونا محال ہے۔ اللہ پاک نے

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معراج کرائی۔ اس واقعے کے پہلے مرحلے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مسجد حرام سے بیت المقدس تک سیر کرائی گئی۔ بیت المقدس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام انبیا علیہم السلام کی امامت فرماتے ہوئے نماز پڑھائی۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اسی رات بیت المقدس سے آسمان دنیا تک لے جایا گیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے پہلے آسمان کا دروازہ کھلوایا گیا۔ پہلے آسمان پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت آدم علیہ السلام سے ملاقات فرمائی۔ اللہ پاک نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت آدم علیہ السلام کے دائیں جانب سعادت مند روحیں اور بائیں طرف بدبخت روحیں دکھلائیں۔ پھر حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دوسرے آسمان پر لے جایا گیا۔ وہاں پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت یحییٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھا۔ دونوں سے ملاقات کی اور سلام کیا۔ دونوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سلام کا جواب دیا۔

پھر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تیسرے آسمان پر لے جایا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہاں حضرت یوسف علیہ السلام سے ملاقات فرمائی۔ پھر چوتھے آسمان پر لے جایا گیا۔ وہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ادریس علیہ السلام کو دیکھا۔ پھر پانچویں آسان پر لے جایا گیا۔ وہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ہارون علیہ السلام سے ملاقات فرمائی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چھٹے آسمان پر تشریف فرما ہوئے۔ وہاں پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملاقات حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہوئی۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ساتویں آسمان پر لے جایا گیا۔ وہاں پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملاقات حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام سے ہوئی۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سدرۃ المنتہیٰ تک لے جایا گیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے بیت المعمور[1] کو ظاہر کیا گیا۔

اس کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ پاک کے دربار میں پہنچایا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے اتنے قریب ہوئے کہ دو کمانوں کے برابر یا اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا۔ اس کیفیت کا مندرجہ بالا آیات میں ذکر کیا گیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اتنے قریب ہوئے کہ عالم حضور میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اللہ رب العزت کے درمیان دو کمانوں سے کم فاصلہ رہ گیا۔

۱۔ بیت المعمور ساتویں آسمان پر فرشتوں کا کعبہ ہے جس کا وہ طواف کرتے ہیں۔

(۴)۔ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ. (سورۃ الواقعہ، آیت:۸۵)
(اور تم سے زیادہ ہم اس کے قریب ہوتے ہیں، مگر تمہیں نظر نہیں آتا)

اس آیت مبارکہ میں انسان کی عالم نزع کی ہولناکی کو بیان کیا گیا ہے۔ اس وقت عزیز واقارب اور دوست احباب سب انسان کے قریب ہوتے ہیں۔ لیکن وہ سب مل کر اسے کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے اور نہ ہی اسے موت سے بچا سکتے ہیں۔ ان کی قربت سے کوئی خاص فائدہ نہیں ہوتا۔ اس حالت میں اللہ پاک مرنے والے کے قریب ہوتا ہے۔ صالحین کو قرب الٰہی کے احساس سے عالم نزع کی سختیوں میں راحت ملتی ہے۔ وہ اپنے پروردگار کی رحمتوں اور مہربانیوں کو نازل ہوتے ہوئے دیکھ رہا ہوتا ہے۔ اس لیے ہمیں چاہیے کہ اپنی زندگی اللہ پاک کی رضا اور اس کی فرمانبرداری کے تحت گزاریں تاکہ آخرت کی زندگی آرام سے گزر سکے۔

(۵)۔ وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ.
(سورۃ البقرہ، آیت:۱۱۵)

(اور مشرق اور مغرب کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ تم جدھر بھی منہ کرو ادھر ہی اللہ پاک کا چہرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کشادگی اور وسعت والا اور بڑے علم والا ہے)

اس آیت مبارکہ میں قرب عام کو بیان کیا گیا ہے جو ہر چیز کو اللہ پاک سے حاصل ہے۔ وہی خالق و مالک اور رازق ہے۔ چاروں سمتیں (مشرق ومغرب، شمال وجنوب) اس کے علم اور دست قدرت میں ہیں۔ چہار سو اسی کی جلوہ گری ہے۔

اگر اس تصور کو اپنے ذہن میں بٹھا لیا جائے کہ اللہ پاک ہر حال میں میرے حالات سے باخبر ہے۔ میرے قریب ہے تو سالک خود بخود اللہ پاک کی طرف کھنچا چلا جائے گا۔ وہ خود کو اللہ پاک کے قریب محسوس کرے گا۔ اس سے راز و نیاز کرے گا۔ ہر وقت ذکر اللہ میں محو رہے گا۔ اللہ پاک کی اطاعت وفرمانبرداری میں کوئی کسر نہیں رکھے گا۔ بالآخر اسے اللہ پاک کا قرب حاصل ہو جائے گا۔

(٦)۔ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَآ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ

مَا كَانُوْا. (سورۃ المجادلہ، آیت:۷)
(کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ اللہ تعالیٰ زمین و آسمان کی ہر شے سے باخبر ہے؟ کہیں بھی تین آدمیوں کے درمیان راز کی بات ہوتی ہے تو وہ ان کا چوتھا ہوتا ہے اور پانچ کی رازداری ہوتی ہے تو وہ ان کا چھٹا ہوتا ہے اور کم و بیش بھی کوئی رازداری ہوتی ہے تو وہ ان کے ساتھ ضرور رہتا ہے چاہے وہ کہیں بھی رہیں)
اس آیت مبارکہ میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے قریب تر اور زمین و آسمان کی ہر شے سے باخبر ہے۔ کوئی چیز یا بات اس سے چھپی ہوئی نہیں ہے۔ اللہ پاک اپنے علم کے اعتبار سے اپنی مخلوق سے اتنا قریب ہے کہ جب کوئی دو آدمی تنہائی میں رازداری کی بات کرتے ہیں تو ان دو کے ساتھ تیسرا اللہ پاک ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر تین ہوں تو چوتھا، چار ہوں تو پانچواں، پانچ ہوں تو چھٹا۔ اللہ پاک ہر حال میں اپنی مخلوق کے ساتھ ہوتا ہے، چاہے وہ کہیں بھی ہوں اور کسی بھی حال میں ہوں۔

اللہ پاک ہر حال میں سالک کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس کا کوئی بھی لمحہ ایسا نہیں ہوتا جس سے اللہ پاک باخبر نہ ہو۔ یہ تصور سالک کے لیے مراقبہ کا کام کرتا ہے۔ وہ ہر حال میں اپنی نظر اللہ پاک کے قرب، رحمت و مہربانی پر لگائے رکھتا ہے۔ اگر کوئی ناروا عمل کرنے لگتا ہے تو فوراً اللہ پاک کی موجودگی سے خائف ہو کر اسے چھوڑ دیتا ہے۔ حتیٰ کہ اس کا قربِ الٰہی کا یہ خیال اتنا پختہ ہو جاتا ہے کہ دنیا اور جو کچھ اس میں موجود ہے اس سے نظر ہٹا لیتا ہے۔

(۷)۔ فَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ۝ فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ ۙ وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ ۝ وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ۝ فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ۭ. (سورۃ الواقعہ، آیت:۸۸-۹۱)
(پھر اگر وہ اللہ پاک کے مقرب بندوں میں سے ہو، تو اس کے لیے راحت اور عمدہ رزق اور نعمت بھری جنت ہے۔ اور اگر وہ دائیں ہاتھ والوں میں سے ہو۔ تو (اس سے کہا جائے گا کہ) تمہارے لیے سلامتی ہی سلامتی ہے کہ تم دائیں ہاتھ والوں میں سے ہو)
ان آیات مبارکہ میں اللہ پاک کے مقرب بندوں کو آخرت میں ملنے والے انعامات کا ذکر کیا گیا ہے۔ آخرت کی دائمی زندگی ہی اصل زندگی ہے۔ جس کا تعلق انسان کے اپنے اعمال پر ہے۔ وہاں برے اعمال والے خسارے میں اور نیک اعمال والے راحت و سکون میں ہوں گے۔ ان

آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمیشہ رہنے والی آخرت کی زندگی میں مقربین کو خصوصی مقام حاصل ہوگا۔ وہ راحت وسکون سے جنت کی نعمتوں سے سرفراز ہوں گے۔ انہیں ان لوگوں پر جنہیں نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں دیا گیا ہوگا پر ایک طرح سے فوقیت حاصل ہوگی۔ دائیں ہاتھ والوں کے لیے بھی سلامتی ہی سلامتی ہوگی۔

(۸)۔ وَّ كُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً ۝ فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ مَآ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۝ وَاَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ مَآ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ۝ وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ.

(سورۃ الواقعہ، آیت: ۷-۱۱)

(تم لوگ اس دن تین گروہوں میں تقسیم ہو جاؤ گے۔ دائیں بازو والے، سو دائیں بازو والوں کی خوش نصیبی کا کیا کہنا۔ بائیں بازو والے، سو بائیں بازو والوں کی بدنصیبی کا کیا ٹھکانا۔ آگے بڑھ جانے والے۔ آگے بڑھ جانے والے، وہی تو مقربین ہیں)

ان آیات مبارکہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن تمام انسان تین گروہوں میں تقسیم ہو جائیں گے۔ مقام ومنزلت کے اعتبار سے پہلا گروہ مقربین کا ہوگا۔ اس گروہ میں خواص شامل ہوں گے۔ دوسرا گروہ عام مسلمانوں کا ہوگا جسے قرآن پاک میں اصحاب الیمین (دائیں ہاتھ والے) کہا گیا ہے اور ان کی خوش نصیبی بیان کی گئی ہے اور تیسرا گروہ اصحاب الشمال (بائیں ہاتھ والے) ہوں گے جو بدنصیب ہوں گے۔

ان آیات مبارکہ میں مقربین کو مقام ومنزلت کے اعتبار سے سب سے بلند مقام عطا کیا گیا ہے۔ ان کے لیے جنت کی بے شمار نعمتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔

(۹)۔ وَمَآ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِيْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰٓى اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا وَهُمْ فِي الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ.

(سورۃ السبا، آیت: ۳۷)

(اور نہ تمہارے مال تمہیں اللہ تعالیٰ کا قرب عطا کرتے ہیں اور نہ تمہاری اولاد۔ ہاں مگر جو ایمان لائے اور نیک عمل کرے تو ایسے لوگوں کو ان کے عمل کا دوہرا ثواب ملے گا، اور وہ (جنت کے) بالاخانوں میں امن سے رہیں گے)

اس آیت مبارکہ میں اللہ پاک نے ہمیں قرب کے بارے میں اور اس ضمن میں ہونے والی غلطیوں کے بارے میں بتایا ہے۔ مال اور اولاد قرب کا ذریعہ نہیں ہیں بلکہ کمال ایمان یا کمال دین ہی قرب کا ذریعہ ہوسکتا ہے۔ اگر کمال دین کو ہی قرب کہا جائے تو یہ غلط نہ ہوگا۔

(۱۰)۔ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ. (سورۃ العلق، آیت: ۱۹)

(سجدہ کر اور قریب ہوجا)

سجدہ کو اللہ پاک سے خاص تعلق ہے۔ سجدہ ہی وہ خاص عبادت ہے جس کے انکار پر ابلیس کو اللہ پاک نے اپنی بارگاہ سے نکال دیا تھا۔ سجدہ کی حالت میں سالک اپنی پیشانی، اپنی ناک، اپنا چہرہ اللہ پاک کی رضا کی خاطر زمین پر رکھ دیتا ہے۔ فخر وغرور اس کے دل سے نکل جاتا ہے۔ سالک خود کو اللہ پاک کے سامنے عاجز اور فرمانبردار محسوس کرتا ہے۔ اپنی ذات کی نفی کرتا ہے۔ اگر تمام آداب کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے سجدہ کیا جائے تو وہ ضرور اللہ پاک سے قرب کا باعث بنتا ہے۔ یہی نقطہ اس آیت مبارکہ میں بیان کیا گیا ہے۔

(۱۱)۔ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْۤ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْۤ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ. (سورۃ الشوریٰ، آیت: ۱۳)

(اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اور جو شخص رجوع کرے اس کو اپنی طرف راہ دکھاتا ہے)

اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ پاک جسے چاہتا ہے اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔ یعنی اپنے قریب کر لیتا ہے۔ گویا کہ اللہ پاک کے قرب کی ایک قسم وہبی ہے۔ جس میں سالک کی کوشش و محنت درکار نہیں ہوتی بلکہ اللہ پاک کی خاص عنایت سے حاصل ہوجاتا ہے۔ آیت کا دوسرا حصہ ہمیں قرب کی دوسری قسم کسبی قرب کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ جو سالک اللہ پاک کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اللہ پاک اسے اپنی طرف کی راہ دکھاتا ہے۔ یعنی جو اللہ پاک کا قرب حاصل کرنے کی کوشش و محنت کرتے ہیں۔ اللہ پاک انہیں قرب کی راہ دکھا دیتا ہے۔ بالآخر ایسے سالک قرب الٰہی سے بہرہ ور ہوجاتے ہیں۔

(۱۲)۔ اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۖ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ. (سورۃ آلِ عمران، آیت: ۴۵)

(جب فرشتوں نے کہا: اے مریم علیہا السلام! بیشک اللہ تعالیٰ تجھے ایک کلمے کی خوشخبری دیتا ہے جس کا نام

مسیح عیسیٰ ابن مریم علیہاالسلام ہے جو دنیا اور آخرت میں عزت والا ہے اور وہ مقربین میں سے ہوگا)
ہر صاحب ایمان اپنے مالک کا قرب حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ عبادت و ریاضت، قربانی، صدقہ و خیرات سب اسی لیے ہیں کہ اللہ پاک راضی ہو کر اپنا قرب عطا فرما دے۔ مندرجہ بالا آیت مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ انسانوں کو اللہ پاک ازل سے ہی اپنا مقرب بنا لیتا ہے۔

حضرت مریم علیہاالسلام نے اپنی زندگی اپنے والدین کی نذر کے مطابق اللہ پاک کی عبادت کے لیے وقف کر دی تھی۔ ہر وقت عبادت و ریاضت میں مصروف رہتی تھیں۔ ایک دن ایک فرشتہ حاضر خدمت ہوا اور اللہ پاک کا پیغام سنایا کہ اللہ پاک آپ علیہاالسلام کو ایک بیٹے کی خوشخبری دیتا ہے۔ اس کا نام مسیح عیسیٰ علیہ السلام ہوگا۔ دنیا اور آخرت میں اللہ پاک کے ہاں عزت والا اور مقرب ہوگا۔ گویا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ پاک کا وہبی قرب حاصل تھا جو خاص عنایت ہے۔ اسی طرح اللہ رب العزت سالکین میں سے کچھ کو وہبی قرب عطا فرماتا ہے۔ وہ اپنی پیدائش سے پہلے اور بعد بھی یعنی بچپن، جوانی، بڑھاپے اور فوت ہونے کے بعد بھی اللہ پاک کے مقرب ہوتے ہیں۔

(۱۳)۔ عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُوْنَ. (سورۃ المطففین، آیت:۲۸)
(جو ایک ایسا چشمہ ہے کہ جس سے اللہ پاک کے مقرب بندے پانی پئیں گے)
اس آیت مبارکہ میں مقربین کو آخرت میں ملنے والے انعامات کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جنت میں سب سے اعلیٰ ایک چشمہ یا نہر ہے جسے تسنیم کہا جاتا ہے۔ جنتیوں کو جو مشروبات پلائے جائیں گے ان میں تسنیم کے کچھ قطرے شامل ہوں گے۔ لیکن مقربین مقدس چشمے کا مشروب براہ راست نوش فرمائیں گے۔ گویا کہ لطف اندوزی اور کیف وسرور میں ان کا حصہ اتنا ہی وافر ہوگا جتنا وافر حصہ ایمان، عمل صالح اور اللہ تعالیٰ کے لیے قربانیاں دینے کے معاملہ میں رہا ہے۔ آب تسنیم میں کوئی قوت خاص ہے، جو لذات جسمانی اور رغبات نفسانی سے چھڑا کر تمام تر شوق حضور وسرور لقاء پیدا کر دیتی ہے۔ عوام اہل جنت کو اسی لیے اس میں سے کچھ کچھ بقدر ان کے تحمل کے عطا ہوتا رہے گا۔ (القرآن العظیم)

(۱۴)۔ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰٓى ۫ اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا وَّكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ○ وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ

الطُّوۡرِ الۡاَیۡمَنِ وَقَرَّبۡنٰہُ نَجِیًّا. (سورۃ مریم، آیت:۵۱-۵۲)

(اور اس کتاب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بھی تذکرہ کرو۔ بیشک وہ اللہ کے چنے ہوئے بندے، رسول اور نبی تھے۔ ہم نے انہیں کوہ طور کی دائیں جانب سے پکارا اور انہیں اپنا راز دار بنا کر اپنا قرب عطا کیا)

مندرجہ بالا آیات سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اللہ پاک کا مقرب اور راز دان ہونا معلوم ہوتا ہے۔ آپ علیہ السلام اہل و عیال کو لے کر مدائن سے مصر کی طرف واپس آ رہے تھے۔ کوہ طور کے قریب معروف راستے سے غیر معروف راستے پر چل پڑے۔ اسی حالت میں رات پڑ گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیوی (حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹی) امید سے تھیں۔ انہیں اچانک دردزہ شروع ہو گیا۔ رات کا وقت تھا۔ راستہ غیر معروف تھا۔ انتہا کی سردی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آگ جلانے کی کوشش کی تاکہ اس سے آپ علیہ السلام کے گھر والے حرارت حاصل کر سکیں لیکن اللہ پاک کے حکم سے آگ نہ جلی۔ اچانک آپ علیہ السلام کو دور وادی طویٰ میں کوہ طور پر آگ کی روشنی نظر آئی۔ آپ علیہ السلام نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ وہاں آگ جل رہی ہے۔ تم یہیں ٹھہرو، میں وہاں سے آگ لے کر آتا ہوں۔ شاید وہاں کوئی راستہ جاننے والا بھی مل جائے۔ جب آپ علیہ السلام وادی طویٰ میں پہنچے تو ایک عجیب منظر دیکھا۔ ایک درخت سے آگ کے شعلے نکل رہے تھے۔ اس آگ کے بڑھنے سے درخت جلنے کی بجائے مزید سرسبز ہوتا جا رہا تھا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اس درخت کے قریب پہنچے تو اللہ پاک کی کوہ طور کے دائیں طرف سے آواز سنائی دی: اے موسیٰ علیہ السلام! میں تمہارا رب ہوں۔ تو مقدس وادی طویٰ میں ہے۔ اپنے جوتے اتار دے۔ میں نے تجھے نبوت کے لیے چن لیا ہے جو کچھ تمہاری طرف وحی کی جاتی ہے اسے توجہ سے سنو۔

عام طور پر اللہ پاک اپنے انبیاء علیہم السلام سے حضرت جبریل علیہ السلام کے ذریعے کلام کرتا ہے۔ لیکن بعض اوقات اللہ تعالیٰ براہ راست بغیر کسی واسطہ کے بھی اپنے انبیاء علیہم السلام سے کلام فرماتا ہے اور انہیں اپنا خصوصی راز دان بنا لیتا ہے۔ مندرجہ بالا آیات مبارکہ میں یہی چیز بیان کی گئی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی یاد کرو۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے کوہ طور کی دائیں طرف سے کلام فرمایا تھا۔ اپنا راز دان بنا کر قرب خصوصی عطا فرمایا تھا۔

۳۔ قرب احادیث مبارکہ کی روشنی میں

قربِ الٰہی کا بے شمار احادیث مبارکہ میں ذکر ملتا ہے جن میں کچھ ذیل میں درج کی جاتی ہیں:

(۱)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، أَنّ النَّبِيّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: " أَتَانِي رَبِّي فِي أَحْسَنِ صُورَةٍ، فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ، قُلْتُ: لَبَّيْكَ رَبِّ وَسَعْدَيْكَ، قَالَ: فِيمَ يَخْتَصِمُ الْمَلَأُ الْأَعْلَى ؟ قُلْتُ: رَبِّ لَا أَدْرِي، فَوَضَعَ يَدَهُ بَيْنَ كَتِفَيَّ فَوَجَدْتُ بَرْدَهَا بَيْنَ ثَدْيَيَّ فَعَلِمْتُ مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ، فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ، فَقُلْتُ: لَبَّيْكَ رَبِّ وَسَعْدَيْكَ، قَالَ: فِيمَ يَخْتَصِمُ الْمَلَأُ الْأَعْلَى ؟ قُلْتُ: فِي الدَّرَجَاتِ، وَالْكَفَّارَاتِ، وَفِي نَقْلِ الْأَقْدَامِ إِلَى الْجَمَاعَاتِ، وَإِسْبَاغِ الْوُضُوءِ فِي الْمَكْرُوهَاتِ، وَانْتِظَارِ الصَّلَاةِ بَعْدَ الصَّلَاةِ، وَمَنْ يُحَافِظْ عَلَيْهِنَّ عَاشَ بِخَيْرٍ وَمَاتَ بِخَيْرٍ وَكَانَ مِنْ ذُنُوبِهِ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ ". (جامع ترمذی، ج:۲، رقم الحدیث:۱۱۸۲)

(حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: میرا رب میرے پاس نہایت اچھی صورت میں آیا اور فرمایا: اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! میں نے عرض کیا: یا رب حاضر ہوں اور تیری فرماں برداری کے لیے تیار ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا مقربین فرشتے کس بات میں جھگڑتے ہیں؟ میں نے عرض کیا: اے میرے پروردگار! مجھے علم نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ میرے شانوں کے درمیان رکھا جس کی ٹھنڈک میں نے اپنے سینے میں محسوس کی اور مشرق و مغرب کے درمیان جو کچھ ہے سب کچھ جان لیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے پوچھا: اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! میں نے عرض کیا: اے میرے پروردگار حاضر ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا مقرب فرشتے کس چیز کے متعلق جھگڑتے ہیں؟ میں نے عرض کیا: درجات اور کفارات میں۔ مساجد کی طرف پیدل چلنے میں۔ تکلیف کے باوجود اچھی طرح وضو کرنے میں۔ جو ان چیزوں کی حفاظت کرے گا وہ بھلائی کے ساتھ زندہ رہے گا اور خیر پر ہی اس کو موت آئے گی اور اپنے گناہوں سے اس طرح پاک رہے گا گویا کہ آج ہی اس کی ماں نے اسے جنا ہے)

(۲)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللّٰهَ قَالَ: "مَنْ عَادَى لِي وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالْحَرْبِ، وَمَا تَقَرَّبَ إِلَيَّ عَبْدِي بِشَيْءٍ أَحَبَّ إِلَيَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَيْهِ، وَمَا يَزَالُ عَبْدِي يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتَّى أُحِبَّهُ، فَإِذَا أَحْبَبْتُهُ

كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ، وَبَصَرَهُ الَّذِي يُبْصِرُ بِهِ، وَيَدَهُ الَّتِي يَبْطِشُ بِهَا، وَرِجْلَهُ الَّتِي يَمْشِي بِهَا، وَإِنْ سَأَلَنِي لَأُعْطِيَنَّهُ، وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِي لَأُعِيذَنَّهُ".
(صحیح بخاری، ج:۳، رقم الحدیث:۹ ۱۴۴)

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ پاک فرماتا ہے کہ جس نے میرے کسی ولی سے دشمنی کی، اسے میری طرف سے اعلان جنگ ہے اور وہ نوافل جن کے ذریعے میرا بندہ میرا اقرب حاصل کرتا ہے وہ مجھے ان چیزوں سے زیادہ محبوب نہیں ہیں جو میں نے اس پر فرض کی ہیں اور میرا بندہ نفل عبادتیں کر کے مجھ سے اتنا نزدیک ہوجاتا ہے کہ میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں۔ پھر جب میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے۔ اس کی آنکھ بن جاتا ہوں، جس سے وہ دیکھتا ہے۔ اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں، جس سے وہ پکڑتا ہے۔ اس کا پاؤں بن جاتا ہوں، جس سے وہ چلتا ہے۔ اگر وہ مجھ سے مانگتا ہے تو میں اسے دیتا ہوں۔ اگر وہ کسی دشمن یا شیطان سے میری پناہ مانگتا ہے تو میں اسے محفوظ رکھتا ہوں)

(۳)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ اللهُ تَعَالَى: "أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي بِي، وَأَنَا مَعَهُ إِذَا ذَكَرَنِي، فَإِنْ ذَكَرَنِي فِي نَفْسِهِ ذَكَرْتُهُ فِي نَفْسِي، وَإِنْ ذَكَرَنِي فِي مَلَإٍ ذَكَرْتُهُ فِي مَلَإٍ خَيْرٍ مِنْهُمْ، وَإِنْ تَقَرَّبَ إِلَيَّ بِشِبْرٍ تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ ذِرَاعًا، وَإِنْ تَقَرَّبَ إِلَيَّ ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ بَاعًا، وَإِنْ أَتَانِي يَمْشِي أَتَيْتُهُ هَرْوَلَةً". (صحیح بخاری، ج:۳، رقم الحدیث: ۲۳۰۳)

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوں جو وہ میرے متعلق رکھتا ہے۔ جب وہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ اگر وہ مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اس کو اپنے دل میں یاد کرتا ہوں۔ جب وہ مجھے مجلس میں یاد کرتا ہے تو میں اسے اس سے بہتر فرشتوں کی مجلس میں اسے یاد کرتا ہوں۔ اگر وہ مجھ سے ایک بالشت قریب ہو تو میں ایک گز اس کے قریب ہوتا ہوں۔ اگر وہ ایک گز قریب ہوتا ہے تو میں اس سے دونوں ہاتھوں کے پھیلاؤ کے برابر قریب ہوتا ہوں۔ اگر وہ میری طرف چل کر آئے تو میں اس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں)

(۴)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "يَا غُلَامُ أَوْ يَا غُلَيِّمُ أَلَا أُعَلِّمُكَ كَلِمَاتٍ يَنْفَعُكَ اللهُ بِهِنَّ؟ فَقُلْتُ بَلَى، فَقَالَ: "احْفَظِ اللهَ،

يَحْفَظْكَ احْفَظِ اللّٰهَ تَجِدْهُ أَمَامَكَ تَعَرَّفْ إِلَيْهِ فِي الرَّخَاءِ يَعْرِفْكَ فِي الشِّدَّةِ، وَإِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلِ اللّٰهَ وَإِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ قَدْ جَفَّ الْقَلَمُ بِمَا هُوَ كَائِنٌ فَلَوْ أَنَّ الْخَلْقَ كُلَّهُمْ جَمِيعًا أَرَادُوا أَنْ يَنْفَعُوكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَكْتُبْهُ اللّٰهُ عَلَيْكَ لَمْ يَقْدِرُوا عَلَيْهِ وَإِنْ أَرَادُوا أَنْ يَضُرُّوكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَكْتُبْهُ اللّٰهُ عَلَيْكَ لَمْ يَقْدِرُوا عَلَيْهِ وَاعْلَمْ أَنَّ فِي الصَّبْرِ عَلَى مَا تَكْرَهُ خَيْرًا كَثِيرًا وَأَنَّ النَّصْرَ مَعَ الصَّبْرِ وَأَنَّ الْفَرَجَ مَعَ الْكَرْبِ وَأَنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا". (مسند احمد، ج:۲، رقم الحدیث:۹۲۶)

(حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے لڑکے! کیا میں تمہیں ایسے کلمات نہ سکھادوں جن کے ذریعے اللہ پاک تمہیں فائدہ دے؟ میں نے عرض کیا: کیوں نہیں (ضرور)۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشادفرمایا: اللہ تعالیٰ (کے احکام) کی حفاظت کرو، وہ تمہاری حفاظت کرے گا۔ اللہ پاک (کے احکامات) کی حفاظت کرو، تم اسے اپنے سامنے پاؤ گے۔ تم اسے خوشحالی میں یاد رکھو، وہ تمہیں تکلیف کے وقت یاد رکھے گا۔ جب بھی مانگو، اللہ تعالیٰ ہی سے مانگو۔ جب بھی مدد چاہو، اللہ تعالیٰ ہی سے چاہو۔ جان لو کہ ساری دنیا مل کر بھی تمہیں نفع نہیں پہنچا سکتی سوائے اس کے جو اللہ پاک نے تمہارے لیے لکھ دیا ہے۔ اگر وہ سارے مل کر تمہیں نقصان پہنچانا چاہیں تو تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکتے سوائے اس کے جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے لکھ دیا ہے۔ قلم اٹھا لیے گئے اور صحیفے خشک ہو چکے۔ یاد رکھو! مصائب پر صبر کرنے میں بڑی خیر ہے کیونکہ مدد صبر کے ساتھ ہے۔ کشادگی تنگی کے ساتھ ہے اور آسانی سختی کے ساتھ ہے)

(۵)۔ عن أنس بن مالك رضى الله عنه، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "يا حملة القرآن، إن أهل السموات يذكرونكم عند الله، تحببوا إلى الله بتوقير كتاب الله يزدكم حبا ويحببكم إلى عباده، يا حملة القرآن، أنتم المخصوصون برحمة الله، المعلمون كلام الله المقربون من الله، من والاهم فقد والى الله، ومن عاداهم فقد عادى الله يدفع عن قارى القرآن بلاء الدنيا، ويدفع عن مستمع القرآن بلاء الآخرة، يا حملة القرآن فتحببوا إلى الله بتوقير كتابه يزدكم حبا ويحببكم إلى عباده". (کنز العمال، ج:۱، رقم الحدیث: ۴۰۲۳)

(حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشادفرمایا: اے حاملین قرآن! آسمانوں والے اللہ پاک کے پاس تمہارا ذکر کرتے ہیں۔ تم اللہ تعالیٰ کی کتاب کو زیادہ سے

زیادہ حاصل کر کے اللہ پاک کے ہاں محبوبیت کا درجہ حاصل کرو۔ وہ تم سے محبت کرے گا اور اپنے بندوں کے ہاں تم کو محبوب کر دے گا۔ اے حاملین قرآن! تم اللہ پاک کی رحمت کو خصوصیت کے ساتھ پانے والے ہو۔ کلام اللہ کو سکھانے والے ہو۔ اللہ تعالیٰ کا قرب پانے والے ہو۔ جس نے اہل قرآن سے دوستی کی اس نے اللہ تعالیٰ سے دوستی کی۔ جس نے ان کے ساتھ دشمنی کی اس نے اللہ تعالیٰ سے دشمنی کی۔ قرآن مجید کے قاری سے دنیا کی مشقت و مصیبت دفع کر دی جاتی ہے۔ قرآن پاک سننے والے سے آخرت کی مصیبت دفع کر دی جاتی ہے۔ اے حاملین قرآن! قرآن کریم کو زیادہ حاصل کرو اور اللہ پاک کے ہاں محبوب بن جاؤ اور اس کے بندوں کے ہاں بھی محبت پاؤ)

(۶)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ نَبِيَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَيْلَةً حِينَ فَرَغَ مِنْ صَلَاتِهِ:

" اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ رَحْمَةً مِنْ عِنْدِكَ تَهْدِي بِهَا قَلْبِي وَتَجْمَعُ بِهَا أَمْرِي وَتَلُمُّ بِهَا شَعَثِي وَتُصْلِحُ بِهَا غَائِبِي وَتَرْفَعُ بِهَا شَاهِدِي وَتُزَكِّي بِهَا عَمَلِي وَتُلْهِمُنِي بِهَا رُشْدِي وَتَرُدُّ بِهَا أُلْفَتِي وَتَعْصِمُنِي بِهَا مِنْ كُلِّ سُوءٍ،

اللَّهُمَّ أَعْطِنِي إِيمَانًا وَيَقِينًا لَيْسَ بَعْدَهُ كُفْرٌ، وَرَحْمَةً أَنَالُ بِهَا شَرَفَ كَرَامَتِكَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ،

اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْفَوْزَ فِي الْعَطَاءِ وَيُرْوَى فِي الْقَضَاءِ، وَنُزُلَ الشُّهَدَاءِ، وَعَيْشَ السُّعَدَاءِ، وَالنَّصْرَ عَلَى الْأَعْدَاءِ،

اللَّهُمَّ إِنِّي أُنْزِلُ بِكَ حَاجَتِي وَإِنْ قَصُرَ رَأْيِي وَضَعُفَ عَمَلِي افْتَقَرْتُ إِلَى رَحْمَتِكَ، فَأَسْأَلُكَ يَا قَاضِيَ الْأُمُورِ وَيَا شَافِيَ الصُّدُورِ كَمَا تُجِيرُ بَيْنَ الْبُحُورِ أَنْ تُجِيرَنِي مِنْ عَذَابِ السَّعِيرِ وَمِنْ دَعْوَةِ الثُّبُورِ وَمِنْ فِتْنَةِ الْقُبُورِ،

اللَّهُمَّ مَا قَصَّرَ عَنْهُ رَأْيِي وَلَمْ تَبْلُغْهُ نِيَّتِي وَلَمْ تَبْلُغْهُ مَسْأَلَتِي مِنْ خَيْرٍ وَعَدْتَهُ أَحَدًا مِنْ خَلْقِكَ أَوْ خَيْرٍ أَنْتَ مُعْطِيهِ أَحَدًا مِنْ عِبَادِكَ، فَإِنِّي أَرْغَبُ إِلَيْكَ فِيهِ وَأَسْأَلُكَهُ بِرَحْمَتِكَ رَبَّ الْعَالَمِينَ،

اللَّهُمَّ ذَا الْحَبْلِ الشَّدِيدِ، وَالْأَمْرِ الرَّشِيدِ أَسْأَلُكَ الْأَمْنَ يَوْمَ الْوَعِيدِ، وَالْجَنَّةَ يَوْمَ الْخُلُودِ مَعَ الْمُقَرَّبِينَ الشُّهُودِ، الرُّكَّعِ السُّجُودِ، الْمُوفِينَ بِالْعُهُودِ، إِنَّكَ رَحِيمٌ وَدُودٌ وَأَنْتَ تَفْعَلُ مَا تُرِيدُ،

اللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا هَادِينَ مُهْتَدِينَ غَيْرَ ضَالِّينَ وَلَا مُضِلِّينَ، سِلْمًا لِأَوْلِيَائِكَ وَعَدُوًّا لِأَعْدَائِكَ، نُحِبُّ بِحُبِّكَ مَنْ أَحَبَّكَ وَنُعَادِي بِعَدَاوَتِكَ مَنْ خَالَفَكَ،

اللّٰهُمَّ هَذَا الدُّعَاءُ وَعَلَيْكَ الْاسْتِجَابَةُ، وَهَذَا الْجُهْدُ وَعَلَيْكَ التُّكْلَانُ، اللّٰهُمَّ اجْعَلْ لِي نُورًا فِي قَبْرِي وَنُورًا فِي قَلْبِي وَنُورًا مِنْ بَيْنِ يَدَيَّ وَنُورًا مِنْ خَلْفِي وَنُورًا عَنْ يَمِينِي وَنُورًا عَنْ شِمَالِي وَنُورًا مِنْ فَوْقِي وَنُورًا مِنْ تَحْتِي وَنُورًا فِي سَمْعِي وَنُورًا فِي بَصَرِي وَنُورًا فِي شَعْرِي وَنُورًا فِي بَشَرِي وَنُورًا فِي لَحْمِي وَنُورًا فِي دَمِي وَنُورًا فِي عِظَامِي،

اللّٰهُمَّ أَعْظِمْ لِي نُورًا وَأَعْطِنِي نُورًا وَاجْعَلْ لِي نُورًا، سُبْحَانَ الَّذِي تَعَطَّفَ الْعِزَّ وَقَالَ بِهِ، سُبْحَانَ الَّذِي لَبِسَ الْمَجْدَ وَتَكَرَّمَ بِهِ، سُبْحَانَ الَّذِي لَا يَنْبَغِي التَّسْبِيحُ إِلَّا لَهُ، سُبْحَانَ ذِي الْفَضْلِ وَالنِّعَمِ، سُبْحَانَ ذِي الْمَجْدِ وَالْكَرَمِ، سُبْحَانَ ذِي الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ ". (جامع ترمذی، ج:۲، رقم الحدیث:۱۳۷۲)

(حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک رات حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نماز تہجد سے فراغت کے بعد یہ دعا پڑھتے ہوئے سنا:

اے میرے پروردگار! میں تجھ سے ایسی رحمت کا سوال کرتا ہوں کہ جس سے تو میرے دل کو ہدایت دے۔ میرے کام کو جامع بنادے۔ اس کی برکت سے میری پریشانی کو دور کر دے۔ میرے غیبی کاموں کو اس سے سنوار دے۔ میرے موجودہ درجات کو بلند کر دے۔ مجھے اس سے سیدھی راہ سکھا۔ میری الفت لوٹا دے اور مجھے ہر برائی سے بچا۔

اے میرے پروردگار! مجھے ایسا ایمان ویقین عطا فرما جس کے بعد کفر نہ ہو اور ایسی رحمت عطا فرما کہ اس سے میں دنیا آخرت میں تیری کرامت کے شرف کو پہنچوں۔

اے میرے پروردگار! میں تجھ سے قضاء میں کامیابی، شہداء کے مرتبے، نیک لوگوں کی زندگی اور دشمنوں پر تیری مدد کا سوال کرتا ہوں۔

اے میرے پروردگار! میں تیرے سامنے اپنی حاجت پیش کر رہا ہوں اگر چہ میری عقل کم اور میرا عمل ضعیف ہے۔ میں تیری رحمت کا محتاج ہوں۔ اے امور کو درست کرنے والے، اے سینوں کو شفاء عطا کرنے والے، میں تجھ ہی سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے دوزخ کے عذاب سے اسی طرح بچا جس طرح تو سمندروں کو آپس میں ملنے سے بچاتا ہے اور ہلاک کرنے والی دعا اور قبر کے فتنے سے بھی اسی طرح بچا۔

اے میرے پروردگار! جو بھلائی میری عقل میں نہ آئے میری نیت اور سوال بھی اس وقت تک نہ پہنچا ہو لیکن تو نے اس کا اپنی کسی مخلوق سے وعدہ کیا ہو یا اپنے کسی بندے کو دینے والا ہو تو میں بھی تجھ سے اس بھلائی کو طلب کرتا ہوں اور تجھ سے تیری رحمت کے وسیلے سے مانگتا ہوں۔

اے تمام جہانوں کے پروردگار، اے اللہ اے سخت قوت والے اور اے اچھے کام والے میں تجھ سے قیامت کے دن کے چین اور ہمیشگی کے دن مقربین کے ساتھ جنت کا سوال کرتا ہوں۔ جو گواہی دینے والے، رکوع و سجود کرنے والے اور وعدوں کو پورا کرنے والے ہیں۔ بیشک تو بڑا مہربان اور محبت کرنے والا ہے۔ تو جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے۔

اے اللہ ہمیں ہدایت یافتہ ہدایت دینے والے بنا، گمراہ ہونے اور گمراہ کرنے والے نہ بنا تو ہمیں اپنے دوستوں سے صلح کرنے والا اور دشمنوں کا دشمن بنا۔ ہم تیری محبت کے سبب ان سے محبت کریں جو تجھ سے محبت کریں اور تیری مخالفت کرنے والے سے دشمنی کریں کہ وہ تیرے دشمن ہیں۔

اے میرے پروردگار! یہ دعا ہے اب قبول کرنا تیرا کام ہے اور یہ کوشش ہے بھروسہ تو تجھ ہی پر ہے۔

یا اللہ میرے دل میں، میری قبر میں، میرے سامنے، میرے پیچھے، میرے دائیں بائیں۔ میرے اوپر نیچے، میرے کانوں میری آنکھوں، میرے بالوں میں، میرے بدن میں، میرے گوشت میں، میرے خون میں اور میری ہڈیوں میں میرے لیے نور ڈال دے۔

اے میرے پروردگار! میرا نور بڑھا دے، مجھے نور عطا فرما اور میرے لیے نور بنا دے، وہ ذات پاک ہے جس نے عزت کی چادر اوڑھی اور اسے اپنی ذات سے مخصوص کر دیا۔ پاک ہے وہ ذات جس نے بزرگی کا لباس پہنا اور مکرم ہوا۔ پاک ہے وہ ذات جس کے علاوہ کوئی تسبیح کے لائق نہیں۔ پاک ہے وہ فضل اور نعمتوں والا، پاک ہے وہ بزرگی اور کرم والا اور پاک ہے وہ جلال اور بزرگی والا)

(۷)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "إِذَا أَحَبَّ اللّٰهُ عَبْدًا نَادٰى جِبْرِيلَ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ فُلَانًا فَأَحِبَّهُ، فَيُحِبُّهُ جِبْرِيلُ، فَيُنَادِي جِبْرِيلُ فِي أَهْلِ السَّمَاءِ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ فُلَانًا فَأَحِبُّوهُ، فَيُحِبُّهُ أَهْلُ السَّمَاءِ، ثُمَّ يُوضَعُ لَهُ الْقُبُولُ فِي أَهْلِ الْأَرْضِ". (صحیح بخاری، ج:۳، رقم الحدیث:۹۹۸)

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو حضرت جبریل علیہ السلام کو پکار کر کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فلاں بندے سے محبت کرتا ہے، اس لیے تم بھی اس سے محبت کرو۔ حضرت جبریل علیہ السلام اس سے محبت کرتے ہیں۔ حضرت

جبریل علیہ السلام آسمان والوں کو منادی کرتے ہیں کہ اللہ پاک فلاں آدمی سے محبت کرتا ہے، اس لیے تم بھی اس سے محبت کرو۔ آسمان والے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ پھر زمین والوں میں بھی قبولیت اس کے لیے رکھی جاتی ہے)

(۸)۔ عن ابن عمرو بن الحمق قال: "لا يجد العبد صريح الإيمان حتى يحب ويبغض لله فإذا أحب لله وأبغض لله فقد استحق الولاية من الله وإن أوليای من عبادی وأحبای من خلقی الذين يذكرون بذكری وأذكر بذكرهم".

(کنز العمال، ج:۱، رقم الحدیث:۹۸)

(حضرت ابن عمرو بن الحمقؓ بیان کرتے ہیں کہ بندہ اچھی طرح ایمان کو اس وقت تک نہیں پا سکتا، جب تک کہ اس کی محبت ونفرت اللہ ہی کے لیے نہ ہو جائے۔ جب وہ اللہ ہی کے لیے محبت ونفرت کرنے لگے تو وہ اللہ پاک کی جانب سے ولایت کا مستحق ہو گیا۔ میرے بندوں میں سے میرے اولیاء میری مخلوق میں سب سے میرے محبوب بندے وہ ہیں جو میرا ذکر کرتے ہیں اور میں انکا ذکر کرتا ہوں)

(۹)۔ "يقول الله تعالى: من أهان لی وليا فقد بارزنی بالمحاربة وإنی لأسرع شیء إلى نصرة أوليائی إنی لأغضب لهم كما يغضب الليث الحرب.

(کنز العمال، ج:۱، رقم الحدیث:۱۱۵۷)

(اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جس نے میرے کسی دوست (مقرب الٰہی) کی اہانت کی اس نے میرے ساتھ اعلان جنگ کر دیا اور میں اپنے اولیاء کی نصرت میں سب سے زیادہ تیزی سے کام لیتا ہوں اور ان کے لیے اس حملہ آور شیر کی طرح غضبناک ہوتا ہوں)

(۱۰)۔ عن علی بن ابی طالب، قال: قال النبی صلی الله عليه و آله وسلم: يا علی: إذا تقرب الناس إلى الله فی أبواب البر فتقرب إلى الله بأنواع العقل، تسبقهم بالدرجات والزلفى، عند الناس فی الدنيا وعند الله فی الآخرة.

(کنز العمال، ج:۲، رقم الحدیث:۱۹۳۴)

(اے علی رضی اللہ عنہ! جب لوگ نیکی کے مختلف کاموں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کریں تو تم عقل کے مختلف طریقوں سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرو، تم ان سے درجات اور قربت میں، دنیا میں لوگوں کے ہاں اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کے ہاں آگے نکل جاؤ گے)

۴۔ قرب بالفرائض اور قرب بالنوافل

حدیث قدسی ہے کہ میرا بندہ جن عبادتوں سے میرا قرب حاصل کرتا ہے اور کوئی عبادت مجھ کو اس سے زیادہ پسند نہیں ہے جو میں نے اس پر فرض کی ہے (یعنی فرائض مجھ کو بہت پسند ہیں جیسے نماز، روزہ، حج اور زکوۃ وغیرہ) اور میرا بندہ فرض ادا کرنے کے بعد نفل عبادتیں کر کے مجھ سے اتنا نزدیک ہو جاتا ہے کہ میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں۔

(صحیح بخاری، ج: ۳، رقم الحدیث: ۱۴۴۹)

قرب بالفرائض اور قرب بالنوافل میں نسبت کو اچھی سمجھ لینا چاہیے۔ افضل طریقہ قرب بالفرائض ہے اور اعلیٰ اور بلند تر مقام قرب باالنوافل ہے۔ اس کی مثال کچھ یوں ہے جسے کوئی دومنزلہ عمارت ہو۔ اس میں دوسری منزل بلند تر ہوگئی لیکن اس کی بنیاد پہلی منزل ہی ہوتی ہے۔ پہلی منزل کے بغیر دوسری منزل کا تصور ناممکن ہے۔ اسی طرح فرائض کی ادائی کے بغیر نوافل سے قرب الٰہی کی خواہش کوئی صحیح طریقہ کار نہیں۔ اس لیے قرب بالفرائض پہلے حاصل ہوتا ہے اور پھر قرب بالنوافل۔

اس کی دوسری مثال یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے سوال کیا: تمہارے نزدیک سب سے زیادہ عجیب ایمان کس کا ہے؟ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! فرشتوں کا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: فرشتے کیسے ایمان نہیں لائیں گے، وہ تو اللہ پاک کے حضور میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا وجود ان کے لیے غیب نہیں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا: پھر انبیاء علیہم السلام کا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وہ کیسے ایمان نہیں لائیں گے، ان پر تو وحی اترتی ہے۔ اللہ پاک کے فرشتے ان کے پاس آتے جاتے ہیں اور اللہ پاک کا پیغام لاتے ہیں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جھجکتے جھجکتے ہوئے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پھر ہمارا ایمان۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم کیسے ایمان نہیں لاؤ گے جبکہ تم نے مجھے دیکھا ہے۔ میری صحبت سے فیض یاب ہوئے ہو۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میرے نزدیک خوبصورت ترین ایمان ہمارے ان بھائیوں کا ہوگا جو ہمارے بعد آئیں گے۔

انہیں اللہ پاک کی کتاب ملے گی اور وہ اس کی آیات پر ایمان لائیں گے۔

(مشکوۃ المصابیح، ج:۵، رقم الحدیث:۹۸۵)

اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان کے دو پہلوں ہیں: ایک تو ایمان کا افضل ترین ہونا اور دوسرا عجیب ہونا۔ افضل ترین ایمان تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا تھا لیکن عجیب ترین ایمان ان لوگوں کا ہے جو بعد میں آئے اور وہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت سے فیض یاب نہ ہو سکے لیکن پھر بھی ایمان لائے۔ بالکل اسی طرح فرائض کی ادائی سے ملنے والا قرب افضل ہے جیسا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ایمان غیر صحابہ سے افضل ہے۔ لیکن فرائض کی ادائی کے بعد نفل عبادات سے وہ قرب نصیب ہوتا ہے جو عجیب تر اور اعلیٰ وارفع ہے۔ جس کا حدیث مبارکہ میں ذکر کیا گیا ہے کہ جب میرا کوئی بندہ نوافل کے ذریعے میرا قرب چاہتا ہے تو میں بھی اس کو محبوب رکھتا ہوں۔ جب میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے۔ اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔ اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے۔ اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ اگر وہ مجھ سے مانگتا ہے تو میں اسے لازماً دیتا ہوں۔ اگر وہ مجھ سے پناہ چاہتا ہے تو اسے پناہ بھی لازماً دیتا ہوں۔

(صحیح بخاری، ج:۳، رقم الحدیث:۱۴۴۹)

۵۔ قرب کے درجات

قرب کے تین درجات ہیں جو حسب ذیل ہیں:

(۱)۔ قرب کا پہلا درجہ یہ ہے کہ سالک ہر طرح سے اللہ پاک کی اطاعت وفرمانبرداری کرتا ہے۔ وہ محسوس کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور مجھ سے قریب ہے۔ اس طرح سالک کا دل قرب الٰہی کی دولت سے مالا مال ہو جاتا ہے۔ سالکین میں سے کچھ کو اس حالت پر استقامت حاصل ہو جاتی ہے اور کچھ کے قرب کی کیفیت بدلتی رہتی ہے۔

(۲)۔ قرب کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ سالک اللہ پاک کو ہر وقت اپنے دل کے قریب پاتا ہے۔ اس طرح

اس کے دل کو اللہ تعالیٰ سے ایک قرب حاصل ہوتا ہے۔ اسی درجے کے بارے میں حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے قلوب سے اسی قدر قریب ہوتا چلا جاتا ہے کہ جس قدر ان کے قلوب اس سے قریب ہوتے جاتے ہیں۔ لہٰذا تو اس جانب دھیان کر کہ تیرے قلب کے قریب کیا ہے؟ (کتاب اللمع، ص:۹۷)

(۳)۔ قرب کا تیسرا درجہ یہ ہے کہ سالک قرب کے احساس سے بھی بالاتر ہو جائے۔ اس کی وضاحت ابوالحسین نوریؒ کے اس قول سے ہوتی ہے جو انہوں نے ایک ملاقاتی سے بیان فرمایا! ملاقاتی سے آپؒ نے پوچھا کہاں سے آئے ہو؟ اس نے جواب دیا بغداد سے۔ آپؒ نے کہا! بغداد میں کس کی صحبت میں رہے ہو؟ وہ بولا ابوحمزہؒ کی صحبت میں۔ آپؒ نے اس سے فرمایا! جب تو بغداد جائے تو ابوحمزہؒ سے کہنا کہ جسے ہم قرب القرب سمجھتے رہے ہیں وہ دراصل بعد البعد ہے۔

(کتاب اللمع، ص:۹۸)

اسی مفہوم کو ابو یعقوب السوسیؒ یوں بیان کرتے ہیں: جب تک بندے کو قرب کا احساس رہتا ہے قرب باقی نہیں رہتا اور جب وہ قرب کی کیفیت پر فائز ہوتے ہوئے خود کو قرب سے منفی کر دیتا ہے، تب اسے قرب حاصل ہوتا ہے اور وہ اللہ پاک سے قریب ہو جاتا ہے۔

(کتاب اللمع، ص:۹۸)

۶۔ قرب کے حصول کا طریقہ

قرب الٰہی کی حصول کے اعتبار سے دو اقسام ہیں: ایک کسبی اور دوسری وہبی۔ کسبی قرب تو سالک اپنی کوشش سے دین پر عمل کر کے حاصل کر سکتا ہے لیکن وہبی قرب اللہ پاک کی خاص عطا ہے۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اپنا قرب عطا فرماتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَللّٰهُ يَجْتَبِيٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ. (سورۃ الشوریٰ، آیت:۱۳)

(اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اور جو شخص رجوع کرے اس کو اپنی طرف راہ دکھاتا ہے)

اس آیت مبارکہ کا پہلا حصہ اللہ پاک جسے چاہتا ہے اپنی طرف کھینچ لیتا ہے، قرب وہبی اور دوسرا حصہ کہ جو شخص رجوع کرے اس کو اپنی طرف راہ دکھاتا ہے کسبی قرب کے بارے میں ہے۔

وہبی قرب سالک اپنی کوشش سے حاصل نہیں کر سکتا۔ یہ قرب سالک کے احوال میں سے ایک حال ہے۔ البتہ سالک کسبی قرب اپنی محنت اور کوشش سے حاصل کر سکتا ہے جو وہبی قرب کے حصول میں مددگار ہو سکتا ہے۔

(۱)۔ کسبی قرب حاصل کرنے کے لیے پہلی چیز یہ ہے کہ اللہ پاک کی طرف سے عائد کردہ فرائض کو بروقت اور احسن طریقے سے ادا کیا جائے۔ حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ اللہ پاک فرماتا ہے: میرا بندہ جن جن عبادتوں سے میرا قرب حاصل کرتا ہے اور کوئی عبادت مجھ کو اس سے زیادہ پسند نہیں ہے جو میں نے اس پر فرض کی ہے (یعنی فرائض مجھ کو بہت پسند ہیں جیسے نماز، روزہ، حج اور زکوۃ وغیرہ)۔ (صحیح بخاری، ج: ۳، رقم الحدیث: ۱۴۴۹)

(۲)۔ حصول قرب میں مددگار دوسری چیز ریاضت ومجاہدہ ہے۔ سالک جب ریاضت کرتا ہے تو بری صفات کے محرکات آہستہ آہستہ اس سے ختم ہو جاتے ہیں۔ نفس میں اللہ پاک کی رضا پر راضی رہنے کا ملکہ پیدا ہو جاتا ہے۔ جس سے اچھے اور نیک اعمال بے تکلف صادر ہونے لگتے ہیں۔ ایسے سالک ہی کے بارے میں حدیث قدسی ہے کہ میرا بندہ ہمیشہ نوافل کے ذریعے مجھ سے قرب حاصل کرتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔

(صحیح بخاری، ج: ۳، رقم الحدیث: ۱۴۴۹)

(۳)۔ سالک کو خودنمائی وخود بینی چھوڑ دینی چاہیے۔ اپنے آپ کو نیست اور اللہ پاک کو ہست (موجود) سمجھنا چاہیے۔ تکبر وغرور اور فخر ومباہات کو ذہن سے نکال دے۔ اللہ پاک کے احکامات کی مخالفت نہ کرے۔ حضرت بایزید بسطامیؒ فرماتے ہیں: میرے دل میں اللہ پاک کی طرف سے یہ بات ڈال دی گئی کہ قرب الٰہی کا سب سے آسان راستہ یہ ہے: اپنے آپ کو چھوڑ دو اور اللہ تعالیٰ کی طرف آجاؤ۔

(۴)۔ سالک اپنی عاجزی اور ناتوانی کا مشاہدہ کرے۔ اللہ پاک کے سامنے عاجزی والتجا کرے۔

تواضع وانکساری پیدا کرے۔

(۵)۔ سالک ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے احکامات پر نظر رکھے اور کسی لمحے بھی اس کی یاد سے غافل نہ ہو۔

۷۔ قرب کے بارے میں صوفیائے کرامؒ کے اقوال

قرب کے بارے میں صوفیائے کرامؒ سے منسوب سنہرے اقوال میں سے کچھ حسب ذیل ہیں:

(۱)۔ حضرت سری سقطیؒ فرماتے ہیں کہ قرب اللہ پاک کی اطاعت کرنے کا نام ہے۔

(کتاب التعرف، ص:۱۶۶)

(۲)۔ حضرت سری سقطیؒ فرماتے ہیں کہ اطاعت گذاری سے قرب حاصل ہوتا ہے اور اللہ پاک کی اطاعت سے دوری کا نام بعد ہے۔ (تصوف اور تصورات صوفیہ، ص:۳۲۲)

(۳)۔ حضرت رویمؒ فرماتے ہیں کہ ہر اس چیز کا جو اللہ پاک اور بندے کے درمیان حائل ہو ہٹا دینا قرب کہلاتا ہے۔ (کتاب التعرف، ص:۱۶۷)

(۴)۔ قرب یہ ہے کہ سالک ان انعامات اور احسانات کا مشاہدہ کرے جو اللہ پاک نے اس پر کیے ہیں اور اس میں اپنے افعال اور مجاہدات کو دیکھنے سے بالکل غائب ہو جائے۔

(کتاب التعرف، ص:۱۶۷)

(۵)۔ شیخ ضیا الدین سہروردیؒ فرماتے ہیں: قرب اپنی ہمت کو اللہ پاک کے سامنے جمع کرنے کا نام ہے۔ (آداب المریدین، ص:۳۷)

(۶)۔ شیخ ضیاء الدین سہروردیؒ فرماتے ہیں کہ قرب اللہ کے سامنے ہمت کو اس طرح سے جمع کرنے کا نام ہے کہ اللہ پاک کے سوا سے غیوبت حاصل ہو جائے۔ (آداب المریدین، ص:۳۷)

(۷)۔ حضرت مظفر قرمیسینیؒ فرماتے ہیں: جسے محبت مار ڈالتی ہے، اسے قرب الٰہی زندگی دیتا ہے۔

(طبقات صوفیہ، ص:۲۷۸)

(۸)۔ حضرت ابوبکر دقیؒ فرماتے ہیں: اللہ پاک سے قرب کی علامت یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہر شے سے منہ موڑ لے۔ (طبقات صوفیہ،ص:۳۱۵)

(۹)۔ سالک کا اللہ پاک کی صفات خود میں پیدا کرنا قرب کہلاتا ہے۔ (سر دلبراں،ص:۲۷۹)

(۱۰)۔ شیخ ابوطالب مکیؒ فرماتے ہیں کہ مقرب وہ ہوتے ہیں جن کی نگاہ ازل کے فیصلے پر ہوتی ہے۔ وہ ہمیشہ اس فکر میں رہتے ہیں کہ پتہ نہیں ہمارا حساب کیا ہوگا۔

(معالم العرفان، ذیل سورۃ آل عمران، آیت:۴۵)

(۱۱)۔ حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں کہ ایک عارف کی حالت یہ ہوتی ہے کہ وہ روزانہ زیادہ خوف زدہ ہوتا جاتا ہے کیونکہ ہر گھڑی وہ اللہ پاک کے قریب ہوتا جاتا ہے۔ (طبقات صوفیہ،ص:۳۸)

۸۔ قرب کے واقعات

نمونہ کے طور پر قرب کے چند واقعات نقل کیے جاتے ہیں:

(۱)۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں یہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: میرا رب میرے پاس نہایت اچھی صورت میں آیا اور فرمایا اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! میں نے عرض کیا: یارب حاضر ہوں اور تیری فرماں برداری کے لیے تیار ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا مقربین فرشتے کس بات میں جھگڑتے ہیں؟ میں نے عرض کیا: اے میرے پروردگار! مجھے علم نہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ میرے شانوں کے درمیان رکھا جس کی ٹھنڈک میں نے اپنے سینے میں محسوس کی اور مشرق و مغرب کے درمیان جو کچھ ہے سب کچھ جان لیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے پوچھا: اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! میں نے عرض کیا: اے میرے پروردگار حاضر ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا مقرب فرشتے کس چیز کے متعلق جھگڑتے ہیں؟ میں نے عرض کیا درجات اور کفارات میں۔ مساجد کی طرف پیدل چلنے میں۔ تکلیف کے باوجود اچھی طرح وضو کرنے میں۔ جو ان چیزوں کی حفاظت کرے گا وہ بھلائی کے ساتھ زندہ رہے گا اور خیر پر ہی اس کو موت آئے گی اور اپنے گناہوں سے

اس طرح پاک رہے گا گویا کہ آج ہی اس کی ماں نے اسے جنا ہے۔

(جامع ترمذی، ج:۲، رقم الحدیث:۱۱۸۲)

(۲)۔ ایک بار حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اس وقت فنا علمی کی حالت طاری تھی اور حق تعالیٰ کی معیت اور قرب کی تجلیات میں محو تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو نہ پہچان سکے اور دریافت فرمایا کہ تو کون ہے؟ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: یا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں عائشہ (رضی اللہ عنہا) ہوں۔حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر فرمایا: عائشہ (رضی اللہ عنہا) کون؟ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: یا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں عائشہ (رضی اللہ عنہا) بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہوں۔ پھر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کون؟ حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) نے عرض کیا: ابوبکر رضی اللہ عنہ ابوقحافہ کے بیٹے۔حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا ابوقحافہ کون؟ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر دہشت اور خوف کا غلبہ ہوا اور چپکے سے واپس ہوگئیں۔ پھر جب حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس حالت فنائے علمی سے واپس بقائے علمی میں آئے تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے سب ماجرا سنایا۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے عائشہ (رضی اللہ عنہا)! میرے اور میرے پروردگار کے درمیان ایک مخصوص وقت ہوتا ہے۔اس وقت مجھے ایسا قرب نصیب ہوتا ہے کہ اس مقام قرب میں نہ تو کسی نبی مرسل علیہ السلام کی رسائی ہوسکتی ہے اور نہ کسی مقرب فرشتہ علیہ السلام کی۔(جنیدؒ و بایزیدؒ، ص:۲۹۷)

(۳)۔ واقعہ معراج حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اللہ پاک سے قرب کی انتہا ہے۔حافظ ابن قیمؒ لکھتے ہیں کہ صحیح ترین قول کے مطابق معراج میں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہلے مرحلے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم مبارک سمیت براق پر سوار کر کے حضرت جبریل علیہ السلام کی معیت میں مسجد حرام سے بیت المقدس تک سیر کرائی گئی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیت المقدس میں نزول فرمایا اور براق کو مسجد کے دروازے کے حلقے سے باندھ دیا۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہاں انبیاء علیہم السلام کی امامت فرماتے ہوئے نماز پڑھائی۔

اس کے بعد اسی رات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بیت المقدس سے آسمان دنیا تک لے جایا گیا۔حضرت

جبریل علیہ السلام نے پہلے آسمان کا دروازہ کھلوایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے دروازہ کھولا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہاں انسانوں کے باپ حضرت آدم علیہ السلام کو دیکھا اور انہیں سلام کیا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے آپ علیہ السلام کو خوش آمدید کہا۔ سلام کا جواب دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا اقرار کیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت آدم علیہ السلام کے دائیں جانب سعادت مندوں کی روحیں اور بائیں جانب بدبختوں کی روحیں دکھلائیں۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دوسرے آسمان پر لے جایا گیا اور دروازہ کھلوایا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہاں حضرت یحییٰ علیہ السلام اور حضرت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھا۔ دونوں سے ملاقات کی اور سلام کیا۔ دونوں نے سلام کا جواب دیا۔ مبارک باد دی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا اقرار کیا۔

پھر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تیسرے آسمان پر لے جایا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہاں حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھا اور سلام کیا۔ انہوں نے سلام کا جواب دیا۔ مبارک باد دی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا اقرار کیا۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چوتھے آسمان پر لے جایا گیا۔ وہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ادریس علیہ السلام کو دیکھا اور انہیں سلام کیا۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سلام کا جواب دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خوش آمدید کہا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا اقرار کیا۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پانچویں آسمان پر لے جایا گیا۔ وہاں پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ہارون علیہ السلام کو دیکھا اور انہیں سلام کیا۔ انہوں نے سلام کا جواب دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبارک باد دی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا اقرار کیا۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چھٹے آسمان پر لے جایا گیا۔ وہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملاقات حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں سلام کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خوش آمدید کہا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا اقرار کیا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں سے آگے بڑھے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام آبدیدہ ہو گئے۔ اس کا سبب پوچھا گیا تو عرض کیا: ایک نوجوان (حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جو میرے بعد مبعوث کیا گیا اس کی امت کے لوگ میری امت کے لوگوں سے

بہت زیادہ تعداد میں جنت میں داخل ہوں گے۔

اس کے بعد حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ساتویں آسمان پر لے جایا گیا۔ وہاں پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملاقات حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں سلام کیا۔ انہوں نے سلام کا جواب دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبارک باد دی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبوت کا اقرار کیا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سدرۃ المنتہیٰ تک لے جایا گیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے بیت المعمور کو ظاہر کیا گیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ پاک کے دربار میں پہنچایا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے اتنے قریب ہوئے کہ دو کمانوں کے برابر یا اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا۔ اس وقت اللہ پاک نے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی فرمائی۔ (زاد المعاد، ج:۱، حصہ:۲، ص:۶۹۲-۶۹۳)

(۴)۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ پاک کی بارگاہ میں خاص قرب حاصل ہے۔ قیامت کے دن سب مخلوق اللہ پاک کے جلال سے کانپ رہی ہوگی۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اجازت دی جائے گی کہ گناہ کاروں کی شفاعت فرمائیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن لوگوں کو جمع کرے گا۔ اس وقت لوگ کہیں گے کہ اگر ہم اپنے رب کے حضور کسی کی شفاعت لے جائیں تو ممکن ہے کہ ہم اپنی اس حالت سے نجات پا جائیں۔ چنانچہ لوگ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور عرض کریں گے! آپ علیہ السلام ہی وہ بزرگ نبی ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے بنایا۔ آپ علیہ السلام کے اندر اپنی چھپائی ہوئی روح، پھونکی اور فرشتوں کو حکم دیا، تو انہوں نے آپ علیہ السلام کو سجدہ کیا۔ آپ علیہ السلام ہمارے رب کے حضور ہماری شفاعت کر دیں۔ وہ کہیں گے کہ میں تو اس لائق نہیں ہوں۔ پھر وہ اپنی لغزش (بھول چوک) یاد کریں گے اور کہیں گے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ وہ سب سے پہلے رسول علیہ السلام ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ نے بھیجا۔

لوگ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس جائیں گے لیکن وہ بھی یہی جواب دیں گے کہ میں اس لائق نہیں ہوں۔ وہ اپنی لغزش (خطا) کا ذکر کریں گے اور کہیں گے کہ تم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ، جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنا خلیل (سچا دوست) بنایا تھا۔ لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جائیں

گے لیکن وہ بھی یہی کہیں گے کہ میں اس لائق نہیں ہوں، اپنی خطا کا ذکر کریں گے اور کہیں گے کہ تم لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ، جن سے اللہ تعالیٰ نے کلام کیا تھا۔

لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے لیکن وہ بھی یہی جواب دیں گے کہ میں اس لائق نہیں ہوں، اپنی خطا کا ذکر کریں گے اور کہیں گے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے، لیکن وہ بھی کہیں گے کہ میں اس لائق نہیں ہوں، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس جاؤ، کیونکہ ان کے تمام گناہ معاف کر دیے گئے ہیں۔

لوگ میرے پاس آئیں گے۔ اس وقت میں اپنے رب سے (شفاعت کی) اجازت چاہوں گا اور سجدہ میں گر جاؤں گا۔ اللہ تعالیٰ جتنی دیر تک چاہے گا، مجھے سجدہ میں رہنے دے گا۔ پھر کہا جائے گا کہ اپنا سر اٹھا لو! مانگو! دیا جائے گا۔ کہو! سنا جائے گا۔ شفاعت کرو! شفاعت قبول کی جائے گی۔ اس وقت میں اپنے رب کی ایسی حمد وثنا (تعریف) بیان کروں گا جو اللہ تعالیٰ مجھے سکھائے گا۔ پھر شفاعت کروں گا اور میرے لیے حد (تعداد) مقرر کر دی جائے گی اور میں لوگوں کو جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کروں گا اور اسی طرح سجدہ میں گر جاؤں گا، تیسری یا چوتھی مرتبہ، جہنم میں صرف وہی لوگ باقی رہ جائیں گے، جنہیں قرآن مجید نے روکا ہے (یعنی جن کے جہنم میں ہمیشہ رہنے کا ذکر قرآن پاک میں وضاحت کے ساتھ ہے)۔

(صحیح بخاری، ج:۳، رقم الحدیث:۱۵۰۹)

(۵)۔ اللہ پاک کے سبھی پیغمبر قرب الٰہی کے خاص مقام پر فائز ہیں۔ اللہ پاک نے ان میں کچھ کا خصوصی طور پر اپنی پاک کتاب قرآن مجید میں ذکر فرمایا ہے۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ پاک نے اپنے مقرب اور راز دان کے نام سے یاد فرمایا ہے۔ واقعہ کچھ یوں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے گھر والوں کو لے کر مدائن سے مصر کی طرف واپس آ رہے تھے۔ کوہ طور کے قریب معروف راستے سے غیر معروف راستے پر چل پڑے۔ اسی حالت میں رات پڑ گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بیوی (حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹی) امید سے تھیں۔ انہیں اچانک دردزہ شروع ہو گیا۔ رات کا وقت تھا۔ راستہ غیر معروف تھا۔ انتہا کی سردی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آگ جلانے کی

کوشش کی تا کہ اس سے آپ علیہ السلام کے گھر والے حرارت حاصل کر سکیں لیکن اللہ پاک کے حکم سے آگ نہ جلی۔ اچانک آپ علیہ السلام کو دور وادی طویٰ میں کوہ طور پر آگ کی روشنی نظر آئی۔ آپ علیہ السلام نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ وہاں آگ جل رہی ہے۔ تم یہیں ٹھہرو، میں وہاں سے آگ لے کر آتا ہے۔ شاید وہاں کوئی راستہ جاننے والا بھی مل جائے۔ جب آپ علیہ السلام وادی طویٰ میں پہنچے تو ایک عجیب منظر دیکھا۔ ایک درخت سے آگ کے شعلے نکل رہے تھے اور آگ کے بڑھنے سے درخت جلنے کی بجائے مزید سرسبز ہوتا جا رہا تھا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اس درخت کے قریب پہنچے تو کوہ طور کے دائیں طرف سے آواز سنائی دی۔ جس کا قرآن پاک میں ذکر کچھ یوں ہے:

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰىٓ ۡ اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا وَّكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ○ وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا. (سورۃ مریم، آیت: ۵۱-۵۲)

(اور اس کتاب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بھی تذکرہ کرو۔ بیشک وہ اللہ کے چنے ہوئے بندے، رسول اور نبی تھے۔ ہم نے انہیں کوہ طور کی دائیں جانب سے پکارا اور انہیں اپنا راز دار بنا کر اپنا قرب عطا کیا)

پھر ارشاد ہوا:

فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ يٰمُوْسٰى ○ اِنِّيْٓ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ ۚ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ○ وَاَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى. (سورۃ طٰہٰ، آیات: ۱۰-۱۳)

(حضرت موسیٰ علیہ السلام وہاں پہنچے تو آواز دی گئی: اے موسیٰ علیہ السلام! میں ہی تیرا رب ہوں، اپنے جوتے اتار دے، تو مقدس وادی طویٰ میں پہنچ چکا ہے۔ میں نے تجھ کو چن لیا ہے جو کچھ وحی کی جاتی ہے توجہ سے سنو)

حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ پاک کے جلیل القدر پیغمبر تھے جن سے اللہ پاک بغیر کسی واسطہ کے کلام فرماتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنا قرب خاص عطا فرمایا تھا۔ آپ علیہ السلام کے مقرب الٰہی ہونے کا اللہ تعالیٰ نے بطور خاص قرآن پاک میں ذکر فرمایا ہے۔

(۶)۔ حضرت بایزید بسطامیؒ فرماتے ہیں: جب میں پہلی مرتبہ حج کے لیے گیا تو مجھے خانہ کعبہ کے علاوہ کچھ نظر نہیں آیا۔ جب میں دوسری مرتبہ حج کے لیے گیا تو مجھے خانہ کعبہ کے ہمراہ اس کا مالک بھی

نظر آیا۔ جب میں تیسری مرتبہ حج کے لیے گیا تو مجھے صرف خانہ کعبہ کا مالک ہی نظر آیا، خانہ کعبہ نظر نہیں آیا۔(کشف المحجوب)

(۷)۔ ایک صوفی نے اپنے مریدوں میں سے ایک کو اپنی خصوصی توجہ کے لیے خاص کر لیا۔ باقی مریدوں میں اس سلسلہ میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ چنانچہ ایک دن اس صوفی بزرگ نے اپنے سب مریدوں کو بلایا اور ہر ایک کو ایک ایک پرندہ دیا اور حکم دیا کہ وہ اسے ایسی جگہ ذبح کریں جہاں ان کے سوا کوئی دوسرا انہیں دیکھ نہ رہا ہو۔ کچھ وقت بعد سب مرید ذبح کیے ہوئے پرندے کے ساتھ حاضر تھے سوائے اس خصوصی توجہ والے مرید کے۔ شیخ نے اس سے پوچھا تم نے پرندہ ذبح کیوں نہیں کیا؟ مرید نے جواب دیا: حضرت! میں جہاں بھی گیا میں نے اللہ پاک کو اپنے قریب پایا۔ وہ ہر حال میں میرے ساتھ ہے تو میں ایسی تنہائی کیسے تلاش کر سکتا ہوں جہاں مجھے کوئی نہ دیکھتا ہو تا کہ آپ کے حکم کے مطابق پرندہ ذبح کر سکوں۔ صوفی بزرگ یہ سن کر اپنے دوسرے مریدوں سے مخاطب ہوئے کہ پہچان لو! میں اس مرید کو باقی مریدوں کی نسبت خصوصی توجہ کیوں دیتا ہوں۔(رسالہ قشیریہ، ص:۱۸۶)

حوالہ جات

۱۔ آداب المریدین، شیخ ضیاء الدین ابوالنجیب عبدالقاہر سہروردیؒ ترجمہ محمد عبدالباسط۔ لاہور: تصوف فاؤنڈیشن، ۱۹۹۸ء۔

۲۔ تصوف اور تصورات صوفیہ، پروفیسر ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی۔ لاہور: سیٹھی بکس، ۲۰۰۸ء۔

۳۔ جامع ترمذی، امام محمد بن عیسیٰ ترمذیؒ ترجمہ مولانا افضل احمد۔ کراچی: دارالاشاعت، ۲۰۰۶ء۔

۴۔ جنیدؒ و بایزیدؒ، حضرت عبداللطیف خان نقشبندیؒ۔ لاہور: نشان منزل پبلی کیشنز، ۲۰۱۳ء۔

۵۔ الدرالمنثور فی التفسیر بالماثور، امام جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر سیوطیؒ ترجمہ پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ۔ لاہور: ضیاء القرآن، ۲۰۰۶ء۔

۶۔ رسالہ القشیریہ فی علم التصوف، امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیریؒ ترجمہ شاہ محمد چشتی۔ لاہور: ادارہ پیغام القرآن، ۲۰۰۷ء۔

۷۔ زاد المعاد، علامہ حافظ ابی عبداللہ محمد ابن قیمؒ ترجمہ رئیس احمد جعفری۔ کراچی: نفیس اکیڈمی، ۱۹۹۰ء۔

۸۔ سر دلبراں، شاہ سید محمد ذوقیؒ۔ کراچی: محفل ذوقیہ، ۱۹۶۹ء۔

۹۔ صحیح بخاری، امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاریؒ ترجمہ حضرت مولانا محمد داؤد دراز۔ دہلی: مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند، ۲۰۰۴ء۔

۱۰۔ طبقات صوفیہ، ابی عبدالرحمٰن محمد بن حسین سلمیؒ ترجمہ شاہ محمد چشتی۔ لاہور: ادارہ پیغام القرآن، ۲۰۱۱ء۔

۱۱۔ القرآن العظیم: تفسیر ماجدی، مولانا عبدالماجد دریابادیؒ۔ لکھنؤ: مجلس تحقیقات و نشریات،

۲۰۱۶ء۔

۱۲۔ کتاب التعرف لمذہب اہل التصوف، امام ابوبکر بن ابواسحاق محمد بن ابراہیم بن یعقوب البخاری کلاباذیؒ ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن۔ لاہور: تصوف فاؤنڈیشن، ۱۹۹۸ء۔

۱۳۔ کتاب اللمع فی التصوف، شیخ ابونصر سراجؒ ترجمہ سید اسرار بخاری۔ لاہور: تصوف فاؤنڈیشن، ۲۰۰۰ء۔

۱۴۔ کشف المحجوب، سید علی ہجویریؒ ترجمہ میاں طفیل محمد۔ لاہور: اسلامک پبلیکیشنز، ۱۹۸۸ء۔

۱۵۔ کنز العمال، علامہ علاء الدین علی متقی بن حسام الدینؒ ترجمہ مولانا مفتی احسان اللہ شائق۔ کراچی: دارالاشاعت، ۲۰۰۹ء۔

۱۶۔ مسند امام احمد بن حنبل، امام احمد بن حنبلؒ ترجمہ مولانا محمد ظفر اقبال۔ لاہور: مکتبہ رحمانیہ، ۲۰۰۴ء۔

۱۷۔ مشکوٰۃ المصابیح، شیخ ولی الدین خطیب التبریزیؒ ترجمہ مولانا محمد صادق خلیلؒ۔ لاہور: مکتبہ محمدیہ، ۲۰۰۵ء۔

۱۸۔ معالم العرفان فی دروس القرآن، صوفی عبدالحمید سواتیؒ۔ گوجرانوالہ: مکتبہ دروس القرآن، ۲۰۰۸ء۔

۱۹۔ http//:www.hadithurdu.com/

۲۰۔ https//:easyquranwahadees.com/

۳۳

کشف وشہود

ا۔ کشف وشہود کا مفہوم

(ا)۔ کشف کا لغوی معنی ظاہر کرنا، پردہ اٹھنا، کھولنا، عیاں کرنا، نمایاں کرنا، بیان کرنا اور اظہار کرنا ہے۔ تصوف کی اصطلاح میں سالک پر اللہ پاک کی طرف سے بعض اسرار کا ظاہر ہونا، کشف کہلاتا ہے۔ اسی طرح شہود کا لغوی معنی حاضر ہونا، ظاہر ہونا، آشکارا ہونا اور موجود ہونا ہے۔ تصوف کی اصطلاح میں شہود سالک پر اللہ پاک کی طرف سے وارد ہونے والا وہ حال ہے جس میں اسے ہر شے میں جلوہ حق نظر آتا ہے۔

کشف، الہام اور فراست سے مشابہ ایک بڑی نعمت اہل نسبت کو میسر آتی ہے۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ آدمی کے دل میں عالم غیب کی اشیاء منکشف ہو جائیں اور وہ انھیں اس طرح دیکھ لے جس طرح ظاہری آنکھوں سے دنیا کی چیزیں دیکھتا ہے۔ جیسا کہ حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں احد کے پہاڑ کے پیچھے سے جنت کی خوشبو پاتا ہوں۔

(صحیح بخاری، ج:۲، رقم الحدیث:۷۹)

کشف میں نور بصارت بصیرت کو عالم ملکوت کی طرف کھینچ لیا جاتا ہے۔ نور بصارت ملکوت سے اس طرح متصل ہو جاتا ہے جیسا کہ صاف شفاف آئینہ سے شعاع۔ نور بصارت، عالم ملکوت سے بصیرت کی روشنی لیے قلب پر منعکس ہوتا ہے۔ پھر ترقی کر کے خزانہ عقل میں چمکتا ہے۔ یہاں سے عقل کی روشنی میدان قلب میں پہنچنے لگتی ہے۔ اس کے اثر سے لطیفہ سر (پانچ لطائف باطنی: عقل، دل، سر، روح اور خفی میں سے تیسرا) کا مرکز بھی بصیرت قلبی سے روشن ہو جاتا ہے۔ اب لطیفہ سر ان چیزوں کو دیکھنے لگتا ہے جہاں نہ تو ظاہری نگاہ پہنچ سکتی ہے اور نہ ہی دوسروں کی سمجھ اس کا تصور کر سکتی ہے۔ یہی سالکین حق کا کشف ہے۔

(۲)۔ بعض اوقات اہل کشف کو خود اپنے کشف کی حقیقت کا ادراک نہیں ہوتا۔ جیسا کہ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کو ملائکہ کا کشف تو ہوا مگر یہ اطلاع نہ ہوئی کہ یہ ملائکہ ہیں۔ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ

ایک رات اپنی کھجوروں کے کھلیان میں قرآن مجید پڑھ رہے تھے کہ انکا گھوڑا بدکنے لگا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے پھر پڑھا وہ پھر بدکنے لگا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے پڑھا وہ پھر بدکنے لگا۔ حضرت اسید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ڈرا کہ کہیں وہ یحییٰ (حضرت اسید رضی اللہ عنہ کا بیٹا) کو کچل نہ ڈالے۔ میں اس کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا۔ میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک سائبان میرے سر پر ہے وہ چراغوں سے روشن ہے وہ اوپر کی طرف اٹھنے لگا۔ یہاں تک کہ میں اسے پھر نہ دیکھ سکا۔ صبح حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں یہ واقعہ عرض کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ فرشتے تھے جو تمہارا قرآن سنتے تھے اور اگر تم پڑھتے رہتے تو صبح لوگ ان کو دیکھتے اور وہ لوگوں سے پوشیدہ نہ ہوتے۔ (دیکھیے صحیح مسلم، ج:۱، رقم الحدیث: ۱۸۵۳) سالکین حق کو جو کشف ہوتا ہے وہ ان کے اپنے اختیار میں نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ انبیائے کرام علیہم السلام کا کشف بھی ان کے اختیار میں نہیں ہوتا۔ جیسا کہ اللہ پاک نے جب چاہا تو حضرت یعقوب علیہ السلام کو حضرت یوسف علیہ السلام کے قمیض کی خوشبو میلوں کے فاصلہ سے آنے لگی حالانکہ اس سے پہلے ایسی صورت حال نہ تھی۔

(دیکھیے سورۃ یوسف، آیت: ۹۳-۹۴)

(۳)۔ کشف کی صلاحیت کا حامل کھلی یا بند آنکھ سے کشف کرنے پر قادر ہوتا ہے تاہم یہ بات کشف کرنے والے کے مرتبہ پر منحصر ہوتی ہے۔ کشف کرنے والے کا مادی جسم دنیا میں اپنی جگہ پر ہوتا ہے جبکہ تخیل کی پرواز، اس کو کسی بھی جگہ لے جاسکتی ہے۔ اس دوران کشف کرنے والے کو اپنا مادی جسم بھی نظر آتا ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ اپنے مادی جسم کو چھوڑ کر روحانی جسم کے ذریعے سفر کر رہا ہے۔ کشف کی مشہور اقسام میں کشف القبور، کشف الصدور اور کشف الحضور زیادہ مشہور ہیں۔ تاہم کشف کے صحیح ہونے کی کوئی ضمانت نہیں ہوتی۔ کشف شیطانی اور رحمانی دونوں طرح کا ہوسکتا ہے۔ ان میں صاحب مرتبہ سالک ہی تمیز کرسکتا ہے۔ بعض اوقات سالکین حق کو غیر ارادی طور پر کشف ہونے لگتا ہے یہی کشف سالک کے احوال میں سے ایک حال ہے۔

(۴)۔ خواب کی اقسام میں سے ایک وہ ہے جو فرشتوں کے واسطے سے نظر آتی ہے۔ نیند میں سالک کے حواس معطل ہو جاتے ہیں ایسے میں دل کا آئینہ پاک وصاف ہو تو آسمانی فرشتوں سے قلبی مناسبت پیدا ہو جاتی ہے۔ فرشتوں کو معلوم امور کا عکس سالک کے دل پر پڑنے لگتا ہے۔ یہ سچے

خواب ہوتے ہیں۔ یاد رہے یہی وہ خواب ہیں جن کے بارے میں حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: مرد صالح کا نیک خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے۔ (دیکھیے سنن ابن ماجہ، ج: ۳، رقم الحدیث: ۳۷۷) ایسے خواب بھی کشف میں داخل ہیں۔

(۵)۔ بعض اوقات انسان ان چیزوں کو سن لیتا ہے جن کو دوسرا سن نہیں سکتا۔ بعض اوقات انسان ان چیزوں کو نیند اور بیداری میں دیکھ لیتا ہے جن کو دوسرا دیکھ نہیں سکتا۔ بعض اوقات اس کو علم بدیہی کے نازل ہونے سے یا فراست صادقہ سے ان چیزوں کا علم ہو جاتا ہے جن کا دوسروں کو علم نہیں ہوتا۔ اس چیز کو اصطلاح میں کشف، مشاہدہ، مکاشفہ اور مخاطبہ کہتے ہیں۔ ایسے علم کے سننے کو مخاطبہ، دیکھنے کو مشاہدہ اور علم کو مکاشفہ کہتے ہیں۔

(۶)۔ علم کی دو اقسام ہیں: مادی علم اور روحانی علم۔ روحانی علم کی سرحد مادی علم کے بعد آتی ہے۔ یہ علم تمام تر مادہ اور مادیات سے پاک ہوتا ہے۔ البتہ اس کا مادہ سے اس قدر تعلق ہوتا ہے کہ وہ علم مادی دل و دماغ کے آئینہ پر اپنا عکس ڈالتا ہے۔ اس علم کے مختلف مدارج ہیں: پہلا درجہ فراست، دوسرا حدس، تیسرا کشف، چوتھا الہام اور پانچواں درجہ وحی کا ہے۔ جس طرح مادی علم کے حصول کے پانچ حواس (حواس خمسہ) ہیں اسی طرح انسان کے پانچ حواس باطنی (عقل، دل، سر، روح اور خفی) ہیں جن سے وہ یہ غیر مادی (روحانی) علم حاصل کرتا ہے۔

(i)۔ فراست کے معنی بھانپ لینے، بات کو جلدی سمجھ جانے اور زود تیز فہمی کے ہیں۔ یہ صلاحیت ہر شخص میں نمایاں نہیں ہوتی مگر جس میں نمایاں ہوتی اس کی یہ کیفیت ایک ملکہ کے ذریعہ سے حاصل ہوتی ہے جو تجربہ کی کثرت اور علم کی مہارت اور کمال کے بعد انسان کو حاصل ہو جاتی ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کسی چیز کے دیکھنے، سننے، چکھنے یا چھونے کے ساتھ ہی صرف بعض علامتوں کے جان لینے سے متعدد ضروری علامتوں پر تفصیلی نظر ڈالے بغیر اتنی جلدی انسان صحیح نتیجہ پر پہنچ جاتا ہے کہ دیکھنے والا سمجھتا ہے کہ وہ غیب کی باتیں بیان کر رہا ہے۔ حالانکہ اس کا علم تمام تر ظاہری علامتوں اور نشانیوں پر مبنی ہوتا ہے۔ فراست کا یہ ملکہ نیک و بد دونوں میں ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض کم پڑھے لکھے بھی فراست کا ملکہ رکھتے ہیں اور بعض زیادہ پڑھے لکھے فراست سے بالکل

کورے ہوتے ہیں۔

(ii)۔ فراست کے بعد حدس کا درجہ ہے۔ حدس کے ابتدائی مقدمات ذہن اور عقل ہیں۔ آدمی غور وفکر اور تلاش وترتیب سے اس تیزی کے ساتھ نتیجہ تک پہنچ جاتا ہے کہ خود اس کو بھی اس کا احساس نہیں ہوتا کہ اس نے کوئی دماغی عمل کیا ہے۔ اکثر کامل العقل اور صائب الرائے انسانوں کو فطرتاً یہ صلاحیت عطا ہوتی ہے۔

(iii) حدس کے بعد کشف کا درجہ ہے۔ تزکیہ نفس سے جب حجاب نفسانی حائل نہیں رہتے تو مادی اشیا روحانی عالم میں نظر آنے لگتی ہیں۔ زیادہ تر خواب میں لیکن سونے اور جاگنے کی درمیانی حالت میں۔ اس حالت میں صاحب کشف کے حواس سونے والے کی طرح معطل ہوجاتے ہیں اور خواب کی سی حالت پیدا ہوجاتی ہے۔ یہ کسبی اور اختیاری امر ہے۔ تزکیہ نفس اور روحانی پاکیزگی سے غیر اختیاری طور پر کشف ہونے لگتا ہے۔ یہ کشف وہبی ہوتا ہے۔

(iv)۔ کشف کے بعد الہام کا درجہ ہے۔ یہ وہ علم ہے جو محنت، تلاش، تحقیق، غور وفکر اور ترتیب مقدمات کے بغیر ہی دل پر وارد ہوتا ہے۔ اس کی ابتدائی اور عام مثالیں وہ خیالات ہیں جو محققین علما، شعرا اور موجدین کے ذہن میں آتے ہیں۔ وہ دنیا کے سامنے اپنی ایجادات اور تحقیقات علم و شعر کی صورت میں پیش کرتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا۔ (سورۃ الشّمس، آیت:۸)

(پھر اس کے دل میں وہ بات بھی ڈال دی جو اس کے لیے بدی کی ہے اور وہ بھی جو اس کے لیے پرہیزگاری کی ہے)

یہی وجہ ہے کہ ایجادات، تحقیقات اور علم وشعر کی صورتیں اچھی بھی ہوتی ہیں اور بری بھی۔ ظاہر ہے کہ جو برتن میں ڈالا گیا ہے وہی نکلے گا۔ جب مختلف اشیا ڈالی گئی ہیں تو نکالنے والا جو نکالنا چاہے گا وہ نکل آئے گا۔

(v)۔ وحی کے لغوی معنی کسی پر اپنے دلی منشاء کو لبوں کے جنبش دیے بغیر اخفاء اور آہستگی کے ساتھ ظاہر کردینا ہے۔ اصطلاح میں اس کا اطلاق صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کا اپنی مرضی (اخفاء اور آہستگی

کے ساتھ) نبی علیہ السلام یا رسول علیہ السلام کے دل تک پہنچا دینا ہے۔ یہ علم کے روحانی ذرائع کی آخری سرحد ہے جس پر صرف اور صرف انبیائے کرام علیہم السلام ہی فائز ہوتے ہیں۔

۲۔ کشف قرآن پاک کی روشنی میں

اللہ نے اپنی پاک کتاب میں کئی مقامات پر کشف کا ذکر فرمایا ہے۔ان آیات مبارکہ سے کچھ یہ ہیں:

(۱)۔ وَجَآءَ مِنْ اَقْصَا الْمَدِیْنَةِ رَجُلٌ یَّسْعٰی قَالَ یٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِیْنَ ۝ اتَّبِعُوْا مَنْ لَّا یَسْـَٔلُكُمْ اَجْرًا وَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ. (سورۃ یٰسین، آیات:۲۰-۲۱)

(اتنے میں شہر کے دور کے کونے سے ایک شخص دوڑتا ہوا آیا اور اس نے کہا: اے میری قوم کے لوگو! رسولوں کی پیروی اختیار کرو۔ان کی پیروی کرو جو تم سے کوئی معاوضہ نہیں چاہتے اور یہ ٹھیک راستے پر ہیں)

ان آیات مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے انبیائے کرام علیہم السلام کے علاوہ بھی ایک جماعت ایسی ہوتی ہے جو کلمہ حق کو دل کی شہادت (کشف) سے پہچان لیتی ہے۔ یہ جماعت دوسروں کو بھی انبیائے کرام علیہم السلام کی اطاعت وفرماں برداری کی دعوت دیتی ہے۔

ان آیات مبارکہ میں بنی اسرائیل کے ایک صاحب ایمان کا قصہ بیان کیا گیا ہے۔جس کے دل میں اللہ پاک نے ایمان کو راسخ کر دیا تھا۔اس نے اپنے القاء کی بنا پر توحید ورسالت کی حقیقت کو جان لیا تھا اور ایمان لے آیا تھا۔ جب اس کی قوم نے رسولوں علیہم السلام کو تنگ کرنے کا منصوبہ بنالیا تو وہ اپنے دور دراز کے علاقے سے دوڑتا ہوا آیا اور قوم سے کہنے لگا: تم رسولوں علیہم السلام کی اطاعت و فرماں برداری کرو۔ یہ تم سے کوئی بدلہ یا معاوضہ نہیں مانگتے ۔ بے شک یہ صحیح راستے پر ہیں۔

(۲)۔ فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْیَوْمَ حَدِیْدٌ. (سورۃ ق، آیت:۲۲)

(پس ہم نے تیری نظر کے سامنے سے حجاب ہٹائے تو تیری نظر تیز ہوگئی اور آج تیری نگاہ خوب تیز ہے)

اس آیت مبارکہ میں بتایا گیا ہے کہ دنیا میں انسان اور حقیقت الٰہی کے درمیان پردے پڑے ہوئے ہیں۔انسان جب تک اپنے نفس کا تزکیہ نہیں کرتا یہ حجابات دور نہیں ہوتے ۔ یہ حجابات ہی حق کو تسلیم کرنے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں۔اسی لیے انسانوں میں سے کچھ توحید وآخرت

کا انکار کرتے ہیں۔ اگر وہ اپنے نفس کو پاک کرلیں تو دنیا و آخرت کی حقیقت کو پالیں اور ایمان لے آئیں۔ جب انسان کی موت آتی ہے تو اللہ پاک انسان اور آخرت کے درمیان سے یہ حجابات ہٹا دیتا ہے۔ انسان انجام کو دیکھ لیتا ہے۔ گویا بوقت موت انسان کے حجابات دور کرکے اس پر آخرت منکشف کردی جاتی ہے۔ جس طرح بوقت موت انسان پر آخرت منکشف ہوجاتی ہے اس طرح اپنے باطن کو پاک کرنے والوں پر موت سے پہلے ہی دنیا و آخرت کی حقیقت منکشف ہوجاتی ہے۔

(۳)۔ وَ كَذٰلِكَ نُرِيٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ○ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ○ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ ○ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ○ اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ. (سورۃ انعام، آیت: ۷۵-۷۹)

(اور اسی طرح ہم (عالم کشف میں) حضرت ابراہیم علیہ السلام کو زمین و آسمان کی عظیم سلطنت دکھا رہے تھے تاکہ وہ کامل یقین والوں میں سے ہوجائے۔ پھر جب رات کی تاریکی نے ڈھانپ لیا تو اس نے ایک ستارہ دیکھا اور کہنے لگا یہ میرا رب ہے۔ پھر جب وہ غائب ہوگیا تو کہنے لگا مجھے غائب ہوجانے والے پسند نہیں۔ پھر جب چاند کو دیکھا کہ چمک رہا ہے تو کہنے لگے یہ میرا پروردگار ہے۔ لیکن جب وہ بھی چھپ گیا تو بول اٹھے کہ اگر میرا پروردگار! مجھے سیدھا راستہ نہیں دکھائے گا تو میں ان لوگوں میں ہوجاؤں گا جو بھٹک رہے ہیں۔ پھر جب سورج کو دیکھا کہ جگمگا رہا ہے تو کہنے لگے یہ میرا پروردگار ہے۔ یہ سب سے بڑا ہے۔ مگر جب وہ بھی غروب ہوگیا تو کہنے لگے کہ لوگو! جن چیزوں کو تم (خدا کا) شریک بناتے ہو، میں ان سے بیزار ہوں۔ میں نے سب سے یکسو ہوکر اپنے آپ کو اسی ذات کی طرف متوجہ کیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے زہد و ریاضت اور مجاہدہ کے ذریعے اپنی باطنی صفائی شروع کی تو عالم کشف میں اللہ پاک کی سلطنت آپ علیہ السلام پر منکشف ہونے لگی۔ پہلے پہل آپ علیہ السلام کی دلی صفائی ستارے کے موافق تھی۔ اس واسطے وہ نور بھی ستارے کے نور کے برابر مشاہدے میں

آیا۔ آپ علیہ السلام نے اس تجلی کو دیکھ کر فرمایا: یہ میرا رب ہے حالانکہ وہ رب کی تجلی تھی جو دل کے آئینہ میں ستارے کی شکل میں نظر آ رہی تھی۔ جب یہ تجلی غائب ہوگئی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام فرمانے لگے مجھے غائب ہوجانے والے پسند نہیں۔

پھر جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی باطنی صفائی چاند کے موافق ہوگئی تو نورِ حق دل کے آئینہ میں چاند کی صورت میں نظر آیا تو آپ علیہ السلام نے گمان کیا کہ یہی اللہ پاک ہے۔ پھر وہ غائب ہوگیا تو کہنے لگے کہ میں غائب ہوجانے والے سے محبت نہیں کرتا۔ جب دل کا آئینہ بدرجہ کمال صاف ہوگیا تو سورج کی صورت میں مشاہدے میں آیا۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ یہی میرا پروردگار ہے در حقیقت میں جو حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام مشاہدہ کر رہے تھے وہ صفات ربوبیت کے انوار کا عکس تھا جو آئینہ دل میں دکھائی دیتا تھا۔ اسی واسطے وہ غائب ہوجاتا ہے اور آپ علیہ السلام فرماتے تھے میں غروب ہوجانے والوں سے محبت نہیں کرتا۔ میں تو حقیقت حق کی تلاش میں ہوں۔ اسی لیے اللہ پاک فرماتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان تمام انوار و تجلیات سے منہ موڑ کر یکسو ہوکر اپنی تمام تر توجہ اللہ پاک کی طرف کرلی تھی۔ اسی طرح سالکین حق کے لیے ضروری ہے کہ کشف و مشاہدہ میں مگن ہونے کی بجائے اپنا رخ اللہ پاک کی طرف رکھیں۔ (مرصاد العباد، ص:۱۹۸)

(۴)۔ اِذْ قَالَ يُوْسُفُ لِاَبِيْهِ يٰۤاَبَتِ اِنِّيْ رَاَيْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَيْتُهُمْ لِيْ سٰجِدِيْنَ. (سورۃ یوسف، آیت: ۴)

(جب حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے والد سے کہا تھا: ابا جان! میں نے (خواب میں) گیارہ ستاروں، سورج اور چاند کو دیکھا ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ یہ سب مجھے سجدہ کر رہے ہیں)

اس آیت پاک میں حضرت یوسف علیہ السلام کا ایک خواب بیان کیا گیا ہے۔ نیند کی وجہ سے انسان کے ظاہری حواس معطل ہوجاتے ہیں۔ جن لوگوں نے اپنے نفس کا تزکیہ کرکے اسے پاک و صاف کرلیا ہوتا ہے ان کے دل کا آئینہ پاک وصاف ہوجاتا ہے۔ انہیں نیند میں ان کے دل کو آسمانی فرشتوں سے مناسبت پیدا ہوجاتی ہے۔ تب فرشتوں کو معلوم امور کا عکس ان کے پاکیزہ دلوں پر بصورت خواب پڑتا ہے۔ یہ خواب سچے اور کشف پر مبنی ہوتے ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام اپنی اوائل جوانی میں ایک دن سو گئے۔ آپ علیہ السلام کا باطن نورِ نبوت کی وجہ

سے پہلے سے پاک وصاف تھا۔ اس نیند کی حالت میں آپ علیہ السلام کے دل کو فرشتوں سے ایک نسبت پیدا ہوگئی۔ وہ چیز جو بہت عرصہ بعد وقوع پذیر ہونے والی تھی، وہ فرشتوں کے علم میں ہونے کی وجہ سے آپ علیہ السلام کے دل پر منعکس ہوئی۔ اس طرح آپ علیہ السلام پر ایک واقعہ منکشف ہو گیا۔ اس کشف میں حضرت یوسف علیہ السلام نے دیکھا کہ گیارہ ستارے، چانداور سورج انہیں سجدہ کررہے ہیں۔ آپ علیہ السلام نے یہ خواب اپنے والدمحترم حضرت یعقوب علیہ السلام کو سنایا تو وہ سمجھ گئے کہ ان کا یہ بیٹا بڑی عظمت وشان والا ہوگا۔ اپنے والدین سے لمبی جدائی کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام مصر کے حکمران بن گئے۔ پھر آپ علیہ السلام نے اپنے والدین اور بھائیوں کو کنعان سے مصر بلوالیا۔ اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے والدین کو ایک اونچے تخت پراوراپنے گیارہ بھائیوں کو نشستوں پر بٹھایا۔ اس وقت وہ سب حضرت یوسف علیہ السلام کی تعظیم میں جھک گئے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے:

وَرَفَعَ اَبَوَيۡهِ عَلَى الۡعَرۡشِ وَخَرُّوۡا لَهٗ سُجَّدًا‌ ۚ وَقَالَ يٰۤاَبَتِ هٰذَا تَاۡوِيۡلُ رُءۡيَاىَ مِنۡ قَبۡلُ قَدۡ جَعَلَهَا رَبِّىۡ حَقًّا‌ؕ . (سورۃ یوسف، آیت: ۱۰۰)

(اس (حضرت یوسف علیہ السلام) نے اپنے ماں باپ کو تخت پر بٹھایا اور وہ بے اختیار سجدے میں گر پڑے۔ اس (حضرت یوسف علیہ السلام) نے کہا: اے میرے ابا جان! یہ میرے پہلے والے خواب کی تعبیر ہے۔ بیشک اسے میرے رب نے سچ کردکھایا ہے)

معلوم ہوا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے ساتھ پیش آنے والے واقعے کا کئی سال قبل ہی خواب میں علم ہوگیا تھا۔ آپ علیہ السلام کا یہ خواب کشف رحمانی کی عمدہ ترین مثال ہے۔

(۵)۔ اِذۡهَبُوۡا بِقَمِيۡصِىۡ هٰذَا فَاَلۡقُوۡهُ عَلٰى وَجۡهِ اَبِىۡ يَاۡتِ بَصِيۡرًا‌ ۚ وَاۡتُوۡنِىۡ بِاَهۡلِكُمۡ اَجۡمَعِيۡنَ ۝ وَلَمَّا فَصَلَتِ الۡعِيۡرُ قَالَ اَبُوۡهُمۡ اِنِّىۡ لَاَجِدُ رِيۡحَ يُوۡسُفَ لَوۡلَاۤ اَنۡ تُفَنِّدُوۡنِ.

(سورۃ یوسف، آیت: ۹۳-۹۴)

((حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا) میری یہ قمیض لے جاو۔ اسے میرے والدمحترم کے چہرے پر ڈال دینا۔ اس سے ان کی بینائی واپس آجائے گی۔ اپنے سارے گھر والوں کو میرے پاس لے آو۔ جب یہ قافلہ (مصر) سے روانہ ہوا تو ان کے باپ (حضرت یعقوب علیہ السلام) نے (کنعان

میں) کہا: میں حضرت یوسف علیہ السلام کی خوشبو محسوس کر رہا ہوں۔ تم لوگ کہیں یہ نہ کہنے لگو کہ میں بڑھاپے میں سٹھیا گیا ہوں)

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی قحط کے زمانے میں غلہ لینے دوسری مرتبہ مصر کے حکمران (اپنے بھائی حضرت یوسف علیہ السلام) کے پاس پہنچے تو ان پر حضرت یوسف علیہ السلام کی حقیقت عیاں ہوگئی۔ بھائیوں کو معلوم ہوگیا کہ مصر کا حکمران ان کا بھائی حضرت یوسف علیہ السلام ہی ہے جس سے وہ اپنی دانست میں ایک عرصہ پہلے جان چھڑا چکے تھے۔ اس موقع پر حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی قمیض ایک قاصد کے ہاتھ اپنے والد کی طرف کنعان روانہ کی۔ قاصد یہ قمیض لے کر روانہ ہوا تو کنعان میں موجود حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام کی خوشبو کو بطور کشف محسوس کیا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے گھر والوں سے یہ بھی کہا کہ میں حضرت یوسف علیہ السلام کی خوشبو محسوس کر رہا ہوں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کا یہ کشف صوری تھا جو کشف شمائم (خوشبو) کی صورت میں ظاہر ہوا۔

(۶)۔ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ۚ فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِى الْيَمِّ وَلَا تَخَافِىْ وَلَا تَحْزَنِىْ ۚ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ. (سورۃ القصص، آیت: ۷)

(اور ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو الہام کیا: تم اس (بچے) کو دودھ پلاؤ، پھر جب تمہیں اس کے بارے میں کوئی خطرہ ہو تو اسے دریا میں ڈال دینا اور ڈرنا نہیں اور نہ صدمہ کرنا۔ یقین رکھو ہم اسے واپس تمہارے پاس پہنچا کر رہیں گے اور اس کو پیغمبروں میں سے ایک پیغمبر بنائیں گے)

قرآن پاک کی اس آیات مبارکہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اللہ پاک نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو الہام کیا تھا۔ اس الہام میں اسے بتایا گیا تھا کہ وہ اپنے بچے (حضرت موسیٰ علیہ السلام) کے بارے میں پریشان نہ ہو۔ بے فکری سے اسے دودھ پلائے۔ جب بادشاہ وقت کی طرف سے کوئی خطرہ محسوس ہو تو اسے دریا ڈال دے۔ اللہ پاک ضرور اسے دوبارہ تمہارے پاس صحیح وسالم پہنچا دے گا اور نبوت سے سرفراز فرمائے گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ کی طرف یہ الہام کرنا بطور وحی نہ تھا کیونکہ وہ نبی نہ تھیں۔ یہ الہام بطور کشف تھا۔ یہ آیت مبارکہ اس بات کی مستند دلیل ہے کہ سالکین حق کو اللہ کی طرف سے کشف والہام ہوتا ہے۔

اس واقعے کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ اس زمانے میں مصر پر ایک بادشاہ کی حکومت تھی۔فرعون اس کا لقب تھا۔اسے دربار کے بعض نجومیوں نے بتایا کہ تمہاری سلطنت میں ایک بچہ پیدا ہونے والا ہے جو تمہاری بادشاہت کو ختم کردے گا اور یہ بچہ قوم بنی اسرائیل سے گا۔فرعون نے حکم دیا کہ قوم بنی اسرائیل میں پیدا ہونے والا ہر بچہ قتل کر دیا جائے۔اس حکم کے مطابق بنی اسرائیل میں بہت سے بچے قتل کر دیے گئے۔جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو آپ علیہ السلام کی والدہ کو فکر دامن گیر ہوئی۔اللہ پاک نے بطور کشف ان کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ جب انہیں فرعون سے خطرہ محسوس ہو تو وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دریا میں ڈال دیں۔اللہ پاک خود اسے بچالے گا اور واپس تمہاری طرف لوٹا بھی دے گا۔اس کے ساتھ یہ بات بھی بتا دی گئی کہ یہ کوئی معمولی بچہ نہیں بلکہ اللہ پاک کا نبی علیہ السلام ہے۔حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے اپنے اس کشف/ الہام پر عمل کیا۔دریا کے پانی کا رخ فرعون کے محل کی طرف تھا۔حضرت موسیٰ علیہ السلام پانی کی موجوں پر تیرتے ہوئے فرعون کے محل کے سامنے پہنچ گئے۔فرعون نے اپنی بیوی کے کہنے پر انہیں اپنا بیٹا بنالیا اور دایہ اور دودھ پلانے والی کے طور پر آپ علیہ السلام ہی کی والدہ کو مقرر کرلیا۔

(۷)۔ وَاَوۡحٰی رَبُّكَ اِلَی النَّحۡلِ اَنِ اتَّخِذِیۡ مِنَ الۡجِبَالِ بُیُوۡتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا یَعۡرِشُوۡنَ.
(سورۃ النحل، آیت: ۶۸)

(اور تیرے رب نے شہد کی مکھی کو وحی کی (دل میں بات ڈال دی) کہ پہاڑوں اور درختوں میں گھر بنائے اور ان میں جو لوگ چھپر بناتے ہیں)

اس آیت مبارکہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اللہ پاک انسان کے علاوہ دیگر مخلوقات کے دل میں بھی بطور کشف بات ڈال دیتا ہے۔انسان اپنے کشف پر عمل کرنے یا نہ کرنے میں خود مختار ہوتا ہے لیکن دیگر جانداروں کے معاملہ میں ایسا نہیں ہے۔اس لیے وہ اس کشف یا الہام پر من وعن عمل کرتے ہیں۔اس کی عمدہ ترین مثال اس آیت پاک میں بیان کی گئی ہے کہ اللہ پاک نے شہد کی مکھی کے دل میں بطور کشف یہ بات ڈال دی ہے کہ وہ پہاڑوں، درختوں اور چھپروں وغیرہ میں گھر بنائے۔اب یہ انہی جگہوں میں اپنا بسیرا کرتی ہے۔

۳۔ کشف وشہود احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں

کشف وشہود کا بے شمار احادیث سے پتا چلتا ہے، جن میں سے کچھ حسب ذیل ہیں:

(۱)۔ عَنْ سَعْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: " رَأَيْتُ عَنْ يَمِينِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَعَنْ شِمَالِهِ يَوْمَ أُحُدٍ، رَجُلَيْنِ عَلَيْهِمَا ثِيَابُ بَيَاضٍ، مَا رَأَيْتُهُمَا قَبْلُ وَلَا بَعْدُ يَعْنِي جِبْرِيلَ، وَمِيكَائِيلَ عَلَيْهِمَا السَّلَامِ ". (صحیح مسلم، ج: ۳، رقم الحدیث: ۱۵۰۳)

(حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے غزوہ احد کے دن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دائیں اور بائیں دو آدمیوں کو دیکھا جنہوں نے سفید لباس پہنا ہوا تھا۔ میں نے انہیں اس سے پہلے کبھی دیکھا اور نہ ہی اس کے بعد۔ یعنی وہ حضرت جبریل علیہ السلام اور حضرت میکائیل علیہ السلام تھے)

(۲)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، "أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، مَرَّ بِوَادِي الْأَزْرَقِ، فَقَالَ: "أَيُّ وَادٍ هَذَا"؟ فَقَالُوا: هَذَا وَادِي الْأَزْرَقِ. قَالَ: "كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامِ هَابِطًا مِنَ الثَّنِيَّةِ، وَلَهُ جُؤَارٌ إِلَى اللّٰهِ بِالتَّلْبِيَةِ". ثُمَّ أَتَى عَلَى ثَنِيَّةِ هَرْشَى، فَقَالَ: "أَيُّ ثَنِيَّةٍ هَذِهِ"؟ قَالُوا: ثَنِيَّةُ هَرْشَى. قَالَ: "كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى يُونُسَ بْنِ مَتَّى عَلَيْهِ السَّلَامِ، عَلَى نَاقَةٍ حَمْرَاءَ، جَعْدَةٍ عَلَيْهِ جُبَّةٌ مِنْ صُوفٍ، خِطَامُ نَاقَتِهِ خُلْبَةٌ، وَهُوَ يُلَبِّي ". (صحیح مسلم، ج: ۱، رقم الحدیث: ۴۲۰)

(حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گزر وادی ازرق سے ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: یہ کون سی وادی ہے؟ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا: یہ وادی ازرق ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: گویا میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو چوٹی سے اترتا ہوا اور بلند آواز سے تلبیہ (لَبَّيْكَ، اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ، إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ، لَا شَرِيْكَ لَكَ) کہتا ہوا دیکھ رہا ہوں۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہاڑ کی چوٹی پر پہنچے تو پوچھا: یہ کون سی وادی ہے؟ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا: یہ ہرش کی چوٹی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: گویا کہ میں حضرت یونس بن متیٰ علیہ السلام کو سرخ اونٹنی پر سوار اور بالوں والا جبہ پہنے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔ ان کی اونٹنی کی نکیل کھجور کی چھال کی ہے اور وہ تلبیہ کہہ رہے ہیں)

(۳)۔ عَنْ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: أَنَّ أُسَيْدَ بْنَ حُضَيْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ بَيْنَمَا

هُوَ لَيْلَةً يَقْرَأُ فِي مِرْبَدِهِ إِذْ جَالَتْ فَرَسُهُ فَقَرَأَ، ثُمَّ جَالَتْ أُخْرَى فَقَرَأَ، ثُمَّ جَالَتْ أَيْضًا، قَالَ أُسَيْدٌ: فَخَشِيتُ أَنْ تَطَأَ يَحْيَى، فَقُمْتُ إِلَيْهَا، فَإِذَا مِثْلُ الظُّلَّةِ فَوْقَ رَأْسِي، فِيهَا أَمْثَالُ السُّرُجِ عَرَجَتْ فِي الْجَوِّ حَتَّى مَا أَرَاهَا، قَالَ: فَغَدَوْتُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، بَيْنَمَا أَنَا الْبَارِحَةَ مِنْ جَوْفِ اللَّيْلِ أَقْرَأُ فِي مِرْبَدِي، إِذْ جَالَتْ فَرَسِي، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "اقْرَأْ ابْنَ حُضَيْرٍ". قَالَ: فَقَرَأْتُ، ثُمَّ جَالَتْ أَيْضًا. فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "اقْرَأْ ابْنَ حُضَيْرٍ". قَالَ: فَقَرَأْتُ، ثُمَّ جَالَتْ أَيْضًا. فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "اقْرَأْ ابْنَ حُضَيْرٍ". قَالَ: فَانْصَرَفْتُ، وَكَانَ يَحْيَى قَرِيبًا مِنْهَا، خَشِيتُ أَنْ تَطَأَهُ، فَرَأَيْتُ مِثْلَ الظُّلَّةِ فِيهَا أَمْثَالُ السُّرُجِ، عَرَجَتْ فِي الْجَوِّ حَتَّى مَا أَرَاهَا. فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "تِلْكَ الْمَلَائِكَةُ كَانَتْ تَسْتَمِعُ لَكَ، وَلَوْ قَرَأْتَ لَأَصْبَحَتْ يَرَاهَا النَّاسُ مَا تَسْتَتِرُ مِنْهُمْ".

(صحیح مسلم، ج:۱، رقم الحدیث: ۱۸۵۳)

(حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ ایک رات اپنی کھجوروں کے کھلیان میں قرآن مجید پڑھ رہے تھے کہ ان کا گھوڑا ابدکنے لگا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے پھر پڑھا، وہ پھر بدکنے لگا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے پڑھا، وہ پھر بدکنے لگا۔ حضرت اسید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ڈرا کہ کہیں وہ یحییٰ (حضرت اسید رضی اللہ عنہ کا بیٹا) کو کچل نہ ڈالے۔ میں اس کے پاس جا کر کھڑا ہوگیا۔ میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک سائبان میرے سر پر ہے وہ چراغوں سے روشن ہے وہ اوپر کی طرف اٹھنے لگا۔ یہاں تک کہ میں اسے پھر نہ دیکھ سکا۔

صبح کے وقت میں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں رات کے وقت اپنے کھلیان میں قرآن مجید پڑھ رہا تھا کہ اچانک میرا گھوڑا بدکنے لگا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ابن حضیر رضی اللہ عنہ پڑھتے رہتے۔ انہوں نے عرض کیا کہ میں پڑھتا رہا، گھوڑا پھر اسی طرح بدکنے لگا۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ابن حضیر رضی اللہ عنہ پڑھتے رہتے۔ انہوں نے عرض کیا کہ میں پڑھتا رہا، میرا گھوڑا پھر اسی طرح بدکنے لگا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ابن حضیر رضی اللہ عنہ پڑھتے رہتے۔ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں پڑھ کر فارغ ہوا تو (میرا بیٹا) یحییٰ اس کے قریب تھا۔ مجھے ڈر لگا کہ کہیں وہ اسے کچل نہ دے اور میں نے ایک سائبان دیکھا

کہ اس میں چراغ روشن تھے۔ وہ اوپر کی طرف اٹھا یہاں تک کہ میری نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ فرشتے تھے جو تمہارا قرآن پاک سنتے تھے اور اگر تم پڑھتے رہتے تو صبح لوگ ان کو دیکھتے اور وہ لوگوں سے پوشیدہ نہ ہوتے)

(۴)۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، أَنَّ رِجَالًا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُرُوا لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِي الْمَنَامِ فِي السَّبْعِ الْأَوَاخِرِ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَرَى رُؤْيَاكُمْ قَدْ تَوَاطَأَتْ فِي السَّبْعِ الْأَوَاخِرِ، فَمَنْ كَانَ مُتَحَرِّيَهَا، فَلْيَتَحَرَّهَا فِي السَّبْعِ الْأَوَاخِرِ". (صحیح مسلم، ج:۲، رقم الحدیث:۲۶۷)

(حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے کچھ کو خواب میں لیلۃ القدر، رمضان کے آخری ہفتہ میں دکھائی گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں دیکھتا ہوں کہ تمہارے خواب آخری سات راتوں میں ایک دوسرے کے موافق ہو گئے ہیں۔ اب جو اس (لیلۃ القدر) کو تلاش کرنا چاہے، وہ اسے آخری سات راتوں میں تلاش کرے)

(۵)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: ضَرَبَ بَعْضُ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خِبَاءَهُ عَلَى قَبْرٍ، وَهُوَ لَا يَحْسِبُ أَنَّهُ قَبْرٌ، فَإِذَا فِيهِ إِنْسَانٌ يَقْرَأُ سُورَةَ تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ حَتَّى خَتَمَهَا، فَأَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، إِنِّي ضَرَبْتُ خِبَائِي عَلَى قَبْرٍ، وَأَنَا لَا أَحْسِبُ أَنَّهُ قَبْرٌ فَإِذَا فِيهِ إِنْسَانٌ يَقْرَأُ سُورَةَ تَبَارَكَ الْمُلْكُ حَتَّى خَتَمَهَا. فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "هِيَ الْمَانِعَةُ هِيَ الْمُنْجِيَةُ تُنْجِيهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ".
(جامع ترمذی، ج:۲، رقم الحدیث:۸۱۵)

(حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے ایک قبر پر خیمہ لگا لیا۔ انہیں علم نہیں تھا کہ یہاں قبر ہے۔ لیکن وہ قبر تھی جس میں ایک شخص (صاحب قبر) سورت ملک پڑھ رہا تھا۔ یہاں تک کہ اس نے اسے مکمل کیا۔ وہ صحابی رضی اللہ عنہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ پورا واقعہ سنایا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ (سورت ملک) عذاب قبر کو روکنے اور اس سے نجات دلانے والی ہے اور اپنے پڑھنے والے کو اس سے بچاتی ہے)

اس صحابی رضی اللہ عنہ پر قبر میں مدفون شخص کا حال ظاہر ہونا کشف ہی ہے۔

(۶)۔ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: "لَمَّا كَذَّبَنِي قُرَيْشٌ قُمْتُ فِي الْحِجْرِ فَجَلَا اللّٰهُ لِي بَيْتَ الْمَقْدِسِ فَطَفِقْتُ أُخْبِرُهُمْ عَنْ آيَاتِهِ وَأَنَا أَنْظُرُ إِلَيْهِ". (صحیح بخاری، ج:۲، رقم الحدیث:۱۱۲۰)

(حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: معراج کے سلسلہ میں جب قریش نے مجھے جھٹلایا تو میں حطیم میں کھڑا ہو گیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے میرے سامنے بیت المقدس کو منکشف فرما دیا۔ سو میں قریش کو اس کی علامتیں بتانے لگا اور بیت المقدس میری نظروں کے سامنے تھا)

(۷)۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: رَأَيْتُ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَأَنَّ بِيَدِي قِطْعَةَ إِسْتَبْرَقٍ فَكَأَنِّي لَا أُرِيدُ مَكَانًا مِنَ الْجَنَّةِ إِلَّا طَارَتْ إِلَيْهِ، وَرَأَيْتُ كَأَنَّ اثْنَيْنِ أَتَيَانِي أَرَادَا أَنْ يَذْهَبَا بِي إِلَى النَّارِ، فَتَلَقَّاهُمَا مَلَكٌ، فَقَالَ: لَمْ تُرَعْ خَلِّيَا عَنْهُ. (صحیح بخاری، ج:۱، رقم الحدیث:۱۱۰۸)

(حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں خواب دیکھا کہ میرے ہاتھ میں ایک ریشمی ٹکڑا ہے اور جنت کے جس حصہ میں بھی جانا چاہتا ہوں وہ مجھے اڑا لے جاتا ہے۔ میں نے دیکھا کہ گویا دو شخص میرے پاس آئے اور جہنم کی طرف لے جانا چاہا اور ان دونوں سے ایک فرشتہ ملا اور کہا کہ اسے چھوڑ دو اور مجھے کہا کہ ڈرنے کی بات نہیں)

(۸)۔ عَنْ أَبِي أَيُّوبَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ وَجَبَتِ الشَّمْسُ، فَسَمِعَ صَوْتًا، فَقَالَ: "يَهُودُ تُعَذَّبُ فِي قُبُورِهَا".
(صحیح بخاری، ج:۱، رقم الحدیث: ۱۳۱۳)

(حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غروب آفتاب کے بعد گھر سے نکلے تو ایک آواز سنی اور ارشاد فرمایا: یہ یہود ہیں جن کو قبور میں عذاب دیا جا رہا ہے)

(۹)۔ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا، قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ: "مَنْ أَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰهِ، أَحَبَّ اللّٰهُ لِقَاءَهُ، وَمَنْ كَرِهَ لِقَاءَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ، كَرِهَ اللّٰهُ لِقَاءَهُ".
فَقَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا: يَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَرَاهِيَةُ لِقَاءِ اللّٰهِ أَنْ يَكْرَهَ الْمَوْتَ، فَوَاللّٰهِ إِنَّا لَنَكْرَهُهُ، فَقَالَ: "لَا لَيْسَ بِذَاكَ وَلَكِنَّ الْمُؤْمِنَ إِذَا قَضَى اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ قَبْضَهُ فَرَّجَ لَهُ عَمَّا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنْ ثَوَابِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَكَرَامَتِهِ

فَيَمُوتُ حِينَ يَمُوتُ وَهُوَ يُحِبُّ لِقَاءَ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ وَاللَّهُ يُحِبُّ لِقَاءَهُ، وَإِنَّ الْكَافِرَ وَالْمُنَافِقَ إِذَا قَضَى اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ قَبْضَهُ فَرَّجَ لَهُ عَمَّا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنْ عَذَابِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ، وَهَوَانِهِ فَيَمُوتُ حِينَ يَمُوتُ وَهُوَ يَكْرَهُ لِقَاءَ اللَّهِ وَاللَّهُ يَكْرَهُ لِقَاءَهُ".

(مسند احمد، ج:۹، رقم الحدیث:۵۷۶۱)

(حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملنے کو پسند کرتا ہے، اللہ پاک بھی اس سے ملنے کو پسند کرتا ہے اور جو شخص اللہ پاک سے ملنے کو ناپسند کرتا ہے، اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملنے کو ناپسند کرتا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا! یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! اللہ پاک سے ملنے کی ناپسندیدگی کا مطلب اگر موت سے نفرت ہے تو اللہ کی قسم! ہم موت کو ناپسند کرتے ہیں؟ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نہیں، یہ مراد نہیں بلکہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ مومن کی روح قبض کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو اپنے پاس اس کے لیے جو ثواب اور عزت تیار کر رکھی ہوتی ہے وہ اس کے سامنے منکشف فرما دیتا ہے۔ چنانچہ جس وقت وہ مرتا ہے تو اسے اللہ پاک سے ملنے کی چاہت ہوتی ہے اور اللہ پاک بھی اس سے ملنے کو پسند کرتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کسی کافر کی روح قبض کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو اپنے پاس اس کے لیے جو عذاب اور ذلت تیار کر رکھی ہوتی ہے، وہ اس کے سامنے منکشف فرما دیتا ہے۔ چنانچہ جس وقت وہ مرتا ہے تو اللہ تعالیٰ سے ملنے کو ناپسند کرتا ہے اور اللہ پاک بھی اس سے ملنے کو ناپسند کرتا ہے)

(۱۰)۔ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ عَمِلَ بِمَا عَلِمَ وَرَّثَهُ مَا لَمْ يَعْلَمْ".

(مشکوٰۃ المصابیح، ج:۱، رقم الحدیث:۱۹۲)

(حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو آدمی علم پر عمل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو وہ علم نصیب کرتا ہے جو وہ نہیں جانتا)

(۱۱)۔ سچے خواب بھی اللہ پاک کی طرف سے سالکین حق کا کشف ہوتا ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے:

"الرُّؤْيَا الْحَسَنَةُ مِنَ الرَّجُلِ الصَّالِحِ جُزْءٌ مِنْ سِتَّةٍ وَأَرْبَعِينَ جُزْءًا مِنَ النُّبُوَّةِ".

(سنن ابن ماجہ، ج:۳، رقم الحدیث:۳۷۷۳)

(صالح آدمی کا نیک خواب، نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے)

(۱۲)۔ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "لَا يَبْقَى بَعْدِي مِنَ النُّبُوَّةِ شَيْءٌ إِلَّا الْمُبَشِّرَاتُ". قَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ! وَمَا الْمُبَشِّرَاتُ؟ قَالَ: "الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ يَرَاهَا الرَّجُلُ أَوْ تُرَى لَهُ".
(مسند احمد، ج:۹، رقم الحدیث: ۲۴۹۴۳)

(حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میرے بعد نبوت میں سے کچھ بھی باقی نہیں رہے گا، سوائے مبشرات کے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! مبشرات سے کیا مراد ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اچھے خواب جو کوئی آدمی اپنے متعلق خود دیکھتا ہے یا کوئی دوسرا اس کے لیے دیکھتا ہے)

(۱۳)۔ عَنْ زُبَيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "كَيْفَ أَصْبَحْتَ يَا حَارِثَ بْنَ مَالِكٍ"؟ قَالَ: أَصْبَحْتُ مُؤْمِنًا حَقًّا. قَالَ: "إِنَّ لِكُلِّ قَوْلٍ حَقِيقَةً فَمَا حَقِيقَةُ ذٰلِكَ"، قَالَ: أَصْبَحْتُ عَزَفَتْ نَفْسِي عَنِ الدُّنْيَا فَأَسْهَرْتُ لَيْلِي وَأَظْمَأْتُ نَهَارِي وَلَكَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى عَرْشِ رَبِّي قَدْ أُبْرِزَ لِلْحِسَابِ، وَلَكَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى أَهْلِ الْجَنَّةِ يَتَزَاوَرُونَ فِي الْجَنَّةِ ، وَلَكَأَنِّي أَسْمَعُ عُوَاءَ أَهْلِ النَّارِ. فَقَالَ لَهُ : "عَبْدٌ نُوِّرَ الْإِيمَانُ فِي قَلْبِهِ". (مصنف ابن ابی شیبہ، ج:۹، رقم الحدیث: ۱۲۰)

(حضرت زبید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے حارث بن مالک رضی اللہ عنہ تم نے کس حال میں صبح کی ہے؟ حضرت حارث رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میں نے سچا مومن ہونے کی حالت میں صبح کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یقیناً ہر بات کی ایک حقیقت ہوتی ہے۔ تمہارے ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ حضرت حارث رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میں نے اس حال میں صبح کی کہ میرے نفس نے دنیا سے کنارہ کشی اختیار کر لی ہے۔ میں نے راتوں میں خود کو جگایا ہے۔ دن میں خود کو پیاسا (روزہ) رکھا ہے۔ گویا میں اپنے رب کے عرش کی طرف دیکھ رہا ہوں کہ وہ حساب لینے کے لیے ظاہر ہو گیا ہے۔ گویا میں اہل جنت کی طرف دیکھ رہا ہوں کہ وہ جنت میں ایک دوسرے سے بات چیت کر رہے ہیں۔ گویا میں اہل جہنم کی چیخ و پکار کی آواز سن رہا ہوں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرمایا: یہ ایسا بندہ ہے کہ اس کے دل میں ایمان کا نور بھر دیا ہے)

(۱۴)۔ اتباع شریعت کے ساتھ عالم غیب کا منکشف ہونا ایک برتر حال ہے۔ حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

فَقَالَ: يَا سَعْدَ بْنَ مُعَاذٍ الْجَنَّةَ وَرَبِّ النَّضْرِ إِنِّي أَجِدُ رِيحَهَا مِنْ دُونِ أُحُدٍ.
(صحیح بخاری، ج:۲، رقم الحدیث:۷۹)
(فرمایا: اے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ! قسم ہے نضر رضی اللہ عنہ کے پروردگار کی! جنت قریب ہے، مجھے احد کی طرف سے جنت کی خوشبو آرہی ہے)

(۱۵)۔ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "اتَّقُوا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَإِنَّهُ يَنْظُرُ بِنُورِ اللَّهِ. (جامع ترمذی، ج:۲، رقم الحدیث:۱۰۷۱)
(حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مومن کی فراست سے بچو کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے)

حدیث شریف میں مومن کے لیے فراست کا لفظ آیا ہے۔ اس سے مراد قلبی بصیرت ہے اور قلبی بصیرت ہی کشف ہے۔

(۱۶)۔ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: صَلَّى لَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ رَقَا الْمِنْبَرَ فَأَشَارَ بِيَدَيْهِ قِبَلَ قِبْلَةِ الْمَسْجِدِ، ثُمَّ قَالَ: "لَقَدْ رَأَيْتُ الْآنَ مُنْذُ صَلَّيْتُ لَكُمُ الصَّلَاةَ الْجَنَّةَ وَالنَّارَ مُمَثَّلَتَيْنِ فِي قِبْلَةِ هَذَا الْجِدَارِ، فَلَمْ أَرَ كَالْيَوْمِ فِي الْخَيْرِ وَالشَّرِّ ثَلَاثًا". (صحیح بخاری، ج:۱، رقم الحدیث:۷۲۰)
(حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں نماز پڑھائی۔ اس کے بعد منبر پر تشریف فرما ہوئے اور اپنے دونوں ہاتھوں سے مسجد کے قبلے کی طرف اشارہ کیا۔ پھر ارشاد فرمایا: میں نے اس وقت جب کہ تمہیں نماز پڑھانی شروع کی جنت اور دوزخ کی مثال اس دیوار کے قبلہ میں دیکھی۔ میں نے آج کے دن کی طرح خیر اور شر کبھی نہیں دیکھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ تین مرتبہ ارشاد فرمایا)

۴۔ کشف کے درجات

اللہ پاک اور بندے کے درمیان بے شمار حجابات ہیں۔ اگر یہ نہ ہوں تو نورِ الٰہی سے مخلوق جل کر راکھ ہو جائے۔ جیسا کہ ارشاد ہے کہ حِجَابُهُ النُّورُ لَوْ كَشَفَهَا لَأَحْرَقَتْ سُبُحَاتُ وَجْهِهِ كُلَّ شَيْءٍ أَدْرَكَهُ بَصَرُهُ. (سنن ابن ماجہ، ج:۱، رقم الحدیث:۱۹۶) اس کا حجاب نور ہے۔ اگر اس کو ہٹا

دے تو اس کے چہرے کی روشنیاں ہر اس چیز کو جلا ڈالیں جہاں اس کی نگاہ پہنچے۔ انہی حجابات کے سبب انسان کی آنکھیں اللہ پاک کے مشاہدے سے محجوب رہتی ہیں۔ مختلف روایات کے مطابق ان حجابات کی تعداد مختلف ہے۔ حضرت جبریل علیہ السلام فرماتے ہیں کہ آج میں اللہ تعالیٰ سے اس قدر قریب ہو گیا تھا کہ کبھی بھی اتنا قریب نہیں ہوا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: اے جبریل علیہ السلام کس قدر (فاصلہ دونوں کے درمیان رہ گیا تھا)؟ حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا: میرے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ستر ہزار نور کے پردے باقی رہ گئے تھے۔ (مشکوٰۃ المصابیح، ج: ۱، رقم الحدیث: ۷۰۲) یہ اس قرب کی بات ہے جو حضرت جبریل علیہ السلام کو حاصل تھا۔

جب سالک عالم روحانیت میں قدم رکھتا ہے۔ ارادت کے جذبے سے طبیعت کے اسفل السافلین سے شریعت کے اعلیٰ علیین کا رخ کرتا ہے۔ صدق دل سے طریقت کے قانون کے مطابق منازل طے کرنی شروع کرتا ہے۔ وہ جس مقام سے گزرتا ہے اس کی کیفیت کی مناسبت سے حجابات اٹھتے چلے جاتے ہیں۔ اس اعتبار سے کشف کے حسب ذیل درجے ہیں:

(۱)۔ **کشف نظری:** کشف کا پہلا درجہ کشف نظری ہے۔ راہ سلوک میں سب سے پہلے عقل کی آنکھ کھلتی ہے۔ سالک کے ذہن کے دریچے واہ ہوتے ہیں۔ اسے صفائی عقل کے مطابق چیزوں کے معقول معانی دکھائی دینے لگتے ہیں۔ وہ معقولات کے اسرار و رموز سے آگاہ ہوتا ہے۔ اسے کشف نظری کہتے ہیں۔ جو چیز دکھائی تو دے لیکن طے نہ ہو وہ اعتبار کے لائق نہیں ہوتی۔ اس لیے کشف کا یہ درجہ قابل بھروسہ نہیں ہوتا۔ بہت سے فلاسفر اسی درجے پر رہ گئے۔ انہوں نے اپنی ساری عمر اور استعداد معقولات کے ادراک میں خرچ کر دی۔ گویا اسی کو مقصود حقیقی خیال کر لیا اور بلند درجات سے محروم رہ گئے۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

بوعلی اندر غبار ناقہ گم
دست رومی پردہ محمل گرفت
(بوعلی سینا اونٹنی کے قدموں سے اٹھنے والی دھول میں گم ہو گئے)
(مولانا رومیؒ نے اپنے ہاتھ سے پردہ محمل پکڑ لیا)

این فرو تر رفت و تا گوہر رسید
آن بگردابی چو خس منزل گرفت
(یہ آگے بڑھے اور گوہر تک رسائی حاصل کر لی)
(جبکہ وہ گرداب میں خس و خاشاک کی طرح گم ہو کر رہ گیا)
(پیام مشرق: حکمت وشعر)

(۲)۔ **کشف شہودی:** مکاشفات عقلی پر عبور حاصل کرنے کے بعد مکاشفات قلبی کا مرحلہ آتا ہے۔ اسے کشف شہودی بھی کہتے ہیں۔ اس میں مختلف قسم کے انوار منکشف ہوتے ہیں۔

(۳)۔ **کشف سری:** کشف کے اس درجہ پر سالک پر ہر چیز کے وجود کی حکمت اور اس کی پیدائش کے اسرار ظاہر ہو جاتے ہیں۔

(۴)۔ **کشف روحی:** جب صفات بشریت کی تاریکیاں دور ہو کر سالک میں روحانی صفائی آجاتی ہے تو لاتعداد عالم منکشف ہونے لگتے ہیں۔ ابتداً مختلف بلندیوں کا کشف، جنت کی نعمتوں، دوزخ، فرشتوں کو دیکھنا اور ان سے کلام کرنا میسر آتا ہے۔ یہاں پہنچ کر زمان ومکان کا حجاب اٹھ جاتا ہے۔ ماضی، حال اور مستقبل کے حالات و واقعات سے واقفیت حاصل کر سکتا ہے۔ جیسا کہ حضرت حارث بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں اپنے رب کے عرش کی طرف دیکھ رہا ہوں کہ وہ حساب لینے کے لیے ظاہر ہو گیا ہے۔ میں اہل جنت کی طرف دیکھ رہا ہوں کہ وہ جنت میں ایک دوسرے سے بات چیت کر رہے ہیں۔ میں اہل جہنم کی چیخ و پکار کی آواز سن رہا ہوں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرمایا: یہ ایسا بندہ ہے کہ ایمان نے اس کے دل میں نور کو بھر دیا ہے۔ (دیکھیے مصنف ابن ابی شیبہ، ج:۹، رقم الحدیث: ۱۲۰) اسی طرح حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جنت میرے سامنے پیش کی گئی تو اس میں رہنے والے اکثر مسکین تھے۔

(دیکھیے صحیح مسلم، ج:۳، رقم الحدیث: ۲۴۳۶)

اس درجہ پر بعض اوقات سالک سے جہات (سمتوں) کے حجابات بھی اٹھ جاتے ہیں۔ اسے دائیں، بائیں، آگے اور پیچھے یکساں نظر آنے لگتا ہے۔ جیسا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد

فرمایا: میں پیچھے سے بھی اسی طریقہ سے دیکھتا ہوں کہ جس طریقہ سے سامنے کی جانب دیکھتا ہوں۔(سنن نسائی، ج:۱، رقم الحدیث:۸۷۶)

(۵)۔ **کشف خفی روحی:** جو سالک اپنی روح کو جسمانی کدورتوں سے پاک کر لیتا ہے اسے کشف روحی ہونے لگتا ہے۔اس میں کافر و مومن کی قید نہیں ہوتی جبکہ کشف خفی روحی ایک خاص کشف ہے جو صرف خاص سالکوں ہی کو حاصل ہوتا ہے۔جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ. (سورۃ المجادلہ، آیت:۲۲)
(یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان نقش کر دیا ہے، اور اپنی روح سے ان کی مدد کی ہے)

يُلْقِى الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ. (سورۃ غافر، آیت:۱۵)
(وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنے امر سے روح کا القا کرتا ہے)

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا. (سورۃ الشوریٰ، آیت:۵۲)
(اور اسی طرح ہم نے اپنے امر سے ایک روح تیری طرف بھیجی)

(۶)۔ **کشف صفاتی:** صفات الٰہی کا کشف، اس مقام پر صفات خداوندی کا عکس روح پر پڑتا ہے اس لیے اس کو کشف صفاتی کہتے ہیں۔

اس درجہ پر اگر سالک علم کی صفت سے مکاشف ہو تو علم لدنی، سمیع کی صفت سے مکاشف ہو تو کلام و خطاب، بصر کی صفت سے مکاشف ہو تو مشاہدہ حق، صفت جمال سے مکاشف ہو تو ذوق مشاہدہ نصیب ہوتا ہے۔اسی طرح اللہ پاک کی باقی صفات کو قیاس کر لینا چاہیے۔

(۷)۔ **کشف ذاتی:** کشف صفاتی کے بعد کشف ذاتی ہے۔کشف ذاتی کا مقام و مرتبہ بہت ہی بلند ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ذات کا مکاشفہ ہے۔ یہ مقام اتنا بلند ہے کہ ہم اسے الفاظ عبارات یا اشاروں میں بھی بیان کرنے سے عاجز ہیں۔اس کے بارے میں اللہ پاک اور اس کا آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی بہتر جانتے ہیں۔

۵۔ کشف کی اقسام

مکاشفات کو کلی طور پر چار قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

(ا)۔ **کشف رحمانی:** کشف رحمانی فرشتوں کے الہام سے وجود میں آتا ہے۔ اگرچہ یہ بہت کم ہوتا ہے لیکن حقیقت رکھتا ہے اور ثابت ہے۔ اس کی بہترین مثال حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا جمعہ کے خطبہ میں یاساریہ الجبل کہنا۔ (دیکھیے مشکوٰۃ المصابیح، ج:۵، رقم الحدیث: ۵۴۴)

کشف میں سالک عالم مثال میں کوئی صورت دیکھتا ہے یا کسی امر سے متعلق کچھ معانی ومفاہیم یا الفاظ اس کے دل میں ڈال دیے جاتے ہیں۔ اس اعتبار سے کشف رحمانی دو طرح کا ہوتا ہے۔ پہلی صورت کو کشف صوری اور دوسری کو کشف معنوی کہا جاتا ہے۔

(i)۔ **کشف صوری:** کشف صوری میں حواس خمسہ باطنی عالم مثال (یا عالم خیال) میں صورتوں کا ادراک کرتے ہیں۔ یہ ادراک کبھی بطور مشاہدہ ہوتا ہے جیسے اہل کشف انوار روحانی اور ارواح کی صورتوں کو جسم کے ساتھ دیکھتے ہیں۔ کبھی بطور سماع کے ہوتا ہے جیسے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وحی الٰہی کو مسلسل کلام کی صورت میں سنتے تھے اور گھنٹی کی آواز اور مکھیوں کی بھنبھناہٹ میں پاتے تھے۔ (صحیح مسلم، ج:۳، رقم الحدیث: ۱۵۵۸) کبھی وہ کشف نفحات الٰہی (اللہ پاک کی خوشبوئیں) اور شمائم ربانی کے سونگھنے کے طور پر ہوتا ہے۔ کبھی بطور ملامست کے ہوتا ہے۔ جیسا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ پاک کو بہت ہی اچھی اور خوبصورت شکل میں دیکھا۔ اللہ پاک نے فرمایا: ملاء اعلیٰ کس چیز میں جھگڑتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوبار جواب دیا کہ میرے رب تو ہی بہتر جانتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی ہتھیلی کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دونوں کندھوں کے درمیان رکھ دیا۔ سینہ مبارک میں اس ہاتھ کی ٹھنڈک محسوس ہوئی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مشرق ومغرب کے درمیان جو کچھ ہے، سب کو جان لیا۔ (جامع ترمذی، ج:۲، رقم الحدیث: ۱۱۸۲) کبھی کشف ذائقہ کے طریقے سے ہوتا ہے جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواب میں خود کو دودھ پیتے ہوئے دیکھا اور اس کا اثر اپنے ناخنوں میں محسوس کیا۔ (دیکھیے صحیح بخاری، ج:۱، رقم الحدیث: ۸۵)

(ii)۔ **کشف معنوی:** کشف معنوی میں سالک پر اللہ پاک کے جلال و جمال کے اوصاف کھلتے ہیں۔ جیسا کہ رحیم اور جبار وقہار ہونا وغیرہ۔ یہ نور تجلی صفات سے ہوتا ہے۔

(۲)۔ **کشف نفسانی:** مکاشفات کی دوسری قسم نفسانی مکاشفات کی ہے۔ ایسے مکاشفات نفس انسانی کی طرف سے ہوتے ہیں۔ نفسانی خیالات ورجحانات اور اعتقادات سالک کے مکاشفات پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ ایسے مکاشفات کا صحیح یا غلط ہونا نفس کی نورانیت سے وابستہ ہے۔ اگر سالک کاملیت کے درجہ تک نہ پہنچا ہو تو اس کے کشف نفسانی کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ البتہ اگر سالک حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی طرح تزکیہ نفس میں کمال کے درجہ تک پہنچ جائے تو اس کے تمام مکاشفات صحیح ہوں گے۔

(۳)۔ **کشف کونی:** کشف کونی یہ ہے کہ زمان ومکان کی دوری حجاب نہ رہے اور کسی چیز کا حال معلوم ہو جائے۔ غیر مسلم جوگی محنت و ریاضت سے اس میں دسترس حاصل کر لیتے ہیں۔ مراقبہ، ریاضت اور مجاہدہ سے بعض سالکین کو بھی یہ کشف حاصل ہو جاتا ہے لیکن وہ ان امور کی طرف توجہ نہیں دیتے۔

(۴)۔ **کشف شیطانی:** یہ شیطان یا جنات کی طرف سے ہوتا ہے۔ یہ کسی مقام پر کوئی صحیح خبر دیں تو اس پر توجہ نہیں کرنی چاہیے ورنہ یہ آہستہ آہستہ انسان پر مسلط ہو جاتے ہیں اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ انسان ایسے شیطانی مکاشفات کا عادی ہو جاتا ہے۔

کشف شیطانی کی مثال ابن صیاد کا واقعہ ہے۔ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دل میں قرآن کریم کی آیت: فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ. (سورۃ الدخان، آیت: ۱۰) چھپالی۔ پھر ابن صیاد سے فرمایا: میں نے تیرے لیے ایک چیز چھپا رکھی ہے، وہ کیا ہے؟ ابن صیاد نے کہا کہ وہ چھپی ہوئی چیز درخ ہے (دخان نہ کہہ سکا)۔

(دیکھیے سنن ابوداؤد، ج: ۳، رقم الحدیث: ۵۹۳ ۴)

۶۔ کشف پر مبنی علوم کا درجہ

کشف سے علم ظنی حاصل ہوتا ہے۔ اگر کشف شریعت کے مطابق ہے تو قابل اعتبار ہوگا ورنہ قابل رد۔ وہی حقائق ومعارف قابل قبول ہوتے ہیں جن کو شریعت رد نہ کرے۔ حضرت ابو سلیمان دارانیؒ فرماتے ہیں کہ جب میرے دل میں کوئی نکتہ اسرار صوفیہ میں سے آتا ہے تو میں اس کو دو عادل گواہوں (وہ قرآن وسنت ہیں) کے بغیر قبول نہیں کرتا۔ اسی طرح حضرابوسعید خرازؒ فرماتے ہیں کہ کل باطن (کشف) جو ظاہر (شریعت) کے خلاف ہو، وہ باطل (جھوٹ) اور مردود ہے۔ (شریعت وطریقت، ص: ۳۳۶) بعض اوقات انسان کسی آیت یا حدیث کا صحیح مطلب نہیں سمجھ پاتا۔ اپنے ذہن کے مطابق کوئی مطلب اخذ کر لیتا ہے۔ پھر اسی مطلب کو معیار بنا کر دوسروں کا رد کرنا شروع کر دیتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ میرا استدلال قران وسنت سے ہے حالانکہ وہ اس کی اپنی فہم سے ہوتا ہے۔ یہ درست رویہ نہیں ہے۔ اسی طرح اگر صوفیائے کرامؒ کے بیان کردہ بعض حقائق ومعارف، ہمیں اپنے فہم کے مطابق شریعت کی کسی ظاہری نص سے ہٹے ہوئے نظر آئیں تو اس میں بہت تامل اور احتیاط سے کام لینا چاہیے۔

یاد رہے کہ عقائد وایمانیات اور فرائض وواجبات شریعت محمدیہ نے پہلے سے طے فرما دیے ہیں۔ ان کے لیے کسی کشف کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ قرآن وحدیث اور امت مسلمہ کے مجموعی تعامل سے ثابت شدہ ہیں۔ اس لیے کشف سے حاصل ہونے والے علم کو صرف مباح کے درجے میں ہی رکھا جا سکتا ہے۔ لیکن لازم ہے کہ کشف کے بارے میں معاندانہ رویہ نہ اپنایا جائے۔ اگر کوئی کشف سے حاصل ہونے والے علم کو قابل اعتبار نہیں سمجھتا تو اللہ پاک کے ہاں قابل مؤاخذہ نہیں ہے۔ کشف کی مخالفت سے گناہ تو نہیں ہوتا مگر نقصان ہو سکتا ہے۔ دنیا کے نقصان میں کبھی مال وجان کا نقصان ہوتا ہے اور کبھی ذوق وشوق میں کمی آجاتی ہے۔

کشف کو قابل اعتبار سمجھنے والوں کے لیے ضروری ہے کہ اس سے حاصل ہونے والے علم کو سب سے پہلے شریعت کی کسوٹی پر پرکھیں۔ اگر شریعت کے قواعد کے موافق ہو تو قابل عمل ہوگا بصورت دیگر اسے رد کر دیا جائے گا۔ اگر کشف شریعت کے خلاف تو نہ ہو لیکن خود کشف میں باہم

اختلاف ہو، تو دیکھا جائے گا کہ وہ دونوں کشف ایک ہی سالک کے ہیں یا مختلف سالکوں کے۔ اگر ایک ہی سالک کے ہوں تو بعد والا کشف قابل اعتبار ہو گا اور پہلے والے کشف کو چھوڑ دیا جائے گا۔ اگر دونوں کشف دو مختلف سالکوں کے ہوں تو صاحب صحو[1] کا کشف قابل اعتبار ہو گا اور صاحب سکر کا کشف رد کر دیا جائے گا۔ اگر دونوں صاحب صحو ہوں تو دیکھا جائے گا کہ کس سالک کا کشف بکثرت شریعت کے موافق ہوتا ہے اس کا اعتبار کیا جائے گا۔ اگر اس میں بھی دونوں برابر ہوں تو جس سالک میں قرب الٰہی و مقبولیت کے زیادہ آثار پائے جائیں، اس کے کشف کو ترجیح دی جائے گی۔ اگر قرب الٰہی میں بھی برابر ہوں تو جس کو اپنا دل قبول کرے، اسی پر عمل جائز ہے۔ اگر پہلا کشف اکیلے کا اور دوسرا کئی سالکوں کا ہو تو جماعت کا کشف قابل ترجیح ہو گا۔ اگر وہ تنہا سالک سب سے اکمل ہے تو اس کے کشف کو ترجیح حاصل ہو گی۔

۷۔ علم غیب اور کشف و شہود کا فرق

علم غیب کے دو معنی ہیں: حقیقی اور اضافی۔ علم غیب حقیقی، وہ علم ہے جس کا کوئی ذریعہ نہ ہو۔ یہ علم اللہ پاک کے لیے خاص ہے اور مخلوق کے لیے شرعی و عقلی طور پر محال ہے۔ علم غیب اضافی، وہ علم ہے جو اللہ پاک کی طرف سے کسی ذریعہ سے مخلوق میں سے بعض کو بتا دیا جائے اور بعض پر پوشیدہ رکھا جائے یا پھر اس کا کچھ حصہ بتا دیا جائے اور باقی پوشیدہ رکھا جائے۔ یہ علم مخلوق کو بھی اللہ پاک کی طرف سے عطا ہو سکتا ہے۔ پس علم غیب حقیقی کو علم غیب اور اضافی کو کشف کہتے ہیں۔ جیسا کہ

وَجَآءَ مِنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ رَجُلٌ يَّسْعٰى قَالَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اتَّبِعُوْا مَنْ لَّا يَسْـَٔلُكُمْ اَجْرًا وَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ. (سورۃ یٰسین، آیات: ۲۰-۲۱)

(اتنے میں شہر کے دور کے کونے سے ایک شخص دوڑتا ہوا آیا اور اس نے کہا: اے میری قوم کے لوگو! رسولوں علیہم السلام کی پیروی اختیار کرو۔ ان کی پیروی کرو جو تم سے کوئی معاوضہ نہیں چاہتے اور یہ ٹھیک راستے پر ہیں)

انبیائے کرام علیہم السلام کے علاوہ بھی ایک جماعت ایسی ہوتی ہے جو کلمہ حق کو دل کی شہادت

---

[1] صحو و سکر کی کیفیت آگے ایک مستقل باب میں بیان کی جائے گی۔

(کشف) سے پہچان لیتی ہے اور دوسروں کو ان کی اطاعت کی دعوت دیتی ہے۔

پس علم غیب اور کشف میں بہت فرق ہے۔ علم غیب، اس علم کو کہتے ہیں جو کسی واسطے کے بغیر ہو اور یہ اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہے۔ جو علم بذریعہ کشف ہو اس میں کشف واسطہ ہوتا ہے۔ اس لیے وہ علم غیب نہیں ہوتا۔

۸۔ کشف کے بارے میں صوفیائے کرامؒ کے اقوال

بہت سے صوفیائے کرامؒ اور اکابرین امت نے کشف پر سیر حاصل گفتگو فرمائی ہے۔ ان کے اقوال میں سے کچھ بیان کیے جاتے ہیں:

(۱)۔ علم مکاشفہ دراصل وہ نور ہے جو علم پر عمل کرنے سے دل میں پیدا ہوتا ہے۔ جس کی مقدس روشنی سے ہر چیز کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور احوال کی معرفت پیدا ہوتی ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح، ج:۱، رقم الحدیث: ۱۹۲)

(۲)۔ خواجہ عبداللہ انصاریؒ فرماتے ہیں کہ کشف سے مراد دل سے اللہ تعالیٰ کا دیدار کرنا ہے۔ اس کی تین علامات ہیں:

(i)۔ ذکر کے باعث دل کا استغراق، یہ تین چیزوں سے عبارت ہے: (ا)۔ حقیقت سے لبریز گفتگو کرنا، (ب)۔ خلق سے بیزاری، (ج)۔ دعا کا الہام۔

(ii)۔ نظر کے مشاہدات سے ذہن کا معمور ہونا، لطائف نظر سے ذہن کے معمور ہونے کی تین نشانیاں ہیں: (ا)۔ احوال پر غالب آنا، (ب)۔ صدق معاملہ پر مداومت، (ج)۔ ایک ارفع واعلیٰ مسرت سے شناسا ہونا۔

(iii)۔ ضمیر کا حقیقت امور سے مطلع ہونا، ضمیر کے حقیقت سے مطلع ہونے کی تین علامات ہیں:

(ا)۔ انسان سکون و اطمینان حاصل کرتا ہے، (ب)۔ اسے ملائکہ کا وقار نصیب ہوتا ہے، (ج)۔ اسے اہل دین کی استقامت میسر آتی ہے۔ (صد میدان، ص: ۱۹۰-۱۹۱)

(۳)۔ خواجہ عبداللہ انصاریؒ منازل السائرین میں فرماتے ہیں کہ مکاشفہ دو باطن والوں کا ایک دوسرے کو راز تحفہ دینا ہے۔اس باب میں اس سے مراد پردوں کے پیچھے جو کچھ ہے اس تک پہنچ کر اسے پالینا ہے۔(منازل السائرین،ص:۱۱۸)

(۴)۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں: نفع دینے والا علم وہ ہوتا ہے کہ جب اس کی روشنی سے دل منور ہوجاتا ہے تو دل کے وہ پردے اٹھ جاتے ہیں جو حقائق اشیا کی معرفت وفہم کے لیے مانع ہیں۔نفع دینے والے علم کی دو قسمیں ہیں:

(i)۔ علم معاملہ جو عمل کا باعث ہوتا ہے۔

(ii)۔ علم مکاشفہ جو عمل کا اثر ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس کے دل میں یہ نورانی علم ڈال دیتا ہے۔

(شرح مشکوٰۃ المصابیح،ج:۱،رقم الحدیث:۲۵۷)

(۵)۔ ایک صوفیؒ فرماتے ہیں کہ کشف پردہ اٹھانے کو کہتے ہیں۔امورِ غیبی اور حقیقی معانی سے حجابات کا اٹھنا اور حقیقت کی اطلاع پانا کشف کہلاتا ہے۔جو چیز مبہم اور پوشیدہ ہو اور اسے بندے پر اس طرح ظاہر کر دیا جائے جیسے عینی مشاہدہ ہو، کشف کہلاتا ہے۔(رابطہ شیخ،ص:۲۴۷)

(۶)۔ امام عبدالکریم قشیریؒ فرماتے ہیں کہ کسی چیز کا ذکر دل پر یوں غالب آجانا کہ وہ چیز بغیر کسی شک و شبہ کے دل پر کھل جائے، کشف کہلاتا ہے۔یہ ایک ایسی کیفیت ہوتی ہے جسے دیکھنے والا نیند اور بیداری کی درمیانی حالت میں دیکھ لیتا ہے۔(رسالہ قشیریہ،ص:۲۳۵)

(۷)۔ امورِ غیبی اور معانی حقیقی پر سے حجابات کا اٹھنا اور حقیقت ورائے حجاب پر وجوداً اور شہوداً اطلاع پانا کشف ہے۔(فرہنگ اصطلاحات تصوف،ص:۱۴۱)

(۸)۔ ایک صوفی کا قول ہے کہ اللہ پاک کی تجلی صفات کے ظاہر ہونے کو کشف کہتے ہیں۔کشف لطیفہ سر سے ہوتا ہے۔(شریعت وطریقت،ص:۳۶۷)

(۹)۔ شاہ محمد مسیح اللہؒ فرماتے ہیں کہ شریعت کی پابندی کے ساتھ عالم غیب کی اشیا کا منکشف ہونا، کشف کہلاتا ہے۔(شریعت وتصوف،ص:۲۵۷)

(۱۰)۔ امام ابوبکر الکلاباذیؒ فرماتے ہیں کہ کشف غلبہ حال کی وجہ سے حجابات کا اٹھ جانا ہے۔

(کتاب التعرف،ص:۱۹۲)

(۱۱)۔ ایک صوفی کا قول ہے کہ عالم غیب کی اشیا کو دل کی آنکھ سے دیکھنا، کشف ہے۔

(اسرار التنزیل، ذیل سورۃ النساء، آیت:۱۶۳)

۹۔ کشف وشہود کے واقعات

حدیث، سیرت اور تاریخ کی کتب میں کشف وشہود کے بے شمار واقعات ملتے ہیں۔ان میں سے چند واقعات بطور مثال کچھ یوں ہیں:

(۱)۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خندق کی کھدائی کا حکم فرمایا تو کھدائی کے دوران ایک بڑا پتھر نکل آیا۔ جب اس پتھر کو توڑنا مشکل ہو گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خود پتھر توڑنے والی کدال لے کر کھڑے ہو گئے۔اپنی چادر مبارک خندق کے کنارہ پر رکھی اور یہ آیت پاک:

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۭ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ.
(سورۃ الانعام، آیت:۱۱۵)

(اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے رب کی بات سچ اور انصاف کے اعتبار سے پوری ہوگئی اس کی باتوں کو کوئی بدلنے والا نہیں اور وہی سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے)

تلاوت فرمائی اور پتھر پر کدال ماری۔ پتھر کا ایک حصہ ٹوٹ کر گر پڑا۔اس وقت حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ وہاں کھڑے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دیکھ رہے تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے کدال کے مارنے کے وقت ایک بجلی جیسی چمک پیدا ہوئی۔ پھر دوسری مرتبہ وہی آیت کریمہ تلاوت فرما کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کدال ماری۔ پھر ایسی ہی بجلی جیسی چمک ظاہر ہوئی اور دو تہائی پتھر ٹوٹ کر الگ ہو گیا۔ تیسری مرتبہ آیت کریمہ تلاوت فرما کر جب کدال ماری تو پتھر کا باقی حصہ بھی ٹوٹ گیا۔ حضور نبی

کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں سے اپنی چادر مبارک لے کر تشریف فرما ہوئے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں دیکھ رہا تھا کہ جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پتھر پر کدال سے چوٹ مار رہے تھے، ایک بجلی چمک رہی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سلمان رضی اللہ عنہ تم یہ بات دیکھ رہے تھے؟ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اس ذات کی قسم کہ جس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دین حق دے کر بھیجا ہے، میں نے بجلی کی یہ چمک دیکھی۔ پھر حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس وقت میں نے پہلی چوٹ ماری تو میرے سامنے سے پردے ہٹا دیے گئے یہاں تک کہ میں نے اپنی آنکھوں سے فارس (ایران)، اس کے نزدیک کی بستیاں اور بہت سے شہر دیکھے۔ عرض کیا گیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں کہ وہ ان شہروں کو ہم لوگوں کے ہاتھوں فتح فرما دے۔ ہم لوگوں کو وہاں کی نعمتیں عطا فرما دے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دعا فرمائی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس وقت میں نے دوسری دفعہ کدال سے پتھر پر چوٹ ماری تو قیصر (روم) کے شہر اور اس کے نزدیک کے علاقے سب کے سب میرے سامنے کر دیے گئے۔ جن کو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں یہ شہر عطا فرما دے۔ ہم ان شہروں کو فتح کر لیں اور وہاں کی نعمتوں سے فائدہ اٹھائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دعا فرمائی۔ پھر ارشاد فرمایا: جس وقت میں نے تیسری چوٹ ماری تو میرے سامنے حبشہ (افریقہ) کے شہر اور اس کی آس پاس کی بستیاں کر دی گئیں جن کو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ تم لوگ ترک اور حبشہ کے لوگوں کو اس وقت تک نہ چھیڑنا جس وقت تک وہ تم کو نہ چھیڑیں (یعنی جب تک وہ لوگ تم پر حملہ نہ کریں تو تم بھی ان پر حملہ نہ کرنا)۔ (سنن نسائی، ج:۲، رقم الحدیث:۱۰۸۹)

(۲)۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو ایک دن میرے پاس آئے اور فرمانے لگے: اے میری بیٹی! مجھے اپنے بعد تمہارا غنی ہونا، سب سے زیادہ پسند ہے۔ تمہارا مفلس ہونا مجھے سب سے زیادہ ناپسند ہے۔ میں نے تمہیں عابہ کی زمین میں سے بیس وسق کھجوریں ہبہ کی تھیں۔ اگر تم وہ کھجوریں توڑ لیتی تو وہ تمہاری ہو جاتیں۔ لیکن تم نے وہ توڑی نہیں، اس لیے ان میں سب ورثا کا حصہ ہے۔ تمہارے دو بھائی اور دو

بہنیں ہیں۔تم اسے کتاب اللہ کے مطابق تقسیم کر لینا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا: اے ابا جان! اگر اس سے زیادہ بھی ہوتا تو میں چھوڑ دیتی۔لیکن ایک بات سمجھ میں نہیں آتی کہ میری ایک بہن تو حضرت اسما رضی اللہ عنہا ہے اور دوسری کون ہے؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تمہاری والدہ حضرت حبیبہ بنت خارجہ رضی اللہ عنہا حمل سے ہے۔میرے خیال میں اس کے ہاں بیٹی پیدا ہوگی۔چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ان کے ہاں بیٹی ہی پیدا ہوئی۔(موطا امام مالک، ج:۱، رقم الحدیث:۱۳۵۶)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا پیدائش سے پہلے ہی یہ جان لینا کہ اللہ پاک انہیں بیٹی عطا فرمائے گا، کشف رحمانی کی ایک عمدہ مثال ہے۔

(۳)۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں حضرت ساریہ بن زنیم رضی اللہ عنہ کو ایک لشکر کا امیر بنا کر جنگ نہاوند کے لیے بھیجا۔وہ وہاں دشمن سے برسر پیکار ہو گئے۔انہی دنوں میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے خطبہ کو ترک کر دیا اور دو یا تین مرتبہ پکارا: یا ساریہ الجبل (اے ساریہ پہاڑ)۔پھر آپ رضی اللہ عنہ جمعہ کی خطبہ کی طرف متوجہ ہو گئے۔خطبہ میں حاضر بعض آدمیوں نے کہا کہ شاید حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر جن حاضر ہو گیا تھا یا پھر مجنون ہیں (نعوذ باللہ) کہ اپنا خطبہ چھوڑ دیا اور یا ساریہ الجبل پکارنے لگے۔حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے قدرے بے تکلف تھے۔جمعہ کی نماز کے بعد وہ آپ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے۔انہوں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو مطمئن پایا۔انہوں نے پوچھا: اے امیر المومنین رضی اللہ عنہ! آپ رضی اللہ عنہ کیوں اپنے اوپر نکتہ چینیوں کو موقع دیتے ہیں۔خطبہ کے دوران آپ رضی اللہ عنہ نے جو پکار لگائی: یا ساریہ الجبل، یہ کیا چیز تھی؟ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بخدا یہ میرے اختیار میں نہیں تھا۔میں نے حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کو پہاڑ کے قریب دشمن سے لڑتے دیکھا۔ان پر سامنے اور پیچھے دونوں جانب سے حملے ہو رہے تھے۔میں نے دیکھا کہ عنقریب وہ گھیر لیے جائیں گے تو میں بے قابو ہو گیا۔حتیٰ کہ میں نے ان کو یہ ہدایت دی کہ یا ساریہ الجبل تاکہ لشکر کو پہاڑ کی جانب لے جا کر اس سے ملحق ہو جائیں اور دشمن کے گھیرے

سے بچ سکیں۔

کچھ ہی دنوں کے بعد ایک قاصد حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ کا خط لے کر آیا۔ اس خط میں لکھا ہوا تھا کہ دشمن نے جمعہ کے دن ہم سے جنگ کی۔ ہم نے ان سے مقابلہ کیا۔ حتیٰ کہ نماز جمعہ کا وقت ہو گیا۔ ہم شکست سے دوچار ہوا ہی چاہتے تھے کہ اچانک اس وقت ہم نے ایک آواز دو مرتبہ سنی: یا ساریہ الجبل۔ اس آواز کو سن کر ہم پہاڑ کی طرف چلے گئے اور اس سے ملحق ہو گئے۔ پھر ہم مسلسل دشمن پر غلبہ حاصل کرتے رہے۔ یہاں تک اللہ تعالیٰ نے ہمیں فتح نصیب فرمائی۔ لوگوں نے اس دن کو تاریخ کے ساتھ ملا کر دیکھا تو وہی دن تھا جس دن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جمعہ کے خطبہ میں آواز لگائی تھی۔ (مشکوٰۃ المصابیح، ج:۵، رقم الحدیث: ۵۴۴)

(۴)۔ اسود بن قیس نامی شخص نے یمن میں نبوت کا دعوت کیا۔ پھر اس نے حضرت ابومسلم الخولانیؒ کو اپنے پاس بلوایا۔ حضرت ابومسلم خولانیؒ کا اصل نام حضرت عبداللہ بن ثوبؒ تھا۔ آپؒ اس کے پاس پہنچے تو اسود بن قیس نے پوچھا: کیا تم میری نبوت کی شہادت دیتے ہو؟ حضرت ابومسلم الخولانیؒ نے جواب دیا کہ نہیں۔ اسود کذاب نے کہا: کیا تم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رسول اللہ ہونے کی گواہی دیتے ہو؟ حضرت ابومسلمؒ نے جواب دیا: ہاں میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اللہ پاک کے رسول ہونے کی شہادت دیتا ہوں۔ اسود نے آگ کا الاؤ جلانے کا حکم دیا۔ پھر حضرت ابومسلم خولانیؒ کو اس میں ڈال دیا گیا۔ لیکن آگ آپؒ پر کچھ بھی اثر انداز نہ ہو سکی۔ اسود بن قیس کو کسی نے مشورہ دیا کہ اگر تم اس شخص کو اپنے ملک سے نہ نکالو گے تو یہ تمہیں ماننے والوں کو بھی تم سے دور کر دے گا۔ چنانچہ اسود نے حضرت ابومسلم خولانیؒ کو جلا وطن کر دیا۔ آپؒ مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔ اس وقت تک حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا سے پردہ فرما چکے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ وقت تھے۔

مدینہ منورہ پہنچ کر حضرت ابومسلم خولانیؒ نے اپنی سواری کو مسجد نبوی کے دروازے کے قریب بٹھایا۔ پھر اپنی سواری سے اتر کر مسجد کے ستون کے پیچھے نماز پڑھنے لگے۔ مدینہ منورہ کے کسی بھی شخص نے اس سے پہلے نہ تو حضرت ابومسلم خولانیؒ کو دیکھا تھا اور نہ ہی آپؒ کے ساتھ پیش آنے والے واقعے کو سنا تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت ابومسلمؒ کو مسجد میں نماز پڑھتے

ہوئے دیکھ لیا اور خود اٹھ کر آپؒ کی طرف آ گئے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا: تم کس علاقے کے رہنے والے ہو۔ حضرت ابومسلم خولانیؒ نے عرض کیا: یمن کا رہنے والا ہوں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا: اس شخص کا کیا ہوا، جس کو کذاب اسود نے آگ میں ڈال دیا تھا۔ حضرت ابومسلم خولانیؒ نے عرض کیا: وہ حضرت عبداللہ بن ثوبؒ ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا: میں تمہیں اللہ پاک کا واسطہ دیتا ہوں، بتاؤ کہ کیا تم وہی شخص ہو؟ حضرت ابومسلمؒ نے عرض کیا: اللہ پاک کے فضل وکرم سے میں وہی شخص ہوں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ آپؒ سے لپٹ گئے۔ پھر آپؒ کو لے کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے۔ اپنے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے درمیان آپؒ کو بٹھالیا۔ پھر فرمایا: تمام تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے جس نے مجھے موت سے قبل امت محمدیہ میں وہ شخص دکھایا جس کے ساتھ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا سا سلوک ہوا لیکن آگ اس کو نقصان نہ پہنچا سکی۔ (ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفا، ج:۴، ص:۸۹)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا حضرت عبداللہ بن ثوب ابومسلم خولانیؒ کے ساتھ یمن میں پیش آنے والے واقعے سے باخبر ہونا اور پھر آپؒ کو بغیر کسی تعارف کے پہچان لینا کشف پر مبنی تھا۔

(۵)۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ ایک اعرابی کو پہاڑ سے اترتے ہوئے دیکھا اور اپنے ساتھ والوں سے فرمایا کہ یہ ایک ایسا شخص ہے جو اپنے بچے کی وجہ سے مصیبت میں پڑا ہوا ہے۔ اس نے اپنے بیٹے کے بارے میں کچھ اشعار بھی منظوم کیے ہیں۔ اگر اس نے اجازت دی تو میں وہ اشعار تم کو سنواؤں گا۔ پھر وہ اعرابی آپ رضی اللہ عنہ کے قریب آ گیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ کہاں سے آ رہے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ اس پہاڑ کی چوٹی سے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ وہاں تمہارے ساتھ کیا واقعہ پیش آیا۔ اس نے جواب دیا کہ اللہ پاک کی ایک امانت میرے پاس تھی۔ میں نے وہ واپس اس کے سپرد کی ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے پوچھا: وہ امانت کیا چیز تھی۔ اعرابی نے جواب دیا کہ میرا ایک بچہ تھا۔ وہ فوت ہو گیا تو میں نے اس کو اس پہاڑ کی چوٹی پر دفن کر دیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اپنے بچے کے بارے میں جو اشعار تم نے منظوم کیے ہیں وہ ہمیں بھی سناؤ۔ اعرابی نے عرض کیا: اے امیر المومنین رضی اللہ عنہ! آپ رضی اللہ عنہ کو اس کی خبر کیسے ہو گئی۔ اللہ پاک کی قسم! میں ان اشعار کو ابھی تک اپنی زبان پر بھی نہیں لایا صرف دل ہی

دل میں باتیں کی ہیں۔ پھر اعرابی نے وہ اشعار سنائے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ یہ اشعار سن کر رونے لگے اور آپ رضی اللہ عنہ کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی۔

(ازالۃ الخفاعن خلافۃ الخلفا، ج:۴، ص:۹۰)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا اس اعرابی کے حال پر واقف ہو جانا اور اپنے ساتھیوں کو بتانا کشف کی وجہ سے تھا۔

(۶)۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس ایک عربی آیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا: تیرا کیا نام ہے؟ عربی نے جواب دیا جمرہ (انگارہ)۔ آپ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کس کے بیٹے ہو؟ اس نے جواب دیا: ابن شہاب (شعلہ) کا بیٹا ہوں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا: کس قبیلے سے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ حرقہ سے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: تمہارا گھر کہاں پر ہے؟ اس نے جواب دیا کہ بحرۃ النار میں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ بحرۃ النار، کس مقام میں؟ عربی نے جواب دیا کہ ذات لظی میں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا: جلدی سے اپنے لوگوں کی خبر لو، وہ سب جل گئے ہیں۔ یہ سن کر وہ شخص دوڑتا ہوا اپنے گھر واپس آیا تو اپنے گھر والوں کو جلا ہوا پایا۔

(موطا امام مالک، ج:۱، رقم الحدیث:۱۶۸۰)

(۷)۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے خواب میں دیکھا کہ صبح کی نماز حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے پڑھی۔ پھر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محراب سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ ایک لڑکی کھجوروں کا ایک طباق (بڑی طشتری) لے کر آئی۔ اس نے وہ طباق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے رکھ دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس میں سے ایک کھجور اٹھائی اور فرمایا: اے علی رضی اللہ عنہ! یہ کھجور کھاؤ گے؟ میں نے کہا کہ ہاں! یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا ہاتھ مبارک بڑھا کر وہ کھجور میرے منہ میں رکھ دی۔ پھر دوسری کھجور لی اور پوچھا: اے علی رضی اللہ عنہ! یہ کھجور کھاؤ گے؟ میں نے کہا کہ ہاں! یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ کھجور بھی میرے منہ میں رکھ دی۔ اس کے بعد میں نیند سے بیدار ہو گیا۔ اس وقت میرے دل میں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اشتیاق تھا۔ میرے منہ میں کھجور کی مٹھاس تھی۔ میں نے وضو کیا اور مسجد نبوی میں چلا گیا۔ حضرت عمر

فاروق رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز فجر پڑھی۔ نماز کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مسجد کے محراب سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ میں ان سے اپنا خواب بیان کرنے کا سوچنے لگا۔ میرے کچھ کہنے یا بتانے سے پہلے ہی ایک عورت آئی اور مسجد کے دروازے پر ٹھہر گئی۔ اس کے پاس کھجوروں کا ایک طباق تھا۔ وہ طباق حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے سامنے رکھ دیا گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے طباق میں سے ایک کھجور اٹھائی اور مجھ سے پوچھا: اے علی رضی اللہ عنہ یہ کھاؤ گے؟ میں نے کہا ہاں! تو انہوں نے وہ کھجور میرے منہ میں رکھ دی۔ پھر دوسری کھجور ہاتھ میں لے کر پہلے کی طرح پوچھا۔ میں نے ہاں کہا تو وہ بھی میرے منہ میں ڈال دی۔ پھر باقی کھجوروں کو مسجد میں موجود اصحاب میں تقسیم کر دیا۔

میری خواہش تھی کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ان کھجوروں میں سے مجھے کچھ اور بھی دیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرے بھائی! اگر آپ رضی اللہ عنہ کو اس رات حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے زیادہ دیا ہوتا تو ہم بھی زیادہ دے دیتے۔ میں نے تعجب کیا اور خیال کیا کہ جو کچھ میں نے گذشتہ رات خواب میں دیکھا تھا، اللہ پاک نے اس بارے میں آپ رضی اللہ عنہ کو بتا دیا ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے میری طرف دیکھا اور فرمایا: اے علی رضی اللہ عنہ! مومن دین کے نور سے دیکھتا ہے۔ میں نے کہا: اے امیر المومنین رضی اللہ عنہ! آپ رضی اللہ عنہ نے سچ کہا ہے۔ میں نے خواب میں ایسا ہی دیکھا تھا۔ (ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء، ج: ۴، ص: ۹۵)

(۸)۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک خوبصورت آدمی سامنے سے گزرا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ شخص اپنے دین جاہلیت پر ہے یا زمانہ جاہلیت میں اپنی قوم کا کاہن رہا ہے یا پھر میرا گمان غلط ہے۔ اس شخص کو بلا کر میرے پاس لاؤ۔ اسے بلایا گیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے اس کے سامنے اپنی بات دہرائی۔ اس نے عرض کیا: میں نے تو آج کے دن جیسا معاملہ کبھی نہیں دیکھا جو کسی مسلمان کو پیش آیا ہو۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم ضرور مجھے اپنی صحیح صورت حال سے آگاہ کرو۔ اس نے اقرار کیا کہ میں زمانہ جاہلیت میں اپنی قوم کا کاہن تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ زمانہ جاہلیت میں تیرے پاس، تیرے جنات جو خبریں لاتے تھے، ان میں سے حیران کن خبر سناؤ۔ اس شخص نے کہا: میں ایک دن بازار میں تھا کہ ایک جنیہ (جن کی مونث) میرے پاس آئی۔ میں نے دیکھا کہ وہ گھبرائی ہوئی ہے۔ پھر اس

نے کہا کہ جنوں کے متعلق تمہیں معلوم نہیں۔ جب سے انہیں آسمانی خبروں سے روک دیا گیا ہے وہ کس درجہ ڈرے ہوئے ہیں۔ مایوس ہو رہے ہیں۔ وہ اونٹ والوں اور چادر اوڑھنے والوں (اہل عرب) کے تابع ہو گئے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس نے سچ کہا ہے۔ ایک دفعہ میں بھی مشرکین کے بتوں کے پاس سو رہا تھا۔ ایک آدمی بچھڑا لے کر آیا اور اس نے اسے ذبح کیا۔ پھر ایک چیخنے والا اس قدر زور سے چیخا کہ اس سے زیادہ سخت چیخ میں نے پہلے کبھی نہ سنی تھی۔ اس نے کہا: اے دشمن! میں تجھے ایک بات بتاتا ہوں جس سے مراد مل جائے۔ ایک فصیح اور خوش بیان شخص یہ کہتا ہے: اللہ پاک کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ یہ سنتے ہی وہاں تمام لوگ چونک پڑے اور اچھل کر دوڑنے لگے۔ میں نے کہا: میں تو اسی جگہ رہوں گا، دیکھو کہ اس کے بعد کیا ہوتا ہے۔ پھر اس نے آواز دی: اے دشمن! معاملہ واضح ہے۔ آدمی خوش بیان ہے جو کہتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ پھر میں وہاں سے اٹھ کھڑا ہو۔ اس کے بعد زیادہ زمانہ نہیں گزرا تھا کہ کہا گیا: یہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ پاک کے سچے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ (صحیح بخاری، ج: ۲، رقم الحدیث: ۱۰۹۹)

(۹)۔ ایک دفعہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں بلند آواز سے یا لبیک یا لبیک کہنے لگے اور کوئی نہ سمجھا کہ یہ کیا ہے۔ یہاں تک کہ ایک لشکر کو دور دراز کے شہر پر لشکر کشی کے لیے بھیجا گیا تھا لوٹ کر واپس آیا۔ امیر لشکر جس قدر فتوحات کی اللہ تعالیٰ نے توفیق دی تھی، شمار کر رہا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا: ان باتوں کو چھوڑ، یہ بتا کہ اس شخص کا کیا حال ہوا جس کو تو نے جھڑک کر پانی میں بھیجا تھا۔ امیر لشکر نے جواب دیا: اللہ پاک کی قسم! امیر المومنین رضی اللہ عنہ نہ تو ہم اسے مارنا چاہتے تھے اور نہ کوئی اور سبب تھا۔ ہمارے راستے میں ایک نہر حائل تھی۔ اسے پار کرنے کے لیے کشتی بھی نہیں تھی۔ میں نے کہا کہ کوئی ایسا شخص دیکھو جو پانی کی گہرائی معلوم کر سکے۔ ایک بوڑھا شخص لایا گیا لیکن اس نے کہا: مجھے سردی کا خوف ہے۔ کیونکہ ان دنوں بہت زیادہ سردی تھی۔ میں نے اسے زبردستی پانی میں داخل کر دیا۔ ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ جس نے اس میں اثر کیا۔ وہ سردی برداشت نہ کر سکا اور یا عمر رضی اللہ عنہ! یا عمر رضی اللہ عنہ! کہتا ہوا ڈوب گیا۔ جب لوگوں نے یہ قصہ سنا تو سمجھے کہ آپ رضی اللہ عنہ کی وہ یا لبیک یا لبیک اس مظلوم کی پکار کے جواب میں تھی۔ اس کے بعد آپ رضی اللہ عنہ

نے امیر لشکر سے فرمایا کہ اگر یہ ڈر نہ ہوتا کہ میرے بعد یہ ایک ضابطہ بن جائے گا تو میں تیری گردن مار دیتا۔ اب تو اس کی دیت ادا کر اور آئندہ کبھی ایسی حرکت نہ کرنا۔ پھر فرمایا: ایک مسلمان مجھے بہت سی فتوحات سے زیادہ محبوب ہے۔

(سنن کبریٰ للبیہقی، ج:۹، رقم الحدیث:۳۱۷)

(۱۰)۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں خواب دیکھا کہ میرے ہاتھ میں ایک ریشمی ٹکڑا ہے اور جنت کے جس حصہ میں بھی جانا چاہتا ہوں وہ مجھے اڑا لے جاتا ہے اور میں نے دیکھا کہ گویا دو شخص میرے پاس آئے اور جہنم کی طرف لے جانا چاہا اور ان دونوں سے ایک فرشتہ ملا اور کہا کہ اسے چھوڑ دو اور مجھے کہا کہ ڈرنے کی بات نہیں۔

(صحیح بخاری، ج:۱، رقم الحدیث:۱۱۰۸)

(۱۱)۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ مجھ سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ابوالمنذر رضی اللہ عنہ! (کنیت) کیا تم جانتے ہو کہ تمہارے نزدیک کتاب اللہ کی کون سی آیت سب سے عظیم ہے؟ میں نے عرض کیا: اللہ پاک اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی سب سے زیادہ جاننے والے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوبارہ پوچھا: ابوالمنذر رضی اللہ عنہ! تم جانتے ہو کہ تمہارے نزدیک کتاب اللہ کی کون سی آیت سب سے عظیم ہے؟ میں نے عرض کیا: اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ (پوری آیت الکرسی)۔ حضرت ابی بن کعب کہتے ہیں کہ آپ نے اپنا دست مبارک میرے سینے پر پھیرا اور ارشاد فرمایا: ابوالمنذر رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کرے تمہارا علم خوشگوار رہو۔

واضح رہے کہ جب حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلی مرتبہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے سوال کیا تو انہیں علم نہیں تھا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوسری مرتبہ سوال کیا تو اللہ پاک کی طرف سے، حسن ادب کے سبب سوال کا جواب ان پر منکشف کر دیا گیا۔

(مشکوٰۃ المصابیح، ج:۲، رقم الحدیث:۶۳۴)

(۱۲)۔ حضرت ام خالد بنت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتی ہیں کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے پہلے ایک رات حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ سوئے ہوئے تھے۔ انہوں نے خواب میں دیکھا کہ

فرشتے خلا میں اس قدر چھائے ہوئے ہیں کہ تاریکی ہی تاریکی ہوگئی ہے۔ حتیٰ کہ آدمی اپنی آستین کا کف بھی نہیں دیکھ سکتا۔ اسی دوران آسمان سے ایک نور پہلے بیت اللہ میں چمکا۔ پھر اس نے پورے مکہ مکرمہ کو روشنی سے جگمگا دیا۔ اللہ پاک کی قسم! پھر اس کی روشنی مدینہ منورہ تک پھیل گئی۔ میں اس روشنی میں کھجور کے درختوں پر کھجوروں کے دانے دیکھ سکتا تھا۔ پھر میں نیند سے بیدار ہو گیا اور اپنا سارا خواب اپنے بھائی عمرو بن سعید کو سنایا۔ میرا بھائی صاحب الرائے انسان تھا۔ اس نے کہا کہ یہ کوئی عظیم تر معاملہ ہونے والا ہے۔ اس کا ظہور بنی عبدالمطلب میں ہونے والا ہے۔ بعد کے ایام میں حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنا خواب بیان کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے خالد رضی اللہ عنہ! اللہ پاک کی قسم! یہ نور میں ہی ہوں۔ میں ہی اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو اسلام کا تعارف کروایا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کر لیا۔ اس کے بعد ان کے بھائی حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کر لیا۔ (کنز العمال، ج:۷، رقم الحدیث:۹۵۰)

(۱۳)۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں سخت قحط پڑھ گیا۔ ایک دن آپ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حکم دیا کہ نماز استسقا کے لیے نکلیں۔ جب لوگ اکٹھے ہو گئے تو آپ رضی اللہ عنہ نے انہیں دو رکعت نماز استسقا پڑھائی۔ پھر اپنی چادر مبارک کو الٹا کیا۔ یعنی دائیں کو بائیں طرف اور بائیں کو دائیں طرف کیا۔ پھر اپنے دونوں ہاتھ پھیلائے اور دعا مانگی: اے ہمارے پروردگار! ہم تجھ سے مغفرت چاہتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔ دعا کے بعد ابھی لوگ بیٹھے ہوئے ہی تھے کہ بارش برسنے لگی۔ پھر دو دن بعد کچھ دیہائی لوگ آپ رضی اللہ عنہ سے آ کر ملے۔ انہوں نے عرض کیا: اے امیر المومنین رضی اللہ عنہ! جب ہم فلاں فلاں دن، فلاں فلاں وقت میں جنگل میں تھے کہ ہم پر ایک بدلی چھا گئی۔ پھر ہمیں اس بدلی سے ایک آواز سنائی دی۔ جیسے کوئی کہہ رہا ہو: اے ابوحفص! (حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی کنیت) تیرے پاس برسنے والا بادل آ گیا ہے۔ اے ابوحفص! تیرے پاس برسنے والا بادل آ گیا ہے۔ (ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفا، ج:۴، ص:۸۸)

(۱۴)۔ حضرت سواد بن قارب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں، میں کاہن تھا۔ جنوں کی لائی ہوئی باتیں بتایا کرتا تھا۔ ایک رات جب کہ میں نیند اور بیداری کی درمیانی حالت میں

تھا۔ اچانک میرے پاس میرا جن آیا۔ اس نے مجھے ایک ٹھوکر ماری اور کہا: اے سواد بن قارب! اٹھ اور سمجھ، اگر تو سمجھ رکھتا ہے اور عقل سے غور کر اگر تو عقل رکھتا ہے۔ لوئی بن غالب کی اولاد میں رسول مبعوث ہو چکا ہے۔ جو اللہ پاک اور اس کی عبادت کی طرف دعوت دے رہا ہے۔ پھر اس نے کچھ اشعار پڑھے جن کا مفہوم یہ ہے: 'مجھے تعجب ہوا جن پر اور اس کے کھوج لگانے پر اور اونٹوں پر اس کے پالان باندھ لینے یعنی بھاگنے کی تیاری کرنے پر۔ جنات کی قوم مکہ کی طرف ہدایت کی جستجو کرتی ہوئی جھک پڑی ہے۔ جنوں کے اچھے افراد ان کے برے افراد کی طرح نہیں ہیں۔ تو بھی بنی ہاشم کے اس برگزیدہ شخص کی طرف چل پڑ اور اس کی زیارت کا شرف حاصل کر'۔

دوسری اور تیسری رات بھی اسی طرح ہوا۔ اس سے میرے دل میں اسلام سے محبت پیدا ہوگئی اور میں اسلام کی طرف راغب ہو گیا۔ پھر جب صبح ہوئی تو میں نے اپنی سواری پر سامان سفر باندھا اور مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ پھر مجھے خبر ملی کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرما گئے ہیں۔ میں بھی مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ مدینہ پاک پہنچ کر میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق دریافت کیا۔ مجھے بتایا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں تشریف فرما ہیں۔ میں مسجد پہنچا، اپنی اونٹنی کو باندھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ قریب آ جاؤ۔ میں قریب ہو گیا۔ پھر فرمایا کہ مزید قریب آ جاؤ۔ میں مزید قریب ہو گیا۔ حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اب کہو! میں نے اپنا پورا قصہ سنایا اور اسلام لے آیا۔ پھر باتوں سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت خوش ہوئے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے چہرے بھی خوشی سے کھلکھلا اٹھے۔

(ازالۃ الخفاعن خلافۃ الخلفا، ج:۴، ص:۹۸-۹۹)

(۱۵)۔ حضرت شیخ محی الدین ابن عربیؒ فرماتے ہیں کہ مجھے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث پہنچی کہ جو آدمی لا الہ الا اللہ ستر ہزار مرتبہ پڑھے تو اس کی مغفرت کر دی جاتی ہے۔ اسی طرح جس آدمی کے لیے پڑھا جائے اس کی بھی مغفرت کر دی جاتی ہے۔

چنانچہ میں اس کلمہ کو روایت کردہ عدد کے مطابق خاص طور سے کسی کے لیے نیت کیے بغیر پڑھا کرتا تھا۔ اتفاق سے ایک دن میں ایک جگہ دعوت میں گیا۔ وہاں میرے چند رفیق بھی تھے۔ ان میں سے ایک آدمی جوان تھا جو کشف کے سلسلے میں بہت مشہور تھا۔ کھانے کے دوران اچانک رونے لگا۔ میں نے حیرت زدہ ہو کر اس سے رونے کا سبب پوچھا؟ تو اس نے کہا کہ میں (کشف کے ذریعہ) دیکھ رہا ہوں کہ میری ماں عذاب میں مبتلا ہے۔ یہ سنتے ہی میں نے کلمہ مذکورہ کا ثواب دل ہی دل میں اس کی ماں کے لیے بخش دیا۔ اب وہ ہنسنے لگا اور اس نے کہا کہ اب میں اپنی ماں کو جنت میں دیکھ رہا ہوں۔

اس واقعہ کو ذکر کرنے کے بعد آدمی شیخ محی الدین ابن عربیؒ نے فرمایا کہ اس آدمی کے کشف کے صحیح ہونے سے میں نے اس حدیث کو صحیح جانا اور اس حدیث کے صحیح ہونے سے اس آدمی کے کشف کو صحیح مانا۔ (مشکوٰۃ المصابیح، ج:۱، رقم الحدیث: ۱۱۱۲)

حوالہ جات

۱۔ ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء، شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ترجمہ مولانا محمد عبدالشکور۔ کراچی: قدیمی کتب خانہ، ۱۹۹۹ء۔

۲۔ اسرارالتنزیل، مولانا محمد اکرم اعوانؒ۔ چکوال: ادارہ نقشبندیہ اویسیہ، ۲۰۰۷ء۔

۳۔ پیام مشرق، ڈاکٹر محمد اقبالؒ۔ لاہور: اقبال آفاقی اردو کتب خانہ نیٹ ورک، ۲۰۰۳ء۔

۴۔ جامع ترمذی، امام محمد بن عیسیٰ ترمذیؒ ترجمہ مولانا افضل احمد۔ کراچی: دارالاشاعت، ۲۰۰۶ء۔

۵۔ رابطہ شیخ: تصور شیخ، توجہ اور تصرف شیخ کی وضاحت، حضرت عبداللطیف خان نقشبندیؒ۔ لاہور: جنگ پبلشرز، ۱۹۹۶ء۔

۶۔ رسالہ القشیریہ فی علم التصوف، امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیریؒ ترجمہ شاہ محمد چشتی۔ لاہور: ادارہ پیغام القرآن، ۲۰۰۷ء۔

۷۔ سنن ابن ماجہ، حافظ ابی عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہؒ ترجمہ مولانا محمد قاسم امین۔ لاہور: مکتبہ العلم، ۲۰۱۰ء۔

۸۔ سنن الکبریٰ للبیہقی، امام ابی بکر احمد بن حسین البیہقیؒ ترجمہ حافظ ثناء اللہ۔ لاہور: مکتبہ رحمانیہ، ۲۰۱۴ء۔

۹۔ سنن نسائی، امام احمد بن شعیب نسائیؒ ترجمہ مولانا افضل احمد۔ کراچی: دارالاشاعت، ۲۰۰۱ء۔

۱۰۔ شریعت وتصوف، مولانا شاہ محمد مسیح اللہؒ۔ ملتان: ادارہ تالیفات اشرفیہ۔

۱۱۔ شریعت وطریقت، مولانا اشرف علی تھانویؒ۔ ممبئی: مکتبہ الحق، ۱۹۸۶ء۔

۱۲۔ صحیح بخاری، امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاریؒ ترجمہ حضرت مولانا محمد داؤد راز۔ دہلی: مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند، ۲۰۰۴ء۔

۱۳۔ صحیح مسلم، امام ابوالحسین مسلم بن الحجاج نیشاپوریؒ ترجمہ علامہ وحیدالزمان۔ دہلی: مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند، ۲۰۰۴ء۔

۱۴۔ صدمیدان، خواجہ عبداللہ انصاریؒ ترجمہ حافظ محمد افضل فقیر۔ لاہور: تصوف فاؤنڈیشن، ۱۹۹۸ء۔

۱۵۔ فرہنگ اصطلاحات تصوف، قاضی عبدالکبیر منصور پوریؒ۔ لاہور: مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، ۲۰۱۱ء۔

۱۶۔ کتاب التعرف لمذہب اہل التصوف، امام ابوبکر بن ابواسحاق محمد بن ابراہیم بن یعقوب البخاری کلاباذیؒ ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن۔ لاہور: تصوف فاؤنڈیشن، ۱۹۹۸ء۔

۱۷۔ کنزالعمال، علامہ علاء الدین علی متقی بن حسام الدینؒ ترجمہ مولانا مفتی احسان اللہ شائق۔ کراچی: دارالاشاعت، ۲۰۰۹ء۔

۱۸۔ مرصادالعباد من المبداء الی معاد، شیخ نجم الدین کبریؒ۔ لاہور: منزل نقشبندیہ۔

۱۹۔ مسند امام احمد بن حنبل، امام احمد بن حنبلؒ ترجمہ مولانا محمد ظفر اقبال۔ لاہور: مکتبہ رحمانیہ، ۲۰۰۴ء۔

۲۰۔ مشکوٰۃ المصابیح، شیخ ولی الدین خطیب التبریزیؒ ترجمہ مولانا محمد صادق خلیلؒ۔ لاہور: مکتبہ محمدیہ، ۲۰۰۵ء۔

۲۱۔ مصنف ابن ابی شیبہ، امام ابی بکر عبداللہ بن محمد ابن ابی شیبہ العبسی الکوفیؒ ترجمہ مولانا محمد اویس سرور۔ لاہور: مکتبہ رحمانیہ، ۲۰۰۱ء۔

۲۲۔ منازل السائرین، خواجہ عبداللہ انصاریؒ ترجمہ پروفیسر افتخار احمد حمید۔ لاہور: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، ۲۰۱۹ء۔

۲۳۔ موطا امام مالک، امام مالک بن انسؒ ترجمہ حافظ زبیر علی۔ لاہور: مکتبہ اسلامیہ، ۲۰۰۹ء۔

۲۴۔ http//:www.hadithurdu.com/

۲۵۔ https//:easyquranwahadees.com/

۳۴

محبت

۱۔ محبت کا مفہوم

(۱)۔ محبت کے لغوی معانی لگن، لو، لگاؤ، تعلق خاطر، میلان، توجہ کے ہیں۔ اصطلاح میں طبیعت کا ایسی چیز کی طرف مائل ہونا جس سے لذّت حاصل ہو، محبت کہلاتا ہے۔ یہی میلان اگر قوی ہو جائے تو عشق (شدید محبت) میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ تصوف کی اصطلاح میں اللہ پاک کی لگن جو انسان میں اعلیٰ صفات پیدا کرتی ہے محبت کہلاتی ہے۔ سالک کا اوصاف ذمیمہ بشریہ سے پاک ہو جانا اور اوصاف حمیدہ ملکیہ سے متصف ہو جانا، محبت ہے۔ جب سالک کے دل میں محبت حقیقی کو جنبش ہوتی ہے تو فوراً جلوہ محبت کی ایک بجلی سی اس کے رگ و پے میں پوری طاقت سے دوڑتی اور سرایت کر جاتی ہے۔ سوائے مطلوب کے کل موجودات اس کے لیے معدوم ہو جاتی ہیں۔ یہاں تک کہ اس کو اپنا عزیز ترین وجود بھی لاشئ اور ہیچ معلوم ہوتا ہے۔

(۲)۔ محبت حقیقی ایک پر لطف اور اہم قلبی جذبہ ہے جو انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ کا بکثرت ذکر کرنے، ان کے معانی اور صفات خداوندی میں غور و فکر کرنے یا ذکر سن کر خیال کی صورت میں پیدا ہوتی ہے اور رفتہ رفتہ طلب صادق بن کر بھڑک اٹھتی ہے اور بام ترقی پر چڑھنے اور وصال محبوب کے لیے رہبر بن جاتی ہے۔ یہ ان سالکین حق کا حصہ ہے جن کے خیالات کی بلندی اور اعلیٰ تصورات ذہنی کا مقصد سوائے ذات حق کو پانے کے اور کچھ نہیں ہوتا۔

(۳)۔ محبت میں عاشق کو قرار نہیں ہوتا۔ ایسا سالک دیکھنے میں حاضر مگر شاہد حقیقی کے خیال میں اپنی ہستی سے غائب اور بحر عشق میں ڈوبا ہوا ہوتا ہے۔ اللہ پاک کی ذات بابرکات کے سوا نہ کسی کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور نہ کسی کی بات سنتا ہے۔ جب وہ محبت الٰہی میں سرتاپا رنگ جاتا ہے تو پھر اس کے قلب پر حقائق و معارف منکشف ہونے لگتے ہیں اور الفت الٰہی کی شمع کی روشنی سے قلب و نظر منور ہو جاتے ہیں۔

(۴)۔ محبت کے بارے میں اہل تصوف کے ہاں ایک قول مشہور ہے کہ عشق وہ آگ ہے جو محبوب کے

سوا ہر چیز کو جلا دیتی ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ محبت سالک کی توجہ کو ہر طرف سے ہٹا دیتی ہے۔ محبوب کے سوا ہر شے کا تصور مٹا دیتی ہے۔ گویا عاشق کی نظر میں محبوب کے علاوہ کوئی چیز موجود ہی نہیں ہوتی۔ یہاں تک کہ اس کو اپنی ہستی بھی نظر نہیں آتی۔ ہر تصور ماسوا محبوب میں فنا ہو جاتا ہے۔ اس مغلوب الحالی کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ سالک کو طبعاً وہی چیز پسند آتی ہے جو محبوب کو پسند ہو اور ہر اس چیز سے نفرت ہو جاتی ہے جس سے محبوب کو نفرت ہو۔ وہ ہر وقت محبوب کی رضا کا طلب گار رہتا ہے۔ نہ ثواب اور فائدہ کی لالچ نہ عذاب اور ضرر کا خوف و اندیشہ۔

(۵)۔ ایک محبت طبعی ہوتی ہے۔ جیسے والدین کی اپنی اولاد سے محبت۔ اس محبت کی بنیاد طبعی وابستگی و پسند اور فطری تقاضا ہوتا ہے۔ اس میں عقلی یا خارجی ضرورت اور دباؤ کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ اس کے برخلاف ایک محبت عقلی ہوتی ہے جو کسی طبعی و فطری وابستگی اور تقاضے کے تحت نہیں ہوتی۔ بلکہ کسی عقلی ضرورت و مناسبت اور خارجی وابستگی کے تحت کی جاتی ہے۔ اس کی بہترین مثال مریض اور دوا ہے یعنی بیمار آدمی دوا کو اس لیے پسند نہیں کرتا کہ دوا لینا اس کا طبعی اور فطری تقاضا ہے۔ بلکہ یہ عقل کا تقاضا ہوتا ہے۔ کسی چیز کو عقلی طور پر چاہنے اور پسند کرنے کی وہ کیفیت جس کو عقلی محبت سے تعبیر کرتے ہیں، بعض حالات میں اتنی شدید اور اہم ہو جاتی ہے کہ شدت کی طبعی محبت اور بڑے سے بڑے فطری تقاضے پر بھی غالب آ جاتی ہے۔ حدیث نبوی ﷺ (سنن ابن ماجہ، ج:۱، رقم الحدیث: ۶۷) اللہ پاک اور حضور نبی پاک ﷺ سے جس محبت اور وابستگی کا مطالبہ کیا گیا ہے وہ یہی عقلی محبت ہے۔ لیکن ایمان و یقین کی انتہا یہ ہے کہ عقلی محبت اتنی پر اثر، اتنی بھرپور اور اس قدر جذباتی وابستگی کے ساتھ ہو کہ طبعی محبت پر غالب آ جائے اور احکامات خداوندی کی تعمیل میں کوئی خونی رشتہ جیسے باپ کی محبت، اولاد کا پیار یا کوئی اور طبعی تعلق آڑے نہ آئے۔

۲۔ محبت قرآن مجید کی روشنی میں

اللہ تعالیٰ نے اپنی پاک کتاب قرآن مجید میں کئی جگہوں پر سالکین کی حالت محبت کا ذکر فرمایا ہے، ان میں سے کچھ یہ ہیں:

(۱)۔ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ. (سورۃ البقرہ، آیت: ۱۶۵)

(اور جولوگ ایمان لائے ہیں وہ سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہیں)
اس آیت پاک میں صدیقین و عارفین کی محبت کو بیان کیا گیا ہے جو ان کی کامل معرفت کا نتیجہ ہوتی ہے۔ وہ بغیر کسی علت وسبب کے اللہ پاک سے محبت رکھتے ہیں۔ نہ جنت کا لالچ اور نہ دوزخ کا خوف، محض رضائے الٰہی۔ اسی لیے ان کی اللہ پاک سے محبت بہت شدید ہوتی ہے۔

(۲)۔ وَاصۡطَنَعۡتُكَ لِنَفۡسِيۡ. (سورۃ طٰہٰ، آیت: ۴۱)
(اور میں نے تمہیں خاص اپنے لیے بنایا ہے)
بندے کی اللہ پاک سے محبت یہ ہے کہ وہ اپنی وہمی ہستی سے دستبردار ہو جائے اور اس کے سوا کسی کی طرف نہ دیکھے۔ اس آیت سے یہ مراد ہے۔ دراصل اس آیت میں اللہ پاک نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خطاب کیا ہے کہ میں نے تمہیں خاص اپنے لیے بنایا ہے۔ لہٰذا تم ہر طرف سے کٹ کر صرف میرے ہی ہو رہو اور میری محبت میں باقی تمام الفتوں اور واسطوں کو بھلا دو۔ اللہ پاک کی محبت میں یہی حالت سالکین حق کی ہوتی ہے۔ وہ اللہ پاک کی محبت میں خود کو گم کر دیتے ہیں اور ان کی نظر میں دنیا کی ہر چیز ہیچ ہو جاتی ہے۔

(۳)۔ وَاَلۡقَيۡتُ عَلَيۡكَ مَحَبَّةً مِّنِّيۡ. (سورۃ طٰہٰ، آیت: ۳۹)
((اے موسیٰ علیہ السلام) میں نے تجھ پر اپنی طرف سے محبت ڈال دی)
اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ پاک سے محبت کی اصل بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ سالک کی محبت بھی اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے کشش کا نتیجہ ہوتی ہے جو اسے اپنی طرف کھینچ لیتی ہے اور غیر کی طرف نہیں جھکنے دیتی۔ اس ضمن میں اس آیت پاک میں بتایا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل میں اللہ پاک نے اپنی محبت ڈال دی، جس نے انہیں اللہ کے سوا کسی اور سمت نہیں جانے دیا۔

(۴)۔ قُلۡ اِنَّ صَلَاتِيۡ وَنُسُكِيۡ وَمَحۡيَايَ وَمَمَاتِيۡ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ. (سورۃ الانعام، آیت: ۱۶۲)
(یہ کہہ دو کہ میری نماز، میری قربانی، میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ رب العٰلمین ہی کے لیے ہے)
محبت حقیقی یہی ہے کہ سالک کی تمام جسمانی وروحانی عبادات، زندگی کے جملہ غرض کہ اس کا جینا اور مرنا سب اللہ پاک ہی کے لیے ہو۔ اس آیت مبارکہ میں سالکین حق کو یہی درس دیا گیا ہے کہ ان کی تمام عبادات اور دیگر امور صرف اور صرف اللہ پاک کی رضا و محبت کے لیے ہی ہونے

چاہئیں۔انہیں یکسو ہو کر صرف اسی کا ہو کر ہی زندگی گزارنی چاہیے۔

(۵)۔ قُلۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوۡنِىۡ يُحۡبِبۡكُمُ اللّٰهُ. (سورۃ آلِ عمران، آیت:۳۱)

(فرما دیجیے! اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری تابعداری کرو، اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا)

اللہ پاک نے انسان کی فطرت ایسی بنائی ہے کہ وہ محبوب کے احکامات پر عمل کرنا اور اس کی عادات وخصوصیات کو اپنانا چاہتا ہے۔ وہ رضائے محبوب کے تحت ہی زندگی بسر کرنا چاہتا ہے۔ محبت الٰہی میں یہ معاملہ کچھ مختلف ہو جاتا ہے کہ یہاں عادات وخصوصیات انسانی عقل سے ماورا ہیں۔انسان خدا سے محبت کرنے کے باوجود اسے اپنے لیے اسوہ حسنہ نہیں بنا سکتا۔انسان کو ایک ایسا نمونہ چاہیے کہ اللہ پاک کی محبت میں جس کی تقلید کی جا سکے۔اس آیت کریمہ میں سالکین حق کی اسی طرف رہنمائی فرمائی گئی ہے کہ خدا کی محبت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت و فرمانبرداری سے منسلک ہے۔

(۶)۔ وَيُطۡعِمُوۡنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسۡكِيۡنًا وَّيَتِيۡمًا وَّاَسِيۡرًا. (سورۃ الانسان، آیت:۸)

(اور یہ لوگ اللہ کی محبت میں مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں)

اس آیت پاک میں اللہ پاک نے سالکین حق کے دنیاوی معاملات کی ایک نشانی یہ بتائی ہے کہ وہ اپنے تمام امور اللہ پاک کی محبت کی خاطر انجام دیتے ہیں۔ وہ اسی کی محبت میں یتیم و مسکین اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔ بیمار کی عیادت اور صلہ رحمی کرتے ہیں۔غرض کہ ان کی زندگی کی تمام سرگرمیوں کا محور و مرکز اللہ پاک کی محبت ہوتی ہے۔وہ سراپا محبت ہوتے ہیں۔

(۷)۔ اَللّٰهُ يَجۡتَبِىۡۤ اِلَيۡهِ مَنۡ يَّشَآءُ. (سورۃ الشوریٰ، آیت:۱۳)

(اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنی طرف کھینچ لیتا ہے)

اللہ پاک کا سالکین کو اپنی طرف کھینچ لینا، محبت کی علامت ہے۔ایسے سالکین اللہ پاک کی مراد ہوتے ہیں۔انہیں خدا سے اور خدا کو ان سے شدید محبت ہوتی ہے۔بعض سالکین اللہ پاک کی اس شدید محبت کی تاب نہ لاتے ہوئے مجذوب بھی ہو جاتے ہیں۔تمام انبیا کرام علیہم السلام اللہ پاک کی مراد ہوتے ہیں۔جنہیں اس نے اپنا خاص قرب عطا فرمایا ہوتا ہے۔اللہ پاک کی شدید محبت بھی ان کے فہم و دانش پر کوئی اثر نہیں ڈالتی۔(دیکھیے ملفوظات اشرفیہ، ص:۴۰۲)

(۸)۔ وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ؕ.
(سورۃ الاعراف، آیت: ۱۴۳)

(اور جب موسیٰ علیہ السلام ہمارے مقررہ وقت پر پہنچے اور ان کا رب ان سے ہم کلام ہوا تو وہ کہنے لگے: میرے پروردگار! مجھے دیدار کرا دیجیے کہ میں تجھے دیکھ لوں)

قرآن پاک کی یہ آیت مبارکہ محبت الٰہی کا بہترین نمونہ ہے۔ اس سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اللہ پاک سے محبت انبیائے کرام علیہم السلام کا بھی خاصہ رہا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ کے دیدار کی خواہش کا اظہار کرنا اور پھر تجلی حق سے بیہوش ہو جانا، کمال محبت کی دلیل ہے۔ بالکل اسی طرح جب سالک کی اللہ تعالیٰ سے محبت حد سے بڑھ جاتی ہے تو دیدار الٰہی کا شوق اسے بے چین کر دیتا ہے یہاں تک کہ وہ تجلیات الٰہی کے پرتو کو برداشت نہیں کر سکتا اور اس پر جذب اور بیہوشی چھا جاتی ہے۔ بعض اوقات وہ اس حال سے مغلوب ہو جاتا ہے، اسے استغراق کہتے ہیں۔

(۹)۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا.
(سورۃ بنی اسرائیل، آیت: ۱۰۷)

(جب یہ (قرآن) ان لوگوں کے سامنے پڑھا جاتا ہے جن کو اس سے پہلے علم دیا گیا تھا تو وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر جاتے ہیں)

اس آیت مبارکہ میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ قرآن پاک کو جب سالکین حق کے سامنے پڑھا جاتا ہے تو وہ محبت الٰہی میں بے اختیار سجدہ میں گر جاتے ہیں۔

(۱۰)۔ فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ اَرْسَلَتْ اِلَيْهِنَّ وَاَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَاً وَّاٰتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّيْنًا وَّقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ ۚ فَلَمَّا رَاَيْنَهٗٓ اَكْبَرْنَهٗ وَقَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ ۡ وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ؕ اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ. (سورۃ یوسف، آیت: ۳۱)

(پھر جب عزیز کی بیوی نے ان کی ملامت سنی تو انھیں بلا بھیجا اور ان کے واسطے ایک مجلس تیار کی اور ان میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں ایک چھری دی اور کہا ان کے سامنے نکل آ، پھر جب انہوں نے اسے دیکھا تو حیران رہ گئیں اور اپنے ہاتھ کاٹ لیے اور کہا اللہ پاک ہے، یہ انسان تو نہیں ہے یہ تو کوئی بزرگ فرشتہ ہے)

اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کسی بارعب شے سے اچانک واسطہ پڑ جائے تو سالک اپنے ماحول

سے بے خبر ہو جاتا ہے۔ وہ اپنی ذات تک سے بے خبر ہو کر اسی دوسری شے کی محبت و معرفت میں گم ہو جاتا ہے۔ اس حال میں اسے اپنی تکالیف و ضروریات تک بھول جاتی ہیں۔ اس آیت مبارکہ میں اسی چیز کو بیان کیا گیا ہے۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام عزیز مصر کی بیوی کی سجائی گئی مجلس میں موجود عورتوں کے سامنے سے گزرے تو وہ آپ علیہ السلام کے حسن و محبت میں گم ہو گئیں۔ اس حالت میں وہ اپنے ارد گرد کی دیگر اشیا حتیٰ کہ اپنی ذات سے بھی بے خبر ہو گئیں اور اس حالت میں انہوں نے اپنی انگلیوں تک کو کاٹ لیا۔ اس غفلت میں انہوں نے کہا کہ آپ علیہ السلام انسان نہیں ہیں حالانکہ آپ علیہ السلام انسان تھے۔ انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو فرشتہ سمجھا حالانکہ آپ علیہ السلام فرشتہ نہ تھے۔

اس آیت سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ جب مخلوق کی محبت میں محویت کا یہ عالم ہے تو معرفت خداوندی میں گم ہو جانے والوں کا کیا حال ہوگا؟ ایسے سالکین حق کے حال کو اللہ پاک ہی بہتر جانتا ہے۔

۳۔ محبت احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں

محبت کے بارے میں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بے شمار احادیث مروی ہیں، ان میں سے چند حسب ذیل ہیں:

(۱)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَى مَا أَتَيْتُكُمْ بِهِ مِنَ الْبَيِّنَاتِ، وَالْهُدٰى أَجْرًا إِلَّا أَنْ تَوَدُّوا اللّٰهَ، وَأَنْ تَقَرَّبُوا إِلَيْهِ بِطَاعَتِهِ". (مسند احمد، ج:۲، رقم الحدیث:۵۵۰)

(حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں تمہارے پاس جو واضح آیات اور ہدایت لے کر آیا ہوں، اس پر میں تم سے کوئی مزدوری نہیں مانگتا، البتہ اتنا ضرور کہتا ہوں کہ اللہ پاک سے محبت کرو اور اس کی اطاعت کر کے اس کا قرب حاصل کرو)

(۲)۔ عَنْ كَعْبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: مَنْ أَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَسَمِعَ وَأَطَاعَ فَقَدْ تَوَسَّطَ الإِيمَانَ، وَمَنْ أَحَبَّ لِلّٰهِ وَأَبْغَضَ لِلّٰهِ وَأَعْطَى لِلّٰهِ وَمَنَعَ لِلّٰهِ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ الإِيمَانَ. (مصنف ابن ابی شیبہ، ج:۹، رقم الحدیث:۱۳۳)

(حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص نماز قائم کرتا اور زکوٰۃ ادا کرتا ہے۔ سنتا ہے اور اطاعت کرتا ہے۔ اس کا ایمان درمیانے درجہ کا ہے۔ جو شخص اللہ پاک کے لیے محبت رکھتا ہے اور اللہ پاک ہی کے لیے بغض رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی کے لیے عطا کرتا ہے اور اللہ پاک ہی کے لیے روکتا ہے، اس کا ایمان مکمل ہو گیا)

(۳)۔ عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: إِنْ شِئْتُمْ لأُقْسِمَنَّ لَكُمْ: إِنَّ أَحَبَّ الْعِبَادِ إِلَى اللّٰهِ الَّذِينَ يُحِبُّونَ اللّٰهَ، وَيُحَبِّبُونَ اللّٰهَ إِلَى عِبَادِهِ الَّذِينَ يُرَاعُونَ الشَّمْسَ، وَالْقَمَرَ، وَالنُّجُومَ، وَالأَظِلَّةَ لِذِكْرِ اللّٰهِ. (مصنف ابن ابی شیبہ، ج:۹، رقم الحدیث: ۴۸۰۲)

(حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر تم چاہو تو میں تمہیں قسم کھا کر کہہ دیتا ہوں: بیشک اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں میں سے محبوب ترین وہ ہیں جو اللہ پاک سے محبت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے بندوں کی محبت کرواتے ہیں۔ جو لوگ سورج، چاند، ستاروں اور سایوں کا خیال اللہ پاک کے ذکر کی وجہ سے رکھتے ہیں)

(۴)۔ عَنِ ابْنِ أَبِي لَيْلَى، قَالَ: كَتَبَ أَبُو الدَّرْدَاءِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ إِلَى مَسْلَمَةَ بْنِ مُخَلَّدٍ وَهُوَ أَمِيرٌ بِمِصْرَ: أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ الْعَبْدَ إِذَا عَمِلَ بِطَاعَةِ اللّٰهِ أَحَبَّهُ اللّٰهُ، وَإِذَا أَحَبَّهُ اللّٰهُ حَبَّبَهُ إِلَى خَلْقِهِ. (مصنف ابن ابی شیبہ، ج:۹، رقم الحدیث: ۴۸۰۳)

(حضرت ابن ابی لیلیٰ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے مصر کے امیر حضرت مسلمہ بن مخلد رضی اللہ عنہ کو خط میں لکھا: بے شک بندہ جب اللہ پاک کی اطاعت والا عمل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرتا ہے تو اس کو اپنی مخلوق میں محبوبیت عطا کرتا ہے)

(۵)۔ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ وَجَدَ بِهِنَّ حَلَاوَةَ الْإِيمَانِ وَطَعْمَهُ: أَنْ يَكُونَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ وَرَسُولُهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا، وَأَنْ يُحِبَّ فِي اللّٰهِ، وَأَنْ يُبْغِضَ فِي اللّٰهِ، وَأَنْ تُوقَدَ نَارٌ عَظِيمَةٌ فَيَقَعَ فِيهَا أَحَبُّ إِلَيْهِ مِنْ أَنْ يُشْرِكَ بِاللّٰهِ شَيْئًا".
(سنن نسائی، ج:۲، رقم الحدیث: ۱۲۹۶)

(حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص میں تین چیزیں ہوں گی وہ ایمان کا ذائقہ اور لطف حاصل کرے گا:

(i)۔ اللہ پاک اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سب سے زیادہ محبت رکھے۔

(ii)۔ اللہ تعالیٰ کے لیے دوستی کرے اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے دشمنی کرے۔
(iii)۔ اگر بڑی اور خوفناک آگ جلائی جائے تو اس میں گر جانا قبول کر لے لیکن اللہ پاک کے ساتھ کسی کو شریک نہ قرار دے)

(۶)۔ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، أَنَّ رَجُلًا قَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ مَتَى السَّاعَةُ؟ قَالَ: "وَمَاذَا أَعْدَدْتَ لَهَا"؟ قَالَ: لَا إِلَّا أَنِّي أُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ. قَالَ: "فَإِنَّكَ مَعَ مَنْ أَحْبَبْتَ". (مسند احمد، ج:۵، رقم الحدیث: ۲۳۳۳)

(حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک آدمی نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! قیامت کب قائم ہوگی؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کہ تم نے قیامت کے لیے کیا تیاری کر رکھی ہے؟ اس نے عرض کیا: کچھ بھی نہیں، سوائے اس کے کہ میں اللہ پاک اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم اسی کے ساتھ ہو گے جس سے تم محبت کرتے ہو)

(۷)۔ عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "حُبُّكَ الشَّيْءَ: يُعْمِي وَيُصِمُّ". (سنن ابوداؤد، ج:۳، رقم الحدیث: ۱۷۲۰)

(حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کسی چیز سے تیری محبت تجھے اندھا بہرا کر دیتی ہے)

اسی طرح سالک بھی اللہ پاک کی محبت میں اندھا اور بہرہ ہو جاتا ہے۔ وہ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکامات کے علاوہ نہ تو کسی کو دیکھتا ہے اور نہ کسی کی سنتا ہے۔

(۸)۔ عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "كَانَ مِنْ دُعَاءِ دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَقُولُ: اللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ حُبَّكَ، وَحُبَّ مَنْ يُحِبُّكَ، وَالْعَمَلَ الَّذِي يُبَلِّغُنِي حُبَّكَ. اللّٰهُمَّ اجْعَلْ حُبَّكَ أَحَبَّ إِلَيَّ مِنْ نَفْسِي، وَأَهْلِي وَمِنَ الْمَاءِ الْبَارِدِ". (جامع ترمذی، ج:۲، رقم الحدیث: ۱۴۴۴)

(حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: حضرت داؤد علیہ السلام کی دعاؤں میں سے ایک دعا یہ ہے:

اللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ يُحِبُّكَ وَالْعَمَلَ الَّذِي يُبَلِّغُنِي حُبَّكَ. اللّٰهُمَّ

اجْعَلْ حُبَّكَ أَحَبَّ إِلَيَّ مِنْ نَفْسِي وَأَهْلِي وَمِنَ الْمَاءِ الْبَارِدِ.

(اے میرے پروردگار! میں تجھ سے تیری اور ہر اس شخص کی محبت مانگتا ہوں جو تجھ سے محبت کرتا ہے۔ اور ہر وہ عمل مانگتا ہوں جو مجھے تیری محبت تک پہنچائے۔ اے میرے پروردگار! میرے لیے اپنی محبت کو میری جان و مال، اہل و عیال اور ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ عزیز کر دے)

(۹)۔ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ حُبَّكَ أَحَبَّ الْأَشْيَاءِ إِلَيَّ، وَاجْعَلْ خَشْيَتَكَ أَخْوَفَ الْأَشْيَاءِ عِنْدِيْ، وَاقْطَعْ عَنِّيْ حَاجَاتِ الدُّنْيَا بِالشَّوْقِ إِلٰى لِقَائِكَ، وَإِذَا أَقْرَرْتَ أَعْيُنَ أَهْلِ الدُّنْيَا مِنْ دُنْيَاهُمْ فَأَقْرِرْ عَيْنِيْ مِنْ عِبَادَتِكَ. (کنز العمال، ج:۱، رقم الحدیث: ۳۶۴۰)

(اے میرے پروردگار! اپنی محبت کو میرے لیے سب چیزوں سے زیادہ محبوب کر دے۔ اپنی خشیت اور اپنے خوف کو میرے لیے سب چیزوں سے زیادہ خوف والی کر دے۔ مجھے اپنی ملاقات کا ایسا شوق دے جو مجھ سے دنیا کی خواہشات کو ختم کر دے اور جب تو اہل دنیا کی آنکھیں ان کی دنیا سے ٹھنڈی کرے تو میری آنکھیں اپنی عبادت سے ٹھنڈی کر)

(۱۰)۔ عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: أَقْبَلْنَا مِنْ مَكَّةَ إِلَى الْمَدِيْنَةِ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَاعْتَلَّ جَمَلِيْ وَسَاقَ الْحَدِيْثَ بِقِصَّتِهِ وَفِيْهِ، ثُمَّ قَالَ: "لِيْ بِعْنِيْ جَمَلَكَ هٰذَا، قَالَ: قُلْتُ: لَا بَلْ هُوَ لَكَ، قَالَ: لَا بَلْ بِعْنِيْهِ، قَالَ: قُلْتُ: لَا بَلْ هُوَ لَكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، قَالَ: لَا بَلْ بِعْنِيْهِ، قَالَ: قُلْتُ: فَإِنَّ لِرَجُلٍ عَلَيَّ أُوْقِيَّةَ ذَهَبٍ فَهُوَ لَكَ بِهَا، قَالَ: قَدْ أَخَذْتُهُ، فَتَبَلَّغْ عَلَيْهِ إِلَى الْمَدِيْنَةِ، قَالَ: فَلَمَّا قَدِمْتُ الْمَدِيْنَةَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِبِلَالٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: " أَعْطِهِ أُوْقِيَّةً مِنْ ذَهَبٍ وَزِدْهُ". قَالَ: فَأَعْطَانِيْ أُوْقِيَّةً مِنْ ذَهَبٍ وَزَادَنِيْ قِيْرَاطًا، قَالَ: فَقُلْتُ: لَا تُفَارِقُنِيْ زِيَادَةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: فَكَانَ فِيْ كِيْسٍ لِيْ فَأَخَذَهُ أَهْلُ الشَّامِ يَوْمَ الْحَرَّةِ. (صحیح مسلم، ج:۲، رقم الحدیث: ۱۶۰۸)

(حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم مکہ مکرمہ سے مدینہ پاک کی طرف حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ آئے تو میرا اونٹ بیمار ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا: تو اپنا یہ اونٹ مجھے فروخت کر دے؟ میں نے عرض کیا: بلکہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے (ہدیہ) ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نہیں! بلکہ اسے مجھے فروخت کر دے۔ میں نے عرض کیا: بلکہ وہ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کے لیے ہے، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نہیں! بلکہ اسے مجھے فروخت کر دے۔

تو میں نے عرض کیا: میرے ذمہ ایک آدمی کا ایک اوقیہ سونا قرض ہے۔ یہ اس کے عوض آپ ﷺ لے لیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں نے خرید لیا اور اسی اونٹ پر مدینہ منورہ چلے جانا۔ جب میں مدینہ پاک پہنچا تو حضور نبی پاک ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا: اسے ایک اوقیہ سونا اور کچھ زائد دے دو۔ انہوں نے مجھے ایک اوقیہ سونا اور ایک قیراط زائد دے دیا۔ میں نے کہا رسول اللہ ﷺ کی یہ زیادہ (اصل سے زیادہ) مال کبھی مجھ سے جدا نہ ہوگا۔ فرماتے ہیں کہ وہ سونا میرے پاس ایک تھیلی میں محفوظ رہا حتیٰ کہ حرہ کے دن شام والوں نے مجھ سے چھین لیا)

اکثر کی یہ عادت ہوتی ہے کہ وہ اپنے بزرگوں کی چیزیں برکت یا یادگار کے طور پر نہایت اہتمام سے رکھتے ہیں اور ان سے محبت کرتے ہیں۔ بالکل اسی طرح سالک اللہ پاک کی محبت میں اس کی مخلوق سے بھی محبت کرنے لگ جاتا ہے۔ اس حدیث میں اسی محبت کا بیان ہے۔

(۱۱)۔ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَلَدِهِ، وَوَالِدِهِ، وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ".

(سنن ابن ماجہ، ج:۱، رقم الحدیث:۶۷)

(حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی اس وقت تک کامل ایمان والا نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کی اولاد، والد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں)

حضور نبی پاک ﷺ سے محبت دراصل اللہ پاک سے ہی محبت کرنا ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ۔ (سورۃ آلِ عمران، آیت:۳۱) فرما دیجیے! اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری تابعداری کرو، اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا۔

(۱۲)۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ هِشَامٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَهُوَ آخِذٌ بِيَدِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، فَقَالَ لَهُ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، لَأَنْتَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ إِلَّا مِنْ نَفْسِي. فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، حَتَّى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْكَ مِنْ نَفْسِكَ". فَقَالَ لَهُ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: فَإِنَّهُ الْآنَ وَاللّٰهِ لَأَنْتَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ نَفْسِي. فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "الْآنَ يَا عُمَرُ". (صحیح بخاری، ج:۳، رقم الحدیث:۱۵۷۱)

(حضرت عبداللہ بن ہشام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے میری جان کے سوا تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے (تمہارا ایمان کامل نہیں) جب تک کہ میں تمہیں تمہاری جان سے بھی زیادہ محبوب نہ ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اب اللہ پاک کی قسم! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھ کو میری جان سے بھی زیادہ عزیز ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے عمر! اب تیرا ایمان کامل ہوگیا)

(۱۳)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللّٰهَ قَالَ: "مَنْ عَادٰى لِي وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالْحَرْبِ، وَمَا تَقَرَّبَ إِلَيَّ عَبْدِي بِشَيْءٍ أَحَبَّ إِلَيَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَيْهِ، وَمَا يَزَالُ عَبْدِي يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتَّى أُحِبَّهُ، فَإِذَا أَحْبَبْتُهُ كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ، وَبَصَرَهُ الَّذِي يُبْصِرُ بِهِ، وَيَدَهُ الَّتِي يَبْطِشُ بِهَا، وَرِجْلَهُ الَّتِي يَمْشِي بِهَا، وَإِنْ سَأَلَنِي لَأُعْطِيَنَّهُ، وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِي لَأُعِيذَنَّهُ".

(صحیح بخاری، ج:۳، رقم الحدیث:۱۴۴۹)

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ پاک فرماتا ہے کہ جس نے میرے ولی سے دشمنی کی، میں اس سے اعلان جنگ کرتا ہوں اور جن چیزوں کے ذریعے میرا بندہ میرا قرب حاصل کرتا ہے مجھے میری فرض کردہ چیزوں سے زیادہ محبوب ہیں اور نوافل کے ذریعہ میرا قرب حاصل کرتا ہے۔ یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔ جب میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو اس کے کان ہوجاتا ہوں، جس سے وہ سنتا ہے۔ اس کی آنکھ ہوجاتا ہوں، جس سے وہ دیکھتا ہے۔ اس کا ہاتھ ہوجاتا ہوں، جس سے وہ پکڑتا ہے۔ اس کا پاؤں ہوجاتا ہوں، جس سے وہ چلتا ہے۔ اگر وہ مجھ سے کوئی چیز مانگتا ہے تو میں اسے دیتا ہوں۔ اگر وہ مجھ سے پناہ مانگے تو پناہ دیتا ہوں)

(۱۴)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "إِذَا أَحَبَّ اللّٰهُ الْعَبْدَ نَادٰى جِبْرِيلَ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ فُلَانًا فَأَحْبِبْهُ فَيُحِبُّهُ جِبْرِيلُ، فَيُنَادِي جِبْرِيلُ فِي أَهْلِ السَّمَاءِ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ فُلَانًا فَأَحِبُّوهُ فَيُحِبُّهُ أَهْلُ السَّمَاءِ، ثُمَّ يُوضَعُ لَهُ الْقَبُولُ فِي الْأَرْضِ". (صحیح بخاری، ج:۲، رقم الحدیث:۴۶۹)

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو حضرت جبریل علیہ السلام کو ندا دیتا ہے کہ میں فلاں سے محبت کرتا ہوں، لہٰذا تو بھی اس سے محبت رکھ تو حضرت جبریل علیہ السلام اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ پھر حضرت جبریل علیہ السلام تمام اہل آسمان کو ندا دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں کو دوست رکھتا ہے تم بھی اسے دوست رکھو تو آسمان والے بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ پھر دنیا میں (بھی) اس کی مقبولیت پیدا کر دی جاتی ہے)

۴۔ محبت کی اقسام

محبت کی تین قسمیں ہیں: محبت طبعی، محبت عقلی اور جذباتی محبت، جن کی تفصیل کچھ یوں ہے:

(۱)۔ **محبت طبعی:** وہ محبت جس کی بنیاد کوئی طبعی وابستگی یا کوئی فطری تقاضا ہوتا ہے۔ اس میں عقل یا خارجی ضرورت اور دباؤ کا کوئی دخل نہیں ہوتا اسے طبعی محبت کہتے ہیں۔ اس محبت پر انسان کو اختیار نہیں ہوتا۔ اس کی بہترین مثال والدین کی اپنی اولاد سے محبت ہے۔

(۲)۔ **محبت عقلی:** محبت طبعی کے برخلاف ایک محبت عقلی ہوتی ہے جو کسی طبعی وفطری وابستگی اور تقاضے کے تحت نہیں ہوتی بلکہ کسی عقلی ضرورت ومناسبت اور خارجی وابستگی کے تحت کی جاتی ہے۔ اس کی مثال مریض اور دوا ہے۔ بیمار آدمی دوا کو اس لیے پسند نہیں کرتا کہ دوا لینا اس کا طبعی اور فطری تقاضا ہے۔ بلکہ یہ دراصل عقل کا تقاضا ہوتا ہے۔ اگر بیماری کو ختم کرنا ہے تو دوا استعمال کرنی ہوگی خواہ اس کی تلخی اور کڑواہٹ طبیعت پر کتنی ہی گراں کیوں نہ گزرے۔ اہل ایمان سے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسی عقلی محبت کا تقاضا کیا گیا ہے۔ (دیکھیے سنن ابن ماجہ، ج:۱، رقم الحدیث: ۶۷)

(۳)۔ **جذباتی محبت:** کسی چیز کو عقلی طور پر چاہنے اور پسند کرنے کی وہ کیفیت جس کو عقلی محبت سے تعبیر کرتے ہیں، بعض حالات میں اتنی شدید، اتنی گہری اور اتنی اہم بن جاتی ہے کہ بڑی سے بڑی طبعی محبت اور بڑے سے بڑے فطری تقاضے پر بھی غالب آجاتی ہے۔ یعنی عقلی محبت کمال ایمان ویقین کی بنا پر اتنی پر اثر، اتنی بھرپور اور اس کی قدر جذباتی وابستگی کے ساتھ ہو کہ طبعی محبت پر غالب آجائے، جذباتی محبت کہلاتی ہے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت محض عقلی و اصولی ہی نہیں تھی بلکہ جذباتی بھی تھی۔ لیکن یہ جذبات کبھی کتاب وسنت اور حدود سے متجاوز نہیں ہوتے تھے۔ اس جذباتی محبت کا یہ حال تھا کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین خود بڑی سے بڑی تکلیف اٹھا لیتے تھے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک کانٹے کا چبھنا بھی گوارا نہیں کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت میں ان کے اپنے جسم تیروں سے چھلنی ہو جاتے تھے لیکن وہ یہ نہیں برداشت کر سکتے تھے کہ ان کے جیتے جی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بال بھی بیکا ہو۔ مرد تو مرد، عورتوں تک کے جذبات کا یہ حال تھا کہ وہ اپنے بیٹے، شوہر، باپ اور بھائی سب کو قربان کر کے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سلامتی کی آرزو رکھتی تھیں۔

محبت کی اس کے علاوہ بھی کچھ ذیلی اقسام ہیں جو حسب ذیل ہیں:

(۴)۔ **محبت فعلیہ:** یہ محبت عام انسانوں کی ہے جو وہ اللہ پاک سے اس کے انعام واکرام اور احسانات کے سبب کرتے ہیں۔

(۵)۔ **محبت صفاتیہ:** کسی شخص کا کسی میں کوئی کمال دیکھ کر اس کی طرف مائل ہونا اور ان عادات و خصوصیات کو اختیار کرنا جو اسے اپنے محبوب سے قریب کرتی ہوں، محبت صفاتیہ کہلاتی ہے۔ یہ خواص کی محبت ہے۔ ان کا مطمح نظر جمال اور جلال الٰہی ہوتا ہے۔ وہ بلا امید و معاوضہ اس سے محبت کرتے ہیں۔

(۶)۔ **محبت ذاتیہ:** یہ خاص الخواص اور مقربین کی محبت ہے۔ مقربین اللہ پاک کی حکمت ومشیت کے مطابق **و فی انفسکم افلا تبصرون** وہ اپنی ذات میں بس جلوہ محبوب دیکھتے اور خود سراپا محبوب بن جاتے ہیں۔

۵۔ محبت کے درجات

محبت کے مندرجہ ذیل تین درجات ہیں:

(۱)۔ **عام لوگوں کی محبت:** یہ وہ محبت ہے جو اللہ پاک کے احسانات سے ان لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوتی ہے۔ کیونکہ انسان کا دل فطری طور پر اپنے محسن کی طرف مائل ہوتا ہے۔ حضرت سمنونؒ محبت

کے اس درجے کے بارے میں فرماتے ہیں کہ محبوب کو ہمیشہ یاد کرنے ہی سے محبت خالص حاصل ہوتی ہے۔جس نے واقعی محبت کی، اس نے ذکرِ حبیب کی کثرت کی۔(کتاب اللمع،ص: ۹۹) دل کی یہ جبلت ہے کہ جو اسے راضی رکھتا ہے، اس سے محبت کرتا ہے اور جو اسے ناراض کرتا ہے، اس سے نفرت کرتا ہے۔

(۲)۔ **صادقین کی محبت:** جو اللہ پاک کی بے نیازی، جمال، عظمت اور علم وقدرت کو دیکھ کر ان کے دلوں میں پیدا ہوتی ہے۔ اس کی مثال شیخ ابوالحسن نوریؒ کے اس قول سے ملتی ہے: محبت کیا ہے؟ حجابات کا اٹھنا اور رازہائے سربستہ کا ظاہر ہونا۔(کتاب اللمع،ص:۱۰۰)

(۳)۔ **صدیقین وعارفین کی محبت:** جو ان کی معرفت کامل کا نتیجہ ہوتی ہے۔ وہ بغیر کسی علت وسبب کے اللہ پاک سے محبت رکھتے ہیں۔ اس محبت میں نہ جنت کا لالچ ہوتا ہے اور نہ دوزخ کا خوف محض رضائے الٰہی۔ یہ محبت بڑی شدید ہوتی ہے۔ یہ سالکین قران کی آیت: **وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ**۔(سورۃ البقرہ، آیت:۱۶۵) کے مصداق ہوتے ہیں۔

حضرت جنید بغدادیؒ محبت کے اسی درجے کے بارے میں فرماتے ہیں کہ محبت، صفات محب کے صفات محبوب سے بدل جانے کو کہتے ہیں۔(کتاب اللمع،ص:۱۰۰) آپؒ کا یہ قول ایک حدیث قدسی سے ماخوذ ہے جس میں اللہ پاک فرماتا ہے کہ جس نے میرے ولی سے دشمنی کی، میں اس سے اعلان جنگ کرتا ہوں۔ جن چیزوں کے ذریعے میرا بندہ میرا قرب حاصل کرتا ہے وہ مجھے میری فرض کردہ چیزوں سے زیادہ محبوب ہیں اور میرا بندہ نوافل کے ذریعہ میرا قرب حاصل کرتا ہے۔ یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔ جب میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو اس کے کان ہو جاتا ہوں، جس سے وہ سنتا ہے۔ اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں، جس سے وہ دیکھتا ہے۔ اس کا ہاتھ ہو جاتا ہوں، جس سے وہ پکڑتا ہے۔ اس کا پاوں ہو جاتا ہوں، جس سے وہ چلتا ہے۔ اگر وہ مجھ سے کوئی چیز مانگتا ہے تو میں اسے دیتا ہوں۔ اگر وہ مجھ سے پناہ مانگے تو پناہ دیتا ہوں۔

(صحیح بخاری، ج:۳، رقم الحدیث:۱۴۴۹)

اس کی بہترین مثال حضرت رابعہ بصریؒ کا عمل ہے۔ ایک مرتبہ حضرت رابعہ بصریؒ اللہ پاک کی

محبت میں مدہوش ایک ہاتھ میں آگ اور دوسرے ہاتھ میں پانی لیے ہوئے تھیں۔ پوچھنے پر بتایا کہ میں آگ سے جنت کو جلانے اور پانی سے دوزخ کی آگ بجھانے جا رہی ہوں، تاکہ لوگ اپنے معبود حقیقی کی عبادت جنت کے لالچ یا دوزخ کے خوف سے نہ کریں، بلکہ لوگوں کی عبادت کا مقصد محض اللہ پاک کی محبت ہو۔

۶۔ محبت کے مراتب

محبت کے دس مراتب حسب ذیل ہیں:

(۱)۔ محبت کی ابتدائی کیفیت کو علاقہ (تعلق محسوس ہونا) کہتے ہیں۔ اس مرتبہ پر سالک دل میں اللہ پاک سے تعلق محسوس کرتا ہے۔

(۲)۔ پھر یہی کیفیت کچھ مزید بڑھتی ہے تو ارادہ کہلاتی ہے۔ سالک ارادۃً اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔

(۳)۔ پھر اس حالت کے زیادہ شدید ہونے پر اسے محبت خداوندی اپنی طرف کھینچتی ہے۔ یہاں تک کہ محفل میں ہوتے ہوئے بھی سالک کا دل اللہ پاک کی طرف ہی متوجہ ہوتا ہے۔

(۴)۔ اس کا چوتھا مرتبہ الغرام کہلاتا ہے۔ یعنی سالک کے لیے اللہ پاک لازم ہو جاتا ہے۔

(۵)۔ جب یہ زیادہ تیزی پکڑھتی ہے تو سالک اپنے دل میں اللہ پاک کے لیے محبت محسوس کرنے لگتا ہے۔

(۶)۔ پھر جب یہ اور زیادہ بڑھتی ہے تو اسے شغف کہتے ہیں۔ محبت سالک کے غلاف قلب تک پہنچ جاتی ہے۔ قرآن پاک میں بھی یہ لفظ استعمال ہوا ہے:

قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا. (سورۃ یوسف، آیت: ۳۰)
(اس کی محبت، اس کے دل میں گھر کر گئی)

(۷)۔ پھر جب محبت مزید بڑھتی ہے تو اسے عشق کہتے ہیں۔ یعنی شدید ترین محبت۔ قرآن پاک میں اسے کچھ یوں بیان کیا گیا ہے:

وَالَّذِيْنَ آمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ. (سورۃ البقرہ، آیت: ۱۶۵)

(اور جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہیں)

(۸)۔ محبت کا آٹھواں مرتبہ یہ ہے کہ سالک محبوب کو اپنا مطلوب و مقصود ٹھہرانے کے بعد اسے پوجتا ہے۔ اس کے آگے سجدہ ریز ہونے کو دل کرتا۔ سالک جو اللہ پاک کو سجدہ کرتا ہے، وہ محبت کی اس کیفیت کی وجہ سے کرتا ہے۔

(۹)۔ محبت کا نواں مقام التعبد ہے۔ اسی لیے عبودیت، انسان کے لیے سب سے بلند ترین مقام ہے۔ حضور نبی پاک ﷺ کے لیے قرآن پاک میں عبد کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

(۱۰)۔ محبت کا آخری مقام یہ ہے کہ اللہ پاک بندے کو اپنا خلیل بنا لے۔ اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور حضور نبی پاک ﷺ کو اپنا خلیل بنایا۔ جیسا کہ آپ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

فَإِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی قَدِ اتَّخَذَنِي خَلِيلًا، كَمَا اتَّخَذَ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا، وَلَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا مِنْ أُمَّتِي خَلِيلًا، لَاتَّخَذْتُ أَبَابَكْرٍ خَلِيلًا. (صحیح مسلم، ج:۱، رقم الحدیث: ۱۱۸۳)

(اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنا خلیل بنایا ہے جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا تھا اور اگر میں اپنی امت سے کسی کو اپنا خلیل بناتا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بناتا)

یہ محبت کا سب سے بڑا اور انتہائی مقام ہے۔

۷۔ محبت کے اسباب

محبت کے تین اسباب ہیں:

(i)۔ کسی کے احسان کے سبب اس سے محبت ہو جائے۔

(ii)۔ وہ نہایت حسین و جمیل ہو اور حسن و جمال کی وجہ سے اس کی طرف میلان خاطر ہو۔

(iii)۔ کسی میں کوئی کمال پایا جاتا ہو اور وہ کمال محبت کا باعث ہو۔ یہ تینوں اسباب اللہ پاک کی ذات بابرکات میں بدرجہ اتم پائے جاتے ہیں۔ اللہ پاک کے سوا کسی میں بھی بالذات کمالات نہیں ہیں۔ اس لیے کاملین کو اللہ پاک کے سوا کسی سے محبت عقلی نہیں ہوسکتی۔ ہاں طبعی محبت یعنی عشق اللہ پاک کے علاوہ سے بھی ہوسکتا ہے۔

۸۔ محبت کے بارے میں اقوال

محبت کے بارے میں اکابرین امتؒ سے بہت خوبصورت اقوال منسوب ہیں، ان میں سے کچھ درج ذیل ہیں:

(۱)۔ حضرت امام حسین بن علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بندہ اللہ پاک کی محبت میں اپنی پوری کوشش کرے پھر جو اس کی منشا ہو وہ کرے، یہی محبت ہے۔ (کتاب اللمع، ص:۱۰۰)

(۲)۔ شیخ ضیاء الدین سہروردیؒ فرماتے ہیں کہ محبت، محبوب کے ساتھ اس کی پسندیدہ اور ناپسندیدہ چیزوں میں موافقت کا نام ہے۔ (آداب المریدین، ص:۳۷)

(۳)۔ حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں: اصل محبت یہ ہے کہ تم اس چیز سے پیار رکھو جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔ اس چیز سے بغض رکھو جو اللہ پاک کو ناپسند ہے۔ ہر بھلائی کا کام کرو۔ ہر اس چیز کو چھوڑ دو جو اللہ تعالیٰ سے ملنے کی راہ میں رکاوٹ بنتی ہے۔ اللہ پاک کے بارے میں کسی چیز سے ذرہ بھر بھی خوف نہ رکھو مومنوں پر مہربان رہو۔ کفر پر سختی برتو اور دین کے معاملے میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فرماں برداری کرتے رہو۔ (طبقات صوفیہ، ص:۳۳-۳۴)

(۴)۔ حضرت ابوالحسن نوریؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص اللہ پاک کی محبت تک جا پہنچا، وہ اس کا قرب پا گیا۔ جو قرب الٰہی کو ذریعہ بنا لے تو اللہ پاک بندوں میں سے اسے چن لیتا ہے۔

(طبقات صوفیہ، ص:۱۱۸)

(۵)۔ حضرت ابوالحسن نوریؒ فرماتے ہیں کہ محبت، پردے دور کرنے اور بھید کھول دینے کو کہتے ہیں۔

(رسالہ قشیریہ، ص:۳۷۸)

(۶)۔ حضرت رویم بن احمدؒ فرماتے ہیں کہ ہر حال میں، ہر حال کے موافق ہو جانا، محبت کہلاتا ہے اور محبت اسے کہتے ہیں کہ سالک اپنے محبوب کے علاوہ ہر شے کو بیگانہ سمجھے۔

(طبقات صوفیہ، ص:۱۳۱)

(۷)۔ حضرت ابوبکر بن یز دانیار ارمویؒ فرماتے ہیں کہ محبت درحقیقت موافق ہونے کا نام ہے۔محبت کرنے والا وہ ہوتا ہے کہ جس کے محبوب کی رضامندی ہر شے پر اثر کرتی ہے۔

(طبقات صوفیہ،ص:۲۸۶)

(۸)۔ حضرت بنداد بن حسینؒ فرماتے ہیں کہ محبت رغبت (توجہ) ہوتی ہے۔محبت بےقراری ہے۔

(طبقات صوفیہ،ص:۳۳۰)

(۹)۔ حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ محبت دلوں کے جھکاؤ کا نام ہے۔سالک کا دل اللہ تعالیٰ اور اس کی ہر چیز کی طرف بے دھڑک جھکاؤ کر لے۔(کتاب التعرف،ص:۱۹۳)

(۱۰)۔ حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں: محبت یہ ہے کہ تم اس سے محبت کرو جسے اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں پسند کرتا ہے اور اسے ناپسند کرو جسے اللہ پاک اپنی مخلوق میں ناپسند کرتا ہے۔

(طبقات صوفیہ،ص:۱۱٦)

(۱۱)۔ حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ محبت کرنے والے میں محبوب کی صفات کا آجانا محبت کہلاتا ہے۔(رسالہ قشیریہ،ص:۳۷۵)

(۱۲)۔ حضرت بایزید بسطامیؒ فرماتے ہیں: محبت یہ ہے کہ سالک اپنی طرف سے بہت زیادہ عبادت کو معمولی سمجھے اور دوست کی تھوڑی سی عطا کو بہت زیادہ جانے۔(رسالہ قشیریہ،ص:۳۷۵)

(۱۳)۔ امام محمد کتانیؒ فرماتے ہیں کہ محبوب کو اپنے سے پہلے سمجھنا، محبت ہے۔

(کتاب التعرف،ص:۱۹۳)

(۱۴)۔ حضرت ابوعبداللہ نباجیؒ فرماتے ہیں کہ مخلوق میں دلچسپی لینا اور خالق میں ختم ہو جانا محبت ہے۔

(کتاب التعرف،ص:۱۹۳)

(۱۵)۔ حضرت ابن عبدالصمدؒ فرماتے ہیں کہ محبت ایسی حالت ہوتی ہے جو اندھا اور بہرہ کر دیتی ہے اور جب محبوب کے سوا ہر چیز سے اندھا کرتی ہے تو وہ اس کے علاوہ کسی اور کو نہیں چاہتا۔

(کتاب التعرف،ص:۱۹۵)

(۱۶)۔ حضرت حاتم اصمؒ فرماتے ہیں کہ اصل عبادت تین چیزیں بنتی ہیں: خوف، امید اور محبت۔

(طبقات صوفیہ، ص: ۷۴)

(۱۷)۔ حضرت علی بن سہل اصفہانیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ پاک سے محبت کرنے والا ہر شے سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ (طبقات صوفیہ، ص: ۱۶۶)

(۱۸)۔ حضرت محمد بن علیانؒ فرماتے ہیں کہ اللہ پاک سے محبت کرنے والا سالک عبادت سے خوش دکھائی دیتا ہے اور گناہوں کو بوجھ سمجھتا ہے۔ (طبقات صوفیہ، ص: ۲۹۴)

(۱۹)۔ حضرت سہل بن عبداللہ تستریؒ فرماتے ہیں کہ محبت اللہ پاک کی جانب سے ہر چیز پر راضی رہنے، اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ پاک کے حضور مناجات و فریاد کی شرینی و حلاوت کے باوصف ذکر خداوندی میں دوام پیدا کرنے کا نام ہے۔ (کتاب اللمع، ص: ۹۹-۱۰۰)

(۲۰)۔ حضرت سہل بن عبداللہ تستریؒ فرماتے ہیں کہ اطاعت پر قائم رہنا اور مخالفت سے کنارہ کش ہونا محبت ہے۔ (رسالہ قشیریہ، ص: ۵۷۳)

(۲۱)۔ حضرت ابراہیم خواصؒ فرماتے ہیں کہ محبت اپنے جملہ ارادوں کی نیستی (خاتمہ) اور تمام صفات و حاجات کو جلا کر راکھ کر دینے سے حاصل ہوتی ہے۔ (کتاب اللمع، ص: ۱۰۰)

(۲۲)۔ حضرت ابوعبداللہ قرشیؒ فرماتے ہیں: حقیقی محبت یہ ہوتی ہے کہ محب اپنا سب کچھ محبوب کو پیش کر دے اور اپنا کچھ بھی نہ رہے۔ (رسالہ قشیریہ، ص: ۵۷۳)

(۲۳)۔ حضرت شبلیؒ فرماتے ہیں کہ محبت کو اس لیے محبت کہتے ہیں کہ یہ محبوب کے علاوہ دل سے ہر چیز کو مٹا دیتی ہے۔ (رسالہ قشیریہ، ص: ۵۷۳)

(۲۴)۔ حضرت ابوعلی دقاقؒ فرماتے ہیں کہ محبت لذت کو کہتے ہیں۔ (رسالہ قشیریہ، ص: ۵۷۳)

(۲۵)۔ حضرت محمد بن فضلؒ فرماتے ہیں کہ محبت، محبوب کی محبت کے سوا دل سے ہر محبت نکالنے کا نام ہے۔ (رسالہ قشیریہ، ص: ۵۷۶)

(۲۶)۔ امام قشیریؒ فرماتے ہیں: محبت یہ ہے کہ سالک اپنی تمام صفتوں کومحبوب کی طلب اور اس کی ذات کے اثبات میں فنا کردے۔(کشف المحجوب،ص: ۴۱۴)

۹۔ محبت کے واقعات

ذیل میں بزرگان دین کے محبت کے واقعات نقل کیے جاتے ہیں:

(۱)۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ محبت کا بہترین نمونہ تھے۔آپ رضی اللہ عنہ بڑے مالدار تھے۔آپ رضی اللہ عنہ نے اللہ پاک کی راہ میں اپنا مال بے دریغ خرچ کیا۔حضرت بلال رضی اللہ عنہ کوخرید کر آزاد کیا حالانکہ اس کے مالک نے بہت زیادہ قیمت طلب کی تھی۔اسی طرح بہت سے غلام آزاد کرائے۔آپ رضی اللہ عنہ کی حالت یہاں تک پہنچ گئی کہ ایک روز حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ایک موٹا کرتا پہنا ہوا تھا جو کئی جگہ سے پھٹا ہوا تھا۔آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے پھٹے ہوئے کرتے کو کانٹوں سے جوڑ رکھا تھا۔اس وقت حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سلام بھیجا ہے اور ارشاد فرمایا ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ سے دریافت کرو کہ پہلے وہ حالت تھی،اب یہ حالت ہے،تمہیں ہم سے شکایت تونہیں؟

جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو یہ پیغام سنایا تو آپ رضی اللہ عنہ یہ پیغام سنتے ہی اللہ پاک سے محبت کی شدت سے بے ہوش ہو گئے۔جب ہوش میں آئے تو پھر دریافت کیا گیا تو آپ رضی اللہ عنہ پھر بے ہوش ہو گئے۔دوسری دفعہ ہوش میں آ کر عرض کیا: یہ اللہ پاک کی کمال مہربانی ہے کہ میرا حال دریافت فرمایا۔ایک بندہ کو اپنے آقا سے کیا شکایت ہوسکتی ہے۔

(تربیۃ العشاق،ص:۳۰۶-۳۰۷)

(۲)۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۶۲۸ء میں چودہ سو(۱۴۰۰)مسلمانوں کے ہمراہ مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کی طرف عمرہ کے ارادہ سے روانہ ہوئے۔عرب کے اس وقت کے رواج کے مطابق غیر مسلح افراد چاہے وہ دشمن کیوں نہ ہوں کعبہ کی زیارت اور عمرہ کر سکتے تھے۔یہی وجہ تھی کہ مسلمان تقریباً غیر مسلح تھے۔مگر عرب کے رواج کے برخلاف مشرکین مکہ نے ایک مسلح دستے کے ساتھ

مسلمانوں کو حدیبیہ کے مقام پر مکہ معظّمہ کے باہر ہی روک لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو سفیر بنا کر مکہ بھیجا۔ ان کے واپس آنے میں تاخیر ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بیعت لی جو بیعت رضوان کے نام سے مشہور ہے۔ اس بیعت میں مسلمانوں نے عہد کیا کہ وہ مرتے دم تک حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے۔ اس بیعت کی خبر مکہ والوں کو ہوئی اور انہوں نے مسلمانوں کو جنگ کے لیے تیار پایا تو صلح پر آمادہ ہو گئے۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ والوں کی شرائط کو قبول فرما لیا۔ اس معاہدے کی طے پانے والی شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی تھی کہ اگر کوئی مسلمان مکہ سے دوڑ کر مسلمانوں کے پاس مدینہ منورہ چلا جائے تو مسلمان اسے واپس کریں گے لیکن اگر کوئی مدینہ سے دوڑ کر مکہ آ جائے تو کفار مکہ اسے واپس نہیں کریں گے۔

ابھی صلح حدیبیہ کا معاہدہ لکھا جا رہا تھا تو حضرت ابوجندل رضی اللہ عنہ اپنی بیڑیوں سمیت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گئے۔ انہیں ان کے باپ نے اسلام قبول کرنے کی پاداش میں بطور سزا گھر میں قید کر رکھا تھا۔ انہیں اس حالت میں دیکھ کر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ معاہدے کے مطابق جب حضرت ابوجندل رضی اللہ عنہ کو ان کے والد کے سپرد کر دیا گیا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اچھل کر حضرت ابوجندل رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے۔ آپ رضی اللہ عنہ اس کے پہلو میں چلتے جا رہے تھے اور کہتے جا رہے تھے: ابوجندل رضی اللہ عنہ! صبر کرو، یہ لوگ مشرک ہیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ محبت الٰہی میں مدہوشی کی حالت میں وہاں سے لوٹے تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یارسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے سچے رسول نہیں ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیوں نہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا ہم حق پر اور وہ باطل پر نہیں ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیوں نہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا ہمارے مقتولین جنت میں اور ان کے جہنم میں نہیں ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیوں نہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا: پھر ہم کیوں اپنے دین میں دنائت (متوسط عمل) قبول کریں؟ اور ایسی حالت میں پلٹیں کہ اللہ پاک نے ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ نہ کیا ہو؟

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: عمر (رضی اللہ عنہ) میں اللہ پاک کا رسول ہوں اور اس کی نافرمانی نہیں کر سکتا۔ وہ میری مدد کرے گا اور مجھے ہرگز ضائع نہیں کرے گا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم سے یہ بیان نہیں کیا تھا کہ ہم بیت اللہ کے پاس پہنچیں گے اور اس کا طواف کریں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیوں نہیں، مگر کیا میں نے یہ بھی کہا تھا کہ ہم اسی سال طواف کریں گے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم بہر حال بیت اللہ پہنچو گے اور اس کا طواف کرو گے۔

اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اسی حالت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور ان سے بھی وہ باتیں کیں جو رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کر چکے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی وہی جوابات دیے جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دے چکے تھے۔ البتہ آخر میں یہ بھی کہا کہ اے عمر رضی اللہ عنہ! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رکاب تھامے رہو۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تابع رہو، بخدا! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم برحق رسول ہیں۔ (حجۃ اللہ البالغہ، ج: ۴، ص: ۴۸۳ - ۴۸۴)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی یہ کیفیت اللہ پاک، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہل ایمان سے شدید محبت کی وجہ سے پیدا ہو گئی تھی۔

(۳)۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ کچھ لوگوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے ساتھ کچھ آدمی بھیج دیں جو ہمیں قرآن وسنت کی تعلیم دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے ساتھ انصار میں سے ستر آدمی بھیج دیے جنہیں قراء (قرآن پاک کے قاری) کہا جاتا تھا۔ ان میں میرے ماموں حضرت حرام رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ قرآن پڑھتے تھے اور رات کو درس وتدریس میں مشغول رہتے تھے۔ دن کے وقت پانی لا کر مسجد میں ڈالتے تھے۔ جنگل سے لکڑیاں لا کر انہیں فروخت کر دیتے اور اس سے اہل صفہ اور فقراء کے لیے کھانے کی چیزیں خریدتے تھے۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں کفار کی طرف بھیج دیا۔ منزل مقصود تک پہنچنے سے پہلے ہی کفار نے حملہ کر کے مسلمانوں کو شہید کرنا شروع کر دیا۔ تو انہوں نے اللہ پاک کے حضور عرض کی: اے اللہ پاک! ہمارا یہ پیغام ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچا دے کہ ہم

تجھ سے ملاقات کر چکے ہیں۔ ہم تجھ سے راضی ہیں اور تو ہم سے راضی ہو چکا ہے۔ اسی دوران ایک آدمی نے آ کر حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ماموں حضرت حرام رضی اللہ عنہ کو پیچھے سے اس طرح نیزہ مارا کہ وہ آر پار ہو گیا۔ حضرت حرام رضی اللہ عنہ نے کہا: رب کعبہ کی قسم! میں کامیاب ہو گیا۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ارشاد فرمایا: بیشک تمہارے بھائیوں کو قتل کر دیا گیا ہے۔ بیشک انہوں نے یہ کہا ہے: اے اللہ! ہماری طرف سے یہ پیغام ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچا دے کہ ہم تجھ سے ملاقات کر چکے ہیں اور ہم تجھ سے راضی ہو چکے ہیں اور تو ہم سے راضی ہو چکا ہے۔ (صحیح مسلم، ج: ۳، رقم الحدیث: ۴۲۰)

اس قول سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حرام رضی اللہ عنہ کو اس عاشقانہ موت کی شدت سے تمنا تھی جس کے حصول پر وہ بہت خوش ہوئے اور شہادت پر اپنی کامیابی کا اعلان کیا، حالانکہ انسان طبعی طور پر موت کو ناپسند کرتا ہے۔

(۴)۔ حضرت ابوبکر شبلیؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں بازار میں سے گزر رہا تھا کہ ایک جماعت نے مجھ پر آوازیں بلند کرنا شروع کر دیں: دیکھو پاگل جا رہا ہے۔ میں نے ان کے جواب میں کہا: میں تمہارے نزدیک دیوانہ ہوں اور تم میرے نزدیک تندرست ہو۔ اچھا اللہ تعالیٰ میری اس دیوانگی کو مزید بڑھائے اور تمہاری صحت میں اضافہ فرمائے۔

آپؒ اللہ پاک کی محبت میں مدہوش تھے۔ اس لیے لوگ آپؒ کو دیوانہ سمجھتے تھے۔ اسی لیے آپؒ نے جواب دیا کہ بھائیو! میں اس دیوانگی سے شفا کا طلب گار نہیں، میں تو یہ دعا کرتا ہوں کہ اللہ پاک میرے اس جنون کو اور بڑھائے۔ (کشف المحجوب، ص: ۲۲۸)

(۵)۔ حضرت بشر حافیؒ بہت بڑے بزرگ گزرے ہیں۔ آپؒ کی ابتدائی زندگی غفلت میں گزری۔ ایک دن جب آپؒ نیم مدہوشی کی حالت میں کہیں جا رہے تھے راستے میں ایک کاغذ پڑا ملا جس پر بسم اللہ شریف لکھی ہوئی تھی۔ آپؒ نے اسے اٹھا کر جلدی سے صاف کیا، خوشبو لگائی اور ادب سے طاق پر رکھ دیا۔ اسی رات خواب میں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے بشر تم نے نشے کی حالت میں میرا نام ادب سے زمین سے اٹھایا، اس کا بوسہ لیا اور اسے عطر لگایا۔ اس وقت بھی اس

حالت میں بھی تم نے مجھے یادرکھا۔اس کے صدقہ میں میں تم کو اپنا ولی بناتا ہوں اور تمہیں اپنی محبت عطا کرتا ہوں۔اس کے بعد حضرت بشر حافیؒ کو ولایت نصیب ہوئی۔ جب انہوں نے یہ بات سنی تب ننگے پاؤں تھے۔ پھر اس خیال سے ساری زندگی جوتا نہ پہننا کہ اللہ پاک نے انہیں جس وقت محبت کا پیغام بھیجا وہ اس وقت ننگے پاؤں تھے۔(تذکرۃ الاولیا)

(۶)۔ حضرت محمد بن واسعؒ ایک دن حضرت رابعہ بصریؒ کے پاس گئے۔انہوں نے دیکھا کہ آپؒ ایک طرف کو جھکی ہوئی ہیں۔دریافت کیا: یہ جھکنا کیسا ہے؟ حضرت رابعہؒ نے جواب دیا: آج رات میں اللہ پاک کی محبت میں مدہوش ہوگئی تھی۔ مجھ پر اس نشے کا اثر ہے۔(طبقات صوفیہ،ص:۳۶۹)

(۷)۔ ایک مرتبہ حضرت رابعہ بصریؒ اللہ پاک کی محبت میں مدہوش بصرہ شہر کی گلیوں میں ایک ہاتھ میں مشعل اور دوسرے ہاتھ میں پانی لیے جارہی تھیں۔لوگوں نے دریافت کیا کہ آپؒ کیا کرنے جا رہی ہیں؟ تو حضرت بی بی نے جواب دیا کہ میں آگ سے جنت کو جلانے اور پانی سے دوزخ کی آگ بجھانے جارہی ہوں، تاکہ لوگ اپنے معبود حقیقی کی عبادت جنت کے لالچ یا دوزخ کے خوف سے نہ کریں، بلکہ لوگوں کی عبادت کا مقصد محض محبت الٰہی ہو۔

(۸)۔ ایک مرتبہ حضرت رابعہ بصریؒ سے پوچھا گیا: کیا آپؒ شیطان سے نفرت کرتی ہیں؟ آپؒ نے جواب دیا: اللہ پاک کی محبت نے میرے دل میں اتنی جگہ ہی نہیں چھوڑی کہ اس میں کسی اور کی نفرت یا محبت سما سکے۔

(۹)۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک شخص نے کسی دیوانے سے ایسا عمل سرزد ہوتے دیکھا جو خلاف توقع تھا۔ اس نے حضرت معروف کرخیؒ کی خدمت میں پہنچ کر یہ واقعہ بیان کیا تو آپؒ نے فرمایا: اللہ پاک کے عشاق میں سے کچھ چھوٹے ہیں تو کچھ بڑے۔کئی فرزانے ہیں تو کئی دیوانے۔جس آدمی کو تم نے دیکھا ہے اسے عشق الٰہی نے دیوانہ بنا رکھا ہے۔

(۱۰)۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی حضور نبی پاک سے محبت دیدنی تھی۔اس محبت کے غلبہ میں کچھ عجیب واقعات بھی پیش آجاتے تھے۔غزوہ احد میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کچھ زخم آئے۔حضرت مالک بن سنان رضی اللہ عنہ نے ان زخموں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خون چوس چوس کر صاف کرنا شروع

کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے فرمایا: خون تھوک دو۔ حضرت مالک بن سنان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ واللہ! میں اسے ہرگز نہ تھوکوں گا اور اسے نگل لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کسی جنتی کو دیکھنا چاہے تو مالک بن سنان رضی اللہ عنہ کو دیکھ لے۔

(مشکوٰۃ المصابیح، ج:۵، رقم الحدیث:۴۳۰۰)

حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چمڑے کے ایک سرخ خیمہ میں دیکھا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو میں نے دیکھا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے وضو کا پانی لائے اور لوگوں کو دیکھا کہ وہ اس وضو کے پانی کو ہاتھوں ہاتھ لینے لگے۔ جس کو اس میں سے کچھ مل جاتا تو وہ اسے (اپنے چہرہ پر) مل لیتا تھا اور جسے اس میں سے کچھ نہ ملتا وہ اپنے پاس والے کے ہاتھ سے تری لیتا۔ (صحیح بخاری، ج:۱، رقم الحدیث:۳۷۳)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے چمڑے کا فرش بچھایا کرتی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس اس فرش پر قیلولہ فرماتے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سو جاتے تو میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پسینہ مبارک اور بال لے کر ایک شیشی میں جمع کر لیتا۔ پھر میں اس کو خوشبو میں جمع کرتا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جب حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے وصیت کی کہ اس خوشبو میں سے میرے حنوط (وہ خوشبو جو میت کو لگائی جاتی ہے) میں ملا دینا۔ چنانچہ ان کے حنوط میں وہ ملائی گئی۔

(صحیح بخاری، ج:۳، رقم الحدیث:۱۲۳۴)

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خون پینا، وضو کا پانی اپنے ہاتھوں پر لینا اور جسم پر ملنا، بالوں کو سنبھالنا، پسینہ مبارک بطور خوشبو استعمال کرنا غلبہ محبت کی وجہ سے تھا۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کہتے ہیں کہ یہ محبت کے غلبہ کی وجہ سے طاری ہونے والی حالت تھی جو اکثر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو پیش آتی رہتی تھی۔ (حجۃ اللہ البالغہ، ج:۴، ص:۴۸۱)

(۱۱)۔ غزوہ احد کے موقع پر جب معرکہ گرم ہوا۔ اہل ایمان کی مٹھی بھر جماعت پر کفار کے لشکر نے پوری قوت سے حملہ کیا تو ایک انصاری صحابیہ رضی اللہ عنہا کے شوہر، باپ اور بھائی تینوں شہید ہو گئے۔ یہ

دل دہلا دینے والی خبر اس عورت کو بھی پہنچائی گئی۔ مگر ایمان کی پختگی اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کے زیر اثر اپنے لواحقین کی شہادت پر غم زدہ ہونے کے بجائے وہ میدان جنگ سے واپس آنے والے ہر شخص سے ایک ہی سوال کرتی رہی: خدارا! مجھے یہ بتاؤ کہ میرے آقا اور سردار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو خیریت سے ہیں؟ لوگوں نے کہا: ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خیریت سے ہیں۔ اس سے بھی اس کی تسکین نہ ہوئی۔ بے تابانہ کہنے لگی: اچھا چلو! میں اپنی آنکھوں سے دیدار کرلوں تو یقین ہوگا۔ جب اس نے اپنی آنکھوں سے چہرہ انور کی زیارت کرلی تو محبت سے دیوانہ وار پکار اٹھی: جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زندہ سلامت ہیں تو ہر مصیبت آسان ہے۔

(مفہوم حدیث، مشکوٰۃ المصابیح، ج:۱، رقم الحدیث:۶)

(۱۲)۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے اپنے اہل و عیال اور مال سب سے زیادہ محبوب ہیں۔ مجھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یاد آتی ہے تو صبر نہیں آتا جب تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیدار سے اپنی آنکھیں کو ٹھنڈی نہیں کرلیتا۔ مگر اب تو یہی غم کھائے جاتا ہے کہ دنیا سے پردہ فرما جانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو انبیائے کرام علیہم السلام کے ساتھ ہوں گے۔ وہاں میری آنکھیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دیدار کیسے کریں گی۔ اسی موقع پر یہ آیت نازل ہوئی:

وَمَنۡ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوۡلَ فَاُولٰٓـئِكَ مَعَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيۡقِيۡنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيۡنَ‌ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓـئِكَ رَفِيۡقًا. (سورۃ النساء، آیت:۶۹)

(اور جو بھی اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فرماں برداری کرے تو وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ہے۔ یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور نیک لوگ، یہ بہترین ساتھی ہیں)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس صحابی رضی اللہ عنہ کو یہ خوش خبری سنا دی۔

(مفہوم حدیث، مشکوٰۃ المصابیح، ج:۱، رقم الحدیث:۶)

(۱۳)۔ حضرت عبداللہ بن زید بن عبدربہ رضی اللہ عنہ جو صاحب اذان کے لقب سے مشہور تھے، اپنے باغ میں کام کررہے تھے۔ اسی حالت میں ان کے صاحبزادہ نے آکر پریشانی والی خبر سنائی کہ حضور

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا سے پردہ فرما گئے ہیں۔ عشق نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سرشار اور محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سرمست، یہ صحابی رضی اللہ عنہ اس جان گداز خبر کی تاب نہ لا سکے۔ بے تابانہ ہاتھ فضا میں بلند ہوئے اور زبان سے یہ حسرت ناک الفاظ نکلے: اے میرے پروردگار! اب مجھے بینائی کی دولت سے محروم کر دے تاکہ یہ آنکھیں جو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیدار سے مشرف ومنور ہوا کرتی تھیں اب کسی دوسرے کو نہ دیکھ سکیں۔ (مفہوم حدیث، مشکوٰۃ المصابیح، ج:۱، رقم الحدیث:٦)

حوالہ جات

۱۔ آداب المریدین، شیخ ضیاء الدین ابوالنجیب عبدالقاہر سہروردیؒ ترجمہ محمد عبدالباسط۔ لاہور: تصوف فاؤنڈیشن، ۱۹۹۸ء۔

۲۔ تذکرۃ الاولیا، شیخ فریدالدین عطارؒ۔ لاہور: الفاروق بک فاؤنڈیشن، ۱۹۹۷ء۔

۳۔ تربیۃ العشاق، شاہ سید محمد ذوقیؒ۔ کراچی: محفل ذوقیہ، ۱۹۷۴ء۔

۴۔ جامع ترمذی، امام محمد بن عیسیٰ ترمذیؒ ترجمہ مولانا افضل احمد۔ کراچی: دارالاشاعت، ۲۰۰۶ء۔

۵۔ حجۃ اللہ البالغہ: رحمۃ اللہ واسعہ، شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ترجمہ مولانا محمد سعید پالن پوریؒ۔ کراچی: زمزم پبلشرز، ۲۰۰۵ء۔

۶۔ رسالہ القشیریہ فی علم التصوف، امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیریؒ ترجمہ شاہ محمد چشتی۔ لاہور: ادارہ پیغام القرآن، ۲۰۰۷ء۔

۷۔ سنن ابن ماجہ، حافظ ابی عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہؒ ترجمہ مولانا محمد قاسم امین۔ لاہور: مکتبہ العلم، ۲۰۱۰ء۔

۸۔ سنن ابی داؤد، امام ابی داؤد سلیمان بن الاشعث سجستانیؒ ترجمہ ڈاکٹر عبدالرحمٰن بن عبدالجبار الفریوائی۔ نئی دہلی: مجلس علمی دارالدعوۃ، ۲۰۰۱ء۔

۹۔ سنن نسائی، امام احمد بن شعیب نسائیؒ ترجمہ مولانا افضل احمد۔ کراچی: دارالاشاعت، ۲۰۰۱ء۔

۱۰۔ صحیح بخاری، امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاریؒ ترجمہ حضرت مولانا محمد داؤد راز۔ دہلی: مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند، ۲۰۰۴ء۔

۱۱۔ صحیح مسلم، امام ابوالحسین مسلم بن الحجاج نیشاپوریؒ ترجمہ علامہ وحیدالزمان۔ دہلی: مرکزی جمعیت

اہل حدیث ہند، ۲۰۰۴ء۔

۱۲۔ طبقات صوفیہ، ابی عبدالرحمٰن محمد بن حسین سلمیؒ ترجمہ شاہ محمد چشتی۔ لاہور: ادارہ پیغام القرآن، ۲۰۱۱ء۔

۱۳۔ کتاب التعرف لمذہب اہل التصوف، امام ابوبکر بن ابواسحاق محمد بن ابراہیم بن یعقوب البخاری کلاباذیؒ ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن۔ لاہور: تصوف فاؤنڈیشن، ۱۹۹۸ء۔

۱۴۔ کتاب اللمع فی التصوف، شیخ ابونصر سراجؒ ترجمہ سید اسرار بخاری۔ لاہور: تصوف فاؤنڈیشن، ۲۰۰۰ء۔

۱۵۔ کشف المحجوب، سید علی ہجویریؒ ترجمہ میاں طفیل محمد۔ لاہور: اسلامک پبلیکیشنز، ۱۹۸۸ء۔

۱۶۔ کنزالعمال، علامہ علاء الدین علی متقی بن حسام الدینؒ ترجمہ مولانا مفتی احسان اللہ شائق۔ کراچی: دارالاشاعت، ۲۰۰۹ء۔

۱۷۔ مسند امام احمد بن حنبل، امام احمد بن حنبلؒ ترجمہ مولانا محمد ظفر اقبال۔ لاہور: مکتبہ رحمانیہ، ۲۰۰۴ء۔

۱۸۔ مشکوٰۃ المصابیح، شیخ ولی الدین خطیب التبریزیؒ ترجمہ مولانا محمد صادق خلیلؒ۔ لاہور: مکتبہ محمدیہ، ۲۰۰۵ء۔

۱۹۔ مصنف ابن ابی شیبہ، امام ابی بکر عبداللہ بن محمد ابن ابی شیبہ العبسی الکوفیؒ ترجمہ مولانا محمد اویس سرور۔ لاہور: مکتبہ رحمانیہ، ۲۰۰۱ء۔

۲۰۔ ملفوظات اشرفیہ، مولانا اشرف علی تھانویؒ۔ ملتان: ادارہ تالیفات اشرفیہ، ۲۰۰۲ء۔

۲۱۔ http//:www.hadithurdu.com/

۲۲۔ https//:easyquranwahadees.com/

۳۵

مراقبہ

۱۔ مراقبہ کا مفہوم

(۱)۔ مراقبہ کے لغوی معانی سوچ و بچار، دھیان لگانے اور تصور کرنے کے ہیں۔ اصطلاح میں یہ خیال کہ اللہ پاک مجھ کو دیکھتا ہے اور میں اس کو دیکھتا ہوں، مراقبہ کہلاتا ہے۔ تصوف کی اصطلاح میں مراقبے سے مراد ہے کہ سالک کا دل کو حق تعالیٰ کے ساتھ حاضر رکھنا اور قلب کو حضوری حق میں ایسا رکھنا کہ خطرات دوئی اور خودی نہ آنے پائیں اور اگر آئیں تو دفع کرے۔

(۲)۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو اور اگر ایسا ممکن نہ ہو تو پھر (یہ دھیان میں رکھو کہ) وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ (صحیح بخاری، ج:۱، رقم الحدیث:۴۹) اس حدیث مبارکہ میں سالکین حق کے دو حال بیان فرمائے گئے ہیں: حال مشاہدہ اور حال مراقبہ۔ سالک پر حق تعالیٰ کی تجلیات کا منکشف ہو جانا، حال مشاہدہ ہے۔ سالک کا یقین سے اس کیفیت پر پہنچنا کہ ہر حال میں اللہ پاک مجھے دیکھ رہا ہے حال مراقبہ ہے۔

(۳)۔ قلب سالک جلال حق کے مشاہدے میں مستغرق ہو جاتا ہے اور اس کی ہیبت سے شکستہ ہو جاتا ہے۔ اس میں غیر کی طرف التفات کی ذرا بھی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ اعضائے بدنی مباحات کی طرف بھی التفات نہیں کرتے۔ ایسا سالک جب طاعات کے لیے متحرک ہوتا ہے تو ایسا لگتا ہے کہ وہ معمول اور پابند ہے۔ اس لیے اسے راہ راست پر قائم رکھنے کے لیے کسی تدبیر کی ضرورت نہیں ہوتی۔ وہ حال مراقبہ کو پالیتا ہے وہ مخلوق سے اس حد تک غافل ہو جاتا ہے کہ بعض اوقات اپنے پاس موجود لوگوں کو بھی نہیں دیکھ پاتا حالانکہ اس کی آنکھیں کھلی ہوئی ہوتی ہیں۔ تصوف میں ایسے مراقب کو مراقب صدیق کہتے ہیں۔ جیسا کہ بعض لوگ سوچتے سوچتے اپنے راستے سے بھٹک جاتے ہیں یا منزل سے دور ہو جاتے ہیں۔ انہیں یہ یاد نہیں آتا کہ وہ کہاں جا رہے ہیں اور کس کام سے۔

(۴)۔ بعض سالکین کے قلوب پر یہ یقین تو غالب ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ ان کے تمام ظاہری و باطنی

حالات پر مطلع ہے لیکن وہ اللہ پاک کی عظمت وجلال کے مشاہدہ سے مدہوش نہیں ہوتے۔ ان کے قلوب حد اعتدال پر رہتے ہیں۔ ان میں اعمال واحوال کی طرف التفات رہتا ہے تاہم وہ اعمال پر مواظبت (ہمیشگی و پختگی) کے ساتھ ساتھ مراقبے سے خالی نہیں رہتے۔ ان پر اللہ تعالیٰ کی حیا غالب رہتی ہے۔ اس لیے وہ تامل کے بغیر نہ کسی کام کی جرات کرتے ہیں اور نہ کسی کام سے توقف کرتے ہیں۔ ہر اس عمل سے رکتے ہیں جو قیامت کے دن انہیں رسوائی میں مبتلا کرے گا۔ وہ قیامت کے منتظر نہیں رہتے بلکہ دنیا ہی کو میدان قیامت سمجھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے احوال پر مطلع سمجھتے ہیں۔ اہل تصوف ایسے مراقب کو اصحاب الیمین بھی کہتے ہیں۔ ایسا سالک اپنی تمام حرکات، سکنات، خطرات اور اختیارات پر ہر لمحہ نگاہ رکھتا ہے۔ یہ نگاہ دو مرتبہ ہوتی ہے: ایک کسی بھی عمل سے پہلے اور دوسرے عمل کے بعد۔

(۵)۔ مراقبہ سے ملتا جلتا ایک وارد مشارطہ ہے۔ یہ مراقبہ سے پہلے ہوتا ہے۔ سالک کے قلب میں ایک خیال پیدا ہوتا ہے کہ فلاں نیک کام کرنے ہیں اور فلاں فلاں کام نہیں کرنے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان سے منع فرمایا ہے۔ اس کے بعد حال مراقبہ ہوتا ہے۔ مراقبہ کے بعد محاسبہ ہوتا ہے۔ محاسبہ یہ ہوتا ہے کہ سالک کا قلب صبح وشام کے اعمال کو یاد کرکے نیک کام پر شکر الٰہی بجالاتا ہے اور منکر پر اپنے نفس کو ملامت کرتا ہے، بعض اوقات اپنے نفس کے لیے خود ہی کوئی سزا بھی مقرر کرتا ہے۔

۲۔ مراقبہ قرآن پاک کی روشنی میں

اللہ پاک نے اپنی پاک کتاب قرآن پاک میں کئی جگہ پر مراقبہ کا ذکر فرمایا ہے، جن میں کچھ آیات مبارکہ حسب ذیل ہیں:

(۱)۔ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۖ مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَآ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا۔ (سورۃ المجادلہ، آیت: ۷)

(کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ اللہ تعالیٰ زمین وآسمان کی ہر شے سے باخبر ہے؟ کہیں بھی تین آدمیوں کے درمیان راز کی بات ہوتی ہے تو وہ ان کا چوتھا ہوتا ہے اور پانچ کی رازداری ہوتی ہے تو وہ ان کا چھٹا ہوتا

ہے اور کم وبیش بھی کوئی راز داری ہوتی ہے تو وہ ان کے ساتھ ضرور رہتا ہے چاہے وہ کہیں بھی رہیں)
اس آیت مبارکہ میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے قریب تر اور زمین وآسمان کی ہر شے سے باخبر ہے۔ کوئی چیز یا بات اس سے چھپی ہوئی نہیں ہے۔ اللہ پاک اپنے علم کے اعتبار سے اپنی مخلوق سے اتنا قریب ہے کہ جب کوئی دو آدمی تنہائی میں راز داری کی بات کرتے ہیں تو ان دو کے ساتھ تیسرا اللہ پاک ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر تین ہوں تو چوتھا، چار ہوں تو پانچواں، پانچ ہوں تو چھٹا۔ اللہ پاک ہر حال میں اپنی مخلوق کے ساتھ ہوتا ہے، چاہے وہ کہیں بھی ہوں اور کسی بھی حال میں ہوں۔

اللہ پاک ہر حال میں سالک کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس کا کوئی بھی لمحہ ایسا نہیں ہوتا جس سے اللہ پاک باخبر نہ ہو۔ یہ تصور سالک کے لیے مراقبہ کا کام کرتا ہے۔ وہ ہر حال میں اپنی نظر اللہ پاک کے قرب، رحمت ومہربانی پر لگائے رکھتا ہے۔ اگر کوئی ناروا عمل کرنے لگتا ہے تو فوراً اللہ پاک کی موجودگی سے خائف ہو کر اسے چھوڑ دیتا ہے۔ حتیٰ کہ اس کا قرب الٰہی کا یہ خیال اتنا پختہ ہو جاتا ہے کہ دنیا اور جو کچھ اس میں موجود ہے اس سے نظر ہٹا لیتا ہے۔

(۲)۔ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيْبًا . (سورۃ الاحزاب، آیت: ۵۲)
(اور اللہ ہر چیز پر نگہبان ہے)
اس آیت مبارکہ میں ہمیں بتایا گی اہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر نگہبان ہے۔ اس لیے اس وحدہ لاشریک کے کسی حکم کی خلاف ورزی نہیں ہونی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہر کوئی جواب دہ ہے۔ کوئی جتنا بڑا ہوتا ہے اتنی ہی اس کی جوابدہی اور ذمہ داری بڑی اور زیادہ اہم ہوتی ہے۔ اس اعتبار سے یہ امر ضروری ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مواخذے سے پہلے انسان خود اپنا محاسبہ کرے۔ اس یقین واحساس اور علم وشعور کی بنا پر کہ اس کی زندگی کا کوئی بھی گوشہ اور اس کے عمل کی کوئی بھی شکل وصورت اس وحدہ لاشریک کی نگاہوں سے اوجھل اور مخفی نہیں ہو سکتی۔ جب سالک ایسا کرتا ہے تو اس کی ایک خاص کیفیت ہو جاتی ہے۔ وہ ہر کام کرنے سے پہلے اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے احکامات کے بارے میں سوچتا ہے۔ ہر وقت خود کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ

میں حاضر تصور کرتا ہے۔

(۳)۔ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ. (سورۃ ق، آیت: ۱۸)

(جب بھی کوئی لفظ اس کی زبان سے نکلتا ہے اسے محفوظ کرنے کے لیے ایک نگراں موجود ہوتا ہے)

انسان اس دنیا میں جب بھی کوئی عمل کرتا ہے یا محض کچھ بولتا ہے تو اسے محفوظ کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ نگران فرشتے مقرر ہیں۔ یہ فرشتے انسان کی ہر چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی نیکی و بدی کو لکھتے رہتے ہیں۔ پھر جب قیامت کا دن ہوگا تو یہ اعمال نامہ انسان کے سامنے پیش کر دیا جائے گا۔ یہ بات جب سالک کے قلب میں راسخ ہو جاتی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر جانتا ہوا، اپنے آپ کو اس کی بارگاہ میں حاضر دیکھتا ہے۔

(۴)۔ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ.

(سورۃ التوبہ، آیت: ۷۸)

(کیا انہیں معلوم نہیں کہ بے شک اللہ ان کے راز اور ان کی سرگوشیاں جانتا ہے اور بے شک اللہ غیبوں کو خوب جاننے والا ہے)

اس آیت پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کے سب رازوں سے واقف ہے حتیٰ کہ سرگوشیوں تک کو جانتا ہے۔ وہ غیب کو خوب جانتا ہے۔ جب یہ تصور سالک کے قلب میں قرار پکڑ لیتا ہے تو اس پر حال مراقبہ طاری ہو جاتا ہے۔ سالک ہر وقت خود کو اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر اور جوابدہ تصور کرنے لگتا ہے۔ یہ آیت پاک کسبی مراقبہ کے لیے اکسیر کا درجہ رکھتی ہے۔

(۵)۔ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ. (سورۃ التغابن، آیت: ۴)

(زمین و آسمانوں کی ہر چیز کا اسے علم ہے اور جو کچھ تم چھپاتے ہو اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو سب کچھ اسے معلوم ہے، اور وہ دلوں کے راز جاننے والا ہے)

اس آیت پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات آسمانوں کو بھی جانتی ہیں اور زمین کی تمام تفصیلات کو بھی۔ جو کچھ اس کے اندر موجود ہے چاہے وہ مخلوقات کی صورت میں ہو یا خزانوں کی صورت میں، سب اس کے احاطہ علم میں ہے۔ اس کے علم کی وسعت کا حال تو یہ ہے

کہ وہ نہ صرف اعمال کو جانتا ہے بلکہ اعمال کے پس پردہ محرکات اور نیتوں سے بھی باخبر ہے۔ جب سالک ان سب نکات پر غور وفکر کرتا ہے تو وہ ہر وقت خود کو اللہ تعالیٰ کی نگرانی ونگہبانی میں پاتا ہے۔ وہ کوئی عمل سرانجام دیتے ہوئے، صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کو پیش نظر رکھتا ہے۔ پھر آہستہ آہستہ یہ حال اس قدر غالب ہوجاتا ہے کہ وہ اپنے معاملات زندگی میں دوسروں سے اپنی توجہ کو ہٹا کر خالص اللہ تعالیٰ کی طرف موڑ لیتا ہے۔

(۶)۔ وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِىْ عَنِّىْ فَاِنِّىْ قَرِيْبٌ ؕ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ.
(سورۃ البقرہ، آیت:۱۹۶)

(اور جب آپ سے میرے بندے میرے متعلق سوال کریں تو میں نزدیک ہوں، دعا کرنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں جب وہ مجھے پکارتا ہے)

اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ پاک اپنے علم کے اعتبار سے ہمارے قریب ہے۔ جب ہم اس سے دعا مانگتے ہیں تو وہ براہ راست ہماری دعا کو سنتا اور جواب دیتا ہے۔ سالک کی نیکیوں سے آگہی رکھتا اوران کا صلہ دیتا ہے۔

ایک صحابی نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا ہمارا رب قریب ہے کہ ہم اس کو چپکے چپکے سے پکاریں یا دور ہے کہ ہم اس کو زور سے پکاریں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کا سوال سن کر خاموش ہوگئے۔ اللہ پاک نے وحی فرمائی کہ جب میرے بندے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے میرے متعلق سوال کرتے ہیں تو انہیں بتا دیں کہ میں قریب ہوں۔ دعا مانگنے والے کی دعا کو سنتا ہوں جب بھی وہ دعا مانگتا ہے۔ (الدرالمنثور، ذیل سورۃ البقرہ، آیت: ۱۹۶) یہ تصور کہ اللہ پاک ہمارے قریب ہے، ہمارے حالات وواقعات سے پوری طرح باخبر ہے، ہم اس کے حضور حاضر ہیں، حال مراقبہ ہے

(۷)۔ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ ۖ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ. (سورۃ ق، آیت:۱۶)

(ہم نے انسان کو پیدا کیا اوراس کے دل میں جو خیالات اٹھتے ہیں ہم ان سے واقف ہیں اور ہم اس

کی شہ رگ سے بھی زیادہ اس سے قریب ہیں)

اس آیت پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانوں کو پیدا کرنے والا اللہ پاک ہے۔خالق انسان کے دل میں پیدا ہونے والے خیالات و وسواس سے بھی باخبر ہے۔اللہ پاک انسان سے اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔

اس قرب سے مراد اللہ پاک کا حسی اور مکانی قرب نہیں، کیونکہ وہ زمان و مکان کی حدود سے ماورا ہے۔ بلکہ اس سے مراد قرب علمی ہے۔ اللہ پاک اپنے علم کے اعتبار سے ہر انسان کے قریب ہے۔اتنا قریب کہ انسان کے دل میں پیدا ہونے والے خیالات سے بھی باخبر ہے۔خیال رہے کہ اللہ پاک کا قرب علمی، قرب عام ہے جو ساری مخلوق کو حاصل ہے۔

شیخ سعدیؒ اسی بارے میں فرماتے ہیں:

دوست نزدیک تر از من بہ من است
وینت مشکل کہ من از وی دورم
(میرا دوست مجھ سے بھی بہت زیادہ میرے قریب ہے)
(تعجب تو اس پر ہے کہ میں اس سے دور ہوں)

(۸)۔ وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ.
(سورۃ البقرہ، آیت:۱۱۵)

(اور مشرق اور مغرب کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے۔تم جدھر بھی منہ کرو ادھر ہی اللہ پاک کا چہرہ ہے۔اللہ تعالیٰ کشادگی اور وسعت والا اور بڑے علم والا ہے)

اس آیت مبارکہ میں قرب عام کو بیان کیا گیا ہے جو ہر چیز کو اللہ پاک سے حاصل ہے۔ وہی خالق و مالک اور رازق ہے۔ چاروں سمتیں (مشرق و مغرب، شمال و جنوب) اس کے علم اور دست قدرت میں ہیں۔ چہار سو اسی کی جلوہ گری ہے۔

اگر اس تصور کو اپنے ذہن میں بٹھالیا جائے کہ اللہ پاک ہر حال میں میرے حالات سے باخبر ہے۔ میرے قریب ہے تو سالک خود بخود اللہ پاک کی طرف کھینچا چلا جائے گا۔ وہ خود کو اللہ پاک کے

قریب محسوس کرے گا۔اس سے راز و نیاز کرے گا۔ ہر وقت ذکر اللہ میں محو رہے گا۔اللہ پاک کی اطاعت وفرمانبرداری میں کوئی کسر نہیں رکھے گا۔ بالآخر اسے کا کیفیت مراقبہ حاصل ہو جائے گی۔

۳۔ مراقبہ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں

مراقبہ سالک کا خود کو اللہ تعالیٰ کے سامنے اور نگرانی ونگہبانی میں تصور کرنے کا نام ہے۔اس کے بارے میں بے شمار احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مروی ہیں، جن میں سے کچھ حسب ذیل ہیں:

(۱)۔ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ قَالَ: بَيْنَمَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ إِذْ طَلَعَ عَلَيْنَا رَجُلٌ شَدِيدُ بَيَاضِ الثِّيَابِ شَدِيدُ سَوَادِ الشَّعَرِ لَا يُرٰى عَلَيْهِ أَثَرُ السَّفَرِ، وَلَا يَعْرِفُهُ مِنَّا أَحَدٌ حَتّٰى جَلَسَ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَسْنَدَ رُكْبَتَيْهِ إِلَى رُكْبَتَيْهِ، وَوَضَعَ كَفَّيْهِ عَلَى فَخِذَيْهِ.

ثُمَّ قَالَ: يَا مُحَمَّدُ أَخْبِرْنِي عَنِ الْإِسْلَامِ؟ قَالَ: "أَنْ تَشْهَدَ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ، وَتُقِيمَ الصَّلَاةَ، وَتُؤْتِيَ الزَّكَاةَ، وَتَصُومَ رَمَضَانَ وَتَحُجَّ الْبَيْتَ إِنِ اسْتَطَعْتَ إِلَيْهِ سَبِيلًا". قَالَ: صَدَقْتَ، فَعَجِبْنَا إِلَيْهِ يَسْأَلُهُ وَيُصَدِّقُهُ.

ثُمَّ قَالَ: أَخْبِرْنِي عَنِ الْإِيمَانِ؟ قَالَ: "أَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْقَدَرِ كُلِّهِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ". قَالَ: صَدَقْتَ.

قَالَ: فَأَخْبِرْنِي عَنِ الْإِحْسَانِ؟ قَالَ: "أَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ، فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ".

قَالَ: عُمَرُ فَلَبِثْتُ ثَلَاثًا، ثُمَّ قَالَ لِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "يَا عُمَرُ، هَلْ تَدْرِي مَنِ السَّائِلُ؟"، قُلْتُ: اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ. قَالَ: "فَإِنَّهُ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَتَاكُمْ لِيُعَلِّمَكُمْ أَمْرَ دِينِكُمْ". (صحیح بخاری، ج:۱، رقم الحدیث:۴۹ حدیث متواتر)

(حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ہم حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس مبارک میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک ایک آدمی آیا، جس کا لباس نہایت صاف ستھرا، سفید اور بال خاصے سیاہ تھے۔ اس آدمی پر نہ تو سفر کی کوئی علامت تھی اور نہ ہم میں سے کوئی اس کو پہچانتا تھا۔ وہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اتنے قریب آ کر بیٹھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھٹنوں سے اپنے گھٹنے ملا لیے اور پھر اس

نے اپنے دونوں ہاتھ اپنی دونوں رانوں پر رکھ لیے۔
اس کے بعد اس نے عرض کیا: اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! مجھے اسلام کی حقیقت سے آگاہ فرمایئے؟
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اسلام یہ ہے کہ تم اس حقیقت کا اعتراف کرو اور گواہی دو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور پھر تم پابندی سے نماز پڑھو، زکوۃ ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو اور استطاعت (وسائل) میسر ہو تو بیت اللہ کا حج کرو۔ اس آدمی نے یہ سن کر کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچ فرمایا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس پر ہمیں تعجب ہوا کہ یہ آدمی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کرتا ہے اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جواب کی تصدیق بھی کرتا ہے۔
پھر وہ آدمی بولا: اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اب ایمان کی حقیقت بیان فرمایئے؟ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایمان یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کو، اس کے فرشتوں کو، اس کی کتابوں کو، اس کے رسولوں کو اور قیامت کے دن کو دل سے مانو اور اس بات پر یقین رکھو کہ برا بھلا جو کچھ پیش آتا ہے وہ تقدیر کے مطابق ہے۔ اس آدمی نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچ فرمایا۔
پھر وہ شخص بولا اچھا اب مجھے یہ بتایئے کہ احسان کیا ہے؟ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: احسان یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو اور اگر ایسا ممکن نہ ہو تو پھر (یہ دھیان میں رکھو کہ) وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔
حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں (اس کے بعد وہ آدمی چلا گیا) میں نے تین دن توقف کیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود ہی مجھ سے پوچھا: اے عمر (رضی اللہ عنہ)! جانتے ہو سوالات کرنے والا آدمی کون تھا؟ میں نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی بہتر جانتے ہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ حضرت جبریل علیہ السلام تھے جو تم لوگوں کو تمہارا دین سکھانے آئے تھے)
حدیث پاک کے الفاظ: تم اللہ پاک کی عبادت اس طرح کرو گویا کہ تم اسے دیکھ رہے ہو، یہی سب سے اعلیٰ وارفع مراقبہ ہے۔

(۲)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " أَكْثِرُوا ذِكْرَ هَادِمِ اللَّذَّاتِ "، يَعْنِي الْمَوْتَ. (جامع ترمذی، ج:۲، رقم الحدیث: ۱۹۳)
(حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لذتوں کو ختم

کردینے والی چیز یعنی موت کو کثرت سے یاد کیا کرو)

(۳)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: كُنْتُ خَلْفَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا، فَقَالَ: يَا غُلَامُ، "إِنِّي أُعَلِّمُكَ كَلِمَاتٍ: اِحْفَظِ اللّٰهَ يَحْفَظْكَ اِحْفَظِ اللّٰهَ تَجِدْهُ تُجَاهَكَ إِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلِ اللّٰهَ وَإِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ، وَاعْلَمْ أَنَّ الْأُمَّةَ لَوِ اجْتَمَعَتْ عَلَى أَنْ يَنْفَعُوكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَنْفَعُوكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ لَكَ، وَلَوِ اجْتَمَعُوا عَلَى أَنْ يَضُرُّوكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَضُرُّوكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلَيْكَ، رُفِعَتِ الْأَقْلَامُ وَجَفَّتِ الصُّحُفُ". (جامع ترمذی، ج:۲، رقم الحدیث:۴۱۶)

(حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ (سواری پر) حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے لڑکے میں تمہیں چند باتیں سکھاتا ہوں: ہمیشہ اللہ کو یاد رکھو وہ تجھے محفوظ رکھے گا۔ اللہ تعالیٰ کو یاد رکھا اسے اپنے سامنے پائے گا۔ جب مانگے تو اللہ تعالیٰ سے مانگ اور اگر مدد طلب کرو تو صرف اسی سے مدد طلب کرو اور جان لو کہ اگر پوری امت اس بات پر متفق ہو جائے کہ تمہیں کسی چیز میں فائدہ پہنچائیں تو بھی وہ صرف اتنا ہی فائدہ پہنچا سکیں گے جتنا اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے لکھ دیا ہے اور اگر تمہیں نقصان پہنچانے پر اتفاق کرلیں تو ہرگز نقصان نہیں پہنچا سکتے مگر وہ جو اللہ تعالیٰ نے تیرے لئے لکھ دیا۔ اس لیے کہ قلم اٹھا دیے گئے ہیں اور صحیفے خشک ہو چکے ہیں)

(۴)۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: أَخَذَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِبَعْضِ جَسَدِي، فَقَالَ: "يَا عَبْدَ اللّٰهِ، كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيبٌ، أَوْ كَأَنَّكَ عَابِرُ سَبِيلٍ، وَعُدَّ نَفْسَكَ مِنْ أَهْلِ الْقُبُورِ". (سنن ابن ماجہ، ج:۳، رقم الحدیث:۹۹۴)

(حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دن میرے جسم کے ایک حصہ (یعنی دونوں مونڈھوں) کو پکڑ کر ارشاد فرمایا: تم دنیا میں اس طرح رہو گویا کہ تم مسافر ہو یا راہ گیر ہو اور خود کو قبر والوں میں شمار کرو)

(۵)۔ عَنْ شَدَّادِ بْنِ أَوْسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "الْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ، وَالْعَاجِزُ مَنْ أَتْبَعَ نَفْسَهُ هَوَاهَا وَتَمَنَّى عَلَى اللّٰهِ".
(جامع ترمذی، ج:۲، رقم الحدیث:۳۵۷)

(حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: عقلمند وہ ہوتا

ہے جو اپنے نفس کا خود محاسبہ کرے اور مابعد الموت زندگی کے لیے تیاری کرے اور وہ شخص بیوقوف ہوتا ہے جو اپنی خواہشات کی پیروی کرتا رہے اور اللہ پاک پر امیدیں باندھتا پھرے)

۴۔ مراقبہ کے درجات

مراقبہ کے تین درجات ہیں جو حسب ذیل ہیں:

(۱)۔ مراقبہ کا پہلا درجہ یہ ہے کہ سالک کے دل میں اس یقین کے ذریعے سے کہ اللہ پاک بندے کے اندرونی حالات سے باخبر ہے ایسا حال پیدا ہو جائے کہ اس میں وسواس شیطانی کا گزر نہ ہو اور وہ اللہ تعالیٰ کو ہر جگہ موجود اور ناظر جان کر خواہشات نفسانی سے باز رہے۔

(۲)۔ مراقبہ کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ سالک کائنات کی طرف سے توجہ ہٹا کر صرف اللہ پاک کی طرف توجہ مبذول کرلے اور دل میں اس کے سوا کسی کا خیال نہ لائے۔

(۳)۔ مراقبہ کا تیسرا درجہ یہ ہے کہ سالک مراقبہ میں اللہ پاک سے اس بات کا طلب گار ہو کہ حق تعالیٰ اس کے تمام امور مراقبہ کی نگہبانی فرمائے۔ سالک **وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ**. (سورۃ الاعراف، آیت:۱۹۶) 'وہ نیک لوگوں کی رکھوالی کرتا ہے' کا مصداق بن جائے۔

۵۔ مراقبہ کی اقسام

مراقبہ کی دو اقسام ہیں: وہبی اور کسبی، جن کی تفصیل کچھ یوں ہے۔

(۱)۔ **وہبی مراقبہ:** سالک پر حق تعالیٰ کی طرف سے ایسی کیفیت وارد ہو جائے کہ وہ ہر حال میں دل و دماغ کے اعتبار سے اللہ پاک کے حضور حاضر ہو جبکہ جسم دنیاوی امور سرانجام دیتا رہے۔ یہ کیفیت اللہ پاک کے مخصوص بندوں جیسا کہ انبیائے کرام علیہم السلام اور اولیائے کاملینؒ وغیرہ کو اللہ پاک کی جانب سے حاصل ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان نفوس سے غلطیوں کا ارتکاب نہیں ہوتا۔

(۲)۔ **کسبی مراقبہ:** مراقبہ کی دوسری قسم کسبی ہے۔ یعنی سالک خود مجاہدہ وریاضت کے ذریعہ دل و دماغ کو یکسو کرلے اور خود کو اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضر سمجھے۔ اس کی کئی اقسام ہیں جن میں کچھ حسب

ذیل ہیں:

(i)۔ **مراقبہ رویت:** مراقبہ رویت یہ ہے کہ سالک اپنے دل میں اس خیال کو پختہ کرے کہ اللہ پاک ہر حال میں اسے دیکھ رہا ہے۔ اس پر مسلسل غور کرے یہاں تک کہ یہ مراقبہ پکا ہوجائے۔ قرآن پاک میں مراقبہ رویت کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى. (سورۃ العلق، آیت: ۱۴)
(کیا وہ نہیں جانتا کہ اللہ دیکھ رہا ہے؟)

(ii)۔ **مراقبہ معیت:** مراقبہ معیت یہ ہے کہ سالک یہ تصور و یقین کرے کہ اللہ تعالیٰ خلوت و جلوت، بیماری و تندرستی ہر حالت میں میرے ساتھ ہے اور اسی خیال میں مستغرق ہوجائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ. (سورۃ الحدید، آیت: ۴)
(تم جہاں بھی ہوتے ہو وہ تمہارے ساتھ ہوتا ہے، جو کچھ تم کرتے ہو اسے وہ دیکھ رہا ہے)

(iii)۔ **مراقبہ اقربیت:** سالک کا اس خیال میں محو ہوجانا کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے قریب ہے، مراقبہ اقربیت کہلاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ. (سورۃ ق، آیت: ۱۶)
(ہم انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں)

(iv)۔ **مراقبہ وحدت:** مراقبہ وحدت یہ ہے کہ سالک یہ تصور کرے کہ اللہ رب العزت کے سوا کوئی نہیں ہے۔ قرآن پاک کی ایسی آیات کو ہر لحظہ خیال میں رکھے جن میں اللہ پاک کی وحدانیت و یکتائی بیان فرمائی گئی ہے اور اسی خیال میں مستغرق ہوجائے۔ جیسا کہ

هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ. (سورۃ الحدید، آیت: ۳)
(وہی اول ہے اور وہی آخر ہے اور ظاہر بھی ہے اور پوشیدہ بھی اور وہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے)

(v)۔ **مراقبہ فنا:** سالک کا یہ تصور کہ تمام چیزیں فنا ہوجائیں گی اور صرف ذات باری تعالیٰ ہی ہمیشہ رہے گی اور اس خیال میں محو ہوجانا تا کہ اس کے معنی خوب منکشف ہوجائیں اور اپنے وجود کو فنا اور علم و

عقل کو اضمحلال ہو، مراقبہ فنا کہلاتا ہے۔ اللہ پاک فرماتا ہے:

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ.

(سورۃ الرحمٰن، آیات:۲۶-۲۷)

(دنیا کی تمام چیزیں فانی ہیں اور صرف تیرے رب کی جلیل اور کریم ذات ہی باقی رہنے والی ہے)

۶۔ مراقبہ کی صورتیں

مراقبہ کی دو صورتیں ہیں: وہبی اور کسبی۔ وہبی مراقبہ اللہ پاک کی خاص عنایت ہے جسے محنت وسعی سے حاصل نہیں کیا جا سکتا البتہ وہبی مراقبہ کے لیے محنت و ریاضت کی جاتی ہے۔ کسبی مراقبہ وہبی مراقبہ کے لیے مددگار ثابت ہو سکتا ہے۔ اگر اللہ پاک چاہے تو حال مراقبہ کے لیے سدِ راہ بھی بن سکتا ہے۔ اس لیے ذیل میں کسبی مراقبہ کی ممکنہ صورتیں نقل کی جا رہی ہیں۔

مراقبہ اللہ پاک کے بارے میں غور وفکر کرنا ہے۔ اس غور وفکر کی کئی صورتیں ہیں۔ ان میں کچھ مذموم اور کچھ محمود ہیں جو حسب ذیل ہیں:

(۱)۔ اللہ تعالیٰ کی ذات میں غور وفکر کرنا: اللہ پاک کی ذات میں غور وفکر کرنا ممنوع ہے کیونکہ یہ فکر مخلوق کی دسترس نہیں ہے۔ انبیائے کرام علیہم السلام نے ہمیں اللہ پاک کی ذات میں غور وفکر کرنے سے منع فرمایا ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

(i)۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں غور کرو اور اللہ پاک کی ذات میں غور مت کرو۔

(حجۃ اللہ البالغہ، ج:۴، ص:۲۷۳)

(ii)۔ ہر چیز میں غور کرو اللہ پاک کی ذات میں غور مت کرو۔ (حجۃ اللہ البالغہ، ج:۴، ص:۲۷۳)

(۲)۔ اللہ پاک کی صفات میں غور کرنا: یعنی اللہ پاک کی صفات کا مخلوقات کے ساتھ جو تعلق قائم ہوتا ہے اس میں غور وفکر کرنا۔ مثلاً یہ سوچنا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتے ہیں، ہمارا کوئی حال اس سے مخفی نہیں ہے۔ کائنات کا ذرہ ذرہ اس کے علم میں ہے۔ وہ ہر ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ اس کی رحمت ہر چیز کو شامل ہے اور وہ ہر چیز کو احاطہ علمی میں لیے ہوئے ہے۔ اگر کوئی سالک صفات

الٰہیہ کے ذریعہ مراقبہ کرنا چاہے تو اس کا طریقہ کار یہ ہے:

جو سالک اللہ پاک کی صفات میں غور و فکر کرنے کی استطاعت رکھتا ہو وہ ایسے وقت میں جب ذہنی پریشانیوں سے فارغ ہو، چھوٹے بڑے استنجا کا تقاضا نہ ہو، بھوک پیاس اور غصہ نہ ہو اور نیند کا غلبہ بھی نہ ہو ایسے وقت میں علیحدہ بیٹھ کر ایسی آیات پاک اور احادیث مبارکہ پڑھے جن میں اللہ پاک کی صفات کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ پھر اس کے معنی معنی میں غور و فکر کرے، مگر اللہ پاک کو مخلوق کے مشابہ یا کسی سمت میں تصور نہ کرے۔ صرف اللہ تعالیٰ کا ان صفات کے ساتھ متصف ہونا ذہن میں لائے اور جب یہ تصور دھندلا پڑ جائے تو دوبارہ آیت یا حدیث پڑھ لینی چاہیے اور از سر نو سوچنا شروع کرنا چاہیے۔ قرآن پاک کی بے شمار آیات اور بے شمار احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اللہ پاک کی صفات کا ذکر آیا ہے۔ ان میں سے کچھ آیات حسب ذیل ہیں:

(i)۔ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۭ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاۗءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا ۭ وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ. (سورۃ الحدید، آیت: ۴)

((اللہ تعالیٰ) وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا اور پھر عرش پر جلوہ افروز ہوا۔ جو کچھ زمین میں داخل ہوتا ہے اور جو کچھ اس سے نکلتا ہے اور جو کچھ آسمان سے اترتا ہے اور جو کچھ آسمان کی طرف چڑھتا ہے اس کے علم میں ہوتا ہے۔ تم جہاں بھی ہوتے ہو وہ تمہارے ساتھ ہوتا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ پاک اسے دیکھ رہا ہے)

(ii)۔ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ ښ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ. (سورۃ ق، آیت: ۱۶)

(اور حقیقت یہ ہے کہ ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے اور اس کے دل میں جو خیالات آتے ہیں، ان سے ہم خوب واقف ہیں اور ہم اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں)

(iii)۔ وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ۭ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۭ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ. (سورۃ الانعام، آیت: ۵۹)

(اور اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جنہیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا اور خشکی اور سمندر میں جو کچھ

ہے وہ اس سے واقف ہے کسی درخت کا کوئی پتہ نہیں گرتا جس کا اسے علم نہ ہو اور زمین کے اندھیروں میں کوئی دانہ یا کوئی خشک یا تر چیز ایسی نہیں ہے جو ایک کھلی کتاب میں درج نہ ہو)

(iv)۔ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ ۚ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ. (سورۃ انعام، آیت:۱۸)

(اور وہ اپنے بندوں کے اوپر مکمل اقتدار رکھتا ہے اور وہ حکیم بھی ہے، پوری طرح باخبر بھی)

(v)۔ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِيْهِنَّ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ.

(سورۃ المائدہ، آیت:۱۲۰)

(اللہ پاک ہی کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے اور اس کی بھی جو ان میں ہے اور وہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے)

(۳)۔ اللہ پاک کے عظیم کارناموں میں غور کرنا: مراقبہ کی تیسری صورت یہ ہے کہ سالک اللہ پاک کے عظیم کارناموں میں غور وفکر کرے۔ اس بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ۝ الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ.

(سورۃ آل عمران، آیات:۱۹۰-۱۹۱)

(بے شک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات اور دن کے بدلتے رہنے میں اہل عقل کے لیے نشانیاں ہیں۔ جو لوگ اللہ پاک کا ذکر کھڑے، بیٹھے اور اپنے پہلوؤں پر لیٹے ہوئے کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور کرتے اور کہتے ہیں: اے ہمارے پروردگار! تو نے یہ سب کچھ بے فائدہ نہیں بنایا۔ تو پاک ہے۔ پس ہمیں آگ کے عذاب سے بچا)

اس مراقبہ کا طریقہ یہ ہے کہ سالک اللہ تعالیٰ کے عظیم انعامات واحسانات کو یاد کرے اور اس میں پوری طرح مستغرق ہو جائے۔ مثلاً اللہ پاک نے بارشیں برسائیں اور سبزہ اگایا۔ جس سے ہماری اور تمام جانداروں کی زندگی وابستہ ہے۔

(۴)۔ مکافات عمل کے واقعات میں غور وفکر کرنا: مراقبہ کی چوتھی صورت یہ ہے کہ سالک مکافات عمل کے واقعات میں غور وفکر کرے۔ سالک یہ سوچے کہ اللہ پاک ایک قوم کو عروج دیتا ہے تو دوسری قوم کو پست کرتا ہے۔ جس کو چاہتا ہے عزت سے نوازتا ہے اور جسے چاہتا ہے ذلیل وخوار کرتا

ہے۔اس سے سالک اپنے اعمال کی فکر کرتا ہے تا کہ وہ انجام بد سے دوچار نہ ہو۔اس مراقبہ کے بارے میں اللہ پاک فرماتا ہے:

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَاۤ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ. (سورۃ ابراہیم،آیت:۵)

(اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی نشانیاں دے کر بھیجا کہ اپنی قوم کو اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لاؤ اور (مختلف لوگوں کو) اللہ تعالیٰ نے (خوشحالی اور بدحالی کے) جو دن دکھائے ہیں ان کے حوالے سے انہیں نصیحت کرو۔حقیقت یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو صبر اور شکر کا خوگر ہو،اس کے لیے ان واقعات میں بڑی نشانیاں ہیں)

(۵)۔ موت اور اس کے بعد کے احوال میں غور کرنا: مراقبہ کی ایک صورت یہ ہے کہ سالک موت اور اس کے بعد پیش آنے والے احوال واقعات میں غور وفکر کرے۔اس بات کی فکر کرے کہ ایک دن مرجانا ہے اور اس دنیا کو چھوڑنا ہے۔موت کے بعد صرف اچھے یا برے اعمال ہی ساتھ رہ جائیں گے۔پھر انجام اللہ پاک کی رضا یا ناراضی ہوگا۔حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ لذتوں کو ختم کردینے والی چیز یعنی موت کو کثرت سے یاد کیا کرو۔

(جامع ترمذی،ج:۲،رقم الحدیث:۴۱۶)

۷۔ مراقبہ کے بارے میں صوفیائے کرامؒ کے اقوال

حال مراقبہ کے بارے میں صالحین امت سے بہت اچھے اچھے اقوال منسوب ہیں،جن میں سے کچھ حسب ذیل ہیں:

(۱)۔ شیخ ابونجیب ضیاالدین سہروردیؒ فرماتے ہیں کہ مراقبہ یقین کی صفائی کی وجہ سے غیب کی چیزوں کو دیکھنے کا نام ہے۔(آداب المریدین،ص:۱۳۸)

(۲)۔ شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ فرماتے ہیں کہ مراقبہ دل کی نگہبانی کرتا ہے۔

(معدن المعانی،ص:۳۲۲)

(۳)۔ حضرت ابوعثمان مغربیؒ فرماتے ہیں کہ جو چیزیں انسان راہ سلوک میں اپنے نفس پر لازم کرتا ہے

ان میں سب سے بہتر محاسبہ، مراقبہ اور اپنے علم کے مطابق عمل کرنا ہے۔

(مراقبہ کی حقیقت، ص:۲۷)

(۴)۔ حضرت محاسبیؒ فرماتے ہیں کہ مراقبہ کا شروع یہ ہے کہ دل کو پروردگار کا علم اور قرب حاصل ہونا چاہیے۔ (مراقبہ کی حقیقت، ص:۳۰)

(۵)۔ حضرت محمد بن علی ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ اپنا مراقبہ اس ذات کے لیے کر جس کی نظر سے تو غائب نہ ہو اور شکر اس ذات کا کر جس کی نعمتیں منقطع نہ ہوں اور اطاعت اس ذات کی کر جس سے تو مستغنی نہیں۔ (مراقبہ کی حقیقت، ص:۳۱)

(۶)۔ حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں: مراقبہ کی علامت یہ ہے کہ انسان ان چیزوں کو ترجیح دے جن کو اللہ پاک نے ترجیح دی ہے اور ان چیزوں کی تعظیم کرے جن کو اللہ پاک نے قابل تعظیم قرار دیا ہے اور ان کو حقیر جانے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں حقیر ہیں۔ (رسالہ قشیریہ، ص:۳۵۴)

(۷)۔ حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ اس ذات کا مراقبہ اپنے اوپر لازم کر لو جس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ (مراقبہ کی حقیقت، ص:۳۳)

(۸)۔ امام قشیریؒ فرماتے ہیں: مراقبہ یہ ہے کہ سالک کے دل پر اللہ پاک کی یاد غالب ہو اور یہ یقین ہو کہ اللہ تعالیٰ میرے حال پر مطلع ہے۔ لہٰذا سالک ہر حال میں اسی کی طرف رجوع کرے اور ہر دم اس کے عذاب سے ڈرے۔ (مفہوم حدیث، مشکوٰۃ المصابیح، ج:۲، رقم الحدیث:۸۱۳)

(۹)۔ حضرت ابوسلیمان دارانیؒ فرماتے ہیں: اللہ پاک سے دلوں کا حال کیسے پوشیدہ رہ سکتا ہے جب کہ دلوں میں جو کچھ بھی ہوتا ہے وہ اسی کی جانب سے دل نشین کیا ہوا ہوتا ہے۔

(کتاب اللمع، ص:۹۵)

(۱۰)۔ حضرت حسن بن علی وامغانیؒ فرماتے ہیں کہ اپنے باطن کی حفاظت کرنی چاہیے کیونکہ باطن کے معاملات سے اللہ تعالیٰ اچھی طرح باخبر ہوتا ہے۔ (کتاب اللمع، ص:۹۵)

(۱۱)۔ حضرت ابن عطاؒ فرماتے ہیں کہ سب سے بہتر طاعت ہمیشہ مراقبہ حق ہے۔

(مراقبہ کی حقیقت، ص:۲۷)

(۱۲)۔ حضرت جریریؒ فرماتے ہیں جو شخص اپنی ذات اور ذات باری تعالیٰ کے درمیان تقویٰ اور مراقبہ کو مضبوط نہیں کرتا وہ کشف اور مشاہدہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ (رسالہ قشیریہ، ص: ۳۵۲)

(۱۳)۔ حضرت جعفر بن نصیرؒ فرماتے ہیں: جو خیال دل میں پیدا ہوتا ہے اس کے بارے میں بندہ یہ خیال کرے کہ اللہ پاک اسے دیکھ رہا ہے اور اس طرح وہ دل کی حفاظت کرے تو یہ مراقبہ ہے۔
(رسالہ قشیریہ، ص: ۳۵۴)

(۱۴)۔ حضرت مرتعشؒ فرماتے ہیں: مراقبہ یہ ہے کہ ہر لحظہ اور ہر لفظ کے ساتھ غیب کو دیکھتے ہوئے اپنے باطن کا خیال رکھا جائے۔ (رسالہ قشیریہ، ص: ۳۵۵)

(۱۵)۔ حضرت ابراہیم خواصؒ فرماتے ہیں: احکام خداوندی کا خیال رکھنے سے مراقبہ پیدا ہوتا ہے اور مراقبہ سے ظاہر و باطن میں خلوص پیدا ہوتا ہے۔ (رسالہ قشیریہ، ص: ۳۵۵)

(۱۶)۔ حضرت واسطیؒ فرماتے ہیں کہ سالک کو چاہیے کہ اپنی حدود کے سوا کسی طرف نہ جھانکے اور اپنے پروردگار کے علاوہ کسی کو نگاہ میں نہ رکھے اور اپنے وقت کے سوا کسی کا ساتھ نہ دے۔
(رسالہ قشیریہ، ص: ۳۵۵)

(۱۷)۔ حضرت سلطان باہوؒ فرماتے ہیں کہ مراقبہ رقیب کو دور کرنے والا اور اللہ تعالیٰ کی توحید تک پہنچانے والا ہے۔ (عین الفقر، ص: ۱۶۴)

(۱۸)۔ ایک صوفی کا قول ہے: مراقبہ یہ ہے کہ دل کو دوسرے خیالات سے ہٹا کر ایک خیال پر جما دیا جائے۔ سالک اسی خیال کے اندر فکر میں منہمک ہو جائے۔ (جنیدؒ و بایزیدؒ، ص: ۵۴۳)

۸۔ مراقبہ کے واقعات

سالکین حق کے لیے ذیل میں کیفیت مراقبہ کے کچھ واقعات نقل کیے جاتے ہیں:

(۱)۔ حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت ام ابان بنت عتبہ رضی اللہ عنہا کو پیغام نکاح بھیجا۔ حضرت ام ابان رضی اللہ عنہا نے انکار کر دیا۔ ان سے انکار کی وجہ دریافت کی گئی تو کہنے لگیں: اگر وہ گھر میں داخل ہوں، خوف سے داخل ہوتے ہیں۔ باہر نکلیں تب بھی

خوف برپا کرتے ہیں۔ان پر ایسی کیفیت طاری ہے کہ انہیں دنیا کے معاملات سے غافل کر دیا ہے۔یوں لگتا ہے گویا وہ اپنی آنکھ سے اپنے رب تعالیٰ کو دیکھ رہے ہیں۔

(کنز العمال، ج:۷، رقم الحدیث:۵۰۷)

(۲)۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ خانہ کعبہ کا طواف فرما رہے تھے۔اس دوران ایک شخص نے آپ رضی اللہ عنہ کو سلام کیا۔آپ رضی اللہ عنہ نے اس کا جواب نہ دیا۔اس شخص نے دوسرے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے اس بات کی شکایت کی۔آپ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ہم اس گھر میں صرف اللہ پاک کو دیکھتے ہیں۔

(عوارف المعارف، ص:۶۱۴-۶۱۵)

(۳)۔ حضرت عبداللہ بن دینار رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ہمراہ مکہ کے لیے روانہ ہوا۔راستے میں ایک چرواہا پہاڑی کی ڈھلوان سے اترتا ہوا نظر آیا۔حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسے آزمانے کے لیے کہا: اے چرواہے! ان بکریوں میں سے ایک مجھے فروخت کر دے۔ چرواہے نے جواب دیا کہ میں مالک نہیں بلکہ خادم ہوں۔ مجھے فروخت (بیچنے) کرنے کا اختیار نہیں ہے۔حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کوئی بات نہیں، مجھے فروخت کر کے اپنے مالک سے کہہ دینا کہ اس بکری کو بھیڑیے نے کھا لیا ہے۔ اس پر چرواہے نے جواب دیا کہ حضرت رضی اللہ عنہ! تو پھر اللہ پاک کہاں ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ چرواہے کی بات سن کر رو پڑے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پرہیزگاری کی بنا پر اس غلام کو خرید کر آزاد کر دیا اور اس غلام سے فرمایا کہ تیرے تقویٰ نے تجھے دنیاوی غلامی سے نجات دلائی ہے اور مجھے امید ہے کہ یہی تقویٰ آخرت میں بھی تجھے دوزخ کے عذاب سے نجات دلائے گا۔(احیاء العلوم الدین، ج:۴، ص:۵۹۳)

(۴)۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایک رات مدینہ منورہ میں گشت کر رہے تھے تاکہ لوگوں کے حالات سے باخبر ہوں۔ایک گھر سے کچھ آوازیں آ رہی تھیں۔آپؓ نے غور سے سنا کہ ایک ماں اپنی جوان لڑکی سے کہہ رہی ہے، بیٹی! آج رات اونٹنیوں نے دودھ کم دیا ہے اس لیے تم تھوڑا سا پانی ملا دو تاکہ گاہکوں کو دودھ برابر مل جائے۔بیٹی نے جواب دیا کہ امی جان! امیر المومنین (مسلمانوں کا

حکمران) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حکم ہے کہ فروخت کرنے کے دودھ میں پانی نہ ملایا جائے۔ ماں نے کہا، اس رات کے اندھیرے میں کون سا امیر المومنین رضی اللہ عنہ ہے جو تجھے دیکھ رہا ہے؟ بیٹی نے جواب دیا کہ اگر امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نہیں دیکھ رہا ہے تو عمر رضی اللہ عنہ کا رب تو ضرور دیکھ رہا ہے۔ پس میں یہ جرم ہرگز نہیں کر سکتی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب اس لڑکی کی یہ بات سنی تو رو پڑے۔ دوسرے دن اس لڑکی کے متعلق معلومات جمع کیں، پتہ چلا کہ لڑکی غیر شادی شدہ ہے۔ پھر اپنے بیٹوں کو اکٹھا کیا اور فرمایا، میرے بچو! گذشتہ رات میں نے ایک دین دار لڑکی کی یہ باتیں سنیں۔ اللہ کی قسم! اگر مجھ میں جوانی ہوتی تو ضرور میں اسے اپنے گھر میں بیوی بنا کر لاتا لیکن میں بوڑھا ہو چکا ہوں، میری ہڈیاں کمزور ہو چکی ہیں، اب مجھ میں یہ صلاحیت نہیں کہ میں کسی جوان لڑکی سے شادی کروں لیکن میں نہیں چاہتا کہ وہ لڑکی ضائع ہو جائے۔ میری خواہش ہے کہ وہ میری بہو بن کر میرے گھر میں آئے۔

آپ رضی اللہ عنہ کی یہ باتیں سن کر حضرت عاصم بن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ابّا جان! اس لڑکی سے میں شادی کروں گا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اس نیک لڑکی کا نکاح اپنے بیٹے سے کر دیا۔ ان سے ایک بچی ہوئی اور پھر اس بچی کی شادی عبدالعزیز سے ہوئی۔ ان سے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ پیدا ہوئے۔ جنہیں امت اسلامیہ نے پانچواں خلیفہ راشد تسلیم کیا ہے۔ انہوں نے اپنے دو اڑھائی سال کے مختصر دور حکومت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کا نمونہ دنیا کے سامنے پیش کیا۔

(عیون الحکایات، رقم الحکایت: ۱۰، ص: ۲۶)

(۵)۔ حضرت ذوالنون مصریؒ کے مریدوں میں سے ایک شخص نے حضرت بایزید بسطامیؒ سے ملاقات کا ارادہ کیا۔ جب وہ آپؒ کے گھر پر پہنچا تو اس نے دروازے پر دستک دی۔ اندر سے حضرت بایزیدؒ نے پوچھا کہ کون ہے اور کیا کام ہے؟ اس نے جواب دیا کہ حضرت بایزیدؒ سے ملنا چاہتا ہوں۔ حضرت بایزید بسطامیؒ نے حیرت سے پوچھا: بایزیدؒ کون ہے اور کہاں رہتا ہے؟ مدت ہوئی میں خود اس کی تلاش میں ہوں مگر وہ مجھے نہ ملا۔ یہ شخص حضرت ذوالنون مصریؒ کے پاس واپس آیا اور سارا قصہ بیان کیا۔ حضرت ذوالنون مصریؒ نے فرمایا: میرا بھائی بایزید بسطامیؒ اللہ

پاک کی طرف جانے والوں کے ساتھ چلا گیا۔(کشف المحجوب،ص:۲۶۹)

(۶)۔ حضرت فارس بغدادیؒ بیان کرتے ہیں: حضرت جنید بغدادیؒ فرمایا کرتے تھے کہ جب کبھی مجھ سے علم حقیقت کا کوئی مسئلہ پوچھا جاتا ہے اور مجھے اس کے جواب پر پوری قدرت نہیں ہوتی تو پوچھنے والے سے توقف کرنے کے لیے کہہ دیتا ہوں۔ایسے موقع پر حضرت جنیدؒ گھر میں داخل ہو جاتے اور مالک حقیقی سے معاملہ کرتے اور پھر باہر آکر جواب دیا کرتے تھے۔

ایک دفعہ حضرت جنید بغدادیؒ سے ایک مسئلہ پوچھا گیا۔آپؒ نے فرمایا کہ تھوڑا سا انتظار کریں۔ میں دریافت کر کے بتاتا ہوں۔اس کے بعد آپؒ گھر تشریف لے گئے۔دو رکعت نماز نفل ادا کی اور پھر باہر آکر جواب دیا۔آپؒ سے دریافت کیا گیا کہ آپؒ نے یہ علم کہاں سے حاصل کیا؟ آپؒ نے اپنے گھر کی ایک سیڑھی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: میں پورے تیس سال تک اس سیڑھی کے نیچے اللہ پاک کے حضور مراقبے میں بیٹھا ہوں، تب کہیں جا کر یہ کچھ مجھے نصیب ہوا ہے۔(جنیدؒ و بایزیدؒ،ص:۱۵۵)

(۷)۔ امام غزالیؒ بیان کرتے ہیں ایک صوفی نے اپنے مریدوں میں سے ایک کو اپنی خصوصی توجہ کے لیے خاص کر لیا۔باقی مریدوں میں اس سلسلہ میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔چنانچہ ایک دن اس صوفی بزرگ نے اپنے سب مریدوں کو بلایا اور ہر ایک کو ایک ایک پرندہ دیا اور حکم دیا کہ وہ اسے ایسی جگہ ذبح کریں جہاں ان کے سوا کوئی دوسرا انہیں دیکھ نہ رہا ہو۔کچھ وقت بعد سب مرید ذبح کیے ہوئے پرندے کے ساتھ حاضر تھے سوائے اس خصوصی توجہ والے مرید کے۔شیخ نے اس سے پوچھا تم نے پرندہ ذبح کیوں نہیں کیا؟ مرید نے جواب دیا: حضرت! میں جہاں بھی گیا میں نے اللہ پاک کو اپنے قریب پایا۔وہ ہر حال میں میرے ساتھ ہے تو میں ایسی تنہائی کیسے تلاش کر سکتا ہوں جہاں مجھے کوئی نہ دیکھتا ہوتا کہ آپ کے حکم کے مطابق پرندہ ذبح کر سکوں۔ صوفی بزرگ یہ سن کر اپنے دوسرے مریدوں سے مخاطب ہوئے کہ پہچان لو! میں اس مرید کو باقی مریدوں کی نسبت خصوصی توجہ کیوں دیتا ہوں۔(احیاء العلوم الدین، ج:۴،ص:۵۹۳)

(۸)۔ حضرت بایزید بسطامیؒ فرماتے ہیں: جب میں پہلی مرتبہ حج کے لیے گیا تو مجھے خانہ کعبہ کے علاوہ

کچھ نظر نہیں آیا۔ جب میں دوسری مرتبہ گیا تو مجھے خانہ کعبہ کے ہمراہ اس کا مالک بھی نظر آیا۔ تیسری مرتبہ مجھے صرف خانہ کعبہ کا مالک ہی نظر آیا، خانہ کعبہ نظر نہیں آیا۔ (کشف المحجوب)

(۹)۔ حضرت جنید بغدادیؒ بیان کرتے ہیں کہ مجھ پر ایک زمانہ ایسا بھی گزرا ہے کہ تمام زمین و آسمان والے میری پریشانی پر روتے تھے۔ پھر ایسا زمانہ آیا کہ میں ان کے غیاب پر روتا تھا۔ اب ایسا زمانہ آ گیا ہے کہ مجھے نہ اپنی خبر ہے نہ زمین و آسمان کی۔ (کشف المحجوب، ص:۴۰۱)

(۱۰)۔ حضرت بایزید بسطامیؒ بیان کرتے ہیں کہ ایک رات میں اپنی حجرے میں بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے آرام اور سکون کے لیے اپنے پاؤں پھیلائے تو ایک غیبی آواز سنائی دی: بادشاہوں کی محفلوں میں بیٹھنے والوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ نہایت ادب سے بیٹھیں۔ یہی حال مراقبہ ہے۔

(طبقات صوفیہ، ص:۶۱)

(۱۱)۔ شیخ عبدالواحد بن زیدؒ سے کسی نے عرض کیا: آپؒ کسی ایسے شخص سے واقف ہیں جو مخلوق سے بے خبر ہو اور اپنے حال (مراقبہ) میں مشغول ہو۔ شیخ نے فرمایا: ہاں! ایک شخص ایسا ہے اور وہ ابھی یہاں آنے والا ہے۔ اتنے میں عتبہ غلامؒ وہاں آئے۔ شیخ نے اس سے پوچھا: اے عتبہ تم کہاں سے آ رہے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ فلاں جگہ سے۔ اس جگہ کا راستہ بازار کی سمت سے تھا۔ شیخ نے پھر پوچھا: تمہیں راستے میں کون کون ملا تھا؟ عتبہؒ نے جواب دیا: میں نے تو کسی کو نہیں دیکھا۔ (احیاء العلوم الدین، ج:۴، ص:۵۹۵)

حوالہ جات

۱۔ احیاء العلوم الدین، امام ابو الحامد محمد غزالیؒ ترجمہ مولانا ندیم الواجدی۔ کراچی: دارالاشاعت، ۱۹۹۹ء۔

۲۔ آداب المریدین، شیخ ضیاء الدین ابوالنجیب عبدالقاہر سہروردیؒ ترجمہ محمد عبدالباسط۔ لاہور: تصوف فاؤنڈیشن، ۱۹۹۸ء۔

۳۔ جامع ترمذی، امام محمد بن عیسیٰ ترمذیؒ ترجمہ مولانا افضل احمد۔ کراچی: دارالاشاعت، ۲۰۰۶ء۔

۴۔ جنیدؒ و بایزیدؒ، حضرت عبداللطیف خان نقشبندیؒ۔ لاہور: نشان منزل پبلی کیشنز، ۲۰۱۳ء۔

۵۔ حجۃ اللہ البالغہ: رحمۃ اللہ واسعہ، شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ترجمہ مولانا محمد سعید پالن پوریؒ۔ کراچی: زمزم پبلشرز، ۲۰۰۵ء۔

۶۔ الدرالمنثور فی التفسیر بالماثور، امام جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر سیوطیؒ ترجمہ پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ۔ لاہور: ضیاء القرآن، ۲۰۰۶ء۔

۷۔ رسالہ القشیریہ فی علم التصوف، امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیریؒ ترجمہ شاہ محمد چشتی۔ لاہور: ادارہ پیغام القرآن، ۲۰۰۷ء۔

۸۔ سنن ابن ماجہ، حافظ ابی عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہؒ ترجمہ مولانا محمد قاسم امین۔ لاہور: مکتبہ العلم، ۲۰۱۰ء۔

۹۔ صحیح بخاری، امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاریؒ ترجمہ حضرت مولانا محمد داؤد راز۔ دہلی: مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند، ۲۰۰۴ء۔

۱۰۔ طبقات صوفیہ، ابی عبدالرحمٰن محمد بن حسین سلمیؒ ترجمہ شاہ محمد چشتی۔ لاہور: ادارہ پیغام القرآن، ۲۰۱۱ء۔

۱۱۔ عوارف المعارف، شیخ شہاب الدین سہروردیؒ ترجمہ مولانا ابوالحسن۔ لاہور: ادارہ اسلامیات۔

۱۲۔ عین الفقر، حضرت سخی سلطان باہوؒ ترجمہ پروفیسر ڈاکٹر کے، بی نسیم۔ لاہور: سلطان باہو اکیڈیمی، ۱۹۹۵ء۔

۱۳۔ عیون الحکایات، امام عبدالرحمٰن ابن جوزیؒ۔ کراچی: مکتبہ المدینہ، ۲۰۰۷ء۔

۱۴۔ کتاب اللمع فی التصوف، شیخ ابونصر سراجؒ ترجمہ سید اسرار بخاری۔ لاہور: تصوف فاؤنڈیشن، ۲۰۰۰ء۔

۱۵۔ کشف المحجوب، سید علی ہجویریؒ ترجمہ میاں طفیل محمد۔ لاہور: اسلامک پبلیکیشنز، ۱۹۸۸ء۔

۱۶۔ کنزالعمال، علامہ علاء الدین علی متقی بن حسام الدینؒ ترجمہ مولانا مفتی احسان اللہ شائق۔ کراچی: دارالاشاعت، ۲۰۰۹ء۔

۱۷۔ مراقبہ کی حقیقت، امام ابوالحامد محمد غزالیؒ۔ لاہور: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، ۱۹۹۹ء۔

۱۸۔ مشکوٰۃ المصابیح، شیخ ولی الدین خطیب التبریزیؒ ترجمہ مولانا محمد صادق خلیلؒ۔ لاہور: مکتبہ محمدیہ، ۲۰۰۵ء۔

۱۹۔ http//:www.hadithurdu.com/

۲۰۔ https//:easyquranwahadees.com/

۳۶

مشاہدہ

ا۔ مشاہدہ کامفہوم

(ا)۔ مشاہدہ کے لغوی معانی دیکھنا، نظارہ کرنا، ملاحظہ کرنا ہیں۔اصطلاح میں تجلیات حق اور انوار الٰہی کو بغیر کسی حجاب کے دیکھنا مشاہدہ کہلاتا ہے۔اسے مشاہدہ حق بھی کہا جاتا ہے۔اللہ پاک کی قدرت کی نشانیاں دیکھ کر دل میں حضور حق کا پیدا ہونا اور اللہ پاک سے قربت کا نام مشاہدہ ہے۔حدیث جبریل علیہ السلام (صحیح بخاری، ج:۱، رقم الحدیث: ۴۹) میں ہمیں احسان کی کیفیت کے اعتبار سے حالت مشاہدہ کا ذکر ملتا ہے۔

(۲)۔ کسی امر کے استحضار اور خیال کا دل پر غالب اور قوی ہو جانا بھی مشاہدہ کہلاتا ہے۔حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ نے جنت اور دوزخ کی یاد کی نسبت یہی فرمایا ہے کہ گویا کھلی آنکھوں دیکھنے لگتے ہیں۔(صحیح مسلم، ج:۳، رقم الحدیث:۲۴۶۵)

(۳)۔ اللہ پاک نے ہر شے کو ظاہری اور باطنی صورت عطا فرمائی ہے۔ظاہر کو عالم ناسوت اور باطن کو عالم ملکوت کہتے ہیں۔آنکھ سے دیکھنا بصارت اور دل سے دیکھنا بصیرت کہلاتا ہے۔صوفیا نور الٰہی سے عالم غیب کا مشاہدہ کرتے ہیں جس سے انہیں عین الیقین سے حق الیقین والا والا ایمان نصیب ہوتا ہے۔

(۴)۔ جب سالک محبوب حقیقی کی یاد کو پورے دھیان کے ساتھ ہر وقت دل میں بسائے رکھتا ہے۔تصور اور مشاہدہ کے سمندر میں غوطہ زن رہتے ہوئے خود کو اسی کی حضوری میں رکھتا ہے۔نس نس میں وہی سما جاتا ہے تو اس کے نتیجے میں وہ دنیا میں جو کچھ دیکھتا ہے سب بے خیالی اور بے دھیانی کی نذر ہو جاتا ہے۔استغراق کی اس حالت میں قلب ونظر پر پڑے ہوئے تمام پردے اٹھ جاتے ہیں اور وہ مقام حاصل ہو جاتا ہے جس میں سالک اللہ پاک کے حسن اور تجلیات کا مشاہدہ کرنے لگتا ہے۔

(۵)۔ خواب میں اللہ تعالیٰ کو دیکھنا مشاہدہ قلبی ہے اور یہ صالحین امت سے ثابت ہے۔

(۶)۔ عموماً یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اللہ پاک کے انوار و تجلیات کا مشاہدہ اس دنیا میں ظاہری آنکھ سے ممکن نہیں۔ اس کی دلیل کے طور پر بیان کیا جاتا ہے:

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ.

(سورۃ الانعام، آیت: ۱۰۳)

(اسے آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں اور وہ آنکھوں کو دیکھ سکتا ہے اور وہ نہایت باریک بین خبردار ہے)

سورۃ الانعام کی مذکورہ آیت کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنکھیں اسے نہیں دیکھ سکتیں، اس سے مراد یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنی ذات خاص کے نور کی تجلی ظاہر فرمائے تو کوئی آنکھ اس نور کی تجلی کو نہیں دیکھ سکتی۔

(مشکوٰۃ المصابیح، ج: ۵، رقم الحدیث: ۲۲۶)

گویا کہ اللہ پاک کے انوار و تجلیات کے مشاہدے سے انکار کرنا صحیح نہیں۔ اللہ پاک کے انوار و تجلیات کی مختلف اقسام ہیں جیسا کہ اللہ پاک کی مختلف صفات ہیں۔ سالک اس کے فضل سے ان میں سے کچھ تجلیات کا مشاہدہ کر سکتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جس تجلی کا مشاہدہ کیا وہ اللہ پاک کی تجلی جمال تھی اور جس تجلی سے پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گیا وہ تجلی جلال تھی۔ دنیا کی کوئی بھی شے جلال الٰہی اور تجلی جلال کے سامنے نہیں ٹھہر سکتی۔ پس سالک کو تجلیات جمال سے ہی واسطہ پڑتا ہے۔

۲۔ مشاہدہ قرآن مجید کی روشنی میں

اللہ پاک نے اپنی مقدس کتاب میں متعدد مقامات پر مشاہدہ کا ذکر فرمایا ہے:

(۱)۔ اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ○ فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ يٰمُوْسٰى ۞ اِنِّيْٓ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ ۚ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ۞ وَاَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى. (سورۃ طٰہٰ، آیات: ۱۰-۱۳)

(جب اس نے آگ دیکھی اور اپنے گھر والوں سے کہا کہ ذرا ٹھہرو میں نے آگ دیکھی ہے شاید تمہارے لیے آگ کا انگارہ لے آؤں یا اس روشنی سے مجھے کوئی رہنمائی مل جائے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام وہاں پہنچے تو آواز دی گئی: اے موسیٰ علیہ السلام! میں ہی تیرا رب ہوں، اپنے جوتے اتار دے، تو

مقدس وادی طویٰ میں پہنچ چکا ہے۔ اور میں نے تجھ کو چن لیا ہے جو کچھ وحی کی جاتی ہے توجہ سے سنو)
مندرجہ بالا آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مشاہدہ کی کیفیت بیان فرمائی گئی ہے۔ آپ علیہ السلام اہل وعیال کو لے کر مدائن سے مصر کی طرف واپس آ رہے تھے۔ کوہ طور کے قریب معروف راستے سے غیر معروف راستے پر چل پڑے۔ اسی حالت میں رات پڑ گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیوی (حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹی) امید سے تھیں۔ انہیں اچانک دردزہ شروع ہو گیا۔ رات کا وقت تھا۔ راستہ غیر معروف تھا۔ انتہا کی سردی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آگ جلانے کی کوشش کی تاکہ اس سے آپ علیہ السلام کے گھر والے حرارت حاصل کر سکیں لیکن اللہ پاک کے حکم سے آگ نہ جلی۔ اچانک آپ علیہ السلام کو دور وادی طوٰی میں آگ کی روشنی نظر آئی۔ آپ علیہ السلام نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ وہاں آگ جل رہی ہے۔ تم یہیں ٹھہرو، میں وہاں سے آگ لے کر آتا ہے۔ شاید وہاں کوئی راستہ جاننے والا بھی مل جائے۔ جب آپ علیہ السلام وادی طویٰ میں پہنچے تو ایک عجیب منظر دیکھا۔ ایک درخت سے آگ کے شعلے نکل رہے تھے اور اس آگ کے بڑھنے سے درخت جلنے کی بجائے مزید سرسبز ہوتا جا رہا تھا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اس درخت کے قریب پہنچے تو ایک آواز سنائی دی: اے موسیٰ علیہ السلام! میں تمہارا رب ہوں۔ تو مقدس وادی طویٰ میں ہے۔ اپنے جوتے اتار دے۔ میں نے تجھے نبوت کے لیے چن لیا ہے جو کچھ تمہاری طرف وحی کی جاتی ہے اسے توجہ سے سنو۔

مقدس وادی طویٰ میں اللہ پاک نے ایک درخت پر اپنی تجلی جمال ڈالی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام دور سے اسے آگ کی روشنی سمجھتے ہوئے اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ قریب پہنچ کر معلوم ہوا کہ یہ تو اللہ رب العزت کی تجلی ہے۔ اسی تجلی سے اللہ پاک خود حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہم کلام بھی ہوئے۔ آپ علیہ السلام نے اس تجلی جمال کا مشاہدہ دور اور قریب سے اپنی آنکھ سے کیا اور آپ علیہ السلام پر کسی قسم کی ہیبت بھی طاری نہ ہوئی۔

(۲)۔ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِاَهْلِهٖۤ اِنِّىْۤ اٰنَسْتُ نَارًا ؕ سَاٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ اٰتِيْكُمْ بِشِهَابٍ قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ○ فَلَمَّا جَآءَهَا نُوْدِىَ اَنْۢ بُوْرِكَ مَنْ فِى النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا ؕ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ يٰمُوْسٰۤى اِنَّهٗۤ اَنَا اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۙ. (سورۃ النمل، آیات: ۷-۹)

(اس وقت کو یاد کرو جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے گھر والوں سے کہا تھا: مجھے ایک آگ نظر آئی ہے۔ میں ابھی تمہارے پاس وہاں سے کوئی خبر لے کر آتا ہوں، یا پھر تمہارے پاس آگ کا کوئی شعلہ اٹھا کر لے آؤں گا، تاکہ تم آگ سے گرمی حاصل کرسکو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام وہاں پہنچے تو آواز آئی جو اس آگ میں ہے وہ مبارک ہے اور جو اس کے آس پاس ہے وہ بھی مبارک ہے۔ پاک ہے اللہ سب جہانوں کا پالنے والا۔ اے موسیٰ علیہ السلام میں ہوں اللہ زبردست اور حکمت والا)

ان آیات مبارکہ میں بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وادی طویٰ میں اللہ پاک کی تجلی کے مشاہدہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ تجلی اپنے نور کے سبب دور ہی سے نظر آتی تھی۔ اس دور میں رات کے وقت روشنی آگ ہی سے کی جاتی تھی۔ اسی لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دور سے اللہ پاک کی تجلی کی روشنی کو آگ کی روشنی خیال کیا۔ سردی سے بچنے اور حرارت حاصل کرنے کے خیال سے اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ یہ روشنی چونکہ آگ کی روشنی سمجھی گئی اس لیے قرآن پاک میں بھی اس کے لیے آگ کا ہی لفظ استعمال ہوا ہے اور اسے مقدس قرار دیا گیا ہے۔ پھر اللہ پاک نے اس تجلی کے ذریعے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا: میں ہی تمہارا رب ہوں۔ سارے جہانوں کا پالنے والا۔ زبردست طاقت اور حکمت والا۔ اس مشاہدہ کے بعد اللہ پاک نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا کو اژدھا بن جانے اور ہاتھ کو بغل میں ڈال کر نکالنے سے بلا عیب روشن اور چمک دار ہو جانے کے جیسے معجزات عطا فرمائے۔ یوں اللہ پاک نے اپنی اس تجلی جمال کا ایک پرتو بطور معجزہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں رکھ دیا۔ آپ علیہ السلام جب بھی اپنا ہاتھ اپنی بغل میں ڈال کر نکالتے وہ اس تجلی کے زیر اثر چمک اٹھتا۔ گویا یہ بھی اللہ پاک کی تجلی جمال کا عکس تھا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے بار بار ظاہر ہوتا رہا۔

(۳)۔ وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ.
(سورۃ انعام، آیت:۷۵)

(اور اسی طرح ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آسمانوں اور زمین کی عظیم سلطنت دکھا رہے تھے اور تاکہ وہ کامل یقین والوں میں سے ہو جائے)

اس آیت مبارکہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو زمین و آسمان کی سلطنت کا مشاہدہ کروایا۔ امام فخر الدین رازیؒ اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اللہ پاک

کے جلال و جمال کے انوار وتجلیات ہر لمحہ عیاں ہیں لیکن انسانی روح کسی نہ کسی حجاب کے باعث ان کے مشاہدہ سے محروم رہتی ہے۔ جیسے جیسے سالک کے دل کے حجابات ہٹتے جاتے ہیں ویسے ہی انوار کا مشاہدہ شروع ہو جاتا ہے۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تمام حجابات ہٹ گئے اور انوار الٰہی کے مشاہدہ میں کوئی آڑ باقی نہ رہی تو زمین و آسمان کی بے کراں وسعتوں میں قدرت خداوندی کے جو اسرار تھے سب ظاہر ہو گئے۔ آپ علیہ السلام کے لیے ہر چیز منکشف کر دی گئی۔

(تفسیر کبیر، ذیل سورۃ انعام، آیت: ۷۵)

(۴)۔ وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰی لِمِیْقَاتِنَا وَکَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِیْۤ اَنْظُرْ اِلَیْكَ ؕ قَالَ لَنْ تَرٰىنِیْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَی الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِیْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰی صَعِقًا. (سورۃ الاعراف، آیت: ۱۴۳)

(اور جب موسیٰ علیہ السلام ہمارے مقررہ وقت پر پہنچے اور ان کا رب ان سے ہم کلام ہوا تو وہ کہنے لگے: میرے پروردگار! مجھے دیدار کرا دیجیے کہ میں تجھے دیکھ لوں۔ فرمایا کہ تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکو گے، البتہ پہاڑ کی طرف نظر اٹھاؤ، اس کے بعد اگر وہ اپنی جگہ برقرار رہا تو تم مجھے دیکھ لو گے۔ پھر جب ان کے رب نے پہاڑ پر تجلی فرمائی تو اس کو ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑے)

اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ پاک سے کلام کے لیے بار بار کوہ طور پر تشریف لے جاتے تھے۔ اسی مبارک پہاڑ پر اللہ پاک آپ علیہ السلام سے بلا واسطہ کلام فرماتا تھا۔ ایک دفعہ جب اللہ پاک کے مقرر کردہ وقت پر کوہ طور پر پہنچے اور ہم کلام ہوئے تو دیدار الٰہی کا شوق پیدا ہوا۔ اللہ پاک سے اظہار فرمایا تو جواب ملا: اے موسیٰ علیہ السلام! تو مجھے نہیں دیکھ سکتا۔ اس پہاڑ کی طرف دیکھ اگر وہ میری تجلی جلال کی تاب لا سکا تو پھر تم بھی اس کی تاب تاب لا سکتے ہو۔ اس کے بعد اللہ پاک نے پہاڑ پر تجلی فرمائی تو وہ ریزہ ریزہ ہو گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس تجلی جلال کی تاب نہ لاتے ہوئے بے ہوش ہو گئے۔

قرآن پاک میں دیگر مقامات پر بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اللہ پاک کی تجلیات کو دیکھنے کا ذکر ملتا ہے (سورۃ النمل، آیات: ۷-۹ و سورۃ طٰہٰ، آیات: ۱۰-۱۳) لیکن وہاں بے ہوشی اور برداشت کا ذکر نہیں ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔

پس اللہ پاک جب چاہتا ہے اپنے انوار وتجلیات کا مشاہدہ کرا دیتا ہے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معاملہ میں ہوا۔ جب سالک کے دل میں اللہ پاک کی محبت قرار پکڑ لیتی ہے تو اس کے دل میں اللہ پاک کے دیدار کا شوق پیدا ہو جاتا ہے۔ اس مقام پر جمال الٰہی سے بعض سالکین پر حالت سکر یا مجذوبیت بھی طاری ہو جاتی ہے۔

(۵)۔ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ○ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ○ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى.
(سورۃ النجم، آیات: ۱۱-۱۳)

(جو کچھ انہوں نے دیکھا، دل نے اس میں کوئی غلطی نہیں کی۔ کیا پھر بھی تم ان سے اس چیز کے بارے میں جھگڑتے ہو جسے وہ دیکھتے ہیں؟ اور اس نے اس کو ایک بار اور بھی دیکھا ہے)

ان آیات مبارکہ میں بیان کیا گیا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ پاک کو معراج کی شب میں دو بار دیکھا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں معراج کی رات حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ پاک کی ذات بابرکات کا دو بار مشاہدہ فرمایا۔ اللہ پاک جب اپنی ذات خاص کے نور کی تجلی فرماتا ہے تو کوئی آنکھ اس کی تاب نہیں لاسکتی جبکہ اللہ تعالیٰ کی دیگر تجلیات کو دیکھا جا سکتا ہے۔ معراج کی شب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ پاک کو اپنی ظاہری آنکھ سے دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معراج کی شب اللہ پاک کو ایک مرتبہ سدرۃ المنتہیٰ اور دوسری مرتبہ عرش مبارک پر اپنی ظاہری آنکھ مبارک سے دیکھا۔

(مشکوٰۃ المصابیح، ج: ۵، رقم الحدیث: ۲۲۶)

(۶)۔ اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ○ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى. (سورۃ النجم، آیات: ۱۶-۱۷)

(اس وقت اس بیری کے درخت پر وہ چیزیں چھائی ہوئی تھیں جو بھی اس پر چھائی ہوئی تھیں۔ (پیغمبر کی) آنکھ نہ تو چندھیائی اور نہ حد سے آگے بڑھی)

ان آیات مبارکہ میں معراج کے واقعے میں مشاہدہ ذات باری تعالیٰ کے وقت حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حالت صحو کو بیان کیا گیا ہے۔ اس واقعے کے پہلے مرحلے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مسجد حرام سے بیت المقدس تک سیر کرائی گئی۔ بیت المقدس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام انبیا علیہم السلام کی امامت فرماتے ہوئے نماز پڑھائی۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اسی رات بیت المقدس سے آسمان دنیا تک لے جایا گیا۔

آپ ﷺ کے لیے پہلے آسمان کا دروازہ کھلوایا گیا۔ پہلے آسمان پر آپ ﷺ نے حضرت آدم علیہ السلام سے ملاقات فرمائی۔ اللہ پاک نے آپ ﷺ کو حضرت آدم علیہ السلام کے دائیں جانب سعادت مند روحیں اور بائیں طرف بدبخت روحیں دکھلائیں۔ پھر حضور نبی پاک ﷺ کو دوسرے آسمان پر لے جایا گیا۔ وہاں پر آپ ﷺ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھا۔ دونوں سے ملاقات کی اور سلام کیا۔ دونوں نے آپ ﷺ کے سلام کا جواب دیا۔

پھر حضور نبی کریم ﷺ کو تیسرے آسمان پر لے جایا گیا۔ آپ ﷺ نے وہاں حضرت یوسف علیہ السلام سے ملاقات فرمائی۔ پھر چوتھے آسمان پر لے جایا گیا۔ وہاں آپ ﷺ نے حضرت ادریس علیہ السلام کو دیکھا۔ پھر پانچویں آسمان پر لے جایا گیا۔ وہاں آپ ﷺ نے حضرت ہارون علیہ السلام سے ملاقات فرمائی۔ پھر آپ ﷺ چھٹے آسمان پر تشریف فرما ہوئے۔ وہاں پر آپ ﷺ کی ملاقات حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہوئی۔ اس کے بعد آپ ﷺ کو ساتویں آسمان پر لے جایا گیا۔ وہاں پر آپ ﷺ کی ملاقات حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام سے ہوئی۔ اس کے بعد آپ ﷺ کو سدرۃ المنتہیٰ تک لے جایا گیا۔

سدرۃ المنتہیٰ کی شان اور کیفیت بیان سے باہر تھی۔ اس پر ایسی تجلیات چھا رہی تھیں کہ ہر لحظہ اس کا رنگ تبدیل ہو رہا تھا۔ ایسا حسن برس رہا تھا کہ الفاظ کی گرفت میں نہیں آ سکتا۔ آپ ﷺ نے سدرۃ المنتہیٰ پر اللہ پاک کی تجلیات کا مشاہدہ فرمایا۔ ان تجلیات سے نہ تو آپ ﷺ کی آنکھیں چندیائیں اور نہ اپنی حد سے آگے بڑھیں۔ گویا آپ ﷺ کی آنکھ ان تجلیات میں محو ہونے کی بجائے حالت صحو میں ہی رہے۔

۳۔ مشاہدہ احادیث مبارکہ کی روشنی میں

اللہ پاک کے انوار و تجلیات کا مشاہدہ کرنا بعض احادیث مبارکہ سے بھی واضح ہے۔ ان سے میں سے کچھ حسب ذیل ہیں:

(۱)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: " أَتَانِي رَبِّي فِي أَحْسَنِ صُورَةٍ، فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ، قُلْتُ: لَبَّيْكَ رَبِّ وَسَعْدَيْكَ، قَالَ: فِيمَ يَخْتَصِمُ

الْمَلَأُ الْأَعْلَى ؟ قُلْتُ: رَبِّ لَا أَدْرِي، فَوَضَعَ يَدَهُ بَيْنَ كَتِفَيَّ فَوَجَدْتُ بَرْدَهَا بَيْنَ ثَدْيَيَّ فَعَلِمْتُ مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ، فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ، فَقُلْتُ: لَبَّيْكَ رَبِّ وَسَعْدَيْكَ، قَالَ: فِيمَ يَخْتَصِمُ الْمَلَأُ الْأَعْلَى ؟ قُلْتُ: فِي الدَّرَجَاتِ، وَالْكَفَّارَاتِ، وَفِي نَقْلِ الْأَقْدَامِ إِلَى الْجَمَاعَاتِ، وَإِسْبَاغِ الْوُضُوءِ فِي الْمَكْرُوهَاتِ، وَانْتِظَارِ الصَّلَاةِ بَعْدَ الصَّلَاةِ، وَمَنْ يُحَافِظْ عَلَيْهِنَّ عَاشَ بِخَيْرٍ وَمَاتَ بِخَيْرٍ وَكَانَ مِنْ ذُنُوبِهِ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ". (جامع ترمذی، ج:۲، رقم الحدیث:۱۱۸۲)

(حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میرا رب میرے پاس نہایت اچھی صورت میں آیا اور فرمایا: اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں نے عرض کیا: یا رب حاضر ہوں اور تیری فرماں برداری کے لیے تیار ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا مقربین فرشتے کس بات میں جھگڑتے ہیں؟ میں نے عرض کیا: اے میرے پروردگار! مجھے علم نہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ میرے شانوں کے درمیان رکھا جس کی ٹھنڈک میں نے اپنے سینے میں محسوس کی اور مشرق ومغرب کے درمیان جو کچھ ہے سب کچھ جان لیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے پوچھا: اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں نے عرض کیا: اے میرے پروردگار حاضر ہوں اور تیری فرماں برداری کے لیے تیار ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا مقرب فرشتے کس چیز کے متعلق جھگڑتے ہیں؟ میں نے عرض کیا درجات اور کفارات میں۔ مساجد کی طرف پیدل چلنے میں۔ تکلیف کے باوجود اچھی طرح وضو کرنے میں۔ جو ان چیزوں کی حفاظت کرے گا وہ بھلائی کے ساتھ زندہ رہے گا اور خیر ہی پر اس کو موت آئے گی اور اپنے گناہوں سے اس طرح پاک رہے گا گویا کہ آج ہی اس کی ماں نے اسے جنا ہے)

(۲)۔ عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "فَإِذَا تَجَلَّى اللَّهُ لِشَيْءٍ مِنْ خَلْقِهِ خَشَعَ لَهُ". (سنن ابن ماجہ، ج:۱، رقم الحدیث:۱۲۶۲)

(حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب اللہ تعالیٰ کسی چیز پر اپنی تجلی فرماتا ہے تو وہ اس کے سامنے عاجزی کرنے لگتی ہے)

(۳)۔ عَنْ زُبَيْدٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : كَيْفَ أَصْبَحْتَ يَا حَارِثَ بْنَ مَالِكٍ، قَالَ : أَصْبَحْتُ مُؤْمِنًا حَقًّا ، قَالَ : إِنَّ لِكُلِّ قَوْلٍ حَقِيقَةً فَمَا حَقِيقَةُ ذٰلِكَ ، قَالَ : أَصْبَحْتُ عَزَفَتْ نَفْسِي عَنِ الدُّنْيَا فَأَسْهَرْتُ لَيْلِي وَأَظْمَأْتُ نَهَارِي وَلَكَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى عَرْشِ رَبِّي قَدْ أُبْرِزَ لِلْحِسَابِ ، وَلَكَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى أَهْلِ

الْجَنَّةِ يَتَزَاوَرُونَ فِي الْجَنَّةِ، وَلَكَأَنِّي أَسْمَعُ عُوَاءَ أَهْلِ النَّارِ، قَالَ: فَقَالَ لَهُ: عَبْدٌ نُوِّرَ الإِيمَانُ فِي قَلْبِهِ. (مصنف ابن ابی شیبہ، ج:۹، رقم الحدیث:۱۲۰)

(حضرت زبید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کری صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا: اے حارث بن مالک رضی اللہ عنہ تم نے کس حال میں صبح کی؟ حضرت حارث رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میں نے سچا مومن ہونے کی حالت میں صبح کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یقیناً ہر بات کی ایک حقیقت ہوتی ہے، تمہارے ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ آپ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میں نے اس حال میں صبح کی کہ میرے نفس نے دنیا سے کنارہ کشی اختیار کی۔ میں نے راتوں میں خود کو جگایا (رات میں عبادت کی) اور دن میں خود کو پیاسا رکھا (روزہ رکھا)۔ لگتا ہے کہ میں اپنے رب کے عرش کی طرف دیکھ رہا ہوں کہ وہ حساب لینے کے لیے ظاہر ہو گیا ہے۔ لگتا ہے کہ میں اہل جنت کی طرف دیکھ رہا ہوں کہ وہ جنت میں ایک دوسرے سے بات چیت کر رہے ہیں اور لگتا ہے کہ میں اہل جہنم کی چیخ و پکار کی آواز سن رہا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے ارشاد فرمایا: یہ ایسا بندہ ہے کہ اس کے دل میں نور ایمان بھر دیا گیا ہے)

حضرت حارث بن مالک رضی اللہ عنہ پر اللہ پاک کی عبادت اور انوار و تجلیات کا غلبہ ہو گیا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ اس غلبہ کی وجہ سے عرش الٰہی اور جنت و جہنم کو اپنے سامنے پاتے تھے۔

(۴)۔ عَنْ أَبِي مُوسَى رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَتَى تَنْقَطِعُ مَعْرِفَةُ الْعَبْدِ مِنَ النَّاسِ؟، قَالَ: إِذَا عَايَنَ".

(سنن ابن ماجہ، ج:۱، رقم الحدیث:۱۴۵۳)

(حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا بندے کی لوگوں سے جان پہچان کب ختم ہو جاتی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب وہ مشاہدہ کر لے)

(۵)۔ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: بَيْنَمَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ إِذْ طَلَعَ عَلَيْنَا رَجُلٌ شَدِيدُ بَيَاضِ الثِّيَابِ شَدِيدُ سَوَادِ الشَّعَرِ لَا يُرَى عَلَيْهِ أَثَرُ السَّفَرِ، وَلَا يَعْرِفُهُ مِنَّا أَحَدٌ حَتَّى جَلَسَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَسْنَدَ رُكْبَتَيْهِ إِلَى رُكْبَتَيْهِ، وَوَضَعَ كَفَّيْهِ عَلَى فَخِذَيْهِ.

ثُمَّ قَالَ: يَا مُحَمَّدُ أَخْبِرْنِي عَنِ الإِسْلَامِ؟ قَالَ: "أَنْ تَشْهَدَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ، وَتُقِيمَ الصَّلَاةَ، وَتُؤْتِيَ الزَّكَاةَ، وَتَصُومَ رَمَضَانَ وَتَحُجَّ الْبَيْتَ إِنِ

اسْتَطَعْتَ إِلَيْهِ سَبِيلًا". قَالَ: صَدَقْتَ، فَعَجِبْنَا إِلَيْهِ يَسْأَلُهُ وَيُصَدِّقُهُ.
ثُمَّ قَالَ: أَخْبِرْنِي عَنِ الْإِيمَانِ؟ قَالَ: "أَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلَائِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْقَدَرِ كُلِّهٖ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ". قَالَ: صَدَقْتَ.
قَالَ: فَأَخْبِرْنِي عَنِ الْإِحْسَانِ؟ قَالَ: "أَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ، فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ".
قَالَ: فَأَخْبِرْنِي عَنِ السَّاعَةِ؟ قَالَ: "مَا الْمَسْئُولُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ بِهَا مِنَ السَّائِلِ".
قَالَ: فَأَخْبِرْنِي عَنْ أَمَارَاتِهَا؟ قَالَ: "أَنْ تَلِدَ الْأَمَةُ رَبَّتَهَا، وَأَنْ تَرَى الْحُفَاةَ الْعُرَاةَ الْعَالَةَ رِعَاءَ الشَّاءِ يَتَطَاوَلُونَ فِي الْبُنْيَانِ".
قَالَ: عُمَرُ فَلَبِثْتُ ثَلَاثًا، ثُمَّ قَالَ لِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "يَا عُمَرُ، هَلْ تَدْرِي مَنِ السَّائِلُ؟". قُلْتُ: اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ. قَالَ: "فَإِنَّهُ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامِ أَتَاكُمْ لِيُعَلِّمَكُمْ أَمْرَ دِينِكُمْ". (صحیح بخاری، ج:۱، رقم الحدیث:۴۹ حدیث متواتر)

(حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ہم حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس مبارک میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک ایک آدمی آیا، جس کا لباس نہایت صاف ستھرا، سفید تھا اور بال خاصے سیاہ تھے۔ اس آدمی پر نہ تو سفر کی کوئی علامت تھی اور نہ ہم میں سے کوئی اس کو پہچانتا تھا۔ وہ آدمی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اتنے قریب آکر بیٹھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھٹنوں سے اپنے گھٹنے ملا لیے اور پھر اس نے اپنے دونوں ہاتھ اپنی دونوں رانوں پر رکھ لیے۔

اس کے بعد اس نے عرض کیا: اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! مجھ کو اسلام کی حقیقت سے آگاہ فرمائیے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اسلام یہ ہے کہ تم اس حقیقت کا اعتراف کرو اور گواہی دو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور پھر تم پابندی سے نماز پڑھو، زکوۃ ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو اور استطاعت (وسائل) میسر ہو تو بیت اللہ کا حج کرو۔ اس آدمی نے یہ سن کر کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچ فرمایا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس پر ہمیں تعجب ہوا کہ یہ آدمی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کرتا ہے اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جواب کی تصدیق بھی کرتا ہے۔

پھر وہ آدمی بولا: اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اب ایمان کی حقیقت بیان فرمائیے؟ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایمان یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کو، اس کے فرشتوں کو، اس کی کتابوں کو، اس کے رسولوں

کو اور قیامت کے دن کو دل سے مانو اور اس بات پر یقین رکھو کہ برا بھلا جو کچھ پیش آتا ہے وہ تقدیر کے مطابق ہے۔ اس آدمی نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچ فرمایا۔

پھر وہ شخص بولا اچھا اب مجھے یہ بتائیے کہ احسان کیا ہے؟ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: احسان یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو اور اگر ایسا ممکن نہ ہو تو پھر (یہ دھیان میں رکھو کہ) وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔

پھر اس آدمی نے عرض کیا کہ مجھے قیامت کے بارے میں بتائیے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس بارے میں جواب دینے والا، سوال کرنے والے سے زیادہ نہیں جانتا۔ اس کے بعد اس آدمی نے کہا: اچھا! اس کی کچھ نشانیاں ہی مجھے بتا دیجئے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ لونڈی اپنے آقا کو جنے گی اور ننگے پاؤں، ننگے جسم والے مفلس وفقیر اور بکریاں چرانے والوں کو تم عالی شان مکانات میں فخر وغرور کی زندگی بسر کرتے دیکھو گے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں (اس کے بعد وہ آدمی چلا گیا) میں نے تین دن توقف کیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود ہی مجھ سے پوچھا: اے عمر (رضی اللہ عنہ)! جانتے ہو سوالات کرنے والا آدمی کون تھا؟ میں نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی بہتر جانتے ہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ حضرت جبریل علیہ السلام تھے جو تم لوگوں کو تمہارا دین سکھانے آئے تھے)

اس حدیث مبارکہ میں احسان کا پہلا درجہ یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ پاک کی عبادت اس طرح کرو کہ تم اسے دیکھ رہے ہو۔ یعنی سالک پر حق تعالیٰ کی تجلیات منکشف ہو جائیں۔ یہ حال مشاہدہ ہے۔ جب سالک اپنی قوت یقین سے اس مقام پر پہنچے کہ اللہ پاک اسے دیکھ رہا ہے تو یہ حال مراقبہ ہے۔

(۶)۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: "خَسَفَتِ الشَّمْسُ فَصَلَّى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّاسُ مَعَهُ، فَقَامَ قِيَامًا طَوِيلًا قَرَأَ نَحْوًا مِنْ سُورَةِ الْبَقَرَةِ، قَالَ: ثُمَّ رَكَعَ رُكُوعًا طَوِيلًا، ثُمَّ رَفَعَ فَقَامَ قِيَامًا طَوِيلًا وَهُوَ دُونَ الْقِيَامِ الْأَوَّلِ، ثُمَّ رَكَعَ رُكُوعًا طَوِيلًا وَهُوَ دُونَ الرُّكُوعِ الْأَوَّلِ، ثُمَّ سَجَدَ ثُمَّ قَامَ قِيَامًا طَوِيلًا وَهُوَ دُونَ الْقِيَامِ الْأَوَّلِ، ثُمَّ رَكَعَ رُكُوعًا طَوِيلًا وَهُوَ دُونَ الرُّكُوعِ الْأَوَّلِ، ثُمَّ رَفَعَ فَقَامَ قِيَامًا طَوِيلًا وَهُوَ دُونَ الْقِيَامِ الْأَوَّلِ، ثُمَّ رَكَعَ رُكُوعًا طَوِيلًا وَهُوَ دُونَ الرُّكُوعِ الْأَوَّلِ، ثُمَّ سَجَدَ، ثُمَّ انْصَرَفَ وَقَدْ تَجَلَّتِ الشَّمْسُ، فَقَالَ: "إِنَّ الشَّمْسَ

وَالْقَمَرَ آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللّٰهِ لَا يَخْسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهِ، فَإِذَا رَأَيْتُمْ ذٰلِكَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ".

قَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَيْنَاكَ تَنَاوَلْتَ شَيْئًا فِي مَقَامِكَ هٰذَا ثُمَّ رَأَيْنَاكَ تَكَعْكَعْتَ، قَالَ: "إِنِّي رَأَيْتُ الْجَنَّةَ أَوْ أُرِيتُ الْجَنَّةَ فَتَنَاوَلْتُ مِنْهَا عُنْقُودًا وَلَوْ أَخَذْتُهُ لَأَكَلْتُمْ مِنْهُ مَا بَقِيَتِ الدُّنْيَا، وَرَأَيْتُ النَّارَ فَلَمْ أَرَ كَالْيَوْمِ مَنْظَرًا قَطُّ". (سنن نسائی، ج:۱، رقم الحدیث:۱۴۹۸)

(حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سورج گرہن ہوا تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صلوۃ الکسوف پڑھی۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طویل قیام کیا اور اس میں اتنی قرأت کی جتنی سورت البقرہ کی طوالت ہے۔ پھر طویل رکوع کیا پھر اٹھے اور پہلے قیام سے کم قیام کیا۔ پھر رکوع میں گئے اور پہلے رکوع سے کم طویل رکوع کیا۔ پھر سجدہ کیا پھر پہلے قیام سے کم طویل قیام کیا پھر رکوع میں گئے اور پہلے سے کم طویل رکوع کیا پھر کھڑے ہوئے اور پہلے سے کم طویل قیام کیا پھر سجدہ کیا اور نماز سے فارغ ہوئے۔ اس وقت سورج صاف ہو چکا تھا۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سورج اور چاند رب کریم کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں۔ انہیں کسی کی موت و حیات کی وجہ سے گرہن نہیں لگتا۔ تم اگر کبھی ایسا دیکھو تو اپنے رب کو یاد کیا کرو۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہم نے (دوران نماز) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی جگہ سے شاید کوئی چیز پکڑنے کے لیے آگے ہوئے۔ پھر ہم نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیچھے کی طرف ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں نے جنت کو دیکھا یا مجھے جنت دکھائی گئی تو اس میں سے میووں کا ایک گچھا توڑنے کے لیے آگے بڑھا۔ اگر میں لے لیتا تو جب تک دنیا باقی ہے تم اس میں سے کھاتے رہتے۔ پھر میں نے دوزخ دیکھی۔ میں نے آج تک اس سے خوفناک کوئی چیز مشاہدہ نہیں کی)

(۷)۔ عَنْ أَبِي مِجْلَزٍ، عَنْ قَيْسِ بْنِ عُبَادٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: صَلَّى عَمَّارُ بْنُ يَاسِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، بِالْقَوْمِ صَلَاةً أَخَفَّهَا فَكَأَنَّهُمْ أَنْكَرُوهَا، فَقَالَ: أَلَمْ أُتِمَّ الرُّكُوعَ وَالسُّجُودَ؟، قَالُوا: بَلَى، قَالَ: أَمَا إِنِّي دَعَوْتُ فِيهَا بِدُعَاءٍ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْعُو بِهِ: "اللّٰهُمَّ بِعِلْمِكَ الْغَيْبَ وَقُدْرَتِكَ عَلَى الْخَلْقِ أَحْيِنِي مَا عَلِمْتَ الْحَيَاةَ خَيْرًا لِي، وَتَوَفَّنِي إِذَا عَلِمْتَ الْوَفَاةَ خَيْرًا لِي، وَأَسْأَلُكَ خَشْيَتَكَ فِي الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ، وَكَلِمَةَ

الْإِخْلَاصِ فِي الرِّضَا وَالْغَضَبِ، وَأَسْأَلُكَ نَعِيمًا لَا يَنْفَدُ، وَقُرَّةَ عَيْنٍ لَا تَنْقَطِعُ، وَأَسْأَلُكَ الرِّضَاءَ بِالْقَضَاءِ وَبَرْدَ الْعَيْشِ بَعْدَ الْمَوْتِ وَلَذَّةَ النَّظَرِ إِلَى وَجْهِكَ وَالشَّوْقَ إِلَى لِقَائِكَ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ ضَرَّاءَ مُضِرَّةٍ وَفِتْنَةٍ مُضِلَّةٍ، اللَّهُمَّ زَيِّنَّا بِزِينَةِ الْإِيمَانِ وَاجْعَلْنَا هُدَاةً مُهْتَدِينَ". (سنن نسائی، ج:۱، رقم الحدیث:۱۳۱۱)

(حضرت ابومجلزؒ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے ہمیں بہت مختصر نماز پڑھائی تو لوگوں نے اسے ناپسند کیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا میں نے رکوع سجود مکمل نہیں کیا؟ لوگوں نے کہا کیوں نہیں۔ انہوں نے فرمایا: میں نے اس میں ایک دعا مانگی ہے جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مانگتے تھے اور وہ یہ ہے:

اللَّهُمَّ بِعِلْمِكَ الْغَيْبَ وَقُدْرَتِكَ عَلَى الْخَلْقِ أَحْيِنِي مَا عَلِمْتَ الْحَيَاةَ خَيْرًا لِي وَتَوَفَّنِي إِذَا كَانَتْ الْوَفَاةُ خَيْرًا لِي أَسْأَلُكَ خَشْيَتَكَ فِي الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ وَكَلِمَةَ الْحَقِّ فِي الْغَضَبِ وَالرِّضَا وَالْقَصْدَ فِي الْفَقْرِ وَالْغِنَى وَلَذَّةَ النَّظَرِ إِلَى وَجْهِكَ وَالشَّوْقَ إِلَى لِقَائِكَ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ ضَرَّاءَ مُضِرَّةٍ وَمِنْ فِتْنَةٍ مُضِلَّةٍ اللَّهُمَّ زَيِّنَّا بِزِينَةِ الْإِيمَانِ وَاجْعَلْنَا هُدَاةً مَهْدِيِّينَ

(اے میرے پروردگار! اپنے علم غیب اور مخلوق پر قدرت کی وجہ سے مجھے اس وقت تک زندگی عطا فرما جب تک تیرے علم کے مطابق میرے لیے بہتری ہو۔ جب میرے لیے موت بہتر ہو تو مجھے موت سے ہمکنار فرما۔ میں ظاہر باطن میں تیری خشیت کا سوال کرتا ہوں۔ ناراضی اور رضامندی میں کلمہ حق کہنے کی اور تنگدستی اور کشادہ دستی میں میانہ روی، تیرے روئے انور کی زیارت اور تجھ سے ملاقات کا شوق مانگتا ہوں۔ نقصان دہ چیزوں سے اور گمراہ کن فتنوں سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔ اے اللہ! ہمیں ایمان کی زینت سے مزین فرما اور ہمیں ہدایت یافتہ اور ہدایت کنندہ بنا)

(۸)۔ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: صَلَّى لَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ رَقَا الْمِنْبَرَ فَأَشَارَ بِيَدَيْهِ قِبَلَ قِبْلَةِ الْمَسْجِدِ، ثُمَّ قَالَ: "لَقَدْ رَأَيْتُ الْآنَ مُنْذُ صَلَّيْتُ لَكُمُ الصَّلَاةَ الْجَنَّةَ وَالنَّارَ مُمَثَّلَتَيْنِ فِي قِبْلَةِ هَذَا الْجِدَارِ، فَلَمْ أَرَ كَالْيَوْمِ فِي الْخَيْرِ وَالشَّرِّ ثَلَاثًا". (صحیح بخاری، ج:۱، رقم الحدیث:۷۲۰)

(حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں نماز پڑھائی۔ اس کے بعد منبر پر تشریف فرما ہوئے اور اپنے دونوں ہاتھوں سے مسجد کے قبلے کی طرف

اشارہ کیا۔ پھر ارشاد فرمایا: میں نے اس وقت جب کہ تمہیں نماز پڑھانی شروع کی جنت اور دوزخ کی مثال اس دیوار کے قبلہ میں دیکھی۔ میں نے آج کے دن کی طرح خیر اور شر کبھی نہیں دیکھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ تین مرتبہ ارشاد فرمایا)

(۹)۔ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "اتَّقُوا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَإِنَّهُ يَنْظُرُ بِنُورِ اللّٰهِ". (جامع ترمذی، ج:۲، رقم الحدیث: ۱۰۷۱)

(حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مومن کی فراست سے بچو کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے)

(۱۰)۔ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ سَابِطٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ اللّٰهَ تَجَلَّى لِي فِي أَحْسَنِ صُورَةٍ".

(مصنف ابن ابی شیبہ، ج:۹، رقم الحدیث: ۱۴۲۰)

(حضرت عبدالرحمن بن سابط رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بیشک اللہ تعالیٰ نے میرے سامنے بہترین صورت میں تجلی فرمائی)

۴۔ مشاہدہ کی اقسام

مشاہدہ حق کی دو اقسام حسب ذیل ہیں:

(۱)۔ **مشاہدہ تام:** مشاہدہ تام سے مراد اللہ تعالیٰ کا دیدار ہے جو اہل ایمان کو جنت میں ہوگا، دنیا میں نہیں ہوسکتا۔ مشاہدہ تام کی تائید بے شمار احادیث مبارکہ سے ہوتی ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا: اے اللہ پاک کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا ہم اپنے رب کو قیامت کے دن دیکھیں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا تمہیں دوپہر کے وقت میں جبکہ کوئی بادل نہ ہو سورج کے دیکھنے میں کوئی مشقت ہوتی ہے؟ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا نہیں! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا تمہیں چودہویں رات کے چاند کے دیکھنے میں جبکہ بادل نہ ہوں کوئی مشقت ہوتی ہے؟ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ تم لوگوں کو اپنے رب کے دیکھنے میں کسی قسم کا حجاب نہیں ہوگا سوائے اس

کے کہ جتنا تمہیں سورج اور چاند میں سے کسی ایک کے دیکھنے میں حجاب ہوتا ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا: پھراس کے بعداللہ پاک اپنے بندوں سے ملاقات کرے گا۔

(صحیح مسلم،ج:۳،رقم الحدیث:۷۲۹۳)

(۲)۔ **مشاہدہ ناقص تام:** سالک اس دنیا میں رہتے ہوئے اللہ رب العزت کے انوار وتجلیات کا مشاہدہ کرتا ہے جسے مشاہدہ ناقص تام کہا جاتا ہے۔چونکہ دنیا میں سالک کواس سے کچھ تسلی ہوجاتی ہے اس لیے ناقص مشاہدہ کوبھی مشاہدہ کہا جاتا ہے۔

اس عالم رنگ و بو میں دوامی مشاہدہ خلاف مصلحت ہے بندے ایسے مشاہدہ کا متحمل نہیں ہوسکتا۔ تجلی دائمی سے ہمہ وقت استغراقی کیفیت کے طاری رہنے سے اعمال میں کمی واقع ہوجاتی ہے۔ جس سے قرب الٰہی کم ہوجاتا ہے کیونکہ قرب کا مدار اعمال ہی پر ہے۔اس لیے حق تعالیٰ نے یہ تو نہیں کیا کہ رؤیت کے ہوتے ہوئے رؤیت سے منع کر دیا ہو کیونکہ یہ صورت سالک کے لیے انتہائی سخت ہے بلکہ یہ کیا کہ سالک کومخلوق کی طرف بھی متوجہ کر دیا تا کہ ہر وقت مشاہدہ کرنے سے سالکین حق کے دل پھٹ نہ جائیں اوران کا شوق معتدل رہے۔

۵۔ تجلی کی اقسام

سالک چونکہ اللہ پاک کے انوار وتجلیات کا مشاہدہ کرتا ہے۔اس لیے ضروری ہے کہ تجلیات کی اقسام کوبھی واضح کیا جائے۔تجلی کی چار اقسام ہیں جوحسب ذیل ہیں:

(۱)۔ **تجلی ذات:** تجلی ذات کا مطلب یہ ہے کہ سالک کا ایمان ویقین اس درجہ قوی ہوجائے کہ وہ اللہ پاک کودیکھ رہا ہے اوراللہ تعالیٰ کے علاوہ سے بالکل بےخبر ہوجائے۔جیسا کہ حدیث جبریل علیہ السلام میں ہے: حضور نبی کریم ﷺ نے ارشادفرمایا: احسان یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو گویا کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو۔(صحیح بخاری،ج:۱،رقم الحدیث:۴۹)

تجلی ذات میں محویت کی مثال حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے۔آپ رضی اللہ عنہ طواف کر رہے تھے کہ کسی نے سلام کیا۔آپ رضی اللہ عنہ نے جواب نہیں دیا۔سلام کرنے والے نے آپ رضی اللہ عنہ کے

احباب سے اس کی شکایت کی تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں طواف میں اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا تھا۔ مجھے اس کے سلام کا پتہ ہی نہیں چلا۔ (حجۃ اللہ البالغہ، ج:۴،ص:۴۵۵)

(۲)۔ **تجلی صفات:** ایسی تجلی جس کا مرکز اللہ تعالیٰ کی کوئی صفت ہوتی ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کے سمیع و بصیر ہونے کا مراقبہ یا اس کی صفات رحیمی و کریمی یا غفاریت کا تصور۔ تجلی صفات کی دو صورتیں ہیں جو حسب ذیل ہیں:

(i)۔ تجلی صفات کی پہلی صورت یہ ہے کہ بندہ مخلوق میں اللہ پاک کی کرشمہ سازی کا مشاہدہ کرے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات کو ذہن میں لائے۔ یہاں تک کہ اس پر اللہ رب العزت کی قدرت کا یقین غالب آجائے۔ اسباب پر نظر نہ رہے اور کسی چیز کا خوف باقی نہ رہے۔ سالک پر یہ تصور غالب آجائے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ہر فعل سے آگاہ ہے۔ وہ اس تصور سے مرعوب و مدہوش ہو کر رہ جائے۔ جیسا کہ حدیث جبریل علیہ السلام میں ہے کہ اگر آپ اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھتے تو وہ آپ کو دیکھتا ہے۔

(صحیح بخاری، ج:۱، رقم الحدیث:۴۹)

(ii)۔ تجلی صفات کی دوسری صورت یہ ہے کہ سالک یہ اعتقاد رکھے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حکم کُن (ہو جا) سے ہر کام کرتا ہے اور ظاہری اسباب کا محتاج نہیں۔

(۳)۔ **تجلی حکم ذات:** یہ کہ سالک بصیرت قلبی سے دنیا و آخرت میں مجازات کا مشاہدہ کرے اور انہیں اپنے وجدان سے جانے۔

۶۔ اہل مشاہدہ کے احوال

اہل مشاہدہ کے احوال تین طرح کے ہیں جو حسب ذیل ہیں:

(۱)۔ پہلے حال پر فائز سالک اس کائنات میں موجود اشیا کو عبرت و فکر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اس درجے پر فائز سالک کو اصاغر (چھوٹا سالک) کہتے ہیں۔

(۲)۔ مشاہدہ کے دوسرے درجے پر فائز سالک اور اللہ پاک کے مابین مشاہدے کا تعلق استوار ہوتا

ہے تو اس کے وہم وخیال میں بھی اللہ پاک کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا۔

(۳)۔ تیسرے درجے پر فائز سالکین کے قلوب مشاہدہ حق تعالیٰ اس حال میں کرتے ہیں کہ فقط حق ظاہر ہوتا ہے اور خلق مخفی ہوتی ہے۔ گویا وہ ہر شے میں اسی کو دیکھتے اور جملہ کائنات کا اسی کی آنکھ سے مشاہدہ کرتے ہیں۔ اس طرح وہ بیک وقت حاضر بھی ہوتے ہیں اور غائب بھی۔ وہ دونوں حالتوں میں صرف اللہ تعالیٰ ہی کو موجود پاتے ہیں۔ الغرض وہ اللہ تعالیٰ کو ظاہراً و باطناً اور اولاً و آخراً دیکھتے ہیں۔

۷۔ مشاہدہ کے بارے میں صوفیائے کرامؒ کے اقوال

مشاہدہ کے بارے میں صوفیا کرامؒ سے بہت اقوال منسوب ہیں۔ جن میں کچھ حسب ذیل ہیں:

(۱)۔ حضرت ابوسعید خرازؒ فرماتے ہیں کہ جس نے اپنے قلب سے ذات حق کا مشاہدہ کیا، اس سے اللہ تعالیٰ کے علاوہ سب کچھ منفی ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ کی عظمت کے سامنے کسی اور شے کا وجود معدوم ہو گیا اور دل میں فقط وجود حق ہی باقی رہ گیا۔ (کتاب اللمع، ص: ۱۱۳)

(۲)۔ حضرت عمر بن عثمان مکیؒ فرماتے ہیں کہ جو چیز دل کو غیب سے غیب کے ذریعے حاصل ہوا اور اسے نہ تو عیاں کیا جا سکے اور نہ وجد سمجھا جا سکے اسے مشاہدہ کہتے ہیں۔ (کتاب اللمع، ص: ۱۱۳)

(۳)۔ حضرت عمر مکیؒ فرماتے ہیں کہ مشاہدہ خلق سے غائب اور اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر رہنے کو کہتے ہیں اور اسی حضور کو قرب الٰہی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ (کتاب اللمع، ص: ۱۱۳)

(۴)۔ حضرت عمر بن عثمان مکیؒ فرماتے ہیں کہ مشاہدہ کی صورت میں صوفی کے دل پر لگاتار تجلی ہوتی ہے اور درمیان میں کسی قسم کا انقطاع اور پردہ نہیں ہوتا جس طرح مسلسل بجلی چمکنے کو فرض کر لیا جائے۔ پس جس طرح اندھیری رات میں بجلی لگاتار چمکے تو اس سے دن جیسی روشنی پیدا ہو جاتی ہے اسی طرح دل پر متواتر تجلی ہو تو سالک کے لیے دن چڑھ آتا ہے اور رات باقی نہیں رہتی۔

(رسالہ قشیریہ، ص: ۱۷۶-۱۷۷)

(۵)۔ حضرت سلطان باہوؒ فرماتے ہیں کہ اہل ربوبیت اللہ تعالیٰ کو مراقبہ کے مشاہدہ میں خود سے بے خود ہو کر دیکھتے ہیں۔ (عین الفقر، ص:۱۶۷)

(۶)۔ حضرت محمد بن واسعؒ فرماتے ہیں کہ میں نے جس چیز کو بھی دیکھا اسی میں مجھے صحت یقین کے ساتھ حق تعالیٰ جلوہ گر نظر آیا۔ (کشف المحجوب، ص:۵۲۱)

(۷)۔ حضرت شیخ شبلیؒ فرماتے ہیں کہ محبت الٰہی کے غلبہ اور جوش مشاہدہ میں، میں نے اللہ پاک کے سوا کسی چیز کو دیکھا ہی نہیں۔ (کشف المحجوب، ص:۵۲۱)

(۸)۔ حضرت سہل بن عبداللہ تستریؒ فرماتے ہیں کہ جو کوئی ایک لمحے کے لیے بھی حق تعالیٰ کو دیکھنے سے غافل ہو گیا وہ اپنی طویل زندگی میں راہ راست پر نہیں آ سکتا۔ (کشف المحجوب، ص:۵۲۱)

(۹)۔ حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ مشاہدہ یہ ہے کہ سالک حق تعالیٰ کے وجود میں خود کو کھو دینے اور فنا کر دینے کے ساتھ مشاہدہ کرے۔ (کشف المحجوب، ص:۵۲۲)

(۱۰)۔ شیخ ابونصر سراجؒ فرماتے ہیں کہ مشاہدہ قدرت حق کی نشانیاں دیکھ کر قلب میں حضور حق کا پیدا ہونا اور باہم قریب آنے کا نام ہے۔ (جنیدؒ و بایزیدؒ، ص:۲۲۴)

(۱۱)۔ شیخ عبداللہ انصاریؒ فرماتے ہیں کہ مشاہدہ کا مفہوم خالق و مخلوق کے درمیان تمام حجابات کا اٹھ جانا ہے۔ اس تک رسائی تین چیزوں سے ہے:

(i)۔ علم کے درجے سے حکمت کے درجے تک پہنچنا۔ آدمی علم کے درجے سے حکمت کے مرتبہ پر تین چیزوں سے پہنچتا ہے جو حسب ذیل ہیں: (ا)۔ علم پر عمل پیرا ہو کر، (ب)۔ احکام الٰہی کی تعظیم سے، (ج)۔ سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پیروی سے۔

(ii)۔ صبر کے درجے سے تصفیہ باطن کے مقام تک پہنچنا۔ سالک صبر کے درجے سے تصفیہ باطن کے درجے تک تین چیزوں سے پہنچتا ہے۔ جو حسب ذیل ہیں: (ا)۔ باہمی نزاع ترک کر کے، (ب)۔ اپنی حکمت عملی سے کنارہ کش ہو کر، (ج)۔ رضائے الٰہی کو خود پر لازم کرنے سے۔

(iii)۔ معرفت کے درجے سے حقیقت کے رتبہ تک پہنچنا۔ سالک معرفت سے حقیقت تک جن تین چیزوں سے پہنچتا ہے وہ درج ذیل ہیں: (ا)۔تنہائی میں اللہ تعالیٰ کے احکامات کا احترام کرنے سے، (ب)۔اپنی خدمت سے شرمسار ہوکر، (ج)۔رفاقت میں ایثار اختیار کرنے سے۔

(صد میدان، ص:۱۹۹)

(۱۲)۔ شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ فرماتے ہیں کہ جب سالک کو مشاہدہ ہوتا ہے تو وہ فانی ہو جاتا ہے۔ اس حالت مشاہدہ میں وہ خود کو نہیں دیکھتا۔(معدن المعانی، ص:۳۸۳)

۸۔ اہل مشاہدہ کے واقعات

حدیث اور تاریخ کی کتب سے اہل مشاہدہ کے واقعات میں سے چند نصیحت حاصل کرنے کے لیے یہاں درج کیے جاتے ہیں:

(۱)۔ احادیث مبارکہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر وقت مشاہدہ باری تعالیٰ میں محو ہوتے تھے لیکن منصب نبوت کو مدنظر رکھتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے اللہ پاک کے احکامات کی تشریح و تبلیغ کرنا بھی ضروری تھا۔ جس کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مشاہدہ حق سے بشری کیفیت کی طرف آنا پڑتا تھا۔ اس حالت میں آنے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مشاہدہ حق سے نیچے اترنا پڑتا تھا۔ یہ حالت مشاہدہ حق کے مقابلہ میں ادنیٰ ہے اس لیے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس ادنیٰ سے پھر اعلیٰ حالت کو جانے کے لیے استغفار کرتے تھے۔ جس کا ذکر اس حدیث مبارکہ میں ہے: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قسم ہے اللہ کی میں دن میں ستر بار سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہوں۔(مشکوٰۃ المصابیح، ج:۲، رقم الحدیث:۸۵۶)

(۲)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب کوئی آدمی مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح کو مجھ پر لوٹا دیتا ہے یہاں تک کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔(مشکوٰۃ المصابیح، ج:۱، رقم الحدیث:۸۹۰)

اس حدیث سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح مبارک چونکہ ہمہ وقت مشاہدہ رب

العزت میں مستغرق رہتی ہے اس لئے اس کو حالت استغراق ومشاہدہ سے ہٹا کر اس عالم کی طرف متوجہ کردیا جاتا ہے تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے امتیوں کے درود وسلام سنیں اور اس کا جواب دیں۔ چنانچہ روح مبارک کے اسی متوجہ کرنے اور آگاہ کرنے کو ان الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ میری روح کو مجھ پر لوٹا دیتا ہے۔

(۳)۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خندق کی کھدائی کا حکم فرمایا تو کھدائی کی دوران ایک بڑا پتھر نکل آیا۔ اس پتھر کو توڑنا مشکل ہوگیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود پتھر توڑنے والی کدال لے کر کھڑے ہوگئے۔ اپنی چادر مبارک خندق کے کنارہ پر رکھی اور آیت پاک:

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ.

(سورۃ الانعام، آیت:۱۱۵)

(اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رب کی بات سچ اور انصاف کے اعتبار سے پوری ہوگئی اس کی باتوں کو کوئی بدلنے والا نہیں اور وہی سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے)

تلاوت فرمائی اور پتھر پر کدال ماری۔ پتھر کا ایک حصہ ٹوٹ کر گر پڑا۔ اس وقت حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ وہاں کھڑے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کدال کے مارنے کے وقت ایک بجلی جیسی چمک ہوئی۔ پھر دوسری مرتبہ وہ ہی آیت کریمہ تلاوت فرما کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کدال ماری۔ پھر ایسی ہی بجلی جیسی چمک ظاہر ہوئی اور دو تہائی پتھر ٹوٹ کر الگ ہوگیا۔ تیسری مرتبہ آیت کریمہ تلاوت فرما کر جب مارا تو پتھر کا باقی حصہ بھی ٹوٹ گیا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں سے پھر اپنی چادر مبارک لے کر تشریف فرما ہوگئے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں دیکھ رہا تھا کہ جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پتھر پر کدال سے چوٹ مار رہے تھے، ایک بجلی چمک رہی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سلمان رضی اللہ عنہ تم یہ بات دیکھ رہے تھے؟ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اس ذات کی قسم کہ جس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دین حق دے کر بھیجا ہے، میں نے بجلی کی یہ چمک دیکھی۔ پھر حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس وقت میں نے پہلی چوٹ ماری تو میرے سامنے سے پردے ہٹا دیے گئے یہاں تک کہ میں نے اپنی آنکھوں سے فارس، اس کے نزدیک کی بستیاں اور بہت سے شہر دیکھے۔ عرض کیا گیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں کہ وہ ان شہروں کو ہم لوگوں

کے ہاتھوں فتح فرما دے۔ہم لوگوں کو وہاں کی نعمتیں عطا فرما دے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس وقت میں نے دوسری دفعہ کدال سے پتھر پر چوٹ ماری تو قیصر کے شہر اور اس کے نزدیک کے علاقے سب کے سب میرے سامنے کر دیے گئے۔جن کو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ! دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں یہ شہر عطا فرما دے۔ہم ان شہروں کو فتح کر لیں اور وہاں کی نعمتوں سے فائدہ اٹھائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دعا فرمائی۔ پھر ارشاد فرمایا: جس وقت میں نے تیسری چوٹ ماری تو میرے سامنے حبشہ کے شہر اور اس کی آس پاس کی بستیاں کر دی گئیں جن کو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔تم لوگ ترک اور حبشہ کے لوگوں کو اس وقت تک نہ چھیڑنا جس وقت تک وہ تم کو نہ چھیڑیں (یعنی جب تک وہ لوگ تم پر حملہ نہ کریں تو تم بھی ان پر حملہ نہ کرنا)۔

(سنن نسائی، ج:۲،رقم الحدیث:۱۰۸۹)

(۴)۔ حضرت حنظلہ اسیدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھ سے حضرت ابوبکر صدیق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملاقات ہوئی تو انہوں نے پوچھا اے حنظلہ! تم کیسے ہو؟ میں نے جواب دیا کہ حنظلہ تو منافق ہو گیا۔ انہوں نے کہا سُبْحَانَ اللّٰہِ تم کیا کہہ رہے ہو؟ میں نے کہا: ہم جب حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ہوتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں جنت و دوزخ کی یاد دلاتے رہتے ہیں گویا ہم انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور جب ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے چلے جاتے ہیں تو ہم بیویوں اور اولاد اور زمینوں وغیرہ کے معاملات میں مشغول ہو جاتے ہیں اور ہم بہت ساری چیزوں کو بھول جاتے ہیں۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ پاک کی قسم! ہمارے ساتھ بھی اسی طرح کا معاملہ پیش آتا ہے۔

میں اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ! حنظلہ تو منافق ہو گیا۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کیا وجہ ہے؟ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ! جب ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ہوتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں جنت و دوزخ کی یاد دلاتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ وہ آنکھوں دیکھے ہو جاتے ہیں۔جب ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے چلے جاتے ہیں تو ہم اپنی بیویوں اور اولاد اور زمین کے معاملات

وغیرہ میں مشغول ہوجانے کی وجہ سے بہت ساری چیزوں کو بھول جاتے ہیں۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر تم اسی کیفیت پر ہمیشہ رہو جس حالت میں میرے پاس ہوتے ہو، ذکر میں مشغول ہوتے ہو تو فرشتے تمہارے بستروں پر تم سے مصافحہ کریں اور راستوں میں بھی لیکن اے حنظلہ (رضی اللہ عنہ) ایک ساعت (یاد کی) ہوتی ہے اور دوسری (غفلت کی) اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین بار یہی ارشاد فرمایا۔
(صحیح مسلم، ج:۳، رقم الحدیث: ۲۴۶۵)

(۵)۔ حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ اپنی آخرت کے ساتھ مشغولیت کے سبب دنیا سے فانی ہو چکے تھے اور اغیار سے فنا ہو کر جبار کے ساتھ مشغول تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اپنے نفس کو دنیا کی رغبت سے ہٹا لیا ہے اور اب یہ حالت ہے کہ اپنے رب کے عرش کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ رہا ہوں۔ (کتاب التعرف، ص:۱۹۹)

(۶)۔ شاہ حبشہ جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے وقت حبشہ کا حکمران تھا۔ اس نے اسلام اور مسلمانوں کی بڑی خدمت کی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل میں اونچا مقام بنایا۔ چنانچہ جب حبشہ ہی میں ان کا انتقال ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ خبر ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ مدینہ شریف میں ان کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی۔ ان کے انتقال کے بعد مدینہ منورہ میں یہ مشہور ہو گیا تھا کہ نجاشی کی قبر پر نور دیکھا جاتا ہے۔ کیونکہ جن صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا حبشہ آنا جانا ہوتا تھا وہ وہاں ان کی قبر دیکھ کر مدینہ میں آ کر یہی بتاتے تھے اور چونکہ سب لوگوں کا کسی غلط بات پر متفق ہونا ممکن نہیں تھا اس لئے یہ بات خبر متواتر کے قریب کی ہے۔ جیسا کہ حدیث مبارکہ میں آیا ہے: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نجاشی کے انتقال کے بعد ہمارے درمیان اس بات کا چرچا ہوتا تھا کہ نجاشی کی قبر پر ہمیشہ نور دکھائی دیتا ہے۔

(مشکوٰۃ المصابیح، ج:۵، رقم الحدیث: ۵۳۷)

(۷)۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک غزوہ کے دوران ایک انصاری صحابی رضی اللہ عنہ ایک مشرک کا پیچھا کر رہے تھے۔ اچانک اس نے کوڑا مارنے کی آواز سنی اور اوپر سے سوار کی آواز سنی جو کہہ رہا تھا: اے حیزوم (حیزوم حضرت جبریل علیہ السلام کے گھوڑے کا نام ہے) آگے

چل۔اب اس مشرک کو جو آگے بھاگ رہا تھا دیکھا کہ وہ چت پڑا ہوا ہے۔ پھر اس کو دیکھا تو اس کی ناک پر چوٹ کا نشان تھا۔ اس کا چہرہ کوڑے کی ضرب سے پھٹ گیا تھا۔ پھر اس کے بعد یہ سب سبز رنگ کا ہو گیا۔ اس انصاری رضی اللہ عنہ نے یہ پورا قصہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیان کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تو نے سچ کہا اور یہ تیسرے آسمان کے فرشتے کی مدد سے ہوا۔

(ازالۃ الخفاعن الخلافۃ الخلفا، ج:۲،ص:۸٦)

(۸)۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ ایک رات اپنی کھجوروں کے کھلیان میں قرآن مجید پڑھ رہے تھے کہ انکا گھوڑا بدکنے لگا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے پھر پڑھا وہ پھر بدکنے لگا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے پڑھا وہ پھر بدکنے لگا۔ حضرت اسید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ڈرا کہ کہیں وہ یحییٰ (حضرت اسید رضی اللہ عنہ کا بیٹا) کو کچل نہ ڈالے۔ میں اس کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا۔ میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک سائبان میرے سر پر ہے وہ چراغوں سے روشن ہے وہ اوپر کی طرف اٹھنے لگا۔ یہاں تک کہ میں اسے پھر نہ دیکھ سکا۔

صبح کے وقت میں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں رات کے وقت اپنے کھلیان میں قرآن مجید پڑھ رہا تھا کہ اچانک میرا گھوڑا بدکنے لگا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ابن حضیر رضی اللہ عنہ پڑھتے رہتے۔ انہوں نے عرض کیا کہ میں پڑھتا رہا، گھوڑا پھر اسی طرح بدکنے لگا۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ابن حضیر رضی اللہ عنہ پڑھتے رہتے۔ انہوں نے عرض کیا کہ میں پڑھتا رہا، میرا گھوڑا پھر اسی طرح بدکنے لگا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ابن حضیر رضی اللہ عنہ پڑھتے رہتے۔ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں پڑھ کر فارغ ہوا تو یحییٰ اس کے قریب تھا مجھے ڈر لگا کہ کہیں وہ اسے کچل نہ دے اور میں نے ایک سائبان کی طرح دیکھا کہ اس میں چراغ روشن تھے اور اوپر کی طرف اٹھا یہاں تک کہ میری نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ فرشتے تھے جو تمہارا قرآن سنتے تھے اور اگر تم پڑھتے رہتے تو صبح لوگ ان کو دیکھتے اور وہ لوگوں سے پوشیدہ نہ ہوتے۔

(صحیح مسلم، ج:۱، رقم الحدیث: ۱۸۵۳)

(۹)۔ ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عمر فاروق رضی اللہ عنہ کعبہ شریف کا طواف فرما رہے تھے کہ اسی حال میں

حضرت عروۃ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہ سے آپ رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی حضرت سودہ رضی اللہ عنہ کا رشتہ مانگا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے کچھ جواب نہ دیا۔ حضرت عروہ رضی اللہ عنہ نے خیال کیا کہ درخواست نامنظور ہوگئی ہے۔ مگر انہوں نے دوبارہ رشتہ مانگنے کی ٹھان لی۔ چنانچہ مدینہ پاک لوٹنے کے بعد دوبارہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ملاقات میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم مجھ سے طواف میں ملے تھے اور میری بیٹی کا تذکرہ کیا تھا مگر ہم اس وقت اللہ پاک کو دیکھ رہے تھے اس بنا پر میں نے کچھ جواب نہ دیا تھا۔ (حجۃ اللہ البالغہ، ج: ۴، ص: ۴۵۶)

(۱۰)۔ حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں مصر کے بازار میں جا رہا تھا کہ بچوں کو دیکھا جو ایک نوجوان کو پتھر مار رہے تھے۔ میں نے ان بچوں سے پوچھا کہ تم اس کو کیوں مار رہے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ دیوانہ ہے۔ میں نے پوچھا تمہیں کیسے معلوم ہوا؟ انہوں نے کہا یہ کہتا ہے کہ میں خدا تعالیٰ کو دیکھتا ہوں۔ حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اس نوجوان سے پوچھا: کیا تو واقعتاً یہ کہتا ہے یا یہ تجھ پر الزام لگاتے ہیں؟ اس نے جواب دیا: میں یہی کہتا ہوں کیونکہ ایک لمحہ کے لیے بھی اگر میں حق تعالیٰ کا مشاہدہ نہ کروں تو میں محجوب (پردہ میں) ہو جاؤں گا۔ (کشف المحجوب، ص: ۵۲۴-۵۲۵)

(۱۲)۔ حضرت منصور مغربیؒ فرماتے ہیں کہ ایک صوفی بزرگ ایک عرب قبیلے میں تشریف لائے تو ایک عرب نوجوان نے ان کی بہت زیادہ مہمان نوازی کی۔ اسی دوران جب وہ نوجوان بزرگ کی خدمت میں مصروف تھا تو بے ہوش ہوگیا۔ بزرگ نے اس کی حالت کے بارے میں دوسروں سے پوچھا تو پتا چلا کہ یہ نوجوان اپنی چچازاد پر عاشق ہے۔ اس کی چچازاد اس وقت سامنے سے گزری تو اس نوجوان نے اس کے دامن کو دیکھ لیا جس سے بے ہوش ہوگیا۔

وہ صوفی اس لڑکی کے دروازے پر گئے اور کہا: اے بیٹی میں ایک مسافر ہوں۔ میں اس نوجوان کی سفارش کرنے آیا ہوں۔ تم اس کی محبت کے حوالے سے اس پر رحم کرو۔

اس لڑکی نے جواب دیا: اے بزرگ! یہ نوجوان میرے دامن کے مشاہدے کی تاب نہیں لا سکتا میری محبت کی تاب کیسے لائے گا۔ (رسالہ قشیریہ، ص: ۱۷۴-۱۷۵)

حوالہ جات

۱۔ ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء، شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ترجمہ مولانا محمد عبدالشکور۔ کراچی: قدیمی کتب خانہ، ۱۹۹۹ء۔

۲۔ تفسیر کبیر: فضل القدیر، امام فخر الدین محمد بن عمر رازیؒ ترجمہ مفتی محمد خان قادری۔ لاہور: مرکز تحقیقات اسلامیہ، ۲۰۱۰ء۔

۳۔ جامع ترمذی، امام محمد بن عیسیٰ ترمذیؒ ترجمہ مولانا فضل احمد۔ کراچی: دارالاشاعت، ۲۰۰۶ء۔

۴۔ جنیدؒ و بایزیدؒ، حضرت عبداللطیف خان نقشبندیؒ۔ لاہور: نشان منزل پبلی کیشنز، ۲۰۱۳ء۔

۵۔ حجۃ اللہ البالغہ: رحمۃ اللہ واسعہ، شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ترجمہ مولانا محمد سعید پالن پوریؒ۔ کراچی: زمزم پبلشرز، ۲۰۰۵ء۔

۶۔ رسالہ القشیریہ فی علم التصوف، امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیریؒ ترجمہ شاہ محمد چشتی۔ لاہور: ادارہ پیغام القرآن، ۲۰۰۷ء۔

۷۔ سنن ابن ماجہ، حافظ ابی عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہؒ ترجمہ مولانا محمد قاسم امین۔ لاہور: مکتبہ العلم، ۲۰۱۰ء۔

۸۔ سنن نسائی، امام احمد بن شعیب نسائیؒ ترجمہ مولانا فضل احمد۔ کراچی: دارالاشاعت، ۲۰۰۱ء۔

۹۔ صحیح بخاری، امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاریؒ ترجمہ حضرت مولانا محمد داؤد راز۔ دہلی: مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند، ۲۰۰۴ء۔

۱۰۔ صحیح مسلم، امام ابوالحسین مسلم بن الحجاج نیشاپوریؒ ترجمہ علامہ وحید الزمان۔ دہلی: مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند، ۲۰۰۴ء۔

۱۱۔ صدمیدان، خواجہ عبداللہ انصاریؒ ترجمہ حافظ محمد افضل فقیر۔ لاہور: تصوف فاؤنڈیشن، ۱۹۹۸ء۔

۱۲۔ عین الفقر، حضرت سخی سلطان باہوؒ ترجمہ پروفیسر ڈاکٹر کے، بی نسیم۔ لاہور: سلطان باہو اکیڈیمی، ۱۹۹۵ء۔

۱۳۔ کتاب التعرف لمذہب اہل التصوف، امام ابوبکر بن ابواسحاق محمد بن ابراہیم بن یعقوب البخاری کلاباذیؒ ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن۔ لاہور: تصوف فاؤنڈیشن، ۱۹۹۸ء۔

۱۴۔ کتاب اللمع فی التصوف، شیخ ابونصر سراجؒ ترجمہ سید اسرار بخاری۔ لاہور: تصوف فاؤنڈیشن، ۲۰۰۰ء۔

۱۵۔ کشف المحجوب، سید علی ہجویریؒ ترجمہ عبدالرؤف فاروقی۔ لاہور: اسلامی کتب خانہ۔

۱۶۔ مشکوٰۃ المصابیح، شیخ ولی الدین خطیب التبریزیؒ ترجمہ مولانا محمد صادق خلیلؒ۔ لاہور: مکتبہ محمدیہ، ۲۰۰۵ء۔

۱۷۔ مصنف ابن ابی شیبہ، امام ابی بکر عبداللہ بن محمد ابن ابی شیبہ العبسی الکوفیؒ ترجمہ مولانا محمد اویس سرور۔ لاہور: مکتبہ رحمانیہ، ۲۰۰۱ء۔

۱۸۔ معدن المعانی، شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیریؒ ترجمہ شاہ قسیم الدین احمد شرفی البلخی۔ پٹنہ: مکتبہ شرف، ۲۰۱۱ء۔

۱۹۔ http//:www.hadithurdu.com/

۲۰۔ https//:easyquranwahadees.com/

۳۷

ملامت

۱۔ ملامت کا مفہوم

(۱)۔ ملامت کے لغوی معانی لعن طعن کرنا، برا بھلا کہنا، ڈانٹ پھٹکار، سرزنش اور فضیحت کے ہیں۔ اصطلاح میں شریعت کی مخالفت کو ملامت کہتے ہیں۔تصوف کی اصطلاح میں ملامت سالک کے نفس پر اللہ پاک کی طرف سے وارد ہونے والا ایک حال ہے۔اس حال کے زیر اثر وہ اخلاص کے حصول اور ریاکاری و دکھاوے کے خوف سے اپنے نیک اعمال کو دوسروں کی نظروں سے پوشیدہ رکھتے ہیں۔اپنی کسی خوبی کو ظاہر نہیں کرتے۔اپنے ظاہر کو دین کی حدود کے اندر رہتے ہوئے ایسا خراب رکھتے ہیں کہ دوسرے انہیں نیک تصور نہ کریں بلکہ ان کے خلاف اپنی زبان دراز کریں۔خلق میں حقیر ہوں اور اپنے اعمال کا بدلہ دنیاداروں کی خوشامد اور تعریف کی بجائے اللہ پاک سے پائیں۔

(۲)۔ جس سالک پر یہ حال وارد ہوتا ہے اسے ملامت کی نسبت سے ملامتیہ کہا جاتا ہے۔بلاشبہ ملامتیہ اخلاص کی صفت سے موصوف ہوتے ہیں۔اپنے احوال اور اعمال کے اخفا کو اچھا جانتے ہیں اور اس کے چھپانے میں لذت پاتے ہیں۔حتیٰ کہ اگر ان کے اعمال و افعال کسی پر ظاہر ہو جائیں تو اس سے اسی طرح خوف زدہ ہو جاتے ہیں جیسا کہ گناہ گار کو کسی گناہ ظاہر ہو جانے پر وحشت ہوتی ہے۔ملامتی اعمال میں کثرت تو کرتے ہیں مگر ان کے اخفا کا بہت اہتمام کرتے ہیں۔جس سے عام لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ دنیاداروں سے زیادہ کچھ بھی نہیں کرتے۔وہ دنیاداروں سے بچنے کے لیے اپنے اعمال چھپاتے ہیں اور رندوں کی سی وضع بنائے رہتے ہیں۔کیونکہ عوام کے ہجوم سے ان کے معمولات میں خلل پڑتا ہے، اس لیے وہ عوام سے دور بھاگتے ہیں۔

(۳)۔ اہل ملامت عام لوگوں کے لباس میں رہتے ہیں اور عوام سے کچھ امتیاز نہیں رکھتے۔ظاہر میں فرائض و سنن موکدہ پر اکتفا کرتے ہیں۔اخلاص کی رعایت میں کوشش کرتے ہیں۔اپنے تئیں خوارق عادات ظاہر کر کے مشہور و ظاہر نہیں کرتے۔وہ سمجھتے ہیں کہ اللہ پاک کے اتباع میں یہ دنیا

ظہور کا محل نہیں ہے۔ اللہ پاک نے خود کو عام لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ رکھا ہوا ہے۔ لہٰذا وہ بھی خود کو مخلوق کی نظروں سے پوشیدہ رکھتے ہیں۔ اسی واسطے اکثر لوگ انہیں اپنے جیسا خیال کرتے ہیں۔ جبکہ وہ رعونت سے آزاد و پاک اور مقام عبودیت کی انتہا کو پہنچے ہوئے ہوتے ہیں۔

(۴)۔ اللہ پاک کا یہ دستور ہے کہ جو کوئی بھی اس کے راستہ پر چل کر اسی کا ہو جاتا ہے تو بعض اوقات مشیت الٰہی اسے دوسروں کی نظروں سے محفوظ رکھنے اور ان میں مشغول ہونے سے بچانے اور محض اپنا بنائے رکھنے کی غرض سے خلق کی طرف سے اس پر ملامت کے دروازے کھول دیتی ہے تا کہ اس کی محبت میں خلوص برقرار رہے۔ ایسے سالک کے اسرار ملامت میں مشغول ہونے کے باعث مخفی رہتے ہیں۔

(۵)۔ اللہ تعالیٰ کی سنت اسی طرح چلی آرہی ہے کہ جو کوئی اس کی بات کہتا ہے۔ ساری دنیا اس کو ملامت کرنے لگ جاتی ہے۔ اللہ پاک اس کے دل کو دنیاداروں کی ملامت میں مشغول ہونے سے بچائے رکھتا ہے۔ یہ غیرت الٰہی ہے کہ اپنے ولیوں کو غیروں کی بری نگاہوں سے محفوظ رکھتا ہے تا کہ کسی کی نظر ان کے حال کے اصلی جمال پر نہ پڑھ سکے۔ اللہ تعالیٰ اپنے ولیوں کو خود بینی (خود کو بڑا سمجھنے) سے بچاتا ہے تا کہ نہ وہ اپنا جمال دیکھیں اور نہ عجب و غرور میں مبتلا ہوں۔ اس لیے مخلوق ان پر مقرر ہو جاتی ہے تا کہ ان پر زبان ملامت دراز کرے۔

(۶)۔ طریقت میں اس سے زیادہ مہلک کوئی آفت اور حجاب نہیں کہ بندہ اپنی ذات میں کمالات و اوصاف دیکھ کر غرور میں مبتلا ہو جائے۔ دراصل غرور دو چیزوں سے پیدا ہوتا ہے: خوشامد اور خود پسندی۔ جب بندے کا کردار لوگوں کو پسند آتا ہے تو وہ اس پر اس کی تعریف کرتے ہیں۔ بندہ اس تعریف کو سن کر مغرور ہو جاتا ہے۔ دوسری چیز یہ کہ جب کسی کا کردار لوگوں کو پسند آتا ہے تو وہ خود ہی اپنے آپ کو تحسین کے قابل سمجھنے لگتا ہے اور غرور میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اللہ پاک نے اپنے فصل سے اپنے دوستوں پر یہ راستہ بند کر دیا ہے حتیٰ کہ ان کے کام نیک بھی ہوں تو بھی لوگ انہیں پسند نہیں کرتے۔ اس لیے کہ وہ حقیقت حال سے ناواقف ہوتے ہیں۔

۲۔ ملامت قرآن پاک کی روشنی میں

ذیل میں ملامت کے بارے میں قران پاک کی کچھ آیات پیش کی جاتی ہیں:

(۱)۔ وَلَآ اُقۡسِمُ بِالنَّفۡسِ اللَّوَّامَةِ. (سورۃ القیامہ، آیت:۲)

(اور قسم کھاتا ہوں ملامت کرنے والے نفس کی)

اس آیت پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ پاک نے اپنے محبوب بندوں میں نفس لوامہ کی خصلت پنہاں کر دی ہے۔ وہ جو بھی کریں، اپنے اوپر ملامت کرتے رہیں۔ اگر وہ برا کام کریں تو گناہ پر خود کو ملامت کریں اور اگر نیکی کریں تو کوتاہی پر ملامت کریں۔

(۲)۔ فَالۡتَقَمَهُ الۡحُوۡتُ وَهُوَ مُلِيۡمٌ. (سورۃ الصافات، آیت:۱۴۲)

(پھر مچھلی نے انہیں نگل لیا اور وہ اپنے آپ کو ملامت کر رہے تھے)

اس آیت پاک میں حضرت یونس علیہ السلام کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ جب حضرت یونس علیہ السلام نے اپنی قوم سے عذاب کا وعدہ کیا تو اس عذاب کے نزول میں اللہ پاک کی حکمت کے تحت تاخیر ہوئی۔ آپ علیہ السلام شرمندگی کی خاطر اس قوم کو چھوڑ کر اس علاقے سے نکل گئے۔ پھر سمندر کا سفر اختیار کیا۔ آپ علیہ السلام ایک حادثے کی وجہ سے کشتی سے سمندر میں چلے گئے۔ ایک مچھلی نے آپ علیہ السلام کو زندہ نگل لیا۔ جب آپ علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں پہنچ گئے تو اپنی خطا کے احساس کے پیش نظر خود کو ملامت کرنے لگے۔ پھر اللہ پاک نے آپ علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ سے نجات دی اور اس مچھلی نے آپ علیہ السلام کو خشکی پر اگل دیا۔ گویا سالک کا کسی خطا پر اپنے آپ کو ملامت کرنا انبیائے کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی سنت میں سے ہے۔ سالک بعض اوقات اپنی کسی کمی و کوتاہی پر خود کو ملامت کرتا ہے۔ بعض اوقات سالک تو دین پر پوری طرح عمل کر رہا ہوتا ہے لیکن دوسرے اسے خطا پر سمجھتے ہوئے ملامت کرنے لگتے ہیں۔ بہر حال سالک خود اپنے نفس کو ملامت کرے یا پھر دوسرے اسے ملامت کریں، دونوں حالتوں میں اس سے سالک کے اللہ پاک کے ساتھ خلوص میں اضافہ ہوتا ہے۔

(۳)۔ وَلَا يَخَافُوۡنَ لَوۡمَةَ لَآئِمٍ ؕ ذٰلِكَ فَضۡلُ اللّٰهِ يُؤۡتِيۡهِ مَنۡ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيۡمٌ.
(سورۃ المائدہ، آیت:۵۴)

(کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے، یہ اللہ کا فضل ہے جو وہ جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے، اور اللہ بڑی وسعت والا، بڑے علم والا ہے)

اس آیت پاک میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ جو کوئی راہ حق سے روگردانی کرتا ہے، وہ اپنا ہی نقصان کرتا ہے۔ اللہ پاک کا کوئی نقصان نہیں کرتا۔ اللہ پاک کی مخلوق میں ایک گروہ ایسا ہے جو اللہ پاک سے محبت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بھی اس سے محبت کرتا ہے۔ وہ گروہ راہ حق میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتا۔ یہ دوسروں کی ملامت سے نہ ڈرنا اور دین حق پر قائم رہنا، اللہ پاک کا خاص فضل ہے، جس سے وہ اپنے خاص لوگوں کو نوازتا ہے۔

(۴)۔ اِنِّیۡ وَجَّهۡتُ وَجۡهِیَ لِلَّذِیۡ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ حَنِیۡفًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الۡمُشۡرِكِیۡنَ.
(سورہ الانعام، آیت:۷۹)

(میں نے اپنا رخ یکسو ہو کر اس کی طرف پھیر لیا ہے، جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور میں مشرکوں سے نہیں)

اس آیت پاک میں اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شان بیان فرما رہا ہے کہ انہوں نے یہ اعلان کر دیا تھا: میں نے اپنا رخ اس ذات کی طرف موڑ دیا ہے اور خود کو اس کے حوالے کر دیا ہے جو آسمانوں اور زمین کی اس پوری کائنات کا پیدا کرنے والا اور مالک ہے۔ جب کائنات کے پیدا کرنے اور حکومت میں کوئی اس کا شریک نہیں، تو پھر عبادت میں کس طرح کوئی اس کا شریک ہو سکتا ہے؟ میں ہر طرف سے یکسو ہو کر اسی کا ہو گیا ہوں۔ اور میرا ریاکاروں (دکھاوا کرنے والوں) اور مشرکوں سے کسی بھی طرح کا کوئی لگاؤ نہیں۔ حضرت علامہ محمد اقبالؒ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس شان اخلاص پر کمال تبصرہ فرمایا ہے:

براہیمی نظر پیدا مگر مشکل سے ہوتی ہے
ہوس چھپ چھپ کے سینوں میں بنا لیتی ہے تصویریں
(بانگ درا: طلوع اسلام)

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس اعلان کے بعد انہیں اپنا دوست (خلیل) کہا۔ دنیا کے تین بڑے مذاہب (یہودی، عیسائی اور مسلمان) آپ علیہ السلام کو اپنا قائد مانتے ہیں۔ حج اور اس کے شعار اس کی یاد دلاتے ہیں۔ ان کے اخلاص کے سبب اللہ پاک نے ان کو ہمیشہ کے لیے دنیا

کی امامت عطافرمائی۔

ہم سب کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قول پر عمل پیرا ہونے اور اپنے اعمال (کاموں) میں اخلاص پیدا کرنا چاہیے اور ملامت کرنے والوں کی ملامت سے خوف زدہ نہیں ہونا چاہیے۔ اصل چیز خلوص ہے۔ جس پر قیامت کے دن اجر دیا جائے گا۔

(۵)۔ وَيَقُوْلُوْنَ اَئِنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ۝ بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ.
(سورۃ الصافات، آیت: ۳٦-۳۷)

(اور کہتے تھے کیا ہم ایک شاعر اور مجنون کی خاطر اپنے خداؤں کو چھوڑ دیں؟ حالانکہ وہ حق لے کر آیا تھا اور اس نے پہلے رسولوں کی تصدیق کی تھی)

ان آیات مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ پاک کی توحید کا درس دینا شروع کیا تو کفار نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں زبان درازی شروع کر دی۔ اسی طرح جو بھی راہ حق پر چلتا ہے کم فہم و جاہل افراد اسے ملامت کرنے لگتے ہیں۔ اس کے خلاف طرح طرح کی الزام تراشی اور باتیں کرتے ہیں۔

۳۔ ملامت احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں

ذیل میں ملامت کے بارے میں احادیث نقل کی جاتی ہیں:

(۱)۔ عَنْ عُبَادَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: "بَايَعْنَا رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِي الْعُسْرِ وَالْيُسْرِ، وَالْمَنْشَطِ وَالْمَكْرَهِ، وَعَلَى أَثَرَةٍ عَلَيْنَا وَعَلَى أَنْ لَا نُنَازِعَ الْأَمْرَ أَهْلَهُ، وَعَلَى أَنْ نَقُولَ بِالْحَقِّ أَيْنَمَا كُنَّا لَا نَخَافُ فِي اللّٰهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ.
(صحیح مسلم، ج: ۳، رقم الحدیث: ۱۷۰۹)

(حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے: سننے اور بات ماننے پر، سختی اور راحت میں، خوشی اور ناخوشی میں اور گو ہمارے حق کا خیال نہ رکھا جائے اور اس امر پر کہ ہم جھگڑا نہ کریں گے اس شخص کی سرداری میں جو اس کے لائق ہے اور ہم سچ بات کہیں گے جہاں ہوں گے، اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہم کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے، پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے

بیعت کی)

(۲)۔ عن حُذَيْفَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ : سَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْإِخْلَاصِ، مَا هُوَ ؟ قَالَ: "سَأَلْتُ جِبْرِيلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ، عَنِ الْإِخْلَاصِ، مَا هُوَ ؟ قَالَ : سَأَلْتُ رَبَّ الْعِزَّةِ عَنِ الْإِخْلَاصِ، مَا هُوَ ؟ قَالَ: سِرٌّ مِنْ أَسْرَارِي، اسْتَوْدَعْتُهُ قَلْبَ مَنْ أَحْبَبْتُ مِنْ عِبَادِي ". (مسند الفردوس، رقم الحدیث: ۴۵۱۳)

(حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ اخلاص کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں نے حضرت جبریل علیہ السلام سے دریافت کیا تھا کہ اخلاص کیا ہے؟ حضرت جبریل علیہ السلام نے جواب دیا تھا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا تھا کہ اخلاص کیا ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اخلاص میرے رازوں میں سے ایک راز ہے جس کو میں نے اس بندے کے دل میں رکھا ہے جس سے میں محبت کرتا ہوں)

جو سالک اخلاص کا ذائقہ چکھ لے اور صدق سے متحقق ہو تو وہ نہیں چاہتا کہ اس کے حال اور اعمال پر کوئی دوسرا مطلع ہو۔ دوسروں سے اپنی نیکیوں کو چھپانا اور ریا کاری سے بچنا یہی ملامت ہے۔

(۳)۔ عن أبي هريرة رضي الله عنه: "بحسب امرء من الشر أن يشار إليه بالأصابع في دين أو دنيا إلا من عصمه الله". (کنز العمال، ج:۲، رقم الحدیث: ۸۲۱)

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آدمی کے شر (میں مبتلا ہونے) کے لیے یہ کافی ہے کہ اس کی طرف انگلیوں سے اشارہ کیا جائے، چاہے دین کے بارے، چاہے دنیا کے کام میں، البتہ جسے اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے)

اس حدیث مبارکہ میں إلا من عصمه الله سے مراد ملامتیہ ہیں جس کی طرف لوگ انگشت ملامت دراز کرتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی معصیت سے محفوظ رکھا ہوا ہے۔

(۴)۔ عن أنس رضي الله عنه، قال: قال رسول الله صلى الله عليه و آله وسلم: فطوبى لمن شغله عيبه عن عيب غيره، طوبى لمن ذل نفسه من غير منقصة، ورحم أهل الذل والمسكنة ، وخالط أهل الفقه والحكمة ، طوبى لمن ذل نفسه ، وطاب كسبه ، وصلحت سريرته ، وكرمت علانيته ، وعزل عن

الناس شرہ". (کنز العمال، ج:۸، رقم الحدیث:۴۳۷۹۲)

(حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس کے لیے خوشخبری ہے جو اپنے عیب کی وجہ سے دوسروں کے عیوب سے غافل ہو جائے۔ اس کے لیے خوشخبری ہے جو بغیر کمی کے اپنے آپ کو (اللہ کے ہاں) ملامت (ذلیل) کرے اور ذلت و مسکینی والوں پر رحم کرے۔ فقہ و حکمت والوں سے میل جول رکھے۔ اس کے لیے خوشخبری ہے جس نے اپنی ذات کو ملامت (ذلیل) کیا۔ اس کی کمائی پاک ہو۔ اس کی سیرت درست ہو اس کا اخلاق اچھا ہو۔ اس کی ظاہری حالت اچھی ہو۔ لوگوں سے اپنی برائی روک کر رکھے)

اس حدیث مبارکہ میں ایسے شخص کو خوش خبری دی ہے جو دوسروں کے عیوب تلاش کرنے کی بجائے اپنے عیوب کی تلاش اور ان پر ملامت کرنے میں مصروف رہتا ہے۔

(۵)۔ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، أَنَّهُ خَرَجَ يَوْمًا إِلَى مَسْجِدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَوَجَدَ مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ قَاعِدًا عِنْدَ قَبْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَبْكِي، فَقَالَ: مَا يُبْكِيكَ؟ قَالَ: يُبْكِينِي شَيْءٌ سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: "إِنَّ يَسِيرَ الرِّيَاءِ شِرْكٌ، وَإِنَّ مَنْ عَادٰى لِلّٰهِ وَلِيًّا فَقَدْ بَارَزَ اللّٰهَ بِالْمُحَارَبَةِ، إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْأَبْرَارَ الْأَتْقِيَاءَ الْأَخْفِيَاءَ، الَّذِينَ إِذَا غَابُوا لَمْ يُفْتَقَدُوا، وَإِنْ حَضَرُوا لَمْ يُدْعَوْا، وَلَمْ يُعْرَفُوا قُلُوبُهُمْ مَصَابِيحُ الْهُدٰى، يَخْرُجُونَ مِنْ كُلِّ غَبْرَاءَ مُظْلِمَةٍ".

(سنن ابن ماجہ، ج:۳، رقم الحدیث:۸۶۹)

(حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایک دن مسجد نبوی میں تشریف لائے تو دیکھا کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس بیٹھے رو رہے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیوں رو رہے ہو؟ جواب دیا کہ میں نے ایک بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنی تھی، اس کی وجہ سے رو رہا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تھوڑی سی ریا کاری بھی شرک ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے کسی ولی سے دشمنی کرے، اس نے اللہ پاک کو جنگ میں مقابلہ کے لیے پکارا۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو پسند فرماتا ہے جو نیک و فرماں بردار ہیں، متقی و پرہیز گار ہیں اور گمنام و پوشیدہ رہتے ہیں۔ اگر غائب ہوں تو ان کی تلاش نہ کی جائے۔ حاضر ہوں تو آؤ بھگت نہ کی جائے۔ پہچانے نہ جائیں۔ ان کے دل

ہدایت کے چراغ ہیں۔ وہ ہر تاریک فتنہ سے صاف، بے غبار نکل جائیں گے)
خود کو ریا کاری سے بچانا، گم نام رہنا اور اپنی مشہوری سے بچنا ہی ملامت کا مقصد ہے جو اس حدیث مبارکہ میں بیان کیا گیا ہے۔

۴۔ ملامت کی اقسام

ملامت کی تین اقسام ہیں جو حسب ذیل ہیں:

(۱)۔ ملامت پہلی قسم یہ ہے کہ ایک شخص اچھے کام کرتا ہے۔ دین کی حفاظت کرتا ہے۔ شریعت کے معاملات کی رعایت کرتا ہے۔ اس حالت میں لوگ اسے ملامت کرتے ہیں۔ یعنی راست روی اختیار کرنے کی وجہ سے لوگوں کی ملامت کا نشانہ بن جاتا ہے۔ لوگوں کا اس کے بارے میں یہ عمل ہوتا ہے لیکن وہ ان سب سے بے پرواہ رہتا ہے۔ ان کی ملامت کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتا۔ ایسی ملامت کی بہترین مثال انبیائے کرام علیہم السلام کی زندگیاں ہیں۔

(۲)۔ ملامت کی دوسری صورت یہ ہے کہ جب کسی شخص کو لوگوں میں بڑا رتبہ حاصل ہو جائے۔ ان کے درمیان نیکی کی علامت بن جائے۔ پھر اس کا دل رتبہ کی طرف جھکے۔ اس کی طبیعت لوگوں میں لگ جائے۔ اس کے بعد وہ خود چاہے کہ اپنے دل کو لوگوں سے فارغ کر کے اللہ پاک کی طرف مشغول ہو جائے۔ پھر بتکلف ایسا کام کرے جس کا کرنا شریعت کے خلاف تو نہ ہو لیکن لوگ اس کی وجہ سے اس پر ملامت کریں۔ اس سے نفرت کرنے لگیں۔ مخلوق میں یہ اس کی طرف سے قصد ملامت کی راہ ہے۔ جس کی وجہ سے لوگ اس سے لاتعلق ہو جاتے ہیں۔

(۳)۔ ملامت کی تیسری صورت یہ ہے کہ ایک شخص کو کفر اور گمراہی طبعاً پسند آ جائے اور اس کی خاطر شریعت سے کنارہ کش ہو جائے۔ اس کی پابندی چھوڑ دے۔ اب اسے شریعت کے ترک پر ملامت کی جائے۔ ملامت کی یہ قسم گناہ ہے جسے سوائے گمراہوں کے کوئی دوسرا اختیار نہیں کر سکتا۔

لیکن جو سالک راست روی، عدم منافقت اور ترک ریا کاری کا راستہ اختیار کرتا ہے۔ اسے لوگوں کی ملامت کا کوئی خوف نہیں ہوتا۔ وہ ہر قسم کے حالات میں اپنے قاعدہ پر رہتا ہے۔ اس کو

جس نام سے بھی پکارا جائے، اس کے لیے برابر ہوتا ہے۔

۵۔ ملامت کے بارے میں اقوال

ملامت کے بارے میں اکابرین امت سے اچھے اچھے اقوال منقول ہیں جن میں سے کچھ یہ ہیں:

(۱)۔ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آدمی کا اپنے آپ کو محفوظ رکھنا، ملامت ہے۔

(کنز العمال، ج:۸، رقم الحدیث: ۴۴۳۳۴)

(۲)۔ حضرت احمد بن حمدون قصارؒ فرماتے ہیں کہ قدریہ فرقہ کا خوف اور مرجیہ فرقہ کی امید، ملامت کہلاتی ہے۔ (طبقات صوفیہ، ص:۹۷)

(۳)۔ حضرت احمد بن حمدون قصارؒ فرماتے ہیں: ملامت سلامتی کو ترک کر دینے کا نام ہے۔

(کشف المحجوب، ص:۱۰۰)

(۴)۔ ایک صوفی بزرگ کا قول ہے: ملامت یہ ہے کہ نیکی کو ظاہر نہ کیا جائے اور شر کو چھپایا نہ جائے۔

(عوارف المعارف، ص:۸۹)

(۵)۔ شیخ عبداللہ بہلویؒ فرماتے ہیں: ملامت یہ ہے کہ سالک تمام فرائض و واجبات کا پابند ہو مگر دوسروں کی نظر سے اپنی اس اچھی حالت کو مخفی رکھتا ہو۔ (معارف بہلوی، ج:۴، ص:۴۶۱)

۶۔ ملامت کے واقعات

نصیحت حاصل کرنے کے لیے ذیل میں ملامت کے واقعات درج کیے جاتے ہیں۔

(۱)۔ اللہ پاک نے اس دنیا کا نظام کچھ اس طریقے سے بنایا ہے کہ جب کوئی انسان رہِ حق پر چلنے لگتا ہے تو دنیادار اپنی کم فہمی و کم علمی اور جہالت کی وجہ سے اس کی مخالفت کرنے لگتے ہیں۔ اس کے خلاف طرح طرح کی باتیں کرتے ہیں۔ یہی معاملہ ہمارے پیارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بھی پیش آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں نبوت کے اعلان سے پہلے اپنی زندگی کے

چالیس سال بسر فرمائے۔ اس سارے عرصے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اہل مکہ کے نزدیک بلا شک وشبہ صادق وامین قرار پائے۔ لیکن جیسے ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ پاک کی توحید کی دعوت دینا شروع کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت میں زبانیں دراز ہونے لگیں۔

جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صفا پہاڑ پر تشریف لے گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رواج کے مطابق قریش مکہ کے قبیلوں کو ان کے ناموں سے پکارنا شروع کر دیا۔ جب قریش کی تمام شاخوں کے لوگ جمع ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم لوگ پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ اگر میں تمہیں یہ خبر دوں کہ جنگل میں ایک لشکر آ کر اترا ہے اور تمہیں تباہ وبرباد کر دینا چاہتا ہے تو کیا تم مجھ کو سچا جانو گے؟ ان سب نے ایک زبان ہو کر کہا: بیشک کیونکہ ہمارا ہمیشہ کا تجربہ یہ ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے جب بھی کوئی بات کہی ہے سچ کہی ہے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی زبان سے ہم نے کبھی سچ کے علاوہ کوئی بات نہیں سنی ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر تم مجھے سچا سمجھتے ہو تو سنو کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہیں اس کے سخت ترین عذاب کے اترنے سے پہلے ڈرانے آیا ہوں۔ میں اللہ پاک کے رسول کی حیثیت سے تمہارے سامنے اسلام کی دعوت پیش کرتا ہوں۔ اس کو قبول کرو! اگر تم اس دعوت کو قبول نہیں کرو گے اور مجھ پر ایمان نہیں لاؤ گے تو پھر میں تمہیں یہ خبر دیتا ہوں کہ تم پر اللہ تعالیٰ کا نہایت سخت عذاب نازل ہوگا۔

ابولہب جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چچا تھا اور جس کا نام عبدالعزیٰ تھا، یہ بات سن کر بولا: سارے دن تیری تباہی ہو، کیا اسی لیے تو نے ہمیں اکٹھا کیا تھا کہ ہم تیری خراب باتیں سنیں؟ (نعوذ باللہ) اس پر سورت لہب نازل ہوئی جس کا ترجمہ یہ ہے یعنی ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ برباد ہو جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ گستاخی کرنے کی وجہ سے تباہ وبرباد ہو گیا۔ (مشکوٰۃ المصابیح، ج: ۴، رقم الحدیث: ۱۳۰۴)

(۲)۔ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہا السلام کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ جنت میں جہاں چاہو رہو اور جس چیز کو دل چاہے کھاؤ، لیکن اس درخت کے قریب نہ جانا۔ حضرت آدم وحوا علیہم السلام ایک عرصہ تک

جنت میں رہے اور اس درخت کے پاس نہ گئے۔آخر کار شیطان کے بہکانے سے اس درخت کے قریب چلے گئے (یا پھل کھالیا)۔اس سے ان کی عریانی ان پر واضح ہوگئی تو وہ جنت کے درختوں کے پتوں سے اپنے جسم کو چھپانے لگے۔اللہ پاک سے حیا کی وجہ سے چھپنے کے لیے جنت میں ادھر ادھر بھاگنے لگے۔(دیکھیے کنز العمال، ج: ۸، رقم الحدیث: ۲۶۰۴) جیسے ہی حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہا السلام کو اپنی غلطی کا احساس ہوا، فوراً ہی اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنے لگے۔قرآن پاک میں مذکور ہے:

رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ۫ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ.

(سورۃ اعراف، آیت: ۲۳)

(اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو نے ہمیں نہ بخشا اور ہم پر رحم نہ کیا تو یقیناً ہم خسارہ پانے والوں سے ہو جائیں گے)

جب حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہا السلام سے غلطی ہوگئی تو انہوں نے اپنے رب کے حضور توبہ کی۔نہایت عاجزی اور شرمساری کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے اپنی غلطی کی معافی مانگنے لگے: اے ہمارے رب! اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم نے خود پر ہی ظلم کیا ہے۔اگر تو نے ہمیں معاف نہ کیا اور ہم پر رحم نہ فرمایا تو ہم نقصان پانے والوں میں ہوں گے۔حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہا السلام نے غلطی سے معافی مانگی تو ان کی معافی قبول کر لی گئی اور اللہ پاک نے انہیں معاف فرما دیا اور ان پر اپنی رحمت فرمائی۔

اس آیت کی تفسیر میں امام ابی حیان اندلسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ پانچ چیزیں حضرت آدم علیہ السلام کی نجات کا باعث بنیں: (i)۔اپنی غلطی کا اعتراف کرنا، (ii)۔غلطی پر شرمندہ ہونا، (iii)۔خود کو غلطی پر ملامت کرنا، (iv)۔توبہ کرنا اور (v)۔رحمت الٰہی کی امید رکھنا۔

(۳)۔ شیخ ابو طاہرؒ ایک دن اپنے گدھے پر سوار ہو کر بازار میں جا رہے تھے۔ایک مرید نے گدھے کی لگام پکڑ رکھی تھی۔ایک شخص نے شیخ کو دیکھ کر پکارا: زندیق (بے دین) پیر آیا ہے۔جب مرید نے یہ آواز سنی تو عقیدت مندی کی غیرت کے سبب اس ملامت کرنے والے کو مارنے لگا۔اس پر

تمام بازاروالے حرکت میں آ گئے۔ شیخ ابوطاہرؒ نے مرید سے کہا کہ اگر تو خاموش رہے تو میں تجھے ایک ایسی چیز سکھاؤں گا کہ تو اس ساری تکلیف سے محفوظ رہے گا۔ مرید خاموش ہو گیا۔ جب شیخ اپنی قیام گاہ پر پہنچے تو مرید سے فرمایا کہ وہ صندوق اٹھالاؤ۔ مرید صندوق اٹھالایا۔ اس صندوق میں خطوط تھے۔ شیخ نے وہ خطوط نکال کر مرید کے سامنے رکھ دیے اور فرمایا: غور سے دیکھو! ہر شخص کا میری طرف بھیجا ہوا خط موجود ہے۔ ان میں سے کسی نے مجھے شیخ الاسلام کے لقب سے مخاطب کیا ہے اور کسی نے شیخ زکی۔ کسی نے شیخ زاہد اور کسی نے شیخ الحرمین۔ یہ سب میرے القاب ہیں، نام نہیں، حالانکہ میں ان میں سے کسی لقب کے لائق نہیں ہو۔ ہر کسی نے اپنے اعتقاد کے مطابق مجھے لقب دیا ہے۔ اگر اس بے چارے نے اپنے اعتقاد کے مطابق مجھے کوئی بات کہی ہے اور میرے لیے کوئی لقب مقرر کیا ہے تو اس پر یہ جھگڑا کیوں کریں۔

(کشف المحجوب، ص: ۹۷-۹۸)

(۴)۔ حضرت بایزید بسطامیؒ ایک دفعہ رات کے وقت قبرستان سے واپس آ رہے تھے۔ راستے میں ایک لڑکا بربط بجا رہا تھا۔ آپؒ نے اس کو دیکھ کر لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم پڑھا۔ جس کو سن کر اس لڑکے کو غصہ آ گیا۔ اس نے بربط آپؒ کے سر پر دے مارا۔ آپؒ کو چوٹ لگی اور بربط بھی ٹوٹ گیا۔ آپؒ خاموشی سے واپس گھر آ گئے۔ دوسرے دن حلوے کی ایک پلیٹ اور بربط کی قیمت اس لڑکے کو بھجوادی اور پیغام بھیجا کہ میں تم سے معذرت چاہتا ہوں۔ بربط کی قیمت لے لو اور حلوہ کھا کر اپنا رنج بھول جاؤ۔ اس پیغام پر لڑکا بہت شرمندہ ہوا اور اپنے دوستوں کے ہمراہ آپؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ معافی مانگی اور توبہ کی۔ (تذکرۃ الاولیا، ص: ۱۰۱)

(۵)۔ حضرت بایزید بسطامیؒ ایک دفعہ ایک شہر سے گزر رہے تھے کہ لوگوں میں مشہور ہو گیا کہ بایزیدؒ تشریف لا رہے ہیں۔ اہل شہر اکٹھے ہو کر آپؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تا کہ عزت و تکریم کے ساتھ شہر میں لائیں۔ آپؒ نے جب یہ دیکھا کہ شہر کے لوگ سامنے آ گئے ہیں تو دل ان کی رعایت میں مشغول ہو گیا۔ توجہ اللہ پاک سے ہٹ گئی۔ اس سے آپؒ پریشان ہو گئے۔ جب آپؒ بازار میں پہنچے تو اپنی آستین سے روٹی کا ایک ٹکڑا نکالا اور اسے کھانے لگے۔ رمضان

مبارک کا مہینہ تھا جس میں اہل ایمان پر روزے رکھنا فرض کیا گیا ہے۔ آپؒ کو روٹی کھاتے ہوئے دیکھ کر لوگ بکھر گئے اور آپؒ کو تنہا چھوڑ دیا۔ حالانکہ آپؒ مسافر تھے۔ مسافر کے لیے روزہ نہ رکھنے کی رخصت ہے لیکن لوگ اس رعایت کو نہ سمجھے اور اس عمل کو برا سمجھتے ہوئے واپس چلے گئے۔ (کشف المحجوب، ص:۹۸)

(۶)۔ حضرت ابراہیم بن ادہمؒ ایک دفعہ ایک کشتی میں سوار ہوئے۔ اس کشتی میں کوئی آپؒ کو جاننے والا نہ تھا۔ ایک پھٹی ہوئی گدڑی لباس تھا۔ بال بڑھے ہوئے تھے۔ کشتی والے سبھی آپؒ پر ہنستے اور مذاق اڑاتے تھے۔ کشتی میں ایک شوخ لڑکا بھی سوار تھا۔ وہ بار بار آپؒ کے پاس آتا۔ آپؒ کے سر کے بالوں کو چھیڑتا اور مذاق کرتا۔ حضرت ابراہیم بن ادہمؒ اس بات پر دل ہی دل میں خوش ہوتے کہ یہ لوگ انہیں پہچانتے نہیں۔ (کشف المحجوب، ص:۱۰۳)

(۷)۔ حضرت سید علی ہجویریؒ خود اپنے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ مجھے ایک مرتبہ ایک واقعہ پیش آیا تھا۔ میں نے اس امید پر اس کے لیے بڑی جدوجہد کی کہ وہ حل ہو جائے لیکن وہ حل نہ ہوا۔ میں نے رخت سفر باندھا۔ سفر کے دوران ایک رات میں ایک گاؤں میں پہنچا۔ وہاں ایک خانقاہ تھی۔ جس میں صوفی نما لوگوں کی ایک جماعت موجود تھی۔ میں ایک کھردری بوسیدہ گدڑی پہنے ہوئے تھا۔ اہل رسم کے سامان میں سے ایک عصا اور ٹاٹ کے علاوہ میرے پاس کچھ بھی نہ تھا۔ میں اس جماعت کی نگاہوں میں سخت حقیر معلوم ہوا۔ کسی نے مجھے نہ پہچانا۔ وہ آپس میں کہتے یہ شخص ہماری جماعت میں سے نہیں۔ مجھے مجبوراً اس رات وہاں رہنا تھا۔ انہوں نے مجھے دریچہ میں بٹھا دیا اور خود اس سے اوپر والے بالا خانے پر چڑھ گئے۔ گویا میں فرش پر بیٹھا تھا۔ مجھے انہوں نے سوکھی اور پھپھوندی لگی ہوئی روٹی دی۔ وہ خود ایسا کھانا کھا رہے تھے کہ میں اس کی خوشبو کو محسوس کر رہا تھا۔ وہ مجھ پر مسلسل آوازیں کس رہے تھے۔ جب وہ کھانے سے فارغ ہو گئے تو خربوزہ کھاتے ہوئے اپنی خوش طبعی میں اور میری حقارت کے لیے اس کے چھلکے مجھ پر پھینک رہے تھے۔ میں دل ہی دل میں کہہ رہا تھا: اے میرے پروردگار! اگر انہوں نے تیرے دوستوں کا سا لباس نہ پہن رکھا ہوتا تو میں ان سے یہ ذلت کبھی برداشت نہ کرتا۔ وہ جس قدر مجھ

پر طعن کر رہے تھے مجھے دل میں اتنی ہی خوشی محسوس ہو رہی تھی۔ یہاں تک کہ اس ملامت (ذلت) کا بوجھ برداشت کرنے کی وجہ سے وہ مشکل مسئلہ مجھ پر حل ہو گیا۔
(کشف المحجوب،ص:۱۰۴)

(۸)۔ حضرت مالک بن دینارؒ کو ایک دفعہ ایک عورت نے ریا کار کہہ کہ پکارا۔آپؒ نے فرمایا: بیس سال میں پہلی دفعہ کسی نے مجھے میرے اصلی نام سے پکارا ہے۔شاباش! تو نے مجھے اچھی طرح پہچان لیا کہ میں کون ہوں۔ پھر فرمایا: جب میں نے مخلوق کو اچھی طرح پہچان لیا تو مجھے اس کی قطعاً خواہش نہیں رہی کہ مجھے کوئی نیک یا بد کہے۔لہٰذا لوگ خواہ مجھے نیک کہیں یا بد میں روز محشر ان سے کوئی بدلہ نہیں لوں گا۔(تذکرۃ الاولیا،ص:۳۱)

حوالہ جات

۱۔ بانگ درا، ڈاکٹر محمد اقبالؒ۔ لاہور: کریمی پریس، ۱۹۲۴ء۔

۲۔ تذکرۃ الاولیا، شیخ فرید الدین عطارؒ۔ لاہور: الفاروق بک فاؤنڈیشن، ۱۹۹۷ء۔

۳۔ سنن ابن ماجہ، حافظ ابی عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہؒ ترجمہ مولانا محمد قاسم امین۔ لاہور: مکتبہ العلم، ۲۰۱۰ء۔

۴۔ صحیح مسلم، امام ابوالحسین مسلم بن الحجاج نیشاپوریؒ ترجمہ علامہ وحید الزمان۔ دہلی: مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند، ۲۰۰۴ء۔

۵۔ طبقات صوفیہ، ابی عبدالرحمٰن محمد بن حسین سلمیؒ ترجمہ شاہ محمد چشتی۔ لاہور: ادارہ پیغام القرآن، ۲۰۱۱ء۔

۶۔ عوارف المعارف، شیخ شہاب الدین سہروردیؒ ترجمہ مولانا ابوالحسن۔ لاہور: ادارہ اسلامیات۔

۷۔ کشف المحجوب، سید علی ہجویریؒ ترجمہ میاں طفیل محمد۔ لاہور: اسلامک پبلیکیشنز، ۱۹۸۸ء۔

۸۔ کنزالعمال، علامہ علاء الدین علی متقی بن حسام الدینؒ ترجمہ مولانا مفتی احسان اللہ شائق۔ کراچی: دارالاشاعت، ۲۰۰۹ء۔

۹۔ مسند الفردوس بماثور الخطاب، شیرویہ بن شہردار بن شیرویہ دیلمیؒ۔ بیروت: دارالکتاب العربی، ۱۹۸۷ء۔

۱۰۔ مشکوٰۃ المصابیح، شیخ ولی الدین خطیب التبریزیؒ ترجمہ مولانا محمد صادق خلیلؒ۔ لاہور: مکتبہ محمدیہ، ۲۰۰۵ء۔

۱۱۔ معارف بہلوی، مولانا محمد عبداللہ بہلویؒ۔ کارچی: مکتبہ لدھیانوی، ۲۰۰۶ء۔

۱۲۔ http//:www.hadithurdu.com/

۱۳۔ https//:easyquranwahadees.com/

۳۸

وجد

۱۔ وجد کا مفہوم

(۱)۔ وجد کے لغوی معانی وجود میں آنا، وجود رکھنا، موجود ہونا اور حاصل کرنا کے ہیں۔اصطلاح میں وجد سے مراد خوشی یا ذوق وشوق سے بے خود ہو کر جھومنے کی کیفیت یا سرمستی اور بے خودی کی کیفیت طاری ہونے کو کہتے ہیں۔ سالک کا کسی خبر پر خوشی سے بے خود ہو کر بغیر کسی تصنع کے جھوم جانا تصوف کی اصطلاح میں وجد کہلاتا ہے۔

(۲)۔ کیفیت وجد وظائف کا نتیجہ ہوتی ہے۔جس شخص کے وظائف زیادہ ہوں گے اس پر اللہ تعالیٰ کی عنایات بھی زیادہ ہوں گی۔ حضرت ابوعلی دقاقؒ فرماتے ہیں: وارداتِ صوفیا اوراد کے مطابق ہوتی ہے۔جس کا ظاہر میں کوئی ورد نہیں اس کے باطن میں کوئی اثر نہیں اور جس وجد میں انسان کا اپنا دخل ہو وہ وجد نہیں۔ جس طرح انسان کو عبادات میں ظاہری محنت و کاوش کی وجہ سے لذت حاصل ہوتی ہے اسی طرح آدمی اپنے باطنی احوال سے جو اس پر نازل ہوتے ہیں، وجد محسوس کرتا ہے۔نتیجہ یہ ہے کہ عبادت کی مٹھاس معاملات کے پھل ہیں اور وجد ربانی عنایات کا پھل ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کیفیت قلب پر وارد ہو اور اس کو اس کی حزن وسرور کی حالت سے بدل ڈالے، یہ وجد کہلاتا ہے اور اگر وجد، صاحبِ وجد کو بے خود کر دے، اس کو وجود کہتے ہیں اور اگر سالک خود تکلف سے وجد حاصل کرنے کی کوشش کرے اسے تواجد کہتے ہیں اور پھر اس کے مراتب کی ترتیب یہ ہے: قصود (قصد کرنا)، پھر ورود (وارد کا طاری کرنا)، پھر شہود (مشاہدہ کرنا)، پھر وجود (بے خود ہونا)، پھر خمود (مستغرق ہو جانا)۔جیسا کہ کسی نے دریا پر آنے کا ارادہ کیا، پھر دریا پر پہنچا، پھر اسے دیکھا، پھر اس میں اترا، پھر اس میں ڈوب کر واصل ہو گیا۔البتہ اگر تواجد بقصد ریا ہو تو گناہ ہے۔

(۳)۔ وجد کا منبع و ماخذ اللہ پاک کی محبت اور شوق دیدار ہے۔ یہ وجد قرآن پاک کی تلاوت سے بھی جوش میں آتا ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحۡسَنَ الۡحَدِيۡثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِیَ ۖ تَقۡشَعِرُّ مِنۡهُ جُلُوۡدُ الَّذِيۡنَ يَخۡشَوۡنَ رَبَّهُمۡ ۚ ثُمَّ تَلِيۡنُ جُلُوۡدُهُمۡ وَقُلُوۡبُهُمۡ اِلٰى ذِكۡرِ اللّٰهِ ؕ

(سورۃ الزمر، آیت: ۲۳) 'اللہ تعالیٰ نے بہترین کلام نازل کیا ہے ایک کتاب باہم ملتی جلتی ہوئی اور بار بار دہرائی ہوئی۔ اس سے ان لوگوں کی جلد جو اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں، کانپ اٹھتی ہے پھر ان کی جلد اور ان کے قلب اللہ پاک کے ذکر کے لیے نرم ہو جاتے ہیں'۔

(۴)۔ کیفیت وجد سماع کے ثمرہ میں ظاہر ہوتی ہے۔ یہ ایک وارد حق ہے جو سماع کے بعد سننے والا اپنے دل میں پاتا ہے۔ پھر اس کی دو قسمیں ہیں: ایک یہ کہ اس کا انجام مشاہدات و مکاشفات پر ہو جو علوم و تنبیہات کے قبیل سے ہیں یا وہ تغیرات و احوال پر منتہی ہو جیسے شوق، حزن، قلق، افسوس، ندامت اور قبض و بسط وغیرہ۔ یہ احوال کے قبیل سے علوم نہیں ہیں بلکہ مختلف کیفیات ہیں جو وقتاً فوقتاً انسانی اعضاء پر طاری ہوتی ہیں۔ سماع سے ان احوال پر جوش اور قدرت پیدا ہوتی ہے۔ اگر سماع اتنا ضعیف ہو کہ نہ اس سے ظاہر بدن میں حرکت پیدا ہو، نہ وہ سکون کا باعث بنے، نہ سننے والے کی حالت میں تغیر پیدا کرے کہ خلاف عادت حرکت کرنے لگے، یا سر جھکا لے یا آنکھیں بند کر لے یا چپ رہ جائے تو اسے وجد نہیں کہتے۔ اگر ظاہر بدن پر سماع کے اثرات ہوں تو اسے وجد کہا جائے گا۔ خواہ یہ اثرات قوی ہوں یا ضعیف۔ پھر ان اثرات کی تحریک اسی قدر قوت سے ہوگی جس قدر قوت سے وہ حالت پیدا ہوگی، جسے وجد کہتے ہیں۔ بعض اوقات باطن میں وجد برپا ہوتا ہے لیکن واجد کی قوت اور اعضا پر اس کی قدرت سے ظاہر میں کوئی تغیر نہیں ہوتا لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ ظاہر پر تغیر نہ ہونے کی وجہ صاحب وجد کی قوت ہو۔ بعض اوقات وارد ضعیف ہوتا ہے اور تحریک اور عقدہ ضبط کھولنے سے قاصر ہوتا ہے۔

(۵)۔ سماع میں مشاہدہ دوست، حضور فہم اور ملاحظہ غیب ہوتا ہے۔ یہ بات کچھ عجیب نہیں کہ سماع کسی ایسے امر کے انکشاف کا باعث ہو جو پہلے سے مکشوف نہ ہو۔ اس لیے کہ کشف جن اسباب کی بنا پر حاصل ہوتا ہے وہ سب سماع میں پائے جاتے ہیں۔ کشف کے اسباب چار ہیں: تنبیہہ، سماع سے دل کو تنبیہہ ہوتی ہے۔ احوال کا تغیر اور ان کا مشاہدہ و ادراک بھی ایک طرح کا علم ہی ہے۔ اس سے ان امور کی وضاحت ہوتی ہے جو وجد کی کیفیت وارد ہونے سے پہلے معلوم میں تھے۔ صفائے قلب، سماع قلب کی صفائی میں مؤثر ہے اور تصفیہ قلب سے کشف ہوتا ہے۔ تقویت قلب، سماع سے قلب میں نشاط اور قوت پیدا ہوتی ہے۔ پہلے وہ جن امور کے تحمل سے قاصر ہوتا

ہے سماع کے بعد وہ ان کا تحمل کر لیتا ہے۔ جیسا کہ اونٹ حدی سننے کے بعد دوڑنے لگتا ہے اور طویل مسافتیں کم وقت میں طے کر لیتا ہے۔ اپنی کمر پر زیادہ بوجھ لاد کر چلنے میں کوئی پریشانی محسوس نہیں کرتا۔ جیسے اونٹ بوجھ اٹھاتا ہے اسی طرح قلب کا کام مکاشفات اور ملکوت کے اسرار کا مشاہدہ ہے جو عام دلوں کے لیے یقیناً ایک ایسا بوجھ ہے جو ان کی طاقت وقوت سے زیادہ ہے۔ بہر حال کشف کے اسباب سماع کے نتائج وثمرات ہیں۔

(۶)۔ اگر وجد کرنے میں تکلف سے کام لیا جائے اور جان بوجھ کر اپنے اعضا کو حرکت دی جائے تو یہ تواجد ہے۔ تواجد دو حال سے خالی نہیں: تواجد مذموم اور محمود۔ اگر کوئی شخص احوال شریفہ سے محروم ہے اور اس خیال سے وجد کر رہا ہے کہ لوگ اسے تہی دامن نہ سمجھیں بلکہ صاحب حال اور صوفی تصور کریں، یہ تواجد ناپسندیدہ ہے لیکن اگر تواجد کو حقیقی وجد اور احوال شریفہ کے کسب کا ذریعہ بنایا جائے تو یہ صورت ناپسندیدہ نہیں ہے۔ اس لیے کہ احوال شریفہ کے حصول میں کسب کو بڑا دخل ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ یہ قرآن غم کے ساتھ اترا ہے لہٰذا جب تم قرآن پڑھو، تو روؤ، اگر رو نہ سکو تو بہ تکلف روو۔ (دیکھیے سنن ابن ماجہ، ج:۱، رقم الحدیث: ۱۳۳۷) اسی لیے احوال کی ابتداء میں عموماً تکلف سے کام لیا جاتا ہے مگر بعد میں یہ احوال متحقق اور ثابت ہو جاتے ہیں۔

۲۔ وجد احادیث نبوی ﷺ کی روشنی میں

ذیل میں وجد کے بارے میں چند احادیث نقل کی جاتی ہیں:

(۱)۔ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "أُتِيَ بِالْبُرَاقِ لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِهِ مُلْجَمًا مُسْرَجًا فَاسْتَصْعَبَ عَلَيْهِ، فَقَالَ لَهُ جِبْرِيلُ: أَبِمُحَمَّدٍ تَفْعَلُ هَذَا فَمَا رَكِبَكَ أَحَدٌ أَكْرَمُ عَلَى اللّٰهِ مِنْهُ، قَالَ: فَارْفَضَّ عَرَقًا".

(جامع ترمذی، ج:۲، رقم الحدیث:۱۰۷۶)

(حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ معراج کی رات حضور نبی اکرم ﷺ کے لیے براق لایا گیا جس کو لگام ڈالی ہوئی اور زین کسی ہوئی تھی۔ اس نے شوخی کی تو حضرت جبریل علیہ السلام نے فرمایا: کیا تو محمد ﷺ کے ساتھ ایسی شوخی کر رہا ہے۔ آج تک تجھ پر اللہ کے نزدیک ان سے زیادہ عزیز سوار نہیں ہوا۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر اسے پسینہ آ گیا)

براق کی یہ شوخی یا اچھل کود حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سواری سے شرف یاب ہونے کی خوشی میں بے خودی کے عالم میں تھی۔ جب حضرت جبریل علیہ السلام نے اسے متنبہ کیا تو براق اپنی اس کیفیت سے باہر آ گیا اور خوشی میں بے خود ہونے کی حالت کو سوچ کر پسینہ پسینہ ہو گیا۔

(دیکھیے مشکوٰۃ المصابیح، ج:۵، رقم الحدیث:۵۰۸)

(۲)۔ عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ :فَاتَّبَعَتْهُمُ ابْنَةُ حَمْزَةَ تُنَادِي يَا عَمِّ يَا عَمِّ فَتَنَاوَلَهَا عَلِيٌّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فَأَخَذَ بِيَدِهَا وَقَالَ لِفَاطِمَةَ عَلَيْهَا السَّلَامُ : دُونَكِ ابْنَةَ عَمِّكِ . فَحَمَلَتْهَا فَاخْتَصَمَ فِيهَا عَلِيٌّ وَزَيْدُ بْنُ حَارِثَةَ وَجَعْفَرُ بْنُ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ. فَقَالَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ : أَنَا أَخَذْتُهَا وَبِنْتُ عَمِّي . وَقَالَ جَعْفَرٌ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ : بِنْتُ عَمِّي وَخَالَتُهَا عِنْدِي. وَقَالَ زَيْدٌ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: ابْنَةُ أَخِي. فَقَضَى بِهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِخَالَتِهَا وَقَالَ : الْخَالَةُ بِمَنْزِلَةِ الأُمِّ. وَقَالَ لِزَيْدٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: أَنْتَ أَخُونَا وَمَوْلانَا. فَحَجَلَ. وَقَالَ لِجَعْفَرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: أَنْتَ أَشْبَهُهُمْ بِي خَلْقًا وَخُلُقًا. فَحَجَلَ وَرَاءَ حَجْلِ زَيْدٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ. ثُمَّ قَالَ لِي : أَنْتَ مِنِّي وَأَنَا مِنْكَ. فَحَجَلْتُ وَرَاءَ حَجْلِ جَعْفَرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ.

(سنن کبریٰ للبیہقی، ج:۹، رقم الحدیث:۱۹۲۶)

(حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی چچا چچا کی صدائیں لگاتی ہوئی پیچھے آ گئی۔ میں نے اسے پکڑا اور حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے حوالے کر دیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے درمیان اختلاف ہو گیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کہنے لگے: میں نے اسے پکڑا ہے اور میرے چچا کی بیٹی بھی ہے۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: میرے بھی چچا کی بیٹی ہے اور اس کی خالہ میرے نکاح میں ہے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ کہنے لگے: میرے بھائی کی بیٹی ہے۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خالہ کے حق میں فیصلہ دیا اور ارشاد فرمایا: خالہ ماں کے قائم مقام ہوتی ہے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا: تو ہمارا بھائی اور مولا ہے۔ وہ حجل کرنے (ایک پاؤں پر جھومنے) لگے۔ پھر حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کو فرمایا: تو میرے ساتھ تخلیق اور اخلاق میں سب سے زیادہ مشابہ ہے۔ وہ بھی ایک پاؤں کے بل حضرت زید رضی اللہ عنہ کے پیچھے حجل کرنے لگے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا: تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے تو وہ بھی حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے حجل کرنے لگے)

(۳)۔ عن ابن عباس رضی الله عنه، قال: إن عمارة بنت حمزة بن عبد المطلب وأمها سلمى بنت عميس كانت بمكة فلما قدم رسول الله صلى الله عليه وسلم كلم على النبی صلی الله علیه وسلم فقال: علام تركت بنت عمنا يتيمة بين ظهور المشركين، فلم ينهه النبی صلی الله علیه وسلم عن إخراجها، فخرج بها وتكلم زيد بن حارثة وكان وصی حمزة وكان النبی صلی الله علیه وسلم آخی بينهما حين آخی بين المهاجرين، فقال: أنا أحق بها ابنة أخی فلما سمع ذلك جعفر قال: الخالة والدة وأنا أحق بها لمكان خالتها عندی أسماء بنت عميس، فقال علی: ألا أخبركم فی ابنة عمی، وأنا أخرجتها من بين أظهر المشركين، وليس لكم إليها نسب دونی وأنا أحق بها منكم، فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم: أنا أحكم بينكم، أما انت يا زيد فمولى الله ورسوله، وأما أنت يا علی فأخی وصاحبی، وأما أنت يا جعفر فشبه خلقی وخلقی وأنت يا جعفر أولى تحتك خالتها، ولا تنكح المرأة على خالتها، ولا على عمتها، فقضى بها لجعفر، فقام فحجل حول رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال النبی صلی الله علیه وسلم ما هذا يا جعفر؟ فقال: يا رسول الله صلی الله علیه وسلم كان النجاشی إذا رضی أحدا قام فحجل حوله.
(کنز العمال، ج:۳، رقم الحدیث:۲۲۵۰)

(حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمارۃ بنت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہا اور ان کی والدہ حضرت سلمہ بنت عمیس رضی اللہ عنہا مکہ مکرمہ میں تھیں۔ جب حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لے آئے تو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بات چیت کی اور عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے چچا کی یتیم بیٹی کو مشرکین کے درمیان کیوں چھوڑ دیا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو وہاں سے انہیں نکال لانے سے منع نہ فرمایا۔ پھر حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بات چیت کی۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے وصی تھے۔ یعنی وہ حضرت زید رضی اللہ عنہ کو اپنے بعد نگہبان مقرر کر گئے تھے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب مہاجرین اور انصار کے درمیان بھائی چارہ قائم کیا تھا، تبھی حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کے درمیان بھائی چارہ قائم کیا تھا۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: میں اس کا زیادہ حقدار ہوں، وہ میرے بھائی کی بیٹی ہے۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے یہ سنا تو وہ کہنے لگے: خالہ ماں ہوتی

ہے۔اس کی خالہ حضرت اسماء بنت عمیس میرے نکاح میں ہے، اس لیے میں اس کا زیادہ حقدار ہوں۔حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں تم کو اپنے چچا کی بیٹی کے بارے میں بتاتا ہوں۔میں اس کو مشرکین کے درمیان سے نکال کر لایا ہوں۔اس سے قریب ترین نسب اور رشتہ داری تم سے زیادہ میری ہے۔اس وجہ سے میں اس کا زیادہ حقدار ہوں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں تمہارے درمیان فیصلہ کرتا ہوں۔اے زید رضی اللہ عنہ! تو اللہ پاک اور اس کے رسول کا مولا (دوست) ہے۔اے علی رضی اللہ عنہ! تو میرا بھائی اور میرا ساتھی ہے۔اے جعفر رضی اللہ عنہ! تو میرا ہم شکل اور ہم اخلاق ہے۔اے جعفر رضی اللہ عنہ! تو اس کو رکھنے کا زیادہ مستحق ہے کیونکہ اس کی خالہ تیرے پاس ہے۔کسی عورت سے اس کی خالہ کے ہوتے ہوئے یا پھوپھی کے ہوتے ہوئے نکاح نہیں کیا جا سکتا۔یعنی جب کسی کے عقد میں پہلے سے خالہ یا پھوپھی ہو تو ان کی بھانجی یا بھتیجی سے اس آدمی کا نکاح جائز نہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمارۃ رضی اللہ عنہا کا فیصلہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے حق میں دے دیا۔حضرت جعفر رضی اللہ عنہ خوشی سے اٹھے اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب ایک پاؤں کھڑا کر کے دوسرے پر چکر کاٹنے لگے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: اے جعفر رضی اللہ عنہ! یہ کیا ہے؟ تو انہوں نے عرض کیا: نجاشی جب کسی سے خوش ہوتا تھا تو اٹھ کر اس کے گرد اسی طرح چکر کاٹتا تھا)

(۴)۔ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ، عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْمَغْرِبِ بِالطُّورِ، فَلَمَّا بَلَغَ هَذِهِ الْآيَةَ: "اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ ۝ اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ بَلْ لَّا يُوْقِنُوْنَ ۝ اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَبِّكَ اَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُوْنَ". قَالَ: كَادَ قَلْبِي أَنْ يَطِيرَ.

(صحیح بخاری، ج:۲، رقم الحدیث: ۲۰۶۳)

(حضرت محمد بن جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مغرب میں سورت طور پڑھتے ہوئے سنا۔جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان آیات: اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ ۝ اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ بَلْ لَّا يُوْقِنُوْنَ ۝ اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَبِّكَ اَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُوْنَ "۔ (سورۃ الطور، آیات: ۳۵-۳۷) کیا یہ کسی خالق کے بغیر پیدا ہو گئے ہیں یا یہ خود اپنے آپ کے خالق ہیں؟ کیا زمین اور آسمانوں کو انھوں نے پیدا کیا ہے؟ اصل بات یہ ہے کہ یہ یقین نہیں رکھتے۔کیا تیرے رب کے خزانے ان کے پاس ہیں یا ان پر ان کا کنٹرول ہے؟ پر پہنچے قریب تھا کہ میرا دل اڑ جائے)

دل کا اڑ جانا وجد کی ایک قسم ہے چونکہ قلب جسم سے متصل ہے اور جسم عالم سفلی ہے اور قلب عالم علوی ہے۔ اس لیے قلب حالت وجد میں اڑنے کا تقاضا کرتا ہے جبکہ جسم برخلاف ہوتا ہے نتیجتاً غیر اختیاری فعل سرانجام پاتا ہے۔

۳۔ واجدین کی اقسام

حقیقتاً وجد کرنے والوں کی تین اقسام ہیں:

(۱)۔ پہلی قسم کے واجدین کا وجد ٹھیک رہتا ہے مگر اس وقت متغیر ہو جاتا ہے جب بشری عادات اور خواہشات نفس ان کے سامنے آجاتی ہیں۔

(۲)۔ دوسری صنف کے واجدین کا وجد اس وقت متاثر ہوتا ہے جب وہ سماع کے لطف و نشاط میں منہمک ہو جاتے ہیں۔

(۳)۔ تیسری قسم کے واجدین کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ ان کا وجد مسلسل رہتا ہے۔ یہ لوگ اپنے وجد میں فانی ہو چکے ہوتے ہیں۔ یہ خود باقی نہیں رہتے، صرف ان کا وجد ہی رہتا ہے۔ اس لحاظ سے انہیں کسی چیز کے وجود کا احساس ہی نہیں رہتا۔

اسی طرح بتکلف وجد کرنے والوں (متواجدین) کی بھی تین اصناف ہیں:

(۱)۔ پہلی صنف کے متواجدین تکلف اور نقل سے کام لیتے ہیں۔ یہ خوش طبعی کی خاطر ایسا کرتے ہیں۔

(۲)۔ دوسری قسم کے متواجدین دنیوی علائق کو چھوڑ کر بلند احوال کا دعویٰ کرتے ہیں۔ ایسا کرنا اچھا نہیں تاہم اس لحاظ سے ان کا تواجد بہتر بھی ہے کہ وہ اسے اس وقت اختیار کرتے ہیں جب کہ انہوں نے دنیوی اشیاء و اسباب کو پس پشت ڈال دیا ہوتا ہے۔ ان کو جو تواجد حاصل ہوتا ہے اس کی ساری مسرت اور لطف بہر حال قطع آسائش دنیوی کے بعد ہی ہوتا ہے۔

(۳)۔ متواجدین کی تیسری صنف میں وہ کمزور صوفیا شامل ہوتے ہیں جو حرکت کرتے وقت اپنی اندرونی کیفیات و جذبات کو ضبط نہ کرتے ہوئے بے قابو ہو جاتے ہیں اور اپنا بوجھ اتارنے کے لے تکلفانہ وجد کرتے ہیں۔

۴۔ وجد کے بارے میں صوفیائے کرامؒ کے اقوال

وجد کے بارے میں صوفیائے کرامؒ سے سنہرے اقوال منسوب ہیں، جن میں سے کچھ حسب ذیل ہیں۔

(۱)۔ شیخ ابوالحسن دراجؒ فرماتے ہیں کہ وجداس حالت کا نام ہے جو سماع کے وقت پائی جائے۔
(احیاءالعلوم الدین، ج:۲،ص:۴۵۹)

(۲)۔ حضرت ابوسعید ابن اعرابیؒ فرماتے ہیں کہ وجد حجاب، دیدار دوست، حضور فہم، مشاہدہ غیب، حدیث سر اور فنائے ذات کا نام ہے۔(احیاءالعلوم الدین، ج:۲،ص:۴۵۹)

(۳)۔ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ فرماتے ہیں کہ وجداللہ تعالیٰ کی طرف سے سالک کے باطن پر ہونے والا وارد ہے جوخوشی وفرحت کا سبب بنتا ہےاور سالک کی کیفیت کومتغیر کر دیتا ہے۔
(عوارف المعارف،ص:۶۲۳)

(۴)۔ حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں کہ سچاوجد دل کو ہلا دیتا ہے۔(روض الریاحین،ص:۴۲۳)

(۵)۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ کسی حالت محمودہ غریبہ کا غلبہ اصطلاح میں وجد کہلاتا ہے۔
(التکشف،ص:۴۹۴)

(۶)۔ ایک صوفی بزرگ کا قول ہے کہ نفس کی مخالفت اور اوامر ونواہی کی پیروی سے جو فتوحات حاصل ہوتی ہیں، ان سے جو لذتیں قلب پر وارد ہوں انہیں وجد کہتے ہیں۔(جنیدؒ و بایزیدؒ،ص:۴۶۷)

(۷)۔ حضرت عمرو بن عثمان مکیؒ فرماتے ہیں کہ وجد پختہ ایمان رکھنے والے مومنین کے نزدیک اللہ پاک کے اسرار میں سے ایک ہے۔(کتاب اللمع،ص:۴۹۸)

(۸)۔ شیخ ابوسعید احمد بن بشرؒ فرماتے ہیں کہ وجد حجاب کا اٹھ جانا ہے۔(کتاب اللمع،ص:۵۰۰)

(۹)۔ شیخ ابوسعید الاعرابیؒ فرماتے ہیں کہ وجد خوشیوں سے ہمکنار ہونے اور مزید سے آگاہ ہونے کو کہتے ہیں۔(کتاب اللمع،ص:۵۱۳)

(۱۰)۔ خواجہ عبداللہ ہرویؒ فرماتے ہیں کہ وجد سنگ اختیار اور آہن نیاز مندی کے درمیان آتش سوز اس کی مانند ہے۔ وجد تین طرح کا ہوتا ہے:

(i)۔ نفس کے لیے، جو وجد نفس کو لاحق ہوتا ہے وہ عقل پر چھا جاتا ہے۔ اس سے صبر وسکون درہم برہم ہو جاتا ہے۔ اسرار الٰہی کو فاش کر دیتا ہے۔ یہ باطنی وجد ہوتا ہے۔

(ii)۔ دل کے لیے، جو وجد دل کو لاحق ہوتا ہے، وہ انسانی قوت پر غالب آ جاتا ہے یہاں تک کہ اس سے انسان کا وجود حرکت میں آتا ہے۔ وہ نعرہ زنی کرتا ہے۔ وہ اپنے کپڑے پھاڑ ڈالتا ہے۔ یہ وجد معنوی ہے۔

(iii)۔ روح کے لیے، جو وجد روح کو لاحق ہوتا ہے، اس میں انسان کو اللہ تعالیٰ سے فی الفور حظ وافر نصیب ہوتا ہے۔ اس کا نفس حقیقت ذات میں مستغرق ہو جاتا ہے۔ اس کی روح اس عالم سے منقطع ہونا چاہتی ہے۔ یہ وجد شہودی ہے کیونکہ اس میں حق تعالیٰ بندے پر نگاہ ڈالتا ہے۔

(صد میدان، ص: ۱۸۳-۱۸۴)

(۱۱)۔ امام ابی بکر الکلاباذیؒ فرماتے ہیں کہ بندے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کسی حالت کا منکشف ہونا وجد کہلاتا ہے۔ (کتاب التعرف، ص:۱۷۶)

(۱۲)۔ شیخ نوریؒ فرماتے ہیں کہ وجد آگ کا شعلہ ہے جو شوق کی وجہ سے باطن میں اٹھتا ہے اور اس وارد کے پیش آنے پر خوشی یا غمی کی وجہ سے اعضا بے قرار ہو جاتے ہیں۔ (کتاب التعرف، ص:۱۷۷)

(۱۳)۔ ایک بزرگ کا قول ہے کہ بلا ارادہ اور بلا کشش کسی کیفیت یا کسی قلب پر کسی حالت کے طاری ہونے کا نام وجد ہے۔ (جنیدؒ و بایزیدؒ، ص:۴۶۷)

۵۔ وجد کے واقعات

ذیل میں وجد کے چند واقعات نقل کیے جاتے ہیں:

(۱)۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ کچھ لوگوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے ساتھ کچھ آدمی بھیج دیں جو ہمیں قرآن وسنت کی

تعلیم دیں۔آپ ﷺ نے ان کے ساتھ انصار میں سے ستر آدمی بھیج دیے جنہیں قراء (قرآن پاک کے قاری) کہا جاتا تھا۔ان میں میرے ماموں حضرت حرام رضی اللہ عنہ بھی تھے۔قرآن پڑھتے تھے اور رات کو درس و تدریس میں مشغول رہتے تھے۔دن کے وقت پانی لا کر مسجد میں ڈالتے تھے۔جنگل سے لکڑیاں لا کر انہیں فروخت کر دیتے اور اس سے اہل صفہ اور فقراء کے لیے کھانے کی چیزیں خریدتے تھے۔حضور نبی پاک ﷺ نے انہیں کفار کی طرف بھیج دیا۔انہیں منزل مقصود تک پہنچنے سے پہلے ہی کفار نے حملہ کر کے شہید کرنا شروع کر دیا۔حضرت حرام رضی اللہ عنہ نے اللہ پاک کے حضور عرض کیا: اے اللہ پاک! ہمارا یہ پیغام ہمارے نبی ﷺ تک پہنچا دے کہ ہم تجھ سے ملاقات کر چکے ہیں۔ہم تجھ سے راضی ہیں اور تو ہم سے راضی ہو چکا ہے۔اسی دوران ایک آدمی نے آ کر حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ماموں حضرت حرام رضی اللہ عنہ کے پیچھے سے اس طرح نیزہ مارا کہ وہ آر پار ہو گیا۔حضرت حرام رضی اللہ عنہ نے کہا: رب کعبہ کی قسم! میں کامیاب ہو گیا۔اس وقت رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ارشاد فرمایا: بیشک تمہارے بھائیوں کو قتل کر دیا گیا ہے۔ بیشک انہوں نے یہ کہا ہے: اے اللہ! ہماری طرف سے یہ پیغام ہمارے نبی ﷺ تک پہنچا دے کہ ہم تجھ سے ملاقات کر چکے ہیں اور ہم تجھ سے راضی ہو چکے ہیں اور تو ہم سے راضی ہو چکا ہے۔(صحیح مسلم، ج:۳، رقم الحدیث: ۴۲۰)

(۲)۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ ایک رات اپنی کھجوروں کے کھلیان میں قرآن مجید پڑھ رہے تھے کہ ان کا گھوڑا اچھلنے لگا۔آپ رضی اللہ عنہ نے پھر پڑھا، وہ پھر اچھلنے لگا۔آپ رضی اللہ عنہ نے پڑھا، وہ پھر اچھلنے لگا۔حضرت اسید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ڈرا کہ کہیں وہ یحییٰ (حضرت اسید رضی اللہ عنہ کا بیٹا) کو کچل نہ ڈالے۔ میں اس کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا۔ میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک سائبان میرے سر پر ہے وہ چراغوں سے روشن ہے وہ اوپر کی طرف اٹھنے لگا۔ یہاں تک کہ میں اسے پھر نہ دیکھ سکا۔

صبح کے وقت میں حضور نبی پاک ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میں رات کے وقت اپنے کھلیان میں قرآن مجید پڑھ رہا تھا کہ اچانک میرا گھوڑا اچھلنے لگا۔حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ابن حضیر رضی اللہ عنہ پڑھتے رہتے۔انہوں نے عرض

کیا کہ میں پڑھتا رہا، گھوڑا پھر اسی طرح اچھلنے لگا۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ابن حضیر رضی اللہ عنہ پڑھتے رہتے۔ انہوں نے عرض کیا کہ میں پڑھتا رہا، میرا گھوڑا پھر اسی طرح اچھلنے لگا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ابن حضیر رضی اللہ عنہ پڑھتے رہتے۔ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں پڑھ کر فارغ ہوا تو یحییٰ اس کے قریب تھا مجھے ڈر لگا کہ کہیں وہ اسے کچل نہ دے اور میں نے ایک سائبان کی طرح دیکھا کہ اس میں چراغ روشن تھے اور اوپر کی طرف اٹھا یہاں تک کہ میری نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ فرشتے تھے جو تمہارا قرآن سنتے تھے اور اگر تم پڑھتے رہتے تو صبح لوگ ان کو دیکھتے اور وہ لوگوں سے پوشیدہ نہ ہوتے۔

(صحیح مسلم، ج:۱، رقم الحدیث:۱۸۵۳)

(۳)۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہارے سامنے قرآن پڑھوں۔ حضرت ابی بن کعب نے عرض کیا: کیا اللہ پاک نے میرا نام لیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہاں! اللہ تعالیٰ نے مجھ سے تمہارا نام لیا ہے۔ حضرت ابی بن کعب (خوشی سے بے اختیار ہو کر) رونے لگے۔ (صحیح بخاری، ج:۲، رقم الحدیث:۲۱۸۸)

(۴)۔ ایک حبشی حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے ارشاد فرمایا: جو پوچھنا ہو پوچھو اور سمجھو۔ اس نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صورت میں، رنگ میں اور نبوت میں اللہ پاک نے ہم پر فضیلت دے رکھی ہے۔ اگر میں بھی اس چیز پر ایمان لاؤں جس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایمان لائے ہیں۔ ان احکام کو بجالاؤں جنہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بجا لا رہے ہیں تو کیا جنت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ساتھ ملے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہاں! اس اللہ تعالیٰ کی قسم جس کا ہاتھ جگمگاتا ہوا نظر آئے گا۔ لا الہ الا اللہ کہنے والے سے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے۔ سبحان اللہ وبحمدہ کہنے والے کے لیے ایک لاکھ چوبیس ہزار نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ اس پر ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! جب یہ حقائق ہیں تو پھر ہم کیسے ہلاک ہو سکتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ایک انسان قیامت کے دن اس قدر اعمال لے کر آئے گا کہ اگر کسی پہاڑ پر رکھے جائیں تو وہ بھی بوجھل ہو جائے لیکن اس کے مقابلہ میں جب اللہ تعالیٰ کی نعمتیں

آتی ہیں اوران سے موازنہ کیا جاتا ہے تو انسان کا عمل ان کے مقابلہ میں ختم ہوجاتا ہے، مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ ہی اس کو اپنی رحمت سے نوازے۔ اس حبشی کے سوال وجواب پر سورۃ الدہر کی ۱ تا ۲۰ آیات نازل ہوئیں۔ پھر حبشی نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا جنت میں جن جن چیزوں کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھیں دیکھیں گی، میری آنکھیں بھی انہیں دیکھ سکیں گی؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہاں۔ اس پر وہ حبشی فرط شوق میں رویا اور اس قدر رویا کہ اسی حالت میں فوت ہوگیا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے خود دیکھا کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس حبشی کو خود قبر میں اتار رہے تھے۔ (تفسیر ابن کثیر، ذیل سورۃ النساء، آیت:٦٦)

(۵)۔ حضرت خیر النساج بیان فرماتے ہیں کہ ہم لوگ مسجد میں تھے اتنے میں شیخ شبلیؒ تشریف لائے۔ ان پر وجد طاری تھا۔ ہمیں دیکھا مگر کچھ نہیں فرمایا۔ پھر حضرت جنید بغدادیؒ کے مکان میں جا گھسے۔ شیخ شبلیؒ نے حضرت جنیدؒ کے سر پر تالی بجائی اور یہ اشعار پڑھے:

عوّدونی الوصال والوصل عذب
ورمونی بالصد والصد صعبُ
(مجھے وصال کا عادی بنا دیا اور وصال نہایت شیریں ہے)
(مجھے مبتلائے ہجر کیا اور ہجر نہایت سخت ہے)

زعموا حین عاتبوا أن ذنبی
فرط حبی لهم وما ذاك ذنبُ
(عتاب میں کہتے ہیں کہ فرط محبت ہی میرا جرم ہے)
(مگر فرط محبت تو کوئی جرم نہیں ہے)

لا وحسنِ الخضوع عند التلاقی
ما جَزا من یُحِبُّ الاّ یُحَبُّ
میں قربان جاؤں وقت ملاقات کے عمدہ برتاو کے
محبت کی جزا سوائے محبت کے اور کچھ نہیں

یہ اشعار سن کر حضرت جنیدؒ جھومنے لگے اور فرمایا: وہ تو ہی ہے۔ شیخ شبلیؒ نے ان کی بات سنی تو غش کھا کر گر پڑے اور کچھ دیر کے بعد رونا شروع کر دیا۔ (روض الریاحین، ص:۴۱۸-۴۱۹)

حوالہ جات

۱۔ احیاء العلوم الدین، امام ابو الحامد محمد غزالیؒ ترجمہ مولانا ندیم الواجدی۔ کراچی: دارالاشاعت، ۱۹۹۹ء۔

۲۔ التکشف عن مہمات التصوف، مولانا اشرف علی تھانویؒ۔ ملتان: ادارہ تالیفات اشرفیہ، ۲۰۰۴ء۔

۳۔ تفسیر ابن کثیر، حافظ عماد الدین ابو الفداء ابن کثیرؒ ترجمہ مولانا محمد جونا گڑھی۔ لاہور: مکتبہ قدوسیہ، ۲۰۰۶ء۔

۴۔ جامع ترمذی، امام محمد بن عیسیٰ ترمذیؒ ترجمہ مولانا افضل احمد۔ کراچی: دارالاشاعت، ۲۰۰۶ء۔

۵۔ جنیدؒ و بایزیدؒ، حضرت عبداللطیف خان نقشبندیؒ۔ لاہور: نشان منزل پبلی کیشنز، ۲۰۱۳ء۔

۶۔ روض الریاحین من حکایات الصالحین: بزم اولیا، امام عبداللہ بن اسعد یافعیؒ ترجمہ علامہ بدر لقادری۔ لاہور: رضا دارالاشاعت۔

۷۔ سنن ابن ماجہ، حافظ ابی عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہؒ ترجمہ مولانا محمد قاسم امین۔ لاہور: مکتبہ العلم، ۲۰۱۰ء۔

۸۔ سنن الکبریٰ للبیہقی، امام ابی بکر احمد بن حسین البیہقیؒ ترجمہ حافظ ثناء اللہ۔ لاہور: مکتبہ رحمانیہ، ۲۰۱۴ء۔

۹۔ صحیح بخاری، امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاریؒ ترجمہ حضرت مولانا محمد داؤد راز۔ دہلی: مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند، ۲۰۰۴ء۔

۱۰۔ صحیح مسلم، امام ابوالحسین مسلم بن الحجاج نیشاپوریؒ ترجمہ علامہ وحید الزمان۔ دہلی: مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند، ۲۰۰۴ء۔

۱۱۔ صد میدان، خواجہ عبداللہ انصاریؒ ترجمہ حافظ محمد افضل فقیر۔ لاہور: تصوف فاؤنڈیشن، ۱۹۹۸ء۔

۱۲۔ عوارف المعارف، شیخ شہاب الدین سہروردیؒ ترجمہ مولانا ابوالحسن۔ لاہور: ادارہ اسلامیات۔

۱۳۔ کتاب التعرف لمذہب اہل التصوف، امام ابوبکر بن ابواسحاق محمد بن ابراہیم بن یعقوب البخاری کلاباذیؒ ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن۔ لاہور: تصوف فاؤنڈیشن، ۱۹۹۸ء۔

۱۴۔ کتاب اللمع فی التصوف، شیخ ابونصر سراجؒ ترجمہ سید اسرار بخاری۔ لاہور: تصوف فاؤنڈیشن، ۲۰۰۰ء۔

۱۵۔ کنزالعمال، علامہ علاء الدین علی متقی بن حسام الدینؒ ترجمہ مولانا مفتی احسان اللہ شائق۔ کراچی: دارالاشاعت، ۲۰۰۹ء۔

۱۶۔ مشکوٰۃ المصابیح، شیخ ولی الدین خطیب التبریزیؒ ترجمہ مولانا محمد صادق خلیلؒ۔ لاہور: مکتبہ محمدیہ، ۲۰۰۵ء۔

۱۷۔ http//:www.hadithurdu.com/

۱۸۔ https//:easyquranwahadees.com/

٣٩

وصول الیٰ اللہ

۱۔ وصول الی اللہ کا مفہوم

(۱)۔ وصول الی اللہ کے لغوی معانی اللہ تعالیٰ تک رسائی، معرفت اور عرفان الٰہی کے ہیں۔تصوف کی اصطلاح میں وصول الی اللہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے قلب پر اپنے نور سے نظر فرمائے اور اپنے ماسویٰ سے بے نیاز کر کے اپنی ذات میں محو اور اپنے لیے خاص کر لے۔ایسے سالک کو واصل باللہ کہتے ہیں۔

(۲)۔ سلوک تزکیہ وتصفیہ کا نام ہے۔اس کا بنیادی مقصد رضائے الٰہی حاصل کرنا ہے۔سلوک میں شریعت کے ظاہر پر عمل کرنا لازمی ہے۔اس میں کچھ فضائل جیسا کہ صبر،شکر، رضا،توکل، اخلاص، تفویض، اللہ پاک اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت وغیرہ حاصل کرنے ہوتے ہیں۔رذائل جیسا کہ تکبر عجب، ریا، دنیا کی محبت، حسد، کینہ، بدگمانی وغیرہ کو دور کرنا ہوتا ہے۔اس سے سالک مقام بندگی حاصل کر لیتا ہے۔جب بندہ ایسا کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے دنیا و مافیہا سے بے نیاز کر کے اپنا بنا لیتا ہے اور اپنے لیے خاص کر لیتا ہے جس کو نسبت اور وصول کہتے ہیں۔جس بندے کو وصول اللہ ہو جاتا ہے اسے صاحب نسبت یا واصل باللہ کہا جاتا ہے۔

دراصل سلوک سے دو قسم کے ثمرات حاصل ہو جاتے ہیں: دل کی درستی یعنی محمود اعمال کے لیے دل کا تیار ہو جانا اور نفس کا رذائل سے پاک ہو جانا۔دوسرا انعام اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندے کی قبولیت۔یعنی بندے کا اللہ والا بن جانا۔یہی دوسرا انعام وصول الی اللہ ہے۔

(۳)۔ سالک جب اپنے نفس کا تزکیہ کر لیتا ہے۔شریعت پر کامل طور پر کاربند ہو جاتا ہے۔خصائل کو اپنا لیتا ہے اور رذائل کو ترک کر دیتا ہے۔ہر معاملے میں رضائے الٰہی کو اپنا مطلوب و مقصود بنا لیتا ہے تو اللہ پاک اسے اپنا بنا لیتا ہے۔اس میں مجاہدہ، ریاضت و عبادت کا شوق پہلے پیدا ہوتا ہے اور وصول الی اللہ بعد میں میسر آتا ہے۔اس کی بہترین مثال حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ ہیں۔آپ رضی اللہ عنہ قبول اسلام سے قبل ہی نماز پڑھا کرتے تھے اور کفر و شرک سے بے زار تھے۔(دیکھیے

صحیح مسلم، ج: ۳، رقم الحدیث: ۱۸۵۸) قبول اسلام کے بعد واصل باللہ ہوئے۔

(۴)۔ عام قانون قدرت یہی ہے کہ جو بندہ نیکی کا راستہ اپناتا ہے اسی کو اللہ پاک اپنا قرب عطا کرتا ہے۔ شریعت کی پابندی کے بغیر وصول کا حاصل ہونا محال ہے لیکن بعض اوقات اللہ پاک اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہتا ہے اپنے لیے خاص کر لیتا ہے۔ ان میں واصل باللہ ہونے کے بعد شوق عبادت اور ذوق ریاضت پیدا ہوتا ہے۔ اس کی بہترین مثال حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی مبارک ہستی ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دعا سے اللہ تعالیٰ نے چن لیا تھا۔ اسی لیے انہیں مرید کی بجائے مراد رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کہا جاتا ہے۔ (جامع ترمذی، ج: ۲، رقم الحدیث: ۱۶۴۷) ایسے وصول کو وصول طریق جذب اور اول الذکر کو وصول طریق سلوک کہتے ہیں۔

۲۔ وصول الی اللہ قرآن کریم کی روشنی میں

(۱)۔ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ. (سورۃ الشوریٰ، آیت: ۱۳)

(اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اور جو شخص رجوع کرے اس کو اپنی طرف راہ دکھاتا ہے)

اس آیت پاک میں دو حالتیں بیان کی گئی ہیں: ایک اللہ تعالیٰ کا کسی کو اپنا بنا لینا اور دوسرا رجوع کرنے والے کو واصل باللہ ہونے کا راستہ دکھانا۔ اللہ پاک جس بندے کو چاہے بغیر اس کی محنت وکوشش کے اپنا ولی بنا لے لیکن جب اللہ تعالیٰ کسی کو اپنا بنا لیتا ہے تو پھر اس میں شریعت پر کاربند رہنے کا ذوق وشوق پیدا ہو جاتا ہے البتہ مجذوبین کا معاملہ الگ ہے۔ (دیکھیے باب: جذب) یہ دونوں دولتیں انہیں نصیب ہوتی ہیں جو اللہ پاک کے ہاں مقبول ہوں۔ گمراہ نہ تو خود اللہ پاک کی طرف رجوع کرتے ہیں اور نہ اللہ پاک انہیں جذب کرتا ہے۔ ابلیس بھی اسی طرح مردود ہوا۔ نہ تو اس نے خود اپنی غلطی کی معافی مانگتے ہوئے اللہ پاک کی طرف رجوع کیا اور نہ اللہ پاک نے اسے جذب کیا چنانچہ وہ گمراہ ہو گیا۔

اللہ پاک کا سالک کو اپنی طرف کھینچ لینا وصول بطریق جذب ہے۔ یہ اللہ پاک کی مراد ہے۔ اس مفہوم کے مطابق تمام انبیا کرام علیہم السلام واصل باللہ بطریق جذب ہوتے ہیں لیکن امتیوں میں

سے کچھ واصل باللہ بطریق جذب جبکہ عام طور پر لوگ بطریق سلوک واصل باللہ ہوتے ہیں۔

۳۔ وصول الی اللہ احادیث مبارکہ کی روشنی میں

ذیل میں وصول الی اللہ کے بارے میں چند احادیث مبارکہ نقل کی جاتی ہیں:

(۱)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللّٰهَ قَالَ: "مَنْ عَادٰى لِي وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالْحَرْبِ، وَمَا تَقَرَّبَ إِلَيَّ عَبْدِي بِشَيْءٍ أَحَبَّ إِلَيَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَيْهِ، وَمَا يَزَالُ عَبْدِي يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتَّى أُحِبَّهُ، فَإِذَا أَحْبَبْتُهُ كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ، وَبَصَرَهُ الَّذِي يُبْصِرُ بِهِ، وَيَدَهُ الَّتِي يَبْطِشُ بِهَا، وَرِجْلَهُ الَّتِي يَمْشِي بِهَا، وَإِنْ سَأَلَنِي لَأُعْطِيَنَّهُ، وَلَئِنْ اسْتَعَاذَنِي لَأُعِيذَنَّهُ".
(صحیح بخاری، ج: ۳، رقم الحدیث: ۱۴۴۹)

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ پاک فرماتا ہے کہ جس نے میرے کسی ولی سے دشمنی کی، اسے میری طرف سے اعلان جنگ ہے۔ میرا بندہ جن عبادتوں سے میرا قرب حاصل کرتا ہے، ان میں کوئی عبادت مجھ کو اس سے زیادہ پسند نہیں ہے جو میں نے اس پر فرض کی ہے (یعنی فرائض مجھ کو بہت پسند ہیں جیسے نماز، روزہ، حج، زکوۃ وغیرہ) اور میرا بندہ فرض ادا کرنے کے بعد نفل عبادتیں کر کے مجھ سے اتنا نزدیک ہو جاتا ہے کہ میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں۔ پھر جب میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے۔ اس کی آنکھ بن جاتا ہوں، جس سے وہ دیکھتا ہے۔ اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں، جس سے وہ پکڑتا ہے۔ اس کا پاؤں بن جاتا ہوں، جس سے وہ چلتا ہے۔ اگر وہ مجھ سے مانگتا ہے تو میں اسے دیتا ہوں۔ اگر وہ کسی دشمن یا شیطان سے میری پناہ مانگتا ہے تو میں اسے محفوظ رکھتا ہوں)

(۲)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ اللّٰهُ تَعَالٰى: "أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي بِي، وَأَنَا مَعَهُ إِذَا ذَكَرَنِي، فَإِنْ ذَكَرَنِي فِي نَفْسِهِ ذَكَرْتُهُ فِي نَفْسِي، وَإِنْ ذَكَرَنِي فِي مَلَإٍ ذَكَرْتُهُ فِي مَلَإٍ خَيْرٍ مِنْهُمْ، وَإِنْ تَقَرَّبَ إِلَيَّ بِشِبْرٍ تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ ذِرَاعًا، وَإِنْ تَقَرَّبَ إِلَيَّ ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ بَاعًا، وَإِنْ أَتَانِي يَمْشِي أَتَيْتُهُ هَرْوَلَةً". (صحیح بخاری، ج: ۳، رقم الحدیث: ۲۳۰۲)

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوں جو وہ میرے متعلق رکھتا ہے۔ جب وہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ اگر وہ مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اس کو اپنے دل میں یاد کرتا ہوں۔ جب وہ مجھے مجلس میں یاد کرتا ہے تو میں اسے اس سے بہتر (فرشتوں کی) مجلس میں اسے یاد کرتا ہوں۔ اگر وہ مجھ سے ایک بالشت قریب ہو تو میں ایک گز اس کے قریب ہوتا ہوں۔ اگر وہ ایک گز قریب ہوتا ہے تو میں اس سے دونوں ہاتھوں کے پھیلاؤ کے برابر قریب ہوتا ہوں۔ اگر وہ میری طرف چل کر آئے تو میں اس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں)

(۳)۔ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، قَالَ: قَالَ أَبُو الدَّرْدَاءِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: اِلْتَمِسُوا الْخَيْرَ دَهْرَكُمْ كُلَّهُ، وَتَعَرَّضُوا لِنَفَحَاتِ رَحْمَةِ اللّٰهِ، فَإِنَّ لِلّٰهِ نَفَحَاتٍ مِنْ رَحْمَتِهِ يُصِيبُ بِهَا مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ، وَسَلُوا اللّٰهَ أَنْ يَسْتُرَ عَوْرَاتِكُمْ وَيُؤَمِّنَ رَوْعَاتِكُمْ.

(مصنف ابن ابی شیبہ، ج:۹، رقم الحدیث: ۳۴۷۹۳)

(حضرت زید بن اسلمؒ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: تم اپنی پوری زندگی خیر ہی تلاش کرتے رہو اور اللہ پاک کی رحمت کے جھونکوں (نفحات) کے سامنے پیش ہوتے رہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے کچھ جھونکے ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے پہنچاتا ہے۔ اللہ پاک سے سوال کرو کہ وہ تمہارے رازوں کو چھپائے اور تمہارے خوف کو امن دے)

ملا علی قاریؒ کے لکھتے ہیں کہ نفحات سے مراد اللہ پاک کی جذب کرنے کی تجلیات ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی وہ تجلیات جو بندوں کو اللہ پاک سے قریب کر دیتی ہیں۔ وہ تجلیات جو بندے پر پڑ جائیں تو وہ اللہ پاک کا پیارا اور مقرب ہو جاتا ہے۔

(۴)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "رُبَّ أَشْعَثَ مَدْفُوعٍ بِالْأَبْوَابِ لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَأَبَرَّهُ".

(صحیح مسلم، ج:۳، رقم الحدیث: ۲۶۸۹)

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بہت سے پراگندہ بال (پریشان حال) لوگ ایسے ہیں کہ جن کو دروازوں سے دھکے دیے جاتے ہیں۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ پر قسم کھالیں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم پوری فرمادے)

(۵)۔ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "مَنْ أَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰهِ، أَحَبَّ اللّٰهُ لِقَاءَهُ، وَمَنْ كَرِهَ لِقَاءَ اللّٰهِ، كَرِهَ اللّٰهُ لِقَاءَهُ".

(صحیح بخاری، ج: ۳، رقم الحدیث: ۱۴۵۴)

(حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملنے کو پسند کرتا ہے، اللہ پاک بھی اس سے ملنے کو پسند کرتا ہے)

(۶)۔ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، أَنَّهُ خَرَجَ يَوْمًا إِلَى مَسْجِدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَوَجَدَ مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَاعِدًا عِنْدَ قَبْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَبْكِي، فَقَالَ: مَا يُبْكِيكَ؟ قَالَ: يُبْكِينِي شَيْءٌ سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: "إِنَّ يَسِيرَ الرِّيَاءِ شِرْكٌ، وَإِنَّ مَنْ عَادَى لِلّٰهِ وَلِيًّا فَقَدْ بَارَزَ اللّٰهَ بِالْمُحَارَبَةِ، إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْأَبْرَارَ الْأَتْقِيَاءَ الْأَخْفِيَاءَ، الَّذِينَ إِذَا غَابُوا لَمْ يُفْتَقَدُوا، وَإِنْ حَضَرُوا لَمْ يُدْعَوْا، وَلَمْ يُعْرَفُوا قُلُوبُهُمْ مَصَابِيحُ الْهُدٰى، يَخْرُجُونَ مِنْ كُلِّ غَبْرَاءَ مُظْلِمَةٍ".

(سنن ابن ماجہ، ج: ۳، رقم الحدیث: ۸۶۹)

(حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایک دن مسجد نبوی کی طرف تشریف لائے تو دیکھا کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس بیٹھے رو رہے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا کہ کیوں رو رہے ہو؟ (حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے جواب دیا) میں نے ایک بات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنی تھی اس کی وجہ سے رو رہا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ تھوڑی سی ریا کاری بھی شرک ہے۔ جو کوئی اللہ پاک کے کسی ولی سے دشمنی کرے اس نے اللہ تعالیٰ کو جنگ میں مقابلہ کے لیے پکارا۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو پسند فرماتا ہے جو نیک و فرماں بردار ہیں متقی و پرہیز گار ہیں اور گمنام و پوشیدہ رہتے ہیں۔ اگر وہ غائب ہوں تو ان کی تلاش نہ کی جائے۔ حاضر ہوں تو آؤ بھگت نہ کی جائے (ان کو بلایا نہ جائے) اور پہچانے نہ جائیں (کہ فلاں صاحب ہیں)۔ ان کے دل ہدایت کے چراغ ہیں وہ ہر تاریک فتنہ سے صاف بے غبار نکل جائیں گے)

(۷)۔ عن أنس بن مالك رضي الله عنه، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "يا حملة القرآن، إن أهل السموات يذكرونكم عند الله، تحببوا إلى الله بتوقير كتاب الله يزدكم حبا ويحببكم إلى عباده، يا حملة القرآن، أنتم المخصوصون

برحمة الله، المعلمون کلام الله المقربون من الله، من والاهم فقد والی الله، ومن عاداهم فقد عادی الله یدفع عن قارء القرآن بلاء الدنیا، ویدفع عن مستمع القرآن بلاء الآخرة، یا حملة القرآن فتحببوا إلی الله بتوقیر کتابه یزدکم حبا ویحببکم إلی عباده"۔ (کنزالعمال، ج:۱، رقم الحدیث: ۴۰۲۳)

(حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے حاملین قرآن! آسمانوں والے اللہ پاک کے پاس تمہارا ذکر کرتے ہیں۔ تم اللہ تعالیٰ کی کتاب کو زیادہ سے زیادہ حاصل کرکے اللہ پاک کے ہاں محبوبیت کا درجہ حاصل کرو۔ وہ تم سے محبت کرے گا اور اپنے بندوں کے ہاں تم کو محبوب کردے گا۔ اے حاملین قرآن! تم اللہ پاک کی رحمت کو خصوصیت کے ساتھ پانے والے ہو۔ کلام اللہ کو سکھانے والے ہو۔ اللہ تعالیٰ کا قرب پانے والے ہو۔ جس نے اہل قرآن سے دوستی کی اس نے اللہ تعالیٰ سے دوستی کی۔ جس نے ان کے ساتھ دشمنی کی اس نے اللہ تعالیٰ سے دشمنی کی۔ قرآن مجید کے قاری سے دنیا کی مشقت و مصیبت دفع کردی جاتی ہے۔ قرآن پاک سننے والے سے آخرت کی مصیبت دفع کردی جاتی ہے۔ اے حاملین قرآن! قرآن کریم کو زیادہ حاصل کرو اور اللہ پاک کے ہاں محبوب بن جاؤ اور اس کے بندوں کے ہاں بھی محبت پاؤ)

(۸)۔ "یقول الله تعالی: من أهان لی ولیا فقد بارزنی بالمحاربة وإنی لأسرع شیء إلی نصرة أولیائی إنی لأغضب لهم کما یغضب اللیث الحرب.
(کنزالعمال، ج:۱، رقم الحدیث: ۱۱۵۷)

(اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جس نے میرے کسی دوست (مقرب الٰہی) کی اہانت کی اس نے میرے ساتھ اعلان جنگ کردیا اور میں اپنے اولیاء کی نصرت میں سب سے زیادہ تیزی سے کام لیتا ہوں اور ان کے لیے اس حملہ آور شیر کی طرح غضبناک ہوتا ہوں)

۴۔ وصول الی اللہ کے ارکان

وصول الی اللہ کے پانچ ارکان ہیں جو حسب ذیل ہیں:

(۱)۔ وصول الی اللہ کا پہلا رکن نیک لوگوں کی اچھی حالت دیکھ کر ان کی طرح ہونے کی حرص کرنا اور برے لوگوں کو دیکھ کر اپنے حال پر شکر کرنا ہے۔

(۲)۔ دوسرا رکن مکاشفات وتجلیات کے مشاہدے کے وقت اپنے حوصلہ کو بلند رکھنا ہے۔ اگر صفائے قلب اور ذکر وشغل کے اثر سے مختلف واقعات یا کسی مقام کے حالات منکشف ہوں یا کوئی نورانی صورتیں نظر آئیں تو ان کو مقصود نہ سمجھا جائے بلکہ وصول وقرب الٰہی کو اپنا مطلوب سمجھتے ہوئے کوشش جاری رکھی جائے۔

(۳)۔ تیسرا رکن ہمت کی حفاظت ہے کہ مقصود کو حاصل کرنے میں ہمت نہ ہارے اور وصول میں دیر لگنے پر تنگ آکر ریاضت نہ چھوڑے۔

(۴)۔ چوتھا رکن شیخ کا احترام اور دوسرے برادران طریقت پر شفقت ہے۔ یعنی بڑوں کی عزت اور چھوٹوں پر مہربانی کرے۔

(۵)۔ سالک کے لیے ضروری ہے کہ وہ ظاہر و باطن اور جلوت وخلوت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنا معاملہ درست رکھے۔ ہر حال میں اخلاص کی شان کو برقرار رکھے۔ اس کے بعد قوی امید ہے کہ وصول الی اللہ کے لیے معرفت حاصل ہوجائے گی۔

۵۔ وصول الی اللہ کی اقسام

وصول الی اللہ کی دو اقسام ہیں: وہبی اور کسبی، ان کی تفصیل حسب ذیل ہیں:

(۱)۔ **وہبی وصول الی اللہ:** بعض سالکین حق کو وصول الی اللہ پہلے حاصل ہوجاتا ہے اور شوق عبادت اور ذوق ریاضت اس کے بعد پیدا ہوتا ہے۔ اسے وہبی وصول الی اللہ کہتے ہیں۔ اس میں سالک کی اپنی کوشش ومجاہدہ شامل نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی آیت: اَللّٰہُ یَجۡتَبِیۡۤ اِلَیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ (سورۃ الشوریٰ، آیت: ۱۳) 'اللہ پاک جس کو چاہتا ہے اپنی طرف کھینچ لیتا ہے'، میں وصول کی اسی قسم کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ اہل تصوف کے ہاں اس قسم کو وصول الی اللہ کا طریق جذب بھی کہا جاتا ہے۔

(۲)۔ **کسبی وصول الی اللہ:** وصول الی اللہ کی دوسری قسم کسبی ہے جس کے لیے سالک محنت وکوشش کرتا ہے۔ اس میں مجاہدہ وریاضت کا شوق پہلے پیدا ہوتا ہے اور وصول الی اللہ بعد میں میسر آتا ہے۔

قرآن پاک کی آیت: وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ۔ (سورۃ الشوریٰ، آیت: ۱۳) 'اور جو شخص رجوع کرے اس کو اپنی طرف راہ دکھاتا ہے'، میں وصول کسبی کا ذکر ہے۔ اہل طریقت کے ہاں اسے طریق سلوک بھی کہا جاتا ہے۔

۶۔ وصول بالفرائض اور وصول بالنوافل

حدیث قدسی ہے کہ میرا بندہ جن عبادتوں سے میرا قرب حاصل کرتا ہے اور ان میں کوئی عبادت مجھے ان عبادتوں سے زیادہ پسند نہیں ہے جو میں نے اس پر فرض کی ہیں (یعنی فرائض اللہ پاک کو بہت پسند ہیں جیسے نماز، روزہ، حج اور زکوۃ وغیرہ) اور میرا بندہ فرض ادا کرنے کے بعد نفل عبادتیں کر کے مجھ سے اتنا نزدیک ہوجاتا ہے کہ میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں۔

(صحیح بخاری، ج: ۳، رقم الحدیث: ۱۴۴۹)

وصول بالفرائض اور وصول بالنوافل میں نسبت کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے۔ افضل طریقہ وصول بالفرائض ہے اور اعلیٰ اور بلندتر مقام وصول باالنوافل ہے۔ اس کی مثال کچھ یوں ہے جیسے کوئی دو منزلہ عمارت ہو۔ اس میں دوسری منزل بلندتر ہوگئی لیکن اس کی بنیاد پہلی منزل ہی ہوتی ہے۔ پہلی منزل کے بغیر دوسری منزل کا تصور ناممکن ہے۔ اسی طرح فرائض کی ادا کیے بغیر نوافل کے ذریعے وصول الی اللہ کی خواہش کوئی صحیح طریقہ کار نہیں۔ اس لیے وصول بالفرائض پہلے حاصل ہوتا ہے اور پھر وصول بالنوافل۔

اس کی دوسری مثال یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے سوال کیا: تمہارے نزدیک سب سے زیادہ عجیب ایمان کس کا ہے؟ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! فرشتوں کا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: فرشتے کیسے ایمان نہیں لائیں گے، وہ تو اللہ پاک کے حضور میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا وجود ان کے لیے غیب نہیں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا: پھر انبیاء علیہم السلام کا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وہ کیسے ایمان نہیں لائیں گے، ان پر تو وحی اترتی ہے۔ اللہ پاک کے فرشتے ان کے پاس آتے جاتے ہیں اور اللہ پاک کا پیغام لاتے ہیں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جھجکتے جھجکتے ہوئے عرض کیا: یا رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پھر ہمارا ایمان۔حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم کیسے ایمان نہیں لاؤ گے جبکہ تم نے مجھے دیکھا ہے۔ میری صحبت سے فیض یاب ہوئے ہو۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میرے نزدیک خوبصورت ترین ایمان ہمارے ان بھائیوں کا ہوگا جو ہمارے بعد آئیں گے۔ انہیں اللہ پاک کی کتاب ملے گی اور وہ اس کی آیات پر ایمان لائیں گے۔

(مفہوم حدیث، مشکوٰۃ المصابیح، ج:۵، رقم الحدیث:۹۸۵)

اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان کے دو پہلو ہیں: ایک تو ایمان کا افضل ترین ہونا اور دوسرا عجیب ہونا۔ افضل ترین ایمان تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا تھا لیکن عجیب ترین ایمان ان لوگوں کا ہے جو بعد میں آئے اور وہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت سے فیض یاب نہ ہو سکے لیکن پھر بھی ایمان لائے۔ بالکل اسی طرح فرائض کی ادائیگی سے ملنے والا وصول الی اللہ افضل ہے جیسا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ایمان غیر صحابہ سے افضل ہے لیکن فرائض کی ادائیگی کے بعد نفل عبادات سے وہ وصول الی اللہ نصیب ہوتا ہے جو عجیب تر اور اعلیٰ وارفع ہے۔ جس کا حدیث مبارکہ میں ذکر کیا گیا ہے کہ جب میرا کوئی بندہ نوافل کے ذریعے میرا قرب چاہتا ہے تو میں بھی اس کو محبوب رکھتا ہوں۔ جب میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے۔ اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔ اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے۔ اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ اگر وہ مجھ سے مانگتا ہے تو میں اسے لازماً دیتا ہوں۔ اگر وہ مجھ سے پناہ چاہتا ہے تو اسے پناہ بھی لازماً دیتا ہوں۔

(صحیح بخاری، ج:۳، رقم الحدیث:۱۴۴۹)

۷۔ وصول الیٰ اللہ کا طریقہ تحصیل

وصول الی اللہ وہبی ہے کسبی نہیں۔ اللہ پاک جسے چاہتا ہے، اپنا بنا لیتا ہے۔ سالکین کو کبھی وصول الی اللہ پہلے حاصل ہوتا ہے پھر شوق عبادت اور ذوق ریاضت پیدا ہوتا ہے اس کو طریق جذب کہتے ہیں۔ کبھی مجاہدہ وریاضت کا شوق پہلے پیدا ہو جاتا ہے اور وصول الی اللہ بعد میں میسر ہوتا ہے اس کو طریق سلوک کہتے ہیں۔

یک چشم زدن غافل ازاں شاہ نہ باشی
شاید کہ نگاہے کند آگاہ نہ باشی
(آنکھ جھپکنے کی دیر بھی بادشاہ حقیقی سے غافل نہ ہو)
(ایسا نہ ہو کہ وہ تجھ پر نگاہ کرم کر رہا ہو اور تو اس سے غافل ہو)

وصول الی اللہ کے دو طریقے ہیں: طریق جذب اور طریق سلوک، ان کی تفصیل کچھ یوں ہے:

(ا)۔ طریق جذب

جذب کا معنی کشش یعنی اللہ تعالیٰ کا بندے کو اپنی طرف کھینچ لینا اور بندے پر ایسی حالت طاری ہونا کہ وہ بلا کسی کسب و مجاہدہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے باطنی مقامات طے کرے اور واصل باللہ ہو جائے۔ جذب سے سلوک کی منازل آسانی کے ساتھ طے ہو جاتی ہیں۔ جذب سیر انفسی کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل اور مرشد کامل کی توجہات سے سیر انفسی میں عالم امر کے لطائف کا تزکیہ ہو جاتا ہے اور وہ اپنی اصل میں فنا ہو جاتے ہیں۔ جذب کی دو اقسام ہیں:

(i)۔ **جذب صوری:** جذب صوری کو جذب بدایت بھی کہتے ہیں وہ جذب ہے جو سیر فی اللہ سے قبل ابتدائے سلوک میں تصفیہ لطائف سے بھی پہلے حاصل ہوتا ہے اور حرف تسہل منازل سلوک کے لیے عطا کیا جاتا ہے اس کو جذب صوری کہتے ہیں۔ اسے جذب اولیٰ بھی کہا جاتا ہے۔ اس میں تکرار اسم ذات ونفی اثبات، حبس دم اور رعایت وقوف عددی کی جاتی ہے۔

(ii)۔ **جذب حقیقی:** اس کو جذب نہایت یا جذب ثانی بھی کہا جاتا ہے۔ یہ سیر فی اللہ کے دوران انتہائے سلوک میں حاصل ہوتا ہے۔ یہ جذب اللہ تعالیٰ کے جذبات سے ساری کائنات کے جنوں اور انسانوں کے اعمال کے برابر ہے اور اس کے فضل و کرم پر موقوف ہے۔

طریق جذب میں اولیاء کرامؒ غلبہ، محبت اور جذب کے ذریعے سلوک کی منازل طے کرواتے ہیں۔ اس میں عالم امر کے لطائف سے سلوک شروع کرتے ہیں، سنت و شریعت کا پابند بنا کر توجہات قدسیہ اور تصرفات باطنیہ کے ذریعے واصل باللہ کر دیتے ہیں۔ جذب سے تصفیہ (تزکیہ

باطن) حاصل ہوتا ہے اور سلوک سے تزکیہ (تزکیہ نفس) حاصل ہوتا ہے۔تصفیہ عالم امر[۱] سے عالم وجوب[۲]۔کی طرف توجہ کا نام ہے اور تزکیہ عالم خلق[۳] سے عالم وجوب کی طرف توجہ اور عالم وجوب کی تجلیات سے مزین ہونے اور دلائل سے پاک ہونے کا نام ہے۔سیر آفاقی سلوک سے طے ہوتی ہے۔ یہ سیر جذب سے شروع ہوتی ہے اور یہ جذب اللہ تعالیٰ کی محبت کی طرف بہت زیادہ رغبت پیدا کر دیتا ہے اور دونوں سیریں مکمل ہوجاتی ہیں۔یعنی سیر آفاقی، سیر انفسی کے ضمن میں طے ہوجاتی ہے۔

(۲)۔ طریق سلوک

اس طریقہ میں سلوک کو جذب پر مقدم سمجھا جاتا ہے اور سلوک کی انتہا میں جذب نصیب ہوتا ہے۔سلوک کی ابتداء عالم خلق کی سیر سے ہوتی ہے اور انتہا عالم امر کی سیر پر ہوتی ہے۔ اکثر متقدمین اولیائے کرامؒ نے راہ دل کے ذریعے سلوک کی منازل طے کروائی ہیں۔اس راستہ میں عالم خلق کے لطائف سے سلوک شروع کرواتے ہیں۔سب سے پہلے نفس کا تزکیہ مکمل کرواتے ہیں اور آخر میں تصفیہ قلب کی دولت عطا فرما دیتے ہیں۔ ریاضات شاقہ، مجاہدات شدیدہ اور ترک حیوانات وغیرہ کی بنیاد پر اس کے سلوک کی منازل کا عرصہ دوسرے سلوک کی نسبت طویل ہوتا ہے۔طریق سلوک کے ذریعے وصول الی اللہ کے طریقے حسب ذیل ہیں:

(۱)۔ اطول (طویل) یہ ہے کہ کثرت صوم وصلوٰۃ، قرآن پاک کی تلاوت، حج وعمرہ اور جہاد وغیرہ کرنا ہے۔یہ طریقہ اخیار کا ہے۔

(۲)۔ اوسط (درمیانی) اوپر بیان کیے گئے امور کے علاوہ مجاہدہ وریاضت، اخلاق ذمیمہ کے ازالہ اور اخلاق حمیدہ کی تحصیل میں مشغول ہونا ہے۔سلوک میں اکثریت اسی طریق سے واصل ہوتے

---

[۱]۔عالم امر، اعیان ثابتہ اور ارواح کو کہتے ہیں جس سے کُن فیکون مراد ہے۔یعنی کن سے اشارہ عالم اعیان کی طرف اور فیکون سے عالم ارواح کی طرف ہے۔ وہ حالت جس میں خداوند کریم کسی چیز کو بغیر اسباب کے لفظ کُن سے پیدا کر دیتا ہے۔

[۲]۔جس کا وجود لازم اور عدم محال ہو یعنی اللہ پاک کی ذات بابرکات۔

[۳]۔مادی دنیا یعنی عالم اجسام جو امر حق سے مادے اور موت کے ساتھ وجود میں آیا عالم خلق کہلاتا ہے۔

ہیں۔ یہ طریقہ ابرار کا ہے۔

(۳)۔ اقل و اقرب (مختصر) وصول الی اللہ کا مختصر ترین طریقہ طریق عشق ہے۔ اس میں سالکین حق ریاضتوں اور صحبت خلق سے گھبراتے ہیں۔ صرف ذکر، فکر، شکر اور شوق و اشتیاق ان کا کام ہوتا ہے اور اسی سے واصل بحق ہوتے ہیں۔ اسی طریق سے تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب اور تجلیہ روح میں مشغول ہوتے ہیں۔ کشف و کرامات کو بعوض ایک جو کے بھی نہیں خریدتے اور مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا پر مستقیم ہوتے ہیں۔ یہ طریق شطاریہ کا ہے۔

مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا کے ساتھ انطباق اور مرنے سے پہلے مرنے کی نوعیت یہ ہے کہ موت کے وقت مردے کے یہ احوال ہوتے ہیں: توبہ، زہد، توکل، قناعت، عزلت، توجہ الی اللہ، صبر، رضا، ذکر اور مراقبہ جو شطاریہ کا شیون ہے۔ توبہ، یعنی ہر فعل بد سے نکل جانا جیسا کہ موت کے وقت ہوتا ہے۔ زہد، دنیا و مافیہا کا ترک کرنا، جیسا کہ موت کے وقت ہوتا ہے۔ توکل، اسباب ظاہریہ غیر عادیہ کا ترک کرنا جیسا کہ موت کے وقت ہوتا ہے۔ قناعت، شہوات کا ترک کرنا جیسا کہ موت کے وقت ہوتا ہے۔ عزلت، خلق سے قطع کرنا جیسا کہ موت کے وقت ہوتا ہے۔ توجہ الی اللہ، ماسویٰ اللہ سے اعراض کرنا جیسا کہ موت کے وقت ہوتا ہے۔ صبر، جیسا کہ موت کے وقت ہوتا ہے۔ رضا، رضائے نفس کو ترک کرنا اور رضائے حق پر راضی رہنا اور خدا کے حکم کو تسلیم کرنا جیسا کہ موت کے وقت ہوتا ہے۔ ذکر، ذکر غیر حق کو ترک کرنا اور یاد حق میں مشغول ہونا جیسا کہ موت کے وقت ہوتا ہے۔ مراقبہ، اپنے وقت کے لوٹنے کے خیال کو ترک کرنا جیسا کہ بوقت موت ہوتا ہے۔ یہ ہے مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا کہ جو حالت موت کے وقت ہوتی ہے وہ حیات میں نقد حال ہو۔ جسم دنیا میں ہو اور روح متوجہ با آخرت ہو اور واصل بحق ہو۔ مال و ددولت ہفت اقلیم کی سلطنت ہاتھوں میں ہو، پر دل سب سے فارغ ہو۔ اس کی پہچان یہ ہے کہ ممنوعات و مکروہات شرعیہ سے قولاً و فعلاً و حالاً جوارح و زبان بند ہو۔ دل ماسویٰ اللہ سے فارغ اور اخلاق حمیدہ سے آراستہ ہو۔ باطل لوگوں کی صحبت سے اجتناب کرے۔

(۴)۔ صحبت شیخ: وصول الی اللہ کا ایک طریقہ صحبت مرشد ہے جو کہ سالک کے لیے بہت اہمیت کا حامل ہے۔ اگر کسی انسان کی صحبت اچھی ہو تو اس میں اچھی عادات پیدا ہوں گی اور اگر صحبت بری ہو تو

اس میں عادات بھی بری ہوں گی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ۔ (سورۃ التوبہ، آیت:۱۱۹) 'اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور سچے لوگوں کے ساتھ رہا کرو'۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت سے فیض حاصل کیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت ہی کا اثر تھا کہ کوئی جتنی بھی عبادت کر لے اور زہد و ریاضت میں مصروف ہو جائے ولایت کے جس بھی مقام پر فائز ہو جائے لیکن وہ صحابی رضی اللہ عنہ کے مقام کو نہیں پہنچ سکتا۔ شیخ کامل کی صحبت کے بغیر سلوک کی منازل طے کرنا ناممکن ہے۔ دین پر عمل کرنے کا شوق، محبت اور عقیدت کے تمام رابطے صحبت ہی سے پیدا ہوتے ہیں۔ صحبت ہی سے تصور شیخ پختہ ہوتا ہے اور فنا فی الشیخ کی منزل نصیب ہوتی ہے۔ بہت سے صالحین امت ؒ نے اپنے شیخ کی صحبت اس وقت تک اختیار کیے رکھی جب تک سلوک کی منازل کو طے نہ کر لیا۔ لیکن یہ بات نہایت ضروری ہے کہ شیخ کم از کم ایسا ہو جس نے خود سلوک کی منازل طے کرتے ہوئے اعلیٰ مقام حاصل کیا ہو۔ اگر ایسا نہ ہو تو وہ شیخ ناقص ہے اور اس کی صحبت فائدہ کی بجائے نقصان کا باعث ہو گی۔

وصول کے دو قسم کے ذرائع ہیں۔ ایک مجاہدہ ہے جس میں نفس کی خواہشات کو کوشش کے ساتھ کنٹرول کیا جاتا ہے۔ کم کھانا، کم سونا، کم بولنا اور جن سے ملنے جلنے سے نقصان ہو، ان سے کم ملنا جلنا شامل ہیں۔ دوسرا ذریعہ فاعلہ ہے جس میں کچھ ایسی ترکیبیں ہیں جن سے انسان کے اندر چھپی ہوئی قوتیں ظاہر ہو جاتی ہیں۔ ان میں ذکر، مراقبہ اور شغل (ذات وصفات کا تصور) سر فہرست ہیں۔ ان کے علاوہ کچھ دیگر ذرائع بھی ہیں جن سے فائدہ بھی ہو سکتا ہے اور نقصان بھی جیسا کہ تصور شیخ، عشق مجازی اور سماع ہے۔

۸۔ وصول الی اللہ کے بارے میں صوفیائے کرام ؒ کے اقوال

صالحین امت سے وصول الی اللہ کے بارے میں سنہرے اقوال منسوب ہیں، ان میں سے چند یہ ہیں:

(۱)۔ سالک کا ہر لمحہ ذات باری تعالیٰ کے جمال وجلال کے مطالعہ میں مشغول رہنا، وصول الی اللہ ہے۔ (الحکم العطائیہ، ص:۲۱۶)

(۲)۔ ایک صوفی بزرگ کا قول ہے: وصول الی اللہ یہ ہے کہ اخلاق رذیلہ جاتے رہیں، حمیدہ پیدا ہو جائیں، معاصی چھوٹ جائیں، اطاعت کی توفیق ہو جائے۔ غفلت من اللہ جاتی رہے اور توجہ الی اللہ پیدا ہو جائے۔ (شریعت وطریقت، ص:۳۹۵)

(۳)۔ سالک کا غیر اللہ سے انقطاع ہو جانا اور واصل حق ہو جانا، وصول الی اللہ کہلاتا ہے۔
(اسلام وروحانیات اور فکر اقبالؒ، ص:۴۰۲)

(۴)۔ علامہ ظفر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں کہ وصول تعلق اللہ مع العبد کا نام ہے۔
(رسالہ انکشاف الحقیقہ، ج:۲، ص:۳۸۴)

(۵)۔ حضرت یحییٰ بن معاذؒ فرماتے ہیں کہ تائب پر توبہ کا اور زاہد پر زہد کا اور مشتاق پر حال کا پردہ ہوتا ہے مگر واصل کو کوئی شے حق سے چھپا نہیں سکتی۔ (رابطہ شیخ، ص:۱۴۷)

(۶)۔ شیخ ابوسعید قرشیؒ فرماتے ہیں کہ واصل وہ ہے جس کے پاس خدا خود پہنچے۔ (رابطہ شیخ، ص:۱۴۷)

(۷)۔ شیخ سباریؒ فرماتے ہیں کہ واصل وہ ہے جس کو خدا کا قرب حاصل ہو۔ (رابطہ شیخ، ص:۱۴۷)

(۸)۔ شیخ قطب الدین دمشقیؒ فرماتے ہیں کہ ماسویٰ اللہ سے تعلق کا منقطع ہو جانا، وصول الی اللہ ہے۔
(امداد السلوک، ص:۵۹)

۹۔ وصول الی اللہ کے واقعات

قارئین کے لیے ذیل میں چند وصول الی اللہ کے واقعات بیان کیے جاتے ہیں:

(۱)۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ پاک نے کوہ طور پر تیس دنوں کے مجاہدہ کے لیے بلایا اور پھر اس مدت کو بڑھا کر چالیس روز کر دیا۔ اس دوران آپ علیہ السلام پر کلام الٰہی نازل ہوتا رہا اور اللہ پاک سے بار بار ہم کلام ہونے کا شرف ملتا رہا۔ اللہ پاک سے بار بار ہم کلام ہونے نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دیدار الٰہی کے شوق کو مزید بڑھا دیا تو آپ علیہ السلام نے اللہ پاک سے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا جسے قرآن پاک میں ان الفاظ میں یاد کیا گیا ہے:

قَالَ رَبِّ اَرِنِیۡۤ اَنۡظُرۡ اِلَیۡكَ. (سورۃ الاعراف، آیت: ۱۴۳)
(کہا (موسیٰ علیہ السلام نے) اے میرے پروردگار! اپنا دیدار مجھ کو کرا دیجیے کہ میں ایک نظر تجھے کو دیکھ لوں)
اللہ پاک نے اپنی تجلی کا ظہور فرمایا تو پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جذب کی کیفیت طاری ہو گئی۔ اس واقعہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ سالک کو پیش آنے والی جذب وشوق کی کیفیات حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی پیش آئیں تھیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی اللہ تعالیٰ کے مشتاق تھے اور پھر تجلی حق کی تاب نہ لاتے ہوئے بے ہوش ہو گئے۔ اسی طرح سالک بھی اللہ تعالیٰ کا مشتاق ہوتا ہے اور پھر تجلی حق سے مجذوب ہو جاتا ہے۔ جب ہوش میں آتا ہے تو اس کا اللہ پاک کو دیکھنے کا شوق مزید بڑھ جاتا ہے۔ اس طرح سالک پر جذب وشوق کی کیفیات پے در پے طاری ہوتی رہتی ہیں۔

(۲)۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ واصل باللہ کا بہترین نمونہ تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ بڑے مالدار تھے لیکن اللہ کی راہ میں اپنا مال بے دریغ لٹا دیا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو خرید کر آزاد کیا حالانکہ اس کے مالک نے بہت زیادہ قیمت طلب کی تھی۔ اسی طرح بہت سے غلام آزاد کرائے۔ آپ رضی اللہ عنہ کی حالت یہاں تک پہنچ گئی کہ ایک روز حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ایک موٹا کرتا پہنا ہوا تھا جو کئی جگہ سے پھٹا ہوا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے پھٹے ہوئے کرتے کو کانٹوں سے جوڑ رکھا تھا۔ اس وقت حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سلام بھیجا ہے اور ارشاد فرمایا ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ سے دریافت کرو کہ پہلے وہ حالت تھی، اب یہ حالت ہے، تمہیں ہم سے شکایت تو نہیں؟

جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو یہ پیغام سنایا تو آپ رضی اللہ عنہ یہ پیغام سنتے ہی شدت شوق سے مغلوب ہو گئے۔ جب ہوش میں آئے تو پھر دریافت کیا گیا تو آپ رضی اللہ عنہ پھر مغلوب ہو گئے۔ دوسری دفعہ ہوش میں آ کر عرض کیا: یہ اللہ پاک کی مہربانی ہے کہ میرا حال دریافت فرمایا۔ ایک بندہ کو اپنے آقا سے کیا شکایت ہو سکتی ہے۔ یہ کہہ کر آپ رضی اللہ عنہ پھر مغلوب ہو گئے۔ (تربیۃ العشاق، ص: ۳۰۶-۳۰۷)

(۳)۔ حضرت عمرو بن عنبسہ رضی اللہ عنہ ایک واصل باللہ اور حضور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک مقرب اور ذی شان

خادم تھے۔ اعلان نبوت کے ابتدائی دنوں میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ میں کفر و شرک سے اکڑی ہوئی گردنوں کو خدائے واحد کے سامنے جھکانے میں مصروف تھے۔ حضرت عمرو بن عنبسہ رضی اللہ عنہ اپنے وطن میں تھے۔ اچانک ایک دن ان کے دل میں نور توحید ضوفشاں ہوا اور شرک و بت پرستی کی کراہیت و نفرت نے بے چین کر دیا۔ جب یہ سنا کہ ایک آدمی مکہ میں پیدا ہوا ہے جو لوگوں کو توحید کی طرف بلاتا ہے اور بتوں کی عبادت سے منع کرتا ہے۔ یہ سنتے ہی دل بے چین ہو گیا اور فوراً ہی مکہ مکرمہ پہنچے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے مکہ پہنچ کر حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں دریافت کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس زمانے میں کفار کی شدید مخالفت اور بے پناہ سختیوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنے دشمنوں کی نظروں سے ذرا ہٹ کر اللہ تعالیٰ کے دین کی تبلیغ اور اس کی عبادت میں مصروف تھے۔ حضرت عمرو بن عنبسہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے پوچھا کہ تم میں کون آدمی پیدا ہوا ہے جو تمہاری روش اور تمہارے راستے سے ہٹ کر دوسرے دین کی طرف بلاتا ہے؟ لوگوں نے جواب دیا کہ ایک دیوانہ (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عقل و دانش پر دونوں جہان قربان) ہے جس نے اپنے باپ دادا کا طریقہ اور راستہ چھوڑ دیا ہے اور ایک نئی رسم نکالی ہے۔ حضرت عمرو بن عنبسہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہاں ملیں گے؟ لوگوں نے جواب دیا کہ وہ آدمی آدھی رات کو باہر نکلتا ہے اور خانہ کعبہ کا طواف کرتا ہے۔

حضرت عمرو بن عنبسہ رضی اللہ عنہ آدھی رات کے وقت حرم شریف میں آئے اور کعبۃ اللہ کے پردہ مبارک میں چھپ کر کھڑے ہو گئے۔ اچانک دیکھا کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نمودار ہوئے۔ حضرت عمرو بن عنبسہ رضی اللہ عنہ فوراً پردہ سے نکل کر باہر آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام کیا اور عرض کیا: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کون ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دین کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوں اور میرا دین لا الہ الا اللہ ہے۔ حضرت عمرو بن عنبسہ رضی اللہ عنہ خوشی سے جھوم اٹھے اور فوراً بولے کہ میں بھی اس دین کو پسند کرتا ہوں۔ چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لے آئے۔ اس طرح حضرت عمرو بن عنبسہ رضی اللہ عنہ تیسرے یا چوتھے مسلمان ہیں۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں رخصت کیا اور ارشاد فرمایا کہ میرے پروردگار نے مجھ سے ایک وعدہ کیا ہے۔ جب وہ وعدہ پورا ہو گا تو میرے پاس آنا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو حضرت عمرو بن عنبسہ رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس مدینہ منورہ پہنچ گئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں رہنے کی سعادت حاصل کی اور نگاہ نبوت کی کرشمہ سازی نے آپ رضی اللہ عنہ کو درجہ کمال پر پہنچادیا۔(مشکوٰۃ المصابیح، ج:۱، رقم الحدیث: ۱۲۰۴)

(۴)۔ حضرت ام خالد بنت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتی ہیں کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بعثت سے پہلے ایک رات حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ سوئے ہوئے تھے۔انہوں نے خواب میں دیکھا کہ فرشتے خلا میں اس قدر چھائے ہوئے ہیں کہ تاریکی ہی تاریکی ہوگئی ہے۔حتیٰ کہ آدمی اپنی آستین کا کف بھی نہیں دیکھ سکتا۔اسی دوران میں آسمان سے ایک نور پہلے بیت اللہ میں چمکا۔پھر اس نے پورے مکہ مکرمہ کو روشنی سے جگمگادیا۔اللہ پاک کی قسم! پھر اس کی روشنی مدینہ منورہ تک پھیل گئی۔ میں اس روشنی میں کھجور کے درختوں پر کھجوروں کے دانے دیکھ سکتا تھا۔پھر میں نیند سے بیدار ہوگیا اور اپنا سارا خواب اپنے بھائی عمرو بن سعید کو سنایا۔میرا بھائی صاحب الرائے انسان تھا۔اس نے کہا کہ یہ کوئی عظیم تر معاملہ ہونے والا ہے۔اس کا ظہور بنی عبدالمطلب میں ہونے والا ہے۔ بعد کے ایام میں حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے اپنا خواب بیان کیا۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے خالد رضی اللہ عنہ! اللہ پاک کی قسم! یہ نور میں ہی ہوں۔ میں ہی اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو اسلام کا تعارف کروایا۔حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کرلیا۔اس کے بعد ان کے بھائی حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کرلیا۔(کنزالعمال، ج:۷، رقم الحدیث: ۹۵۰)

(۵)۔ حضرت سواد بن قارب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں، میں کاہن تھا۔جنوں کی لائی ہوئی باتیں بتایا کرتا تھا۔ ایک رات جب کہ میں نیند اور بیداری کی درمیانی حالت میں تھا۔ اچانک میرے پاس میرا جن آیا۔اس نے مجھے ایک ٹھوکر ماری اور کہا: اے سواد بن قارب! اٹھ اور سمجھ، اگر تو سمجھ رکھتا ہے اور عقل سے غور کر اگر تو عقل رکھتا ہے۔لوئی بن غالب کی اولاد میں رسول مبعوث ہو چکا ہے۔ جو اللہ پاک اور اس کی عبادت کی طرف دعوت دے رہا ہے۔ پھر اس نے کچھ اشعار پڑھے جن کا مفہوم یہ ہے: 'مجھے تعجب ہوا جن پر اور اس کے کھوج لگانے پر اور اونٹوں پر اس کے پالان باندھ لینے یعنی بھاگنے کی تیاری کرنے پر۔ جنات کی قوم مکہ کی طرف ہدایت کی جستجو کرتی ہوئی جھک پڑی ہے۔جنوں کے اچھے افراد ان کے برے افراد کی طرح نہیں ہیں۔تو بھی بنی ہاشم کے اس برگزیدہ شخص کی طرف چل پڑ اور اس کی زیارت کا شرف حاصل کر'۔

دوسری اور تیسری رات بھی اسی طرح ہوا۔ اس سے میرے دل میں اسلام سے محبت پیدا ہوگئی اور میں اسلام کی طرف راغب ہوگیا۔ پھر جب صبح ہوئی تو میں نے اپنی سواری پر سامان سفر باندھا اور مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوگیا۔ پھر مجھے خبر ملی کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرما گئے ہیں۔ میں بھی مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہوگیا۔ مدینہ پاک پہنچ کر میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق دریافت کیا۔ مجھے بتایا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں تشریف فرما ہیں۔ میں مسجد پہنچا، اپنی اونٹنی کو باندھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوگیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ قریب آجاؤ۔ میں قریب ہوگیا۔ پھر فرمایا کہ مزید قریب آجاؤ۔ میں مزید قریب ہوگیا۔ حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے قریب آکر کھڑا ہوگیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اب کہو! میں نے اپنا پورا قصہ سنایا اور اسلام لے آیا۔ پھر باتوں سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت خوش ہوئے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے چہرے بھی خوشی سے کھلکھلا اٹھے۔

(ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفا، ج: ۴، ص: ۹۸-۹۹)

(۶)۔ حضرت بشر حافیؒ بہت بڑے بزرگ گزرے ہیں۔ ابتدا میں آپ غفلت کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ ایک دن آپ آدھے نشے اور آدھے ہوش میں کہیں جا رہے تھے۔ اس حالت میں راستے میں ایک کاغذ ملا جس پر بسم اللہ شریف لکھی ہوئی تھی۔ انہوں نے اس کاغذ کو اٹھا کر جلدی سے صاف کیا، چوما اور اس کو خوشبو لگا کر گھر میں طاق پر ادب سے رکھ دیا۔ اسی رات کو خواب میں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے بشر تم نشے کی حالت میں تھے تم حالت بے ہوشی میں تھے۔ تم نے میرا نام ادب سے زمین سے اٹھایا اور عطر لگایا اور اس کا بوسہ لیا۔ اس وقت بھی تم مجھ سے بے ہوش نہ تھے، دنیا سے بے ہوش تھے۔ اس بے ہوشی میں بھی تم نے مجھے یاد رکھا۔ اس کے صدقہ میں میں تم کو اپنا ولی بناتا ہوں اور تمہیں اپنی طرف جذب کرتا ہوں۔ اس کے بعد حضرت بشر حافیؒ نے ولایت کا مقام پالیا تو ایک دن یہ آیت تلاوت کی:

اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا۔ (سورۃ النباء، آیت: ۶)

(کیا ہم نے زمین کو فرش نہیں بنایا)

حضرت بشر حافیؒ نے جوتا اتار دیا کہ اے خدا! میں تیرے فرش پر جوتا پہن کر نہیں چلوں گا۔ ان پر ایک حال غالب ہوگیا۔ (تجلیات جذب، ص: ۸۷)

حوالہ جات

۱۔ ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء، شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ترجمہ مولانا محمد عبدالشکور۔ کراچی: قدیمی کتب خانہ، ۱۹۹۹ء۔

۲۔ اسلام وروحانیت اور فکر اقبال، حضرت عبداللطیف خان نقشبندیؒ۔ لاہور: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، ۲۰۰۸ء۔

۳۔ امداد السلوک: ارشاد الملوک، شیخ قطب الدین دمشقیؒ۔ دیوبند: دارالکتاب، ۲۰۰۵ء۔

۴۔ تجلیات جذب، مولانا حکیم شاہ محمد اخترؒ۔ کراچی: خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، ۲۰۱۵ء۔

۵۔ تربیۃ العشاق، شاہ سید محمد ذوقیؒ۔ کراچی: محفل ذوقیہ، ۱۹۷۴ء۔

۶۔ جامع ترمذی، امام محمد بن عیسیٰ ترمذیؒ ترجمہ مولانا افضل احمد۔ کراچی: دارالاشاعت، ۲۰۰۶ء۔

۷۔ الحکم العطائیہ: اکمال الشیم، شیخ عطاء اللہ اسکندریؒ ترجمہ مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری۔ لاہور: ادارہ اسلامیات، ۱۹۸۴ء۔

۸۔ رابطہ شیخ: تصور شیخ، توجہ اور تصرف شیخ کی وضاحت، حضرت عبداللطیف خان نقشبندیؒ۔ لاہور: جنگ پبلشرز، ۱۹۹۶ء۔

۹۔ رسالہ انکشاف الحقیقہ عن استخلاف الطریقہ، مقالات عثمانی

۱۰۔ سنن ابن ماجہ، حافظ ابی عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہؒ ترجمہ مولانا محمد قاسم امین۔ لاہور: مکتبہ العلم، ۲۰۱۰ء۔

۱۱۔ شریعت وطریقت، مولانا اشرف علی تھانویؒ۔ ممبئی: مکتبہ الحق، ۱۹۸۶ء۔

۱۲۔ صحیح بخاری، امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاریؒ ترجمہ حضرت مولانا محمد داؤد راز۔ دہلی: مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند، ۲۰۰۴ء۔

۱۳۔ صحیح مسلم، امام ابوالحسین مسلم بن الحجاج نیشاپوریؒ ترجمہ علامہ وحید الزمان۔ دہلی: مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند، ۲۰۰۴ء۔

۱۴۔ کنز العمال، علامہ علاء الدین علی متقی بن حسام الدینؒ ترجمہ مولانا مفتی احسان اللہ شائق۔ کراچی: دارالاشاعت، ۲۰۰۹ء۔

۱۵۔ مشکوٰۃ المصابیح، شیخ ولی الدین خطیب التبریزیؒ ترجمہ مولانا محمد صادق خلیلؒ۔ لاہور: مکتبہ محمدیہ، ۲۰۰۵ء۔

۱۶۔ مصنف ابن ابی شیبہ، امام ابی بکر عبداللہ بن محمد ابن ابی شیبہ العبسی الکوفیؒ ترجمہ مولانا محمد اویس سرور۔ لاہور: مکتبہ رحمانیہ، ۲۰۰۱ء۔

۱۷۔ http//:www.hadithurdu.com/

۱۸۔ https//:easyquranwahadees.com/

۴۰

یقین

ا۔ یقین کا مفہوم

(۱)۔ یقین کے لغوی معانی جاننا، کسی ایک نقطہ پر مکمل یکسوئی کے ساتھ جم جانا اور ایسا علم جس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہ ہو، کے ہیں۔ تصوف کی اصطلاح میں یقین کا مطلب کسی پوشیدہ چیز کو قوت ایمانی سے بعینہٖ صحیح طور پر دیکھ لینا اور اس کے لیے کسی دلیل اور حجت کی ضرورت محسوس نہ کرنا ہے۔ یہ یقین سالک کی عقل پر اس درجہ غالب آ جاتا ہے کہ اس کی عقل اس سے لبریز ہو جاتی ہے اور اس کے ترشحات قلب و نفس پر اتنے اثرات چھوڑتا ہے کہ ایمانیات اس کے لیے مشہود و محسوس ہو جاتی ہیں۔ جیسا کہ حضرت حارث بن مالک رضی اللہ عنہ کو جنت و جہنم دنیا ہی میں آنکھوں سے نظر آنے لگے تھے۔ (دیکھیے مصنف ابن ابی شیبہ، ج:۹، رقم الحدیث: ۱۲۰)

(۲)۔ سالک کے قلب میں نور حقیقت ایسے ظاہر ہو کہ بشریت کے پردے اٹھ جائیں اور وجد و ذوق پیدا ہو جائے۔ جب نور یقین سالک کے قلب میں القا کر دیا جاتا ہے تو اس کو اشیا کے حقائق واضح ہو جاتے ہیں۔ ہر کوئی جانتا ہے کہ دنیا فانی ہے اور آخرت باقی رہنے والی ہے۔ اللہ پاک اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو کچھ فرمایا ہے حق ہے۔ اس پر سب مسلمانوں کا ایمان ہے لیکن نور یقین جب حاصل ہوتا ہے تو اس وقت یہ سب باتیں ایسی نظر آتی ہیں جیسے آنکھ سے کسی چیز کو دیکھ لیا جائے۔ اس کے آثار یہ ہوتے ہیں کہ وہ شخص دنیاوی اغراض و مقاصد کو اپنی منزل و مقصود نہیں بناتا اور اس کی تمام تر محنت و ریاضت آخرت کے لیے ہوتی ہے۔ اس کے نفس کی بے جا خواہشیں سرد پڑ جاتی ہیں اور وہ وقت کو غنیمت جانتا ہے۔

(۳)۔ سالک جب طلب مولیٰ میں مشغول ہوتا ہے اور تمام طاعات بجالاتا ہے اور ذکر لسانی و قلبی حسب ہدایت شیخ کامل کے کرتا ہے تو اس کے کشود کار اور قلب کی کشادگی کی صورت یہ ہوتی ہے کہ اس کو اللہ پاک محض اپنے فضل سے ایک نور قلب میں القا فرماتا ہے، جس کو نور عقل اور علم الیقین کہتے ہیں۔ اس نور سے سالک اپنے رب کا قرب مشاہدہ کرتا ہے۔ اس کے قلب کو ذوقی و وجدانی

طریقہ سے یہ امر ہر وقت پیش نظر ہوتا ہے کہ میں اپنے پروردگار کے سامنے حاضر ہوں۔ اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ نفس کی طاعت سے سرکشی جاتی رہتی ہے۔ کدورات و اخلاق ذمیمہ کا غلبہ مٹ جاتا ہے۔ حیا کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ منہیات سے پرہیز اور اوامر کی بجا آوری میں مستعد ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی پاک کتاب میں اس کا یوں ذکر فرمایا ہے: كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ۔ (سورۃ التکاثر، آیت: ۵) ' اگر تم علم الیقین کے طور پر جان لیتے تو کبھی ایسی غفلت میں نہ رہتے '۔

(۴)۔ جب سالک کو علم الیقین میں رسوخ ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے قلب میں دوسرا نور القا فرماتا ہے۔ اس کو نور علم اور عین الیقین کہتے ہیں۔ اس نور سے سالک سوائے اللہ تعالیٰ کے، بشمول اپنے نفس کے سب کو معدوم ولاشے دیکھتا ہے۔ پہلے نور کے بعد تو حالت یہ تھی کہ سالک خود کو حق تعالیٰ کے سامنے حاضر دیکھتا تھا۔ جس سے یہ نکلا کہ اپنا وجود سالک کی نظر کے سامنے تھا اور اس نور کے بعد یہ کیفیت ہوتی ہے کہ اپنا اور ہر شے کا عدم اور ذات واحد کا وجود نظر کے سامنے ہوتا ہے۔ اس مشاہدہ کا یہ اثر ہوتا ہے کہ اس کو مخلوق میں سے کسی شے پر سہارا اور اعتماد نہیں ہوتا اور نہ مخلوق کی طرف التفات ہوتا ہے۔ اس مقام پر پہنچ کر تفویض، توکل، رضا بر قضا اور تسلیم کا درجہ نصیب ہوتا ہے۔

(۵)۔ جب سالک میں عین الیقین خوب راسخ ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے تیسرا نور قلب عطا فرماتا ہے، اسے نور حق اور حق الیقین کہتے ہیں۔ اس نور سے سالک صرف ذات مقدسہ کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اپنا اور کائنات عالم کا نہ وجود نظر میں ہوتا ہے اور نہ عدم۔ یعنی اس نور سے پہلے اپنا اور ہر شے کا معدوم ہونا پیش نظر ہوتا ہے گویا اپنا علم ابھی تک نفس کو ہے گو اس اعتبار سے ہے کہ میں معدوم ہوں۔ ابھی فنا تام میسر نہیں، فنا ناقص ہے۔ اس لیے کہ اپنے فانی اور معدوم ہونے کا علم بھی پردہ ہے۔ فنا کامل یہ ہے کہ فنا ہو اور اس فنا ہونے کا علم بھی نہ ہو۔ یہ حق الیقین کے نور کے بعد میسر ہوتا ہے۔

(۶)۔ ایک نور ایمان کا ہوتا ہے اور ایک یقین کا۔ ان میں فرق یہ ہے کہ ایمان کا نور پس پردہ ہوتا ہے اور یقین کا نور پردہ کھلنے کے بعد مومن کے قلب پر جلوہ افروز ہوتا ہے۔ ورنہ حقیقت میں دونوں ایک ہی ہیں۔ جیسا کہ صبح صادق، رات کی کچھ سیاہی مٹا کر آفتاب کے وجود کی دلیل بن جاتی ہے اور

ایمان کی ایسی ہی مثال ہے کہ سورج کا یقین ہو گیا حالانکہ ابھی پردہ میں ہے اور جب آفتاب نکل آیا اور ظاہری آنکھوں سے نظر آنے لگا تو یہ مثال یقین کے نور کی بن گئی۔ ایمان یقین کی جڑ ہے اور علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین اس کی شاخیں ہیں۔

۲۔ یقین قرآن کریم کی روشنی میں

اللہ تعالیٰ نے اپنی پاک کتاب قرآن مجید میں جا بجا یقین کا ذکر فرمایا ہے جن میں سے چند آیات مبارکہ حسب ذیل ہیں:

(۱)۔ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ.
(سورۃ البقرہ، آیت: ۴)

(اور جو کتاب (اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تم پر نازل ہوئی اور جو کتابیں تم سے پہلے (پیغمبروں علیہم السلام پر) نازل ہوئیں سب پر ایمان لاتے اور آخرت کا یقین رکھتے ہیں)

اس آیت پاک میں مومنین کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ وہ قرآن پاک پر ایمان لاتے ہیں۔ قرآن پاک سے پہلے جتنی بھی الہامی کتابیں نازل ہوئی ہیں، ان پر ایمان رکھتے ہیں۔ دنیا کے بعد قائم ہونے والی آخرت پر بھی یقین رکھتے ہیں۔ آخرت پر یقین مومنین کی صفت ہے۔ یہ یقین اپنی کیفیت کے اعتبار سے تین طرح کا ہوتا ہے جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے: علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین۔ ہر مومن کے لیے اپنی ایمان کی کیفیت اور اللہ پاک کے ساتھ معاملات کی کیفیت مختلف ہوتی ہے البتہ یقین کا وہ درجہ جس میں کوئی شک و شبہ کی گنجائش نہ ہو ایمان کے معاملے میں فرض کا درجہ رکھتا ہے۔

(۲)۔ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ۝ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ۝ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ.
(سورۃ التکاثر، آیت: ۵-۷)

(اگر تم علم الیقین کے طور پر جان لیتے تو دوزخ کا مشاہدہ کرتے پھر اسے عین الیقین کے ساتھ دیکھتے)

حضرت قتادہؓ بیان کرتے ہیں: ہم آپس میں بیان کرتے تھے کہ علم الیقین سے مراد ایمان بالغیب ہے جو استدلال سے حاصل ہوتا ہے۔ (تفسیر مظہری، ذیل سورۃ التکاثر، آیت: ۵) ان آیات

مبارکہ میں ہمیں بتایا جا رہا ہے کہ اگر انسان غیب پر ایمان لے آئے تو اللہ پاک اس کے دل میں ایسا نور پیدا فرماتا جس سے وہ دوزخ کا مشاہدہ کرتا پھر اسے آخرت کے بارے میں درجہ عین الیقین حاصل ہوجاتا ہے۔

جو سالکین غیب پر ایمان کامل رکھتے ہیں اللہ پاک ان کے قلب میں ایک نور پیدا فرما دیتا ہے۔ اس نور سے وہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہر شے معدوم ولاشے دیکھنے لگتے ہیں۔ غیبی چیزیں اس کے لیے عینی مشاہدہ جیسی ہوجاتی ہیں۔ اس کے علم الیقین اور عین الیقین میں کوئی فرق نہیں رہتا۔ ایسا سالک اپنے ایمان کے بارے میں خبر اور مشاہداتی چیزوں میں فرق تک نہیں کرپاتا۔ یہی کیفیت مندرجہ بالا آیات میں بیان کی گئی ہے۔

(۳)۔ وَ كَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ.
(سورۃ انعام، آیت:۷۵)

(اور اسی طرح ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو آسمانوں کی اور زمین کی مخلوقات دکھائیں تاکہ وہ کامل یقین کرنے والوں میں سے ہوجائے)

اس آیت پاک میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے جلیل القدر پیغمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عالم مشاہدہ میں آسمانوں اور زمین کی سیر کروائی۔ زمین اور آسمانوں کی مخلوقات دکھائیں تاکہ آپ علیہ السلام یقین کے مرتبہ عالیہ حق الیقین پر فائز ہوجائیں۔ یہ اللہ پاک کی خاص عنایت ہے جو تمام انبیائے کرام علیہم السلام کو حاصل ہوتی ہے۔ انبیائے کرام علیہم السلام کو اللہ پاک وقتاً فوقتاً عالم غیب کے رازوں کا مشاہدہ کرواتا رہتا ہے۔ جس سے ان کا یقین، مشاہداتی ہوجاتا ہے۔ اسی لیے کائنات کی کوئی بھی چیز ان کے ایمان ویقین کو ذرہ برابر بھی متزلزل نہیں کرسکتی۔ اس کی بہترین مثال حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وہ قول مبارک ہے: اے میرے چچا! اگر وہ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں پر چاند لاکر رکھ دیں پھر بھی میں اس کام سے باز نہیں آؤں گا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس دین کو غالب کردے یا میں اس دین کی دعوت دیتے ہوئے شہید ہوجاؤں۔ (تفسیر فی ظلال القرآن، ذیل سورۃ القلم، آیت:۸) پھر یقین کی یہ کیفیت درجہ بدرجہ ان لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو اپنے ایمان میں نبی علیہ السلام کے قریب ہوتے ہیں۔ اسی طرح سالکین حق کو بھی اللہ پاک بعض

چیزوں کی حقیقت کا مشاہدہ کرواتا ہے، جس سے انہیں بھی اس غیب کے بارے میں حق الیقین حاصل ہو جاتا ہے۔

(۴)۔ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰىؕ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْؕ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّیَطْمَىٕنَّ قَلْبِیْ. (سورۃ البقرہ، آیت: ۲۶۰)

(جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا کہ میرے پروردگار مجھے دکھا تو مردوں کو کس طرح زندہ کرتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے ابراہیم علیہ السلام! کیا تو ایمان نہیں رکھتا؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا: کیوں نہیں لیکن میں چاہتا ہوں کہ میرا دل مطمئن ہو جائے)

یقین اپنی کیفیت کے اعتبار سے تین طرح کا ہوتا ہے: یقین خبری، یقین استدلالی اور یقین عیانی۔ وہ باتیں جن کی خبر اللہ پاک کے فرمان اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشادات کے ذریعہ دی گئی ہیں اور ان پر یقین ہے، یہ یقین خبری ہے۔ جیسا کہ جنت و دوزخ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ایسا ہے۔ یقین استدلالی یہ ہے کہ صانع کے وجود کا یقین مصنوعات کے وجود کے ذریعہ کیا جائے۔ مخلوقات کے موجود ہونے کی دلیل سے اس کے خالق کا وجود قطعاً اور یقیناً ثابت ہوتا ہے، بغیر اس کے قرآن و حدیث سے کوئی دلیل لی جائے۔ عقائد کے باب میں عوام الناس کا یقین استدلالی یا خبری ہوتا ہے۔ مشاہدہ سے حاصل ہونے والا یقین، یقین عیانی ہوتا ہے۔ یقین خبری اور استدلالی میں خطرے کی گنجائش ہوتی ہے لیکن یقین عیانی کسی بھی قسم کے خطرہ سے پاک ہوتا ہے۔

حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام نے اللہ پاک سے عرض کیا: مجھے دکھا دے کہ تو مردوں کو کس طرح زندہ فرماتا ہے۔ اللہ پاک نے فرمایا: کیا تو اس پر ایمان نہیں رکھتا؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا: اے میرے پروردگار! میں ایمان تو رکھتا ہوں لیکن چاہتا ہوں کہ میرے دل کو اطمینان ہو جائے۔ مجھے ابھی تک اس امر پر یقین خبری اور یقین استدلالی حاصل ہے میں یقین عیانی حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ اللہ پاک نے ارشاد فرمایا: تم چار پرندے لو۔ ان کو اپنی ساتھ مانوس کر لو۔ پھر ان کو ذبح کر کے ان کے ٹکڑے ہر پہاڑی پر رکھ دو۔ پھر انہیں بلاؤ تو وہ تمہاری طرف دوڑتے ہوئے آئیں گے۔

یاد رکھنا چاہیے کہ انبیائے کرام علیہم السلام کا یقین، یقین عیانی ہوتا ہے۔ اللہ پاک انہیں وقتاً فوقتاً

اعتقادی معاملات کا مشاہدہ کراتا رہتا ہے۔ جیسا کہ قرآن پاک کی بے شمار آیات واحادیث نبوی ﷺ سے معلوم ہوتا ہے۔

(۵)۔ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ۭ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاۗءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاۗءَ تَاْوِيْلِهٖ ڤ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ڤ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ. (سورۃ آل عمران، آیت:۷)

(وہی تو ہے جس نے تم پر کتاب نازل کی جس کی بعض آیتیں محکم ہیں اور وہی اصل کتاب ہیں اور بعض متشابہ ہیں، تو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ متشابہات کا اتباع کرتے ہیں تاکہ فتنہ برپا کریں اور مراد اصلی کا پتہ لگائیں حالانکہ مراد اصلی خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اور جو لوگ علم میں دستگاہ کامل رکھتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم ان پر ایمان لائے۔ یہ سب ہمارے پروردگار کی طرف سے ہیں اور نصیحت تو عقلمند ہی قبول کرتے ہیں)

اہل تصوف کہتے ہیں کہ راسخ فی العلم وہ لوگ ہیں جو نفس اور عناصر کو فناء کرکے خواہشات سے بالکل الگ ہو چکے ہیں۔ تجلیات ذاتیہ میں ایسے ڈوبے ہوئے ہیں کہ کوئی شبہ ان کو لاحق ہی نہیں ہوسکتا وہ کہتے ہیں کہ اگر نقاب ہٹا بھی دیا جائے تو جتنا یقین ہم کو ہو چکا ہے اس سے زیادہ نہ ہوگا۔ ہمارے یقین میں اضافہ کی گنجائش ہی نہیں ہے ہمارا ایمان عین مشاہدہ ہے ہم کو حق الیقین حاصل ہو چکا ہے۔

۳۔ یقین احادیث نبوی ﷺ کی روشنی میں

ذیل میں یقین کے بارے میں چند احادیث نقل کی جاتی ہیں:

(۱)۔ عَنْ رِفَاعَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: قَامَ أَبُو بَكْرٍ الصِّدِّيقُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَلَى الْمِنْبَرِ ثُمَّ بَكَى، فَقَالَ: قَامَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ الْأَوَّلِ عَلَى الْمِنْبَرِ، ثُمَّ بَكَى، فَقَالَ: " اسْأَلُوا اللهَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فَإِنَّ أَحَدًا لَمْ يُعْطَ بَعْدَ الْيَقِينِ خَيْرًا مِنَ الْعَافِيَةِ ". (جامع ترمذی، ج:۲، رقم الحدیث:۱۵۱۴)

(حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ منبر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کھڑے ہوکر رونے لگے۔ پھر فرمایا کہ (ہجرت کے) پہلے سال حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی جب منبر پر کھڑے ہوئے تو روئے اور ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ سے عفو اور عافیت مانگا کرو کیونکہ یقین کے بعد عافیت سے بڑھ کر بہتر کوئی چیز نہیں)

(۲)۔ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ، صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "الصَّبْرُ نِصْفُ الإِيمَانِ، وَالْيَقِينُ الإِيمَانُ كُلُّهُ".

(کنز العمال، ج:۲، رقم الحدیث: ۱۳۷۱)

(حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: صبر نصف ایمان ہے اور یقین پورا ایمان ہے)

(۳)۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کسی مجلس سے اٹھتے تو اکثر اوقات یہ دعا مانگتے:

اللَّهُمَّ اقْسِمْ لَنَا مِنْ خَشْيَتِكَ مَا يَحُولُ بَيْنَنَا وَبَيْنَ مَعَاصِيكَ وَمِنْ طَاعَتِكَ مَا تُبَلِّغُنَا بِهِ جَنَّتَكَ وَمِنَ الْيَقِينِ مَا تُهَوِّنُ بِهِ عَلَيْنَا مُصِيبَاتِ الدُّنْيَا وَمَتِّعْنَا بِأَسْمَاعِنَا وَأَبْصَارِنَا وَقُوَّتِنَا مَا أَحْيَيْتَنَا وَاجْعَلْهُ الْوَارِثَ مِنَّا وَاجْعَلْ ثَأْرَنَا عَلَى مَنْ ظَلَمَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى مَنْ عَادَانَا وَلَا تَجْعَلْ مُصِيبَتَنَا فِي دِينِنَا وَلَا تَجْعَلِ الدُّنْيَا أَكْبَرَ هَمِّنَا وَلَا مَبْلَغَ عِلْمِنَا وَلَا تُسَلِّطْ عَلَيْنَا مَنْ لَا يَرْحَمُنَا.

(جامع ترمذی، ج:۲، رقم الحدیث: ۱۴۵۶)

(اے میرے پروردگار! ہم میں اپنے خوف کو اتنا تقسیم کردے کہ ہمارے اور ہمارے گناہوں کے درمیان حائل ہوجائے۔ اپنی فرمانبرداری ہم میں اتنی تقسیم کردے کہ وہ ہمیں جنت تک پہنچا دے۔ اتنا یقین تقسیم کردے کہ ہم پر دنیا کی مصیبتیں آسان ہوجائیں۔ جب تک ہم زندہ رہیں ہمیں سماعت، بصر اور قوت سے مستفید اور اسے ہمارا وارث کردے۔ ہمارا انتقام اسی تک محدود کردے جو ہم پر ظلم کرے۔ ہمیں دشمنوں پر غلبہ عطا فرما۔ ہمارے دین میں مصیبت نازل نہ فرما۔ دنیا ہی کو ہمارا اصل مقصد نہ بنا اور نہ دنیا کو ہمارے علم کی انتہا بنا اور ہم پر ایسے شخص کو مسلط نہ کر جو ہم پر رحم نہ کرے)

(۴)۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک رات حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نماز تہجد سے فراغت کے بعد یہ دعا پڑھتے ہوئے سنا:

اللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ رَحْمَةً مِنْ عِنْدِكَ تَهْدِي بِهَا قَلْبِي وَتَجْمَعُ بِهَا أَمْرِي وَتَلُمُّ بِهَا شَعَثِي وَتُصْلِحُ بِهَا غَائِبِي وَتَرْفَعُ بِهَا شَاهِدِي وَتُزَكِّي بِهَا عَمَلِي وَتُلْهِمُنِي بِهَا رُشْدِي وَتَرُدُّ بِهَا أُلْفَتِي وَتَعْصِمُنِي بِهَا مِنْ كُلِّ سُوءٍ.

اللّٰهُمَّ أَعْطِنِي إِيمَانًا وَيَقِينًا لَيْسَ بَعْدَهُ كُفْرٌ وَرَحْمَةً أَنَالُ بِهَا شَرَفَ كَرَامَتِكَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ.

اللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْفَوْزَ فِي الْعَطَاءِ وَنُزُلَ الشُّهَدَاءِ وَعَيْشَ السُّعَدَاءِ وَالنَّصْرَ عَلَى الْأَعْدَاءِ.

اللّٰهُمَّ إِنِّي أُنْزِلُ بِكَ حَاجَتِي وَإِنْ قَصُرَ رَأْيِي وَضَعُفَ عَمَلِي افْتَقَرْتُ إِلَى رَحْمَتِكَ فَأَسْأَلُكَ يَا قَاضِيَ الْأُمُورِ وَيَا شَافِيَ الصُّدُورِ كَمَا تُجِيرُ بَيْنَ الْبُحُورِ أَنْ تُجِيرَنِي مِنْ عَذَابِ السَّعِيرِ وَمِنْ دَعْوَةِ الثُّبُورِ وَمِنْ فِتْنَةِ الْقُبُورِ.

اللّٰهُمَّ مَا قَصُرَ عَنْهُ رَأْيِي وَلَمْ تَبْلُغْهُ نِيَّتِي وَلَمْ تَبْلُغْهُ مَسْأَلَتِي مِنْ خَيْرٍ وَعَدْتَهُ أَحَدًا مِنْ خَلْقِكَ أَوْ خَيْرٍ أَنْتَ مُعْطِيهِ أَحَدًا مِنْ عِبَادِكَ فَإِنِّي أَرْغَبُ إِلَيْكَ فِيهِ وَأَسْأَلُكَهُ بِرَحْمَتِكَ رَبَّ الْعَالَمِينَ.

اللّٰهُمَّ ذَا الْحَبْلِ الشَّدِيدِ وَالْأَمْرِ الرَّشِيدِ أَسْأَلُكَ الْأَمْنَ يَوْمَ الْوَعِيدِ وَالْجَنَّةَ يَوْمَ الْخُلُودِ مَعَ الْمُقَرَّبِينَ الشُّهُودِ الرُّكَّعِ السُّجُودِ الْمُوفِينَ بِالْعُهُودِ إِنَّكَ رَحِيمٌ وَدُودٌ وَأَنْتَ تَفْعَلُ مَا تُرِيدُ.

اللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا هَادِينَ مُهْتَدِينَ غَيْرَ ضَالِّينَ وَلَا مُضِلِّينَ سِلْمًا لِأَوْلِيَائِكَ وَعَدُوًّا لِأَعْدَائِكَ نُحِبُّ بِحُبِّكَ مَنْ أَحَبَّكَ وَنُعَادِي بِعَدَاوَتِكَ مَنْ خَالَفَكَ.

اللّٰهُمَّ هَذَا الدُّعَاءُ وَعَلَيْكَ الْإِجَابَةُ وَهَذَا الْجُهْدُ وَعَلَيْكَ التُّكْلَانُ.

اللّٰهُمَّ اجْعَلْ لِي نُورًا فِي قَلْبِي وَنُورًا فِي قَبْرِي وَنُورًا مِنْ بَيْنِ يَدَيَّ وَنُورًا مِنْ خَلْفِي وَنُورًا عَنْ يَمِينِي وَنُورًا عَنْ شِمَالِي وَنُورًا مِنْ فَوْقِي وَنُورًا مِنْ تَحْتِي وَنُورًا فِي سَمْعِي وَنُورًا فِي بَصَرِي وَنُورًا فِي شَعْرِي وَنُورًا فِي بَشَرِي وَنُورًا فِي لَحْمِي وَنُورًا فِي دَمِي وَنُورًا فِي عِظَامِي.

اللّٰهُمَّ أَعْظِمْ لِي نُورًا وَأَعْطِنِي نُورًا وَاجْعَلْ لِي نُورًا.

سُبْحَانَ الَّذِي تَعَطَّفَ الْعِزَّ وَقَالَ بِهِ سُبْحَانَ الَّذِي لَبِسَ الْمَجْدَ وَتَكَرَّمَ بِهِ سُبْحَانَ

الَّذِی لَا یَنۡبَغِی التَّسۡبِیحُ إِلَّا لَہٗ سُبۡحَانَ ذِی الۡفَضۡلِ وَالنِّعَمِ سُبۡحَانَ ذِی الۡمَجۡدِ وَالۡکَرَمِ سُبۡحَانَ ذِی الۡجَلَالِ وَالۡإِکۡرَامِ. (جامع ترمذی، ج:۲، رقم الحدیث:۱۳۷۲)

(اے پروردگار! میں تجھ سے ایسی رحمت کا سوال کرتا ہوں کہ جس سے تو میرے دل کو ہدایت دے۔ میرے کام کو جامع بنادے۔ اس کی برکت سے میری پریشانی کو دور کردے۔ میرے غیبی کاموں کو اس سے سنوار دے۔ میرے موجودہ درجات کو بلند کردے۔ مجھے اس سے سیدھی راہ سکھا۔ میری الفت لوٹا دے اور مجھے ہر برائی سے بچا۔

اے پروردگار! مجھے ایسا ایمان ویقین عطا فرما جس کے بعد کفر نہ ہو اور ایسی رحمت عطا فرما کہ اس سے میں دنیا اور آخرت میں تیری کرامت کے شرف کو پہنچوں۔

اے پروردگار! میں تجھ سے قضاء میں کامیابی، شہداء کے مرتبے، نیک لوگوں کی زندگی اور دشمنوں پر تیری مدد کا سوال کرتا ہوں۔

اے پروردگار! میں تیرے سامنے اپنی حاجت پیش کررہا ہوں اگرچہ میری عقل کم اور میرا عمل ضعیف ہے۔ میں تیری رحمت کا محتاج ہوں۔ اے امور کو درست کرنے والے، اے سینوں کو شفاء عطا کرنے والے میں تجھ ہی سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے دوزخ کے عذاب سے اسی طرح بچا جس طرح تو سمندروں کو آپس میں ملنے سے بچاتا ہے اور ہلاک کرنے والی دعا قبر کے فتنے سے بھی اسی طرح بچا۔

اے پروردگار! جو بھلائی میری عقل میں نہ آئے میری نیت اور سوال بھی اس وقت تک نہ پہنچا ہو لیکن تو نے اس کا اپنی کسی مخلوق سے وعدہ کیا ہو یا اپنے کسی بندے کو دینے والا ہو تو میں بھی تجھ سے اس بھلائی کو طلب کرتا ہوں اور تجھ سے تیری رحمت کے وسیلے سے مانگتا ہوں۔

اے تمام جہانوں کے پروردگار! اے اللہ! اے سخت قوت والے اور اے اچھے کام والے! میں تجھ سے قیامت کے دن کے چین اور ہمیشگی کے دن مقربین کے ساتھ جنت کا سوال کرتا ہوں، جو گواہی دینے والے، رکوع وسجود کرنے والے اور وعدوں کو پورا کرنے والے ہیں۔ بے شک تو بڑا مہربان اور محبت کرنے والا ہے۔ تو جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے۔

اے اللہ! ہمیں ہدایت یافتہ اور ہدایت دینے والے بنا، گمراہ ہونے اور گمراہ کرنے والے نہ بنا۔ تو ہمیں اپنے دوستوں سے صلح کرنے والا اور دشمنوں کا دشمن بنا۔ ہم تیری محبت کے سبب ان سے محبت کریں جو تجھ سے محبت کریں اور تیری مخالفت کرنے والے سے دشمنی کریں کہ وہ تیرے دشمن ہیں۔

اے پروردگار! یہ دعا ہے اب قبول کرنا تیرا کام ہے اور یہ کوشش ہے، بھروسہ تو تجھ ہی پر ہے۔

اے پروردگار! میرے دل میں، میری قبر میں، میرے سامنے، میرے پیچھے، میرے دائیں بائیں، میرے اوپر نیچے، میرے کانوں، میری آنکھوں، میرے بالوں میں، میرے بدن میں، میرے گوشت میں، میرے خون میں اور میری ہڈیوں میں میرے لئے نور ڈال دے۔

اے پروردگار! میرا نور بڑھادے، مجھے نور عطا فرما اور میرے لئے نور بنا دے۔

وہ ذات پاک ہے جس نے عزت کی چادر اوڑھی اور اسے اپنی ذات سے مخصوص کر دیا۔

پاک ہے وہ ذات جس نے بزرگی کا لباس پہنا اور مکرم ہوا۔ پاک ہے وہ ذات جس کے علاوہ کوئی تسبیح کے لائق نہیں۔ پاک ہے وہ فضل اور نعمتوں والا۔ پاک ہے وہ بزرگی اور کرم والا اور پاک ہے وہ جلال اور برزگی والا)

(۵)۔ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "أَوَّلُ صَلَاحِ هٰذِهِ الْأُمَّةِ الْيَقِينُ وَالزُّهْدُ وَأَوَّلُ فَسَادِهَا الْبُخْلُ وَالْأَمَلُ".

(مشکوۃ المصابیح، ج:۴، رقم الحدیث:۱۲۰۶)

(حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ اپنے والد سے اور شعیب اپنے دادا سے بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس امت کی پہلی نیکی یقین کرنا اور زہد اختیار کرنا ہے اور اس امت کا پہلا فساد، بخل اور دنیا میں باقی رہنے کی آرزو کو دراز کرنا ہے)

۴۔ یقین کی شاخیں

بعض صوفیائے کرامؒ کے ہاں یقین کی نو شاخیں: شکر، توکل، ہیبت، حسن ظن، تفرید، اخلاص، توحید، صدیقیت اور محدثیت ہیں۔

(۱)۔ **شکر:** ایمان ویقین سے شکر گزاری کا جذبہ اس طرح پیدا ہوتا ہے کہ جب سالک دیکھتا ہے کہ وہ تمام ظاہری و باطنی نعمتیں جو اسے حاصل ہیں، وہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہنچی ہیں تو اس کے دل میں نعمتوں کے شمار کے بقدر محبت الٰہی پیدا ہوتی ہے۔ دل میں حمد وثنا کا داعیہ ابھرتا ہے، یہی شکر گزاری ہے۔ پھر جب سالک خود کو شکر کی بجا آوری سے عاجز پاتا ہے تو پاش پاش اور نابود ہو کر رہ جاتا ہے اور اعتراف عجز کے سوا کوئی چارہ نہیں رہتا۔ یہ شکر و سپاس کا اعلیٰ درجہ ہے۔ (تفصیل کے لیے مصنف کی کتاب مقامات، باب: شکر) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد مبارک ہے

کہ قیامت کے دن جنت میں سب سے پہلے بہت زیادہ حمد (اللہ تعالیٰ کی تعریف اور شکر) کرنے والوں کو بلایا جائے گا۔ یہ وہ بندے ہیں جو ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتے ہیں۔

(مشکوٰۃ المصابیح، ج:۲، رقم الحدیث:۸۳۸)

(۲)۔ **توکل علی اللہ:** توکل کا معنی ہے کہ کسی کو اپنا آپ سونپنا اور پھر اس پر کامل بھروسہ کرنا کہ وہ کام کر دے گا۔ توکل علی اللہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کارسازی پر یقین اس درجہ پختہ ہو جائے کہ سالک کی نگاہ میں فائدہ اور نقصان کے اسباب بے حیثیت ہو کر رہ جائیں۔ البتہ اللہ تعالیٰ نے رزق کے جو اسباب مقرر کیے ہیں ان پر بھروسہ کیے بغیر ان کو اختیار کیے رہے۔ اسباب پر تکیہ کرنا توکل کے منافی ہے لیکن ترک اسباب مطلوب نہیں۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے مصنف کی کتاب مقامات، باب: توکل) یقین کی اس شاخ کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: **فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ۔** (سورۃ آلِ عمران، آیت:۱۵۹) 'پس اللہ پاک پر توکل کرو۔ اللہ تعالیٰ توکل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے'۔

(۳)۔ **ہیبت:** ہیبت اور فکر آخرت بھی ایمان و یقین کی ایک شاخ ہے۔ ہیبت یہ ہے کہ سالک اللہ پاک کے قہر و جلال کو یاد کرے اور اس درجہ یقین کرے کہ جلال خداوندی کے سامنے اپنی ہستی کو فنا کر دے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے باب: بیم و رجا اور خشیت) ہیبت کی بہترین مثال حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد مبارک ہے کہ کوئی انسان بھی اپنے عمل کی وجہ سے جنت میں نہیں جائے گا۔ عرض کیا گیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی نہیں؟ ارشاد فرمایا: میں بھی نہیں مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنی بخشش اور مہربانی سے ڈھانپ لے۔ (دیکھیے صحیح بخاری، ج:۳، رقم الحدیث:۱۴۱۴)

(۴)۔ **حسن ظن:** یہ ہیبت کی مقابل صفت ہے۔ تصوف کی اصطلاح میں اسے رجا بھی کہتے ہیں۔ جس طرح اللہ پاک کی سزاؤں اور غلبوں کے یقین سے ہیبت پیدا ہوتی ہے اسی طرح رحمان و رحیم کی صفات کے یقین سے حسن ظن پیدا ہوتا ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے باب: بیم و رجا) حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حسن ظن بہترین عبادات میں سے قرار دیا ہے۔

(دیکھیے سنن ابوداؤد، ج:۳، رقم الحدیث:۱۵۸۵)

(۵)۔ **تفرید:** سالک کا غیر اللہ کو درجہ یقین میں اپنی نظر سے دور کرنا تفرید کہلاتا ہے۔ یہ بھی یقین کی شاخوں میں سے ایک شاخ ہے۔

(۶)۔ **اخلاص:** اخلاص سالک کا اپنے عمل کو کھوٹ وملاوٹ سے خالی کرنے کا نام ہے۔ جب سالک اللہ پاک کی عبادت پر اخروی اجر وثواب کا یقین کرتا ہے تو اس کے اعمال ایک ایسے عظیم قلبی داعیہ سے پیدا ہوتے ہیں جس میں ریا وسمعہ[1] کا دخل نہیں ہوتا اور نہ وہ بطور عادت صادر ہوتے ہیں۔ یہی داعیہ یقین کی شاخ اخلاص ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے مصنف کی کتاب مقامات، باب: اخلاص)

(۷)۔ **توحید:** صرف اللہ تعالیٰ سے لو لگانے کا نام توحید ہے۔ اس کے تین مراتب ہیں:

(i)۔ پہلا مرتبہ توحید عبادت کا ہے۔ صرف اللہ پاک کی عبادت کرنا، شیطانی طاقتوں کی عبادت نہ کرنا۔ غیر اللہ کی عبادت کو ایسا ناپسند کرنا جیسا کہ آدمی آگ میں ڈالے جانے کو ناپسند کرتا ہے۔

(ii)۔ دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ طاقت وقوت کا سرچشمہ صرف اللہ پاک ہی کی ذات بابرکات ہے۔ عالم کائنات میں اللہ تعالیٰ کی قدرت ہی بلاواسطہ مؤثر ہے۔ اسباب محض عادت کے طور پر ہیں۔ سنت الٰہی یہ جاری ہے کہ مسببات کو اسباب پر مرتب کرتے ہیں۔ جب کسی چیز کو آگ مس کرتی ہے تب وہ جلتی ہے۔ مگر اسباب کو مسببات کے وجود میں کچھ دخل نہیں ہوتا، جلانے والی اللہ پاک کی ذات ہے۔ مسببات کو جو اسباب کی طرف منسوب کیا جاتا ہے تو وہ صرف مجازی نسبت ہے۔

(iii)۔ تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ سالک یقین رکھے کہ اللہ تعالیٰ مخلوقات کی مشابہت سے مبرا ہے۔ اس کے اوصاف بھی مخلوقات کے اوصاف سے کوئی مماثلت نہیں رکھتے۔ نصوص میں جو اطلاعات دی گئی ہیں ان کو علامتی سمجھا جائے۔ دل کی اتھاہ گہرائیوں سے اطمینان رکھے کہ اللہ پاک کی مانند کوئی چیز نہیں۔

(۸)۔ **صدیقیت ومحدثیت:** امت میں کچھ ایسے لوگ ہوتے ہیں جو اپنی اصل فطرت کے لحاظ سے انبیائے کرام علیہم السلام کے مشابہ ہوتے ہیں۔ جیسے ذہین شاگرد باکمال استاد کے مشابہ ہوتا ہے۔ اگر یہ مشابہت قوائے عقلیہ (علمیہ) کے اعتبار سے ہو تو وہ صدیق ومحدث ہوتا ہے اگر قوائے عملیہ

---

[1]۔ شہرت اور نیک نامی کے لیے اتنی زیادہ نیکی کرنا جس کی خبر دوسروں کو ضرور ہو جائے۔

کے اعتبار سے ہوتو وہ شہید اور حواری ہوتا ہے۔

۵۔ یقین کے بارے میں صوفیائے کرامؒ کے اقوال

یقین کے بارے میں صوفیائے کرامؒ سے سنہرے اقوال منقول ہیں، جن میں سے کچھ ذیل میں نقل کیے جاتے ہیں:

(۱)۔ حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ شک کا اٹھ جانا یقین کہلاتا ہے۔(کتاب التعرف، ص:۱۵۹)

(۲)۔ حضرت ابوحسین نوریؒ فرماتے ہیں کہ یقین اللہ پاک کی تمام صفات سمیت اس کی ذات بابرکات کے مکمل اثبات کو کہتے ہیں۔(کتاب اللمع، ص:۱۱۶)

(۳)۔ حضرت شیخ ابن عطاؒ فرماتے ہیں کہ جس بات سے ہمیشہ کے لیے اعتراض اٹھ جائے، وہاں یقین ہوتا ہے۔(کتاب التعرف، ص:۱۵۹)

(۴)۔ حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں کہ ہر وہ چیز جسے دیکھا جا سکے اسے علم کی طرف منسوب کیا جائے گا اور جسے دل معلوم کر لے وہ یقین کی طرف منسوب ہوگا۔(کتاب التعرف، ص:۱۵۹)

(۵)۔ حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں: یقین امیدوں کو کم کرنے کی دعوت دیتا ہے اور تین باتیں یقین کی علامت ہیں: (i)۔لوگوں سے میل جول کم رکھنا، (ii)۔عطیہ ملنے پر عطیہ دینے والے کی تعریف نہ کرنا، (iii)۔جب وہ نہ دیں تو ان کی مذمت نہ کرنا۔

اور تین باتیں یقین الیقین کی علامات میں سے ہیں: (i)۔ ہر کام میں اللہ پاک کی طرف نظر رکھنا، (ii)۔ ہر کام میں اسی کی طرف رجوع کرنا، (iii)۔ ہر حال میں اسی سے مدد مانگنا۔

(رسالہ قشیریہ، ص:۳۳۶)

(۶)۔ حضرت سہلؒ فرماتے ہیں کہ یقین پردے کے کھل جانے کا نام ہے۔(کتاب التعرف، ص:۱۵۹)

(۷)۔ حضرت سہلؒ فرماتے ہیں کہ یقین ایمان کی زیادتی اور اس کی تحقیق کا نام ہے۔

(رسالہ قشیریہ، ص:۳۳۵)

(۸)۔ خواجہ عبداللہ انصاریؒ فرماتے ہیں کہ یقین ہر قسم کے گمان کے بغیر ہوتا ہے اور اس کے تین درجے ہیں جو حسب ذیل ہیں:

(i)۔ علم الیقین: علم الیقین دلیل سے حاصل ہوتا ہے۔علم یقین مطالعہ ہے، سننے سے پیدا ہوتا ہے اور کسی چیز کی شناخت کا سبب ہوتا ہے۔

(ii)۔ عین الیقین: عین الیقین تجربہ سے حاصل کیا جاتا ہے۔عین یقین مکاشفہ ہے، الہام سے پیدا ہوتا ہے اور اسباب سے نجات پانے کا نام ہے۔

(iii)۔حق الیقین: حق الیقین حقیقت پر مبنی ہوتا ہے۔حق الیقین مشاہدہ ہے، دیکھنے سے پیدا ہوتا ہے اور ہر قسم کے انتظار و امتیاز سے آزاد ہوتا ہے۔(صد میدان، ص: ۵۲)

(۹)۔ حضرت ابو یعقوب نہر جوریؒ فرماتے ہیں: جب بندہ اللہ پاک کی جانب سے ہر فیصلے پر راضی ہو تو جان لیں کہ یقین کی کیفیت اس میں راسخ ہوگئی ہے۔(کتاب اللمع، ص:۱۱۶)

(۱۰)۔ حضرت ابوبکر واسطیؒ فرماتے ہیں کہ جب یقین قلب میں جاگزیں ہو جائے تو بندہ احوال سے بہرہ ور ہوتا ہے۔(کتاب اللمع، ص:۱۱۷)

(۱۱)۔ حضرت ابوبکر طاہرؒ فرماتے ہیں کہ علم میں شک وشبہ کی گنجائش ہوتی ہے اور یقین میں ذرہ برابر شک نہیں ہوتا۔(معدن المعانی، ص: ۳۴۴)

(۱۲)۔ شیخ ضیاالدین سہروردیؒ فرماتے ہیں: یقین وہ تصدیق ہے جو شک کو دور کرنے سے پیدا ہوتی ہے۔(آداب المریدین، ص:۳۸)

(۱۳)۔ حضرت ابوبکر شبلیؒ فرماتے ہیں کہ علم الیقین وہ ہے جو ہمیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ذریعے سے ملا اور عین الیقین وہ ہے جو ہمیں اللہ تعالیٰ نے نور ہدایت و معرفت عطا کیا ہے اور حق الیقین وہ ہے جہاں ہماری رسائی ممکن نہیں۔(تصوف اور تصورات صوفیہ، ص: ۳۲۳)

(۱۴)۔ حضرت ابو عثمان مغربیؒ فرماتے ہیں کہ علم الیقین، سالک کی کاموں میں رہنمائی کرتا ہے۔جب

سالک ہر کام میں خلوص برتتا ہے تو وہ علم الیقین سے عین الیقین ہو جاتا ہے۔

(طبقات صوفیہ، ص: ۳۳۳)

(۱۵)۔ حضرت ابوعبداللہ بن خفیفؒ فرماتے ہیں: یقین اس بات کا نام ہے کہ جن غیبی باتوں کی انبیائے کرام علیہم السلام نے خبر دی ہے، وہ سچ ہیں۔ (رسالہ قشیریہ، ص: ۳۳۵)

(۱۶)۔ حضرت عامر بن عبد قیسؒ فرماتے ہیں: یقین ایمانی قوت کے ساتھ کسی چیز کو دیکھنے کا نام ہے۔

(رسالہ قشیریہ، ص: ۳۳۷)

(۱۷)۔ حضرت ابوبکر وراقؒ فرماتے ہیں کہ دل کا دارومدار یقین پر ہے اور اسی یقین سے ایمان کامل ہوتا ہے۔ (رسالہ قشیریہ، ص: ۳۳۸)

(۱۸)۔ حضرت احمد بن عاصم انطاکیؒ فرماتے ہیں کہ یقین اللہ پاک کا وہ نور ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے دل میں ڈالتا ہے۔ اسی نور کی وجہ سے اسے آخرت کے معاملات دکھائی دیتے ہیں۔ اسی نور کی طاقت سے وہ پردے چاک ہو جاتے ہیں جو اس بندے اور آخرت کے درمیان ہوتے ہیں۔ وہ ان چیزوں کو ایسے جانتا ہے جیسے اس کی آنکھوں کے سامنے ہوں۔

(طبقات صوفیہ، ص: ۱۰۴)

(۱۹)۔ حضرت رویم بن احمدؒ فرماتے ہیں کہ مشاہدہ کرنا، یقین کہلاتا ہے۔ (طبقات صوفیہ، ص: ۱۳۱)

(۲۰)۔ حضرت ابوالحسین وراقؒ فرماتے ہیں کہ یقین صرف توحید کی وجہ سے آتا ہے۔ سالک کا عقیدہ توحید کے لحاظ سے جتنا صاف ہوتا جاتا ہے، اس کا یقین بھی اتنا ہی صاف ستھرا ہوتا جاتا ہے۔

(طبقات صوفیہ، ص: ۲۱۰)

۶۔ اہل یقین کے واقعات

ذیل میں سلف الصالحین کے یقین کے واقعات نقل کیے جاتے ہیں:

(۱)۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو جب نمرود نے منجنیق میں رکھ کر آگ میں پھینکا، آپ علیہ السلام ہوا میں

تھے کہ حضرت جبریل علیہ السلام آئے اور عرض کیا: اگر کوئی حاجت ہو تو فرمائیے تا کہ میں اس کو پورا کروں۔آپ علیہ السلام نے فرمایا: ہاں! ضرورت تو ہے مگر تم سے نہیں۔حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا: اچھا تو پھر اللہ رب العزت سے کہیے اور اسی سے مانگیں۔آپ علیہ السلام نے فرمایا: میری ضرورت کے لیے سوال کی حاجت نہیں۔وہ میرے حال سے واقف ہے۔اس کا علم کافی ہے۔

(مشکوٰۃ المصابیح، ج:۲، رقم الحدیث:۵۴۷)

(۲)۔ اسلام کے ابتدائی دور میں دو بڑی سلطنتیں تھیں: ایک ایرانی مجوسیوں کی اور دوسری رومی اہل کتاب عیسائیوں کی۔ یہ دونوں سلطنتیں آپس میں برسرِ پیکار رہتی تھیں۔کبھی ایرانی رومیوں پر غالب آ جاتے تو کبھی رومی ایرانیوں پر۔مسلمان ایرانی مجوسیوں کے غلبہ کو ناپسند اور رومی اہل کتاب کے غلبہ پر خوش ہوتے تھے۔جبکہ مشرکین مجوسیوں کے غلبہ کو پسند کرتے تھے۔انہی دنوں رومیوں اور ایرانیوں کے درمیان جنگ ہوئی تو ایرانی رومیوں پر غالب آ گئے۔ یہ خبر مسلمانوں پر بہت بھاری گزری۔اس پر کفار قریش بہت خوش ہوئے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے کہنے لگے کہ تم اہل کتاب ہو اور رومی عیسائی بھی اہل کتاب ہیں۔ ہمارے بھائی ایرانی غالب آ چکے ہیں۔تمہارے اہل کتاب بھائی شکست کھا گئے ہیں۔اگر تم ہم سے لڑو گے تو ہم بھی تم پر غالب آ جائیں گے۔اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے سورۃ روم کی آیات:

غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۝ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ.

(سورۃ الروم، آیت:۲-۳)

(رومی نزدیک کے ملک میں مغلوب ہو گئے ہیں اور وہ مغلوب ہونے کے بعد عنقریب غالب آ جائیں گے)

نازل فرمائیں۔ یہ آیات سن کر یقین کا کامل نمونہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ باہر نکلے اور مشرکین سے فرمایا: تم اپنے بھائیوں کی فتح پر زیادہ خوش نہ ہو، اللہ کی قسم! روم والے فارس والوں پر ضرور غالب ہوں گے۔اس بات کی خبر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دی ہے۔مشرکین میں سے ابی بن خلف کھڑا ہوا اور کہنے لگا: تم جھوٹ کہتے ہو (نعوذ باللہ من ذٰلک)۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کے دشمن تو زیادہ جھوٹ بولنے والا ہے۔ابی بن خلف نے کہا کہ اگر ایسا ہے تو میں

اس بات پر شرط لگاتا ہوں کہ اگر اگلے تین سالوں میں روم والے ایرانیوں پر غالب آ گئے تو میں تمہیں دس اونٹنیاں دوں گا۔ اگر ایرانی غالب آ گئے تو تم دس اونٹنیاں مجھے دو گے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسے تسلیم کر لیا۔ واپس آ کر حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سارا واقعہ عرض کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: شرط کی مقدار میں اضافہ کر دو اور مدت کو بھی بڑھا دو۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، ابی بن خلف کے طرف گئے تو وہ سمجھا شاید شرط لگانے پر نادم ہو کر آئے ہیں۔ اس پر آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آؤ ہم مقدار میں اضافہ کر لیں اور مدت کو بھی بڑھا لیں۔ لہٰذا مدت کو بڑھا کر نو سال اور اونٹنیوں کی تعداد بڑھا کر سو (۱۰۰) کر لی گئی۔ ابھی مقرر کردہ مدت کے سال نہ گزرے تھے کہ رومی ایرانیوں پر غالب آ گئے۔ انہوں نے مدائن کو ایرانیوں سے فتح کر کے سلطنت روم کا شہر بنا لیا۔ (الدر المنثور، ذیل سورۃ الروم، آیت: ۲-۳)

(۳)۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حق الیقین کا بہترین نمونہ تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ بڑے مالدار تھے لیکن اللہ پاک کی راہ میں اپنا مال بے دریغ خرچ کیا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو خرید کر آزاد کیا حالانکہ اس کے مالک نے بہت زیادہ قیمت طلب کی تھی۔ اسی طرح بہت سے غلام آزاد کرائے۔ آپ رضی اللہ عنہ کی حالت یہاں تک پہنچ گی کہ ایک روز حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ایک موٹا کرتا پہنا ہوا تھا جو کئی جگہ سے پھٹا ہوا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے پھٹے ہوئے کرتے کو کانٹوں سے جوڑ رکھا تھا۔ اس وقت حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سلام بھیجا ہے اور ارشاد فرمایا ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے دریافت کرو کہ پہلے وہ حالت تھی، اب یہ حالت ہے، تمہیں ہم سے کوئی شکایت تو نہیں؟

جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو یہ پیغام سنایا تو آپ رضی اللہ عنہ سنتے ہی خوشی سے بے حال ہو گئے۔ جب ہوش میں آئے تو پھر دریافت کیا گیا تو آپ رضی اللہ عنہ پھر بے حال ہو گئے۔ دوسری دفعہ ہوش میں آئے تو عرض کیا: یہ اللہ پاک کی مہربانی ہے کہ میرا حال دریافت فرمایا۔ ایک بندہ کو اپنے آقا سے کیا شکایت ہو سکتی ہے۔ یہ کہہ کر آپ رضی اللہ عنہ پھر بے ہوش ہو گئے۔

(تربیۃ العشاق، ص: ۳۰۶-۳۰۸)

(۴)۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے حارث رضی اللہ عنہ تم نے کس حال میں صبح کی؟ آپ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میں نے سچا مومن ہونے کی حالت میں صبح کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یقیناً ہر بات کی ایک حقیقت ہوتی ہے، تمہارے ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ آپ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میں نے اس حال میں صبح کی کہ میرے نفس نے دنیا سے کنارہ کشی اختیار کی۔ میں نے راتوں میں خود کو جگایا۔ اور دن میں خود کو پیاسا رکھا۔ گویا میں اپنے رب کے عرش کی طرف دیکھ رہا ہوں کہ وہ حساب لینے کے لیے ظاہر ہو گیا۔ گویا میں اہل جنت کی طرف دیکھ رہا ہوں کہ وہ جنت میں ایک دوسرے سے بات چیت کر رہے ہیں۔ گویا میں اہل جہنم کی چیخ و پکار کی آواز سن رہا ہوں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، ج:۹، رقم الحدیث:۱۲۰) یہاں پر حضرت حارث رضی اللہ عنہ کا نظارہ غیب سے جا ملا جس کی وجہ سے وہ تمام حجابات اٹھ گئے جو ان کے اور غیب کے مابین تھے۔

(۵)۔ حضرت طلقؒ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر خبر دی کہ آپ رضی اللہ عنہ کا گھر جل گیا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نہیں جلا۔ پھر دوسرا شخص آیا اور عرض کیا: اے ابوالدرداء رضی اللہ عنہ! آگ بھڑک اٹھی تھی لیکن جب وہ آپ رضی اللہ عنہ کے گھر تک پہنچی تو خود بخود بجھ گئی۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے علم تھا، اللہ پاک ایسا نہیں کرے گا۔ لوگوں نے عرض کیا: ہمیں نہیں معلوم کہ آپ رضی اللہ عنہ کی کونسی بات زیادہ تعجب انگیز ہے: یہ بات کہ گھر نہیں جلا یا یہ بات کہ اللہ پاک ایسا نہیں کرے گا؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ یقین ان کلمات کی وجہ سے تھا جو میں نے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنے تھے کہ جو شخص صبح کو یہ کلمات کہہ لے تو شام تک کوئی مصیبت اس کو نہیں پہنچ سکتی اور جو شخص شام کو یہ کلمات کہہ لے تو صبح تک کوئی مصیبت اس کو لاحق نہ ہو گی۔ وہ کلمات یہ ہیں:

اللهم انت ربی لا إله الا أنت عليك توكلت، وأنت رب العرش الكريم، ما شاء الله كان، وما لم يشأ لم يكن، لا حول ولا قوة الا بالله العلى العظيم، أعلم أن الله على كل شئى قدير، وان الله قد أحاط بكل شئى علما، اللهم إنى أعوذ بك من شر نفسى، ومن شر دابة انت آخذ بناصيتها، ان ربى على صراط مستقيم.

(اے میرے پروردگار! تو میرا رب ہے۔ تیرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ میں نے تجھی پر

بھروسہ کیا۔ تو عرش کریم کا پروردگار ہے۔ جو اللہ چاہتا ہے وہ ہو جاتا ہے اور جو نہیں چاہتا وہ کبھی نہیں ہوسکتا۔ گناہ سے بچنے اور نیکی کو کرنے کی طاقت صرف اللہ تعالیٰ کے بخشنے سے ممکن ہے جو عالی اور عظیم ذات ہے۔ میں جانتا ہوں کہ اللہ پاک ہر چیز پر قادر ہے۔ اللہ پاک نے ہر چیز کو اپنے علم کے احاطے میں کر رکھا ہے۔ اے میرے پروردگار! میں تیری پناہ مانگتا ہوں، اپنے نفس کے شر سے اور اپنی سواری کے شر سے، اس کی پیشانی تیرے قبضہ میں ہے۔ بیشک میرا پروردگار سیدھے راستے پر ہے۔ (کنز العمال، ج:۱، رقم الحدیث: ۴۹۵۲)

(۶)۔ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں شام جانے کے لیے اجازت طلب کی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں تمہیں شام جانے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ اگر تم عامل کا عہدہ قبول کرلو تو اجازت مل جائے گی۔ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میں عامل نہیں بننا چاہتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، پھر میں تمہیں شام جانے کی اجازت بھی نہیں دے سکتا۔ تاہم بعد میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے انہیں شام جانے کی اجازت عطا فرما دی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے خود شام کا قصد فرمایا تاکہ وہاں لوگوں کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت تعلیم کریں اور ان کے ساتھ نماز پڑھیں۔ آپ رضی اللہ عنہ شام کی طرف روانہ ہو گئے۔ جب شام میں مسلمانوں کی چھاؤنی کے قریب پہنچے تو باہر ہی قیام کیا۔ حتیٰ کہ شام ہوگئی اور رات چھا گئی۔ پھر اپنے خادم سے فرمایا: اے یرفاء! ہمیں ہمارے بھائی کے پاس لے چلو۔ ہم اسے ضرور دیکھیں گے۔ اس کے پاس رات کی قصہ گوئی ہوگی اور نہ چراغ جل رہا ہوگا۔ اس کے دروازہ پر تالہ بھی نہیں ہوگا۔ اس کا بچھونا کنکریاں ہوں گی۔ اس نے عام سی گدڑی کا تکیہ بنا رکھا ہوگا۔ اپنے اوپر باریک سی چادر اوڑھی ہوگی۔ وہ سردی سے ٹھٹھر رہا ہوگا۔ تو اسے سلام کرے گا، وہ تجھے سلام کا جواب دے گا۔ اس سے اجازت طلب کرے گا، وہ تجھے تیرا نام جانے بغیر اجازت دے گا۔ ہم ان کی طرف چل پڑے۔ حتیٰ کہ جب دروازے پر پہنچے تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سلام کہا۔ جواب ملا وعلیکم والسلام۔ کہا: میں اندر آجاؤں؟ جواب ملا: آجاؤ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ دروازہ کھول کر اندر چلے گئے۔ دروازے پر کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔ گھر میں اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اندھیرے میں حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کو تلاش کرنے لگے۔ آخر کار آپ رضی اللہ عنہ کا ہاتھ ان پر جالگا۔ تکیہ ٹٹول کر دیکھا وہ عام سی گدڑی کا بنا ہوا تھا۔ بچھونا دیکھا تو وہ کنکریوں کا تھا۔ اوڑھنی

دیکھی تو وہ عام باریک سی چادر تھی۔ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کون ہو؟ جواب دیا گیا: امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم فرمائے، کیا میں تمہیں وسعت نہ دے دوں؟ کیا میں تمہیں آسودگی میں نہ کر دوں؟ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا آپ رضی اللہ عنہ کو حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک یاد ہے؟ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: کون سا؟ فرمایا: تمہیں دنیا میں اتنا گزارا ہی کافی ہے جتنا کہ مسافر کا زادراہ۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں یاد ہے۔ (دیکھیے کنز العمال، ج:۷، رقم الحدیث: ۱۳۵۳)

(۷)۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرے چچا حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ غزوہ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے۔ انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! سب سے پہلا غزوہ جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مشرکین سے لڑا، میں اس میں شریک نہ تھا۔ اگر اللہ تعالیٰ اب مجھے مشرکوں سے جنگ دکھا دے، تو بیشک اللہ، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دکھلا دے گا کہ میں کیا کروں گا۔ جب غزوہ احد کا دن آیا اور مسلمان منتشر ہو گئے تو انہوں نے کہا: اے اللہ! میں تجھ سے اس حرکت کی عذر خواہی کرتا ہوں جو ان مسلمانوں نے کی ہے۔ میں تیرے سامنے بیزاری ظاہر کرتا ہوں، اس حرکت سے جو ان لوگوں نے کی ہے۔ جب وہ آگے بڑھے تو حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے ملے۔ انہوں نے کہا: اے سعد رضی اللہ عنہ! قسم ہے نضر کے پروردگار کی! جنت قریب ہے۔ مجھے احد کی طرف سے جنت کی خوشبو آ رہی ہے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اگرچہ میں بھی عربی بہادر اور جانباز ہوں لیکن حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ نے جو کیا، وہ میں نہیں کر سکتا۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے اپنے چچا کو میدان جنگ میں اس طرح شہید پایا کہ ان کے جسم پر تلوار، نیزوں اور تیروں کے اسی (۸۰) سے زیادہ زخم تھے۔ مشرکین نے مثلہ بھی کر دیا تھا۔ اس سبب سے ان کی بہن کے سوائے کسی نے ان کو نہیں پہچانا۔ بہن نے انہیں انگلیوں سے پہچان لیا۔ (صحیح بخاری، ج:۲، رقم الحدیث:۷۹)

(۸)۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان کی بہن حضرت ربیع رضی اللہ عنہا نے ایک عورت کے آگے والے دانت توڑ دیے۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قصاص کا حکم دیا۔ حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! قسم ہے اس کی جس نے حق کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو

مبعوث فرمایا ہے، میری بہن کے دانت تو توڑے نہیں جاسکتے۔ اس کے بعد مدعی لوگ دیت پر راضی ہو گئے اور قصاص انہوں نے معاف کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کے بندوں میں بعض ایسے ہیں کہ اگر وہ اللہ پاک کے بھروسہ پر قسم کھالیں تو وہ اس کو پورا کرتا ہے۔ (صحیح بخاری، ج: ۲، رقم الحدیث: ۷۹)

(۹)۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ جلیل القدر اور ذی شان و باعظمت صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے ہیں جو غزوہ احد میں شہید ہوئے۔ آپ رضی اللہ عنہ اسلام قبول کرنے سے پہلے بڑے مالدار تھے۔ جب ایمان واسلام کی مقدس شعاعوں نے قلب و دماغ کو منور کیا اور غلامان رسالت میں شامل ہوئے تو مال ودولت سے منہ موڑ کر زہد وفقر کی زندگی اختیار کی۔ ایک مرتبہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت اقدس میں اس حال میں حاضر ہوئے کہ کمر میں تسمہ بندھا ہوا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے انہیں دیکھ کر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ارشاد فرمایا: اس شخص کو دیکھو! اللہ تعالیٰ نے ایمان کی روشنی سے اس کا دل منور کر دیا ہے۔ میں نے اسے مکہ مکرمہ میں اس حال میں دیکھا کہ اس کے ماں باپ اسے اچھا سے اچھا کھانا کھلاتے تھے۔ میں دیکھتا تھا کہ اس کے جسم پر دوسو درہم کا لباس ہوتا تھا۔ مگر اب اس شخص نے اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت میں خود کو اس حال تک پہنچا دیا ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح، ج: ۲، رقم الحدیث: ۱۲۱) یہ ان کا یقین تھا جس نے محرکات قلب کو دنیا سے آخرت کی موڑ دیا تھا۔

(۱۰)۔ حضرت ابورفع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سلطنت روم کی طرف ایک لشکر روانہ کیا۔ اس لشکر میں حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ بھی شریک تھے۔ اتفاقاً رومی اسے قید کرکے اپنے ملک میں لے گئے۔ وہاں جاکر انہوں نے اپنے بادشاہ سے کہا: یہ شخص محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے قریبی ساتھیوں میں سے ہے۔ روم کے سرکش گمراہوں نے حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ سے کہا: اگر تم نصرانی ہوجاؤ تو ہم تمہیں اپنی حکومت اور سلطنت میں شامل کرلیں گے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: اگر تم مجھے اپنی حکومت کا سب کچھ دے دو اور ہر وہ چیز دے دو جس کے عرب مالک ہیں تو پھر بھی میں پل بھر کے لیے محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دین سے روگردانی نہیں کروں گا۔ رومیوں نے آپ رضی اللہ عنہ کو دھمکی دی ہم تمہیں قتل کر دیں گے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم اس سے اپنا جی بھرلو۔ بادشاہ کے حکم سے انہیں سولی پہ لٹکا دیا گیا اور تیر اندازوں کو حکم دیا کہ

اسے قریب سے ہاتھوں اور ٹانگوں کے درمیان تیر مارو۔ وہ برابر نصرانیت کی پیشکش کرتا رہا لیکن آپ رضی اللہ عنہ برابر انکار کرتے رہے۔ آپ رضی اللہ عنہ کو تختہ دار سے گلے میں رسی ڈالنے سے قبل اتار دیا گیا۔ پھر بادشاہ نے ایک بڑی دیگ منگوائی۔ اس میں پانی بھروایا۔ اس کے نیچے آگ جلوائی۔ جب پانی خوب کھولنے لگا تو بادشاہ نے دو مسلمان قیدی بلائے اور پھر ان میں سے ایک کو کھولتے ہوئے پانی میں ڈال دیا۔ آپ رضی اللہ عنہ کو ایک بار پھر نصرانیت کی پیشکش کی گئی مگر آپ رضی اللہ عنہ نے انکار کر دیا۔ پھر بادشاہ نے آپ رضی اللہ عنہ کو دیگ میں ڈالنے کا حکم دیا۔ جب آپ رضی اللہ عنہ کو لے جایا جانے لگا تو رو پڑے۔ بادشاہ کو آپ رضی اللہ عنہ کے رونے کی خبر دی گئی۔ وہ سمجھا شاید دیگ کو دیکھ کر گھبرا گیا ہو۔ بادشاہ نے واپس لانے کا حکم دیا۔ ایک بار پھر نصرانیت کی پیشکش کی گئی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے پھر انکار کر دیا۔ بادشاہ نے پوچھا: پھر تم روئے کیوں ہو؟ فرمایا: مجھے اس چیز نے رلایا ہے کہ میری ایک ہی جان ہے جو دیگ میں پڑتے ہی ختم ہو جائے گی۔ میں چاہتا ہوں کہ میرے جسم پر جتنے بال ہیں، ان کے بقدر مجھے ہر بار نئی جان ملتی رہے جو اللہ پاک کی راہ میں قربان ہوتی رہے۔

بادشاہ نے کہا: کیا تم میرے سر کا بوسہ لے سکتے ہو، میں تمہارا راستہ چھوڑ دوں گا (یعنی تمہیں رہا کر دوں گا)۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرا یہ بوسہ سب مسلمان قیدیوں کی طرف سے ہوگا (لہٰذا تمہاری قید میں جو مسلمان ہیں وہ سب تمہیں رہا کرنے ہوں گے)۔ بادشاہ نے آپ رضی اللہ عنہ کے اس مطالبہ کو منظور کر لیا۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دل میں سوچا یہ کافر اللہ کا دشمن ہے اگر اس کے سر کا بوسہ لے کر میں اپنی اور مسلمان قیدیوں کی جان بخشی کرا لوں تو اس میں کیا حرج ہے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے بادشاہ کے سر کا بوسہ لے لیا اور اس کے بدلہ میں مسلمان قیدی آپ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیے گئے۔ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اس واقعہ کی خبر دی گئی تو انہوں نے فرمایا: ہر مسلمان کا حق بنتا ہے کہ وہ عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کے سر کا بوسہ لے۔ میں خود سے اس کی ابتداء کرتا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کے سر کا بوسہ لیا۔ (کنز العمال، ج:۷، رقم الحدیث:۱۱۹۸)

(۱۱)۔ حضرت امام اصمعیؒ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں قرآن پاک کی تلاوت کر رہا تھا اور ایک دیہاتی بڑے غور و فکر سے تلاوت قرآن پاک سن رہا تھا۔ جب میں قرآن مجید اس آیت پر پہنچا:

وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ. (سورۃ الذاریات، آیت:۲۲)
(تمہارا رزق آسمان میں ہے اور وہ چیز بھی جس کا تم سے وعدہ کیا جارہا ہے)
اس دیہاتی نے ایک دم کہا کہ بس کیجیے اور پھر وہ اپنی اونٹنی کی طرف متوجہ ہوا۔ اس نے اس اونٹنی کو ذبح کیا اور اس کا گوشت موجود لوگوں کے میں تقسیم کر دیا۔ اس کے بعد اس نے اپنی تلوار اور کمان اٹھائی اور ان کو بھی توڑ کر پھینک دیا۔ پھر بغیر کچھ کہے سنے وہاں سے اٹھ کر چلا گیا۔ کافی عرصہ کے بعد میں ایک دن بیت اللہ شریف کا طواف کر رہا تھا کہ اچانک اس دیہاتی سے ملاقات ہوگئی جو خود بھی طواف کر رہا تھا۔ میں اس کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اس کا بدن کمزور ہو گیا تھا اور رنگ زرد ہو گیا تھا۔ اس نے مجھ کو دیکھ کر سلام کیا اور کہنے لگا کہ وہی سورت پھر پڑھیے جو آپ نے اس دن پڑھی تھی۔ چنانچہ میں نے وہ سورت پڑھنی شروع کی۔ جب میں پھر اسی آیت پر پہنچا تو اس نے ایک چیخ ماری اور قرآن پاک کی درج ذیل آیت پڑھی:

قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا. (سورۃ الاعراف، آیت:۴۴)
(ہمارے پروردگار نے ہم سے جو وعدہ کیا تھا ہم نے اس کو سچا پالیا)
اس کے بعد اس دیہاتی نے درخواست کی کہ اس کے آگے کی آیات کی بھی تلاوت فرمائیں۔ جب میں نے

فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ.
(سورۃ الذاریات، آیت:۲۳)
(پس قسم ہے آسمان اور زمین کے رب کی یہ بات ایسی ہی یقینی ہے جیسے تم بولتے ہوئے کرتے ہو)
پڑھی تو اس نے پھر ایک چیخ ماری اور کہنے لگا: یا اللہ عزوجل تیری ذات پاک ہے، وہ کون بدبخت ہے جس نے تجھے اتنا غصہ دلایا کہ تجھے قسم کھانی پڑی؟ اس شخص کی بدبختی کا کیا ٹھکانا ہے کہ پروردگار عالم نے جو کچھ فرمایا اور جو وعدہ کیا اس پر اس نے یقین نہیں کیا، یہاں تک کہ پروردگار کو قسم کھا کر اس بات کا یقین دلانا پڑا؟ اس دیہاتی نے تین مرتبہ یہی جملے ادا کیے اور اس کے ساتھ ہی اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

(مفہوم حدیث، مشکوٰۃ المصابیح، ج:۴، رقم الحدیث:۱۲۰۶)

حوالہ جات

۱۔ آداب المریدین، شیخ ضیاء الدین ابوالنجیب عبدالقاہر سہروردیؒ ترجمہ محمد عبدالباسط۔ لاہور: تصوف فاؤنڈیشن، ۱۹۹۸ء۔

۲۔ تربیۃ العشاق، شاہ سید محمد ذوقیؒ۔ کراچی: محفل ذوقیہ، ۱۹۷۴ء۔

۳۔ تصوف اور تصورات صوفیہ، پروفیسر ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی۔ لاہور: سیٹھی بکس، ۲۰۰۸ء۔

۴۔ تفسیر مظہری، قاضی محمد ثناء اللہ عثمانی مجددی پانی پتیؒ۔ کراچی: دارالاشاعت، ۱۹۹۹ء۔

۵۔ جامع ترمذی، امام محمد بن عیسیٰ ترمذیؒ ترجمہ مولانا افضل احمد۔ کراچی: دارالاشاعت، ۲۰۰۶ء۔

۶۔ الدرالمنثور فی التفسیر بالماثور، امام جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر سیوطیؒ ترجمہ پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ۔ لاہور: ضیاء القرآن، ۲۰۰۶ء۔

۷۔ رسالہ القشیریہ فی علم التصوف، امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیریؒ ترجمہ شاہ محمد چشتی۔ لاہور: ادارہ پیغام القرآن، ۲۰۰۷ء۔

۸۔ سنن ابی داؤد، امام ابی داؤد سلیمان بن الاشعث سجستانیؒ ترجمہ ڈاکٹر عبدالرحمٰن بن عبدالجبار الفریوائی۔ نئی دہلی: مجلس علمی دارالدعوۃ، ۲۰۰۱ء۔

۹۔ صحیح بخاری، امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاریؒ ترجمہ حضرت مولانا محمد داؤد دراز۔ دہلی: مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند، ۲۰۰۴ء۔

۱۰۔ صد میدان، خواجہ عبداللہ انصاریؒ ترجمہ حافظ محمد افضل فقیر۔ لاہور: تصوف فاؤنڈیشن، ۱۹۹۸ء۔

۱۱۔ طبقات صوفیہ، ابی عبدالرحمٰن محمد بن حسین سلمیؒ ترجمہ شاہ محمد چشتی۔ لاہور: ادارہ پیغام القرآن، ۲۰۱۱ء۔

۱۲۔ کتاب التعرف لمذہب اہل التصوف، امام ابوبکر بن ابواسحاق محمد بن ابراہیم بن یعقوب البخاری کلاباذیؒ ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن۔ لاہور: تصوف فاؤنڈیشن، ۱۹۹۸ء۔

۱۳۔ کتاب اللمع فی التصوف، شیخ ابونصر سراجؒ ترجمہ سید اسرار بخاری۔ لاہور: تصوف فاؤنڈیشن، ۲۰۰۰ء۔

۱۴۔ کنزالعمال، علامہ علاء الدین علی متقی بن حسام الدینؒ ترجمہ مولانا مفتی احسان اللہ شائق۔ کراچی: دارالاشاعت، ۲۰۰۹ء۔

۱۵۔ مشکوٰۃ المصابیح، شیخ ولی الدین خطیب التبریزیؒ ترجمہ مولانا محمد صادق خلیلؒ۔ لاہور: مکتبہ محمدیہ، ۲۰۰۵ء۔

۱۶۔ مصنف ابن ابی شیبہ، امام ابی بکر عبداللہ بن محمد ابن ابی شیبہ العبسی الکوفیؒ ترجمہ مولانا محمد اویس سرور۔ لاہور: مکتبہ رحمانیہ، ۲۰۰۱ء۔

۱۷۔ معدن المعانی، شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیریؒ ترجمہ شاہ قسیم الدین احمد شرفی البلخی۔ پٹنہ: مکتبہ شرف، ۲۰۱۱ء۔

۱۸۔ http//:www.hadithurdu.com/

۱۹۔ https//:easyquranwahadees.com/

کتابیات

۱۔ ابیات باہو، سخی سلطان باہوؒ۔ لاہور: فقیر عبدالحمید، ۱۹۹۹ء۔

۲۔ احیاء العلوم الدین، امام ابو الحامد محمد غزالیؒ ترجمہ مولانا ندیم الواجدی۔ کراچی: دارالاشاعت، ۱۹۹۹ء۔

۳۔ آداب السلوک، شیخ عبدالقادر جیلانیؒ ترجمہ ظفر اقبال کلیار۔ لاہور: زاویہ فاؤنڈیشن، ۲۰۰۰ء۔

۴۔ آداب المریدین، شیخ ضیاء الدین ابوالنجیب عبدالقاہر سہروردیؒ ترجمہ محمد عبدالباسط۔ لاہور: تصوف فاؤنڈیشن، ۱۹۹۸ء۔

۵۔ آداب المفرد، امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاریؒ۔ لندن: اسلامک اکیڈمی، ۲۰۰۶ء۔

۶۔ ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء، شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ترجمہ مولانا محمد عبدالشکور۔ کراچی: قدیمی کتب خانہ، ۱۹۹۹ء۔

۷۔ الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، لابی عمر یوسف بن عبداللہ بن محمد عبدالبر۔ بیروت: دارالجبل، ۱۹۷۱ء۔

۸۔ اسرار التنزیل، مولانا محمد اکرم اعوانؒ۔ چکوال: ادارہ نقشبندیہ اویسیہ، ۲۰۰۷ء۔

۹۔ اسلام و روحانیت اور فکر اقبال، حضرت عبداللطیف خان نقشبندیؒ۔ لاہور: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، ۲۰۰۸ء۔

۱۰۔ اشرف التفاسیر، مولانا اشرف علی تھانویؒ۔ ملتان: ادارہ تالیفات اشرفیہ، ۲۰۰۴ء۔

۱۱۔ اقوال اولیا، مولانا محمد شریف نقشبندیؒ۔ لاہور: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، ۱۹۹۹ء۔

۱۲۔ امدادالسلوک: ارشادالملوک، شیخ قطب الدین دمشقیؒ۔ دیوبند: دارالکتاب، ۲۰۰۵ء۔

۱۳۔ انفاس العارفین، شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ترجمہ محمد فاروق قادری۔ لاہور:، فرید بک سٹال، ۲۰۰۷ء۔

۱۴۔ انوارالبیان فی حل لغات القرآن، علی محمدؒ۔ لاہور: مکتبہ سید احمد شہید، ۲۰۰۵ء۔

۱۵۔ ایضاح الحق الصریح، شاہ اسمٰعیل شہیدؒ۔ کراچی: زمزم پبلشرز، ۲۰۰۵ء۔

۱۶۔ بال جبریل، ڈاکٹر محمد اقبالؒ۔ لاہور: اقبال آفاقی اردو کتب خانہ نیٹ ورک، ۲۰۰۳ء۔

۱۷۔ بانگ درا، ڈاکٹر محمد اقبالؒ۔ لاہور: کریمی پریس، ۱۹۲۴ء۔

۱۸۔ بحارالانوار، ملا محمد باقر مجلسی ترجمہ سید طیب آغا موسوی۔ کراچی: محفوظ ایجنسی، ۱۹۸۰ء۔

۱۹۔ البدایہ والنہایہ: تاریخ ابن کثیر، حافظ عمادالدین ابوالفداء ابن کثیرؒ ترجمہ پروفیسر کوکب شادانی، کراچی: نفیس اکیڈیمی، ۱۹۸۷ء۔

۲۰۔ بنیان المشید: البرھان المؤید، سید شیخ احمد کبیر رفاعیؒ ترجمہ مولانا ظفر احمد۔ کراچی: مکتبہ تھانوی۔

۲۱۔ پیام مشرق، ڈاکٹر محمد اقبالؒ۔ لاہور: اقبال آفاقی اردو کتب خانہ نیٹ ورک، ۲۰۰۳ء۔

۲۲۔ تاریخ ابن خلدون، علامہ عبدالرحمٰن ابن خلدونؒ ترجمہ حکیم احمد حسین الہ آبادی۔ کراچی: نفیس اکیڈیمی، ۲۰۰۳ء۔

۲۳۔ تبیان القرآن، علامہ غلام رسول سعیدیؒ۔ لاہور: فرید بک سٹال، ۲۰۰۹ء۔

۲۴۔ التبیان فی مسائل السلوک والاحسان: دلائل السلوک، مولانا اللہ یار خانؒ۔ میانوالی: ادارہ تالیفات اویسیہ، ۱۹۹۲ء۔

۲۵۔ تجلیات جذب، مولانا حکیم شاہ محمد اخترؒ۔ کراچی: خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، ۲۰۱۵ء۔

۲۶۔ تحقیق ماللہند من مقولۃ فی العقل اومرذولۃ: کتاب الہند، ابوریحان محمد بن احمد بیرونی۔ لاہور: بک ٹاک، ۲۰۱۱ء۔

۲۷۔ تدبیر وتقدیر، شیخ ابن عطاء اسکندریؒ ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی۔ ملتان: ادارہ تالیفات اشرفیہ، ۲۰۰۶ء۔

۲۸۔ تذکرۃ الاولیا، شیخ فریدالدین عطارؒ۔ لاہور: الفاروق بک فاؤنڈیشن، ۱۹۹۷ء۔

۲۹۔ تربیۃ العشاق، شاہ سید محمد ذوقیؒ۔ کراچی: محفل ذوقیہ، ۱۹۷۴ء۔

۳۰۔ تزکیہ واحسان، شیخ ابوالحسن علی ندویؒ۔ کراچی: مجلس نشریات، ۲۰۰۴ء۔

۳۱۔ تصوف اور تصورات صوفیہ، پروفیسر ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی۔ لاہور: سنگ میل بکس، ۲۰۰۸ء۔

۳۲۔ تصوف کا انسائیکلو پیڈیا، علامہ محمد اجمل خانؒ۔ ہری پور ہزارہ: خانقاہ نقشبندیہ، ۲۰۱۷ء۔

۳۳۔ تصوف کیا ہے؟ مجموعہ مقامات، مولانا محمد اویس ندویؒ۔ لاہور: ادارہ اسلامیات، ۱۹۸۱ء۔

۳۴۔ تفسیر ابن کثیر، حافظ عماد الدین ابوالفداء ابن کثیرؒ ترجمہ مولانا محمد جونا گڑھی۔ لاہور: مکتبہ قدوسیہ، ۲۰۰۶ء۔

۳۵۔ تفسیر اشرفی، علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانیؒ۔ لاہور: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، ۲۰۱۲ء۔

۳۶۔ التفسیر البسیط، امام ابی الحسن علی بن احمد بن محمد واحدیؒ۔ ریاض: مکتبۃ الملک فہد، ۲۰۰۹ء۔

۳۷۔ تفسیر الحسنات، علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادریؒ۔ لاہور: ضیاء القرآن، ۲۰۱۲ء۔

۳۸۔ تفسیر القرآن الکریم، حافظ عبدالسلام بن محمد بھٹویؒ۔ لاہور: دارالاندلس، ۲۰۱۴ء۔

۳۹۔ تفسیر خزائن العرفان، محمد نعیم الدین مرادآبادیؒ۔ کراچی: مکتبۃ المدینہ، ۲۰۱۸ء۔

۴۰۔ تفسیر ذکر للعالمین، شیخ جلال الدین قاسمیؒ۔ حیدر آباد الہند: مجمع بلقیس للبحوث الاسلامیہ، ۲۰۱۸ء۔

۴۱۔ تفسیر روح القرآن، مولانا ڈاکٹر محمد اسلم صدیقی۔ لاہور: نشریات، ۲۰۰۸ء۔

۴۲۔ تفسیر عثمانی، مولانا شبیر احمد عثمانیؒ۔ لاہور: ادارہ تالیفات اشرفیہ، ۲۰۰۶ء۔

۴۳۔ تفسیر قرطبی، امام ابوعبداللہ محمد بن احمد بن ابوبکر قرطبیؒ ترجمہ پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ۔ لاہور: ضیاء القرآن، ۲۰۱۲ء۔

۴۴۔ تفسیر کبیر: فضل القدیر، امام فخر الدین محمد بن عمر رازیؒ ترجمہ مفتی محمد خان قادری۔ لاہور: مرکز تحقیقات اسلامیہ، ۲۰۱۰ء۔

۴۵۔ تفسیر مظہری، قاضی محمد ثناء اللہ عثمانی مجددی پانی پتیؒ۔ کراچی: دارالاشاعت، ۱۹۹۹ء۔

۴۶۔ تفسیر نور الثقلین، شیخ عبدعلی حویزی ترجمہ علامہ محمد حسن جعفری۔ لاہور: ادارہ منہاج الصالحین، ۲۰۰۶ء۔

۴۷۔ تفسیر نور العرفان، مولانا احمد یار خان نعیمی بدایونیؒ۔ لاہور: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، ۲۰۱۴ء۔

۴۸۔ تفہیم القرآن، سید ابواعلیٰ مودودیؒ۔ لاہور: الاصلاح کمیونیکیشن نیٹ ورک، ۱۹۹۹ء۔

۴۹۔ تقدیر پر راضی رہنا چاہیے، مولانا محمد تقی عثمانیؒ۔ کراچی: میمن اسلامک پبلشرز، ۲۰۰۶ء۔

۵۰۔ تکبر، دعوت اسلامی۔ کراچی: مکتبۃ المدینہ، ۲۰۰۹ء۔

۵۱۔ التکشف عن مہمات التصوف، مولانا اشرف علی تھانویؒ۔ ملتان: ادارہ تالیفات اشرفیہ، ۲۰۰۴ء۔

۵۲۔ تلبیس ابلیس، امام عبدالرحمٰن ابن جوزیؒ۔ لاہور: مکتبہ الاسلامیہ، ۲۰۰۹ء۔

۵۳۔ تیسیر الکریم الرحمٰن فی تفسیر کلام المنان: تفسیر سعدی، شیخ عبدالرحمٰن بن ناصر سعدیؒ ترجمہ پروفیسر طیب شاہین لودھی۔ لاہور: دارالسلام، ۲۰۰۳ء۔

۵۴۔ جامع ترمذی، امام محمد بن عیسیٰ ترمذیؒ ترجمہ مولانا فضل احمد۔ کراچی: دارالاشاعت، ۲۰۰۶ء۔

۵۵۔ جلاء العینین، شیخ ابن تیمیہؒ۔ بیروت: دارالکتاب العربی، ۱۹۸۸ء۔

۵۶۔ جمال قرب الٰہی، سید غلام دستگیر زیدی نقشبندیؒ۔لاہور: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، ۲۰۰۳ء۔

۵۷۔ جنیدؒ و بایزیدؒ، حضرت عبداللطیف خان نقشبندیؒ۔لاہور: نشان منزل پبلی کیشنز، ۲۰۱۳ء۔

۵۸۔ جواہر عزیزی: تفسیر عزیزی، شاہ عبدالعزیز دہلویؒ ترجمہ محمد محفوظ الحق چشتی۔لاہور: نوریہ رضویہ پبلی کیشنز، ۲۰۰۸ء۔

۵۹۔ حاشیۃ الصاوی علی تفسیر الجلالین، شیخ احمد بن محمد صاویؒ۔بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۲۰۱۳ء۔

۶۰۔ حاضر العالم الاسلامی، شکیب ارسلانؒ۔بیروت: دار الفکر، ۱۹۷۱ء۔

۶۱۔ حجۃ اللہ البالغہ: رحمۃ اللہ واسعہ، شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ترجمہ مولانا محمد سعید پالن پوریؒ۔ کراچی: زمزم پبلشرز، ۲۰۰۵ء۔

۶۲۔ حضور قلب، حضرت عبداللطیف خان نقشبندیؒ۔لاہور: نشان منزل پبلی کیشنز، ۲۰۱۱ء۔

۶۳۔ حکایات سعدی: بوستان سعدیؒ انسائیکلوپیڈیا، شیخ شرف الدین مصلح سعدیؒ ترجمہ مولانا غلام حسن قادری۔ لاہور: مشتاق بک کارنر، ۱۹۹۸ء۔

۶۴۔ الحکم العطائیہ: اکمال الشیم، شیخ عطا اللہ اسکندریؒ ترجمہ مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری۔لاہور: ادارہ اسلامیات، ۱۹۸۴ء۔

۶۵۔ حلیۃ اولیاء وطبقات الاصفیاء، امام ابونعیم احمد بن عبداللہ اصفہانی شافعیؒ ترجمہ مولانا محمد اصغر مغل۔ کراچی: دار الاشاعت، ۲۰۰۶ء۔

۶۶۔ خطبات فقیر، مولانا ذوالفقار احمد نقشبندیؒ۔فیصل آباد: مکتبۃ الفقیر، ۲۰۱۰ء۔

۶۷۔ الدر المنثور فی التفسیر بالماثور، امام جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر سیوطیؒ ترجمہ پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ۔لاہور: ضیاء القرآن، ۲۰۰۶ء۔

۶۸۔ دیوان حافظ، شمس الدین محمد حافظؒ ترجمہ مولانا قاضی سجاد حسین۔لاہور: پروگریسو بکس، ۲۰۱۰ء۔

۶۹۔ ذخیرۃ الجنان فی فہم القرآن، مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ۔ گوجرانوالہ: میر محمد لقمان برادران، ۲۰۰۶ء۔

۷۰۔ رابطہ شیخ: تصور شیخ، توجہ اور تصرف شیخ کی وضاحت، حضرت عبداللطیف خان نقشبندیؒ۔ لاہور: جنگ پبلشرز، ۱۹۹۶ء۔

۷۱۔ رباعیات، شیخ ابوسعید ابوالخیرؒ ترجمہ مولانا حامد حسن قادری۔ کراچی: قادری اکادمی، ۱۹۹۰ء۔

۷۲۔ رجوم المزنبین، حضرت امداد اللہ مکیؒ۔ بیروت: دارالفکر، ۱۹۷۱ء۔

۷۳۔ الرحیق المختوم، مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری۔ لاہور: مکتبہ سلفیہ، ۲۰۰۰ء۔

۷۴۔ رسالۃ المستر شدین: تعمیر اخلاق، ابوعبداللہ حارث بن اسد محاسبیؒ ترجمہ قاضی اسامہ عبدالحق۔ کراچی: زم زم پبلشرز۔

۷۵۔ الرسالہ القشیریہ فی علم التصوف، امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیریؒ ترجمہ شاہ محمد چشتی۔ لاہور: ادارہ پیغام القرآن، ۲۰۰۷ء۔

۷۶۔ رسالہ فتوتیہ یا فتوت نامہ: فکر ونظر، امیر سید علی ہمدانیؒ ترجمہ ڈاکٹر محمد ریاض۔ اسلام آباد: ادارہ تحقیقات اسلامی، ۱۹۷۱ء۔

۷۷۔ رسالہ لوائح، عبداللہ بن محمد بن علی بن حسن بن علی ہمدانی ابوالمعالیؒ۔ تہران: منوچہری، ۱۹۸۵ء۔

۷۸۔ رشحات عین الحیات، مولانا فخر الدین علی بن حسین واعظ کاشفی ترجمہ ڈاکٹر محمد نذیر رانجھا۔ میانوالی: خانقاہ سراجیہ نقشبندیہ مجددیہ۔

۷۹۔ روح البیان: فیوض الرحمٰن، علامہ محمد اسماعیل حقیؒ ترجمہ محمد فیض احمد اویسی۔ بہاولپور: مکتبہ اویسیہ رضویہ، ۱۹۸۳ء۔

۸۰۔ روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، علامہ ابی الفضل شہاب الدین سید محمود آلوسیؒ۔ بیروت: دارالکتب العلمیہ، ۱۹۹۴ء۔

۸۱۔ روح تصوف، سید خورشید گیلانی۔لاہور: فرید بک سٹال، ۱۹۸۱ء۔

۸۲۔ روض الریاحین من حکایات الصالحین: بزم اولیا، امام عبداللہ بن اسعد یافعیؒ ترجمہ علامہ بدر القادری۔لاہور: رضا دارالاشاعت۔

۸۳۔ زاد المعاد، علامہ حافظ ابی عبداللہ محمد ابن قیمؒ ترجمہ رئیس احمد جعفری۔کراچی: نفیس اکیڈیمی، ۱۹۹۰ء۔

۸۴۔ زبدۃ الآثار تلخیص بہجۃ الاسرار، امام ابوالحسن الشطنو فی شافعیؒ تلخیص شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ۔ لاہور: مکتبہ نبویہ، ۲۰۰۱ء۔

۸۵۔ سر دلبراں، شاہ سید محمد ذوقیؒ۔کراچی: محفل ذوقیہ، ۱۹۶۹ء۔

۸۶۔ سکون قلب، مولانا اشرف علی تھانویؒ۔کراچی: مکتبہ انعامیہ، ۱۹۸۶ء۔

۸۷۔ سلوک سلیمانی، مولانا محمد اشرف سلیمانیؒ۔لاہور: سلیمان اکیڈیمی، ۱۹۸۱ء۔

۸۸۔ سنن ابن ماجہ، حافظ ابی عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہؒ ترجمہ مولانا محمد قاسم امین۔لاہور: مکتبہ العلم، ۲۰۱۰ء۔

۸۹۔ سنن ابی داؤد، امام ابی داؤد سلیمان بن الاشعث سجستانیؒ ترجمہ ڈاکٹر عبدالرحمٰن بن عبدالجبار الفریوائی۔نئی دہلی: مجلس علمی دارالدعوۃ، ۲۰۰۱ء۔

۹۰۔ سنن الکبریٰ للبیہقی، امام ابی بکر احمد بن حسین البیہقیؒ ترجمہ حافظ ثناء اللہ۔لاہور: مکتبہ رحمانیہ، ۲۰۱۴ء۔

۹۱۔ سنن دارقطنی: فتوحات جہانگیری، امام ابوالحسن علی بن عمر دارقطنیؒ ترجمہ ابو العلا محمد محی الدین جہانگیر۔لاہور: شبیر برادرز، ۲۰۱۱ء۔

۹۲۔ سنن دارمی، ابومحمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن التمیمی دارمیؒ ترجمہ بنت شیخ الحدیث حافظ عبدالستار حماد۔ لاہور: انصار السنہ پبلی کیشنز۔

۹۳۔ سنن نسائی، امام احمد بن شعیب نسائیؒ ترجمہ مولانا افضل احمد۔ کراچی: دارالاشاعت، ۲۰۰۱ء۔

۹۴۔ سید التفاسیر: تفسیر اشرفی، علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانیؒ۔ لاہور: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، ۲۰۱۲ء۔

۹۵۔ سیرۃ حلبیہ، علامہ علی بن برہان الدین حلبیؒ ترجمہ مولانا محمد اسلم قاسمی۔ کراچی: دارلاشاعت، ۲۰۰۹ء۔

۹۶۔ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابن ہشام، محمد بن اسحاقؒ، ابومحمد عبدالملک بن ہشامؒ ترجمہ سید یٰسین علی حسنی نظامی دہلوی۔ لاہور: ادارہ اسلامیات، ۱۹۹۸ء۔ صحیح بخاری

۹۷۔ شریعت وتصوف، مولانا شاہ محمد مسیح اللہؒ۔ ملتان: ادارہ تالیفات اشرفیہ۔

۹۸۔ شریعت وطریقت، مولانا اشرف علی تھانویؒ۔ ممبئ: مکتبہ الحق، ۱۹۸۶ء۔

۹۹۔ شعب الایمان، امام ابی بکر احمد بن حسین البیہقیؒ ترجمہ مولانا قاضی ملک محمد اسماعیل۔ کراچی: دارلاشاعت، ۲۰۰۷ء۔

۱۰۰۔ شکرگزار بننے کے فوائد، ڈاکٹر شہزادہ فیصل بن مشعل آلِ سعود ترجمہ طاہر صدیق بن محمد صدیق۔ لاہور: دارالابلاغ، ۲۰۱۰ء۔

۱۰۱۔ شمائل ترمذی، امام حافظ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ ترمذیؒ ترجمہ مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ۔ کراچی: مکتبۃ البشریٰ، ۲۰۰۹ء۔

۱۰۲۔ صحیح بخاری، امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاریؒ ترجمہ حضرت مولانا محمد داؤد دراز۔ دہلی: مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند، ۲۰۰۴ء۔

۱۰۳۔ صحیح مسلم، امام ابوالحسین مسلم بن الحجاج نیشاپوریؒ ترجمہ علامہ وحیدالزمان۔ دہلی: مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند، ۲۰۰۴ء۔

۱۰۴۔ صدمیدان، خواجہ عبداللہ انصاریؒ ترجمہ حافظ محمد افضل فقیر۔ لاہور: تصوف فاؤنڈیشن، ۱۹۹۸ء۔

۱۰۵۔ صراط مستقیم، سید احمد شہیدؒ۔ لاہور: سنی اکیڈمی پاکستان، ۱۹۸۸ء۔

۱۰۶۔ صوفی نامہ: التصفیۃ فی احوال المتصوفہ، قطب الدین ابوالمظفر منصور بن اردشیر عبادیؒ۔ تہران: انتشارات، ۱۹۷۱ء۔

۱۰۷۔ ضرب کلیم، ڈاکٹر محمد اقبالؒ۔ لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۲۰۰۲ء۔

۱۰۸۔ ضیاء القرآن، پیر محمد کرم شاہؒ۔ لاہور: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، ۱۹۹۵ء۔

۱۰۹۔ طبرانی کبیر، حافظ ابی القاسم سلیمان بن احمد طبرانیؒ۔ قاہرہ: مکتبہ ابن تیمیہ، ۲۰۰۰ء۔

۱۱۰۔ طبقات ابن سعد: طبقات کبیر، محمد ابن سعدؒ ترجمہ علامہ عبداللہ العمادی۔ کراچی: نفیس اکیڈمی، ۲۰۰۶ء۔

۱۱۱۔ طبقات صوفیہ، ابی عبدالرحمٰن محمد بن حسین سلمیؒ ترجمہ شاہ محمد چشتی۔ لاہور: ادارہ پیغام القرآن، ۲۰۱۱ء۔

۱۱۲۔ عدۃ الصابرین وذخیرۃ الشاکرین، علامہ حافظ ابی عبداللہ محمد ابن قیمؒ۔ بیروت: دار الکتاب العربی، ۱۹۸۸ء۔

۱۱۳۔ علم اور تقویٰ، ابوحمزہ عبدالخالق صدیقی۔ لاہور: انصار السنہ پبلیکیشنز، ۲۰۰۰ء۔

۱۱۴۔ عوارف المعارف، شیخ شہاب الدین سہروردیؒ ترجمہ مولانا ابوالحسن۔ لاہور: ادارہ اسلامیات۔

۱۱۵۔ عین الفقر، حضرت سخی سلطان باہوؒ ترجمہ پروفیسر ڈاکٹر کے، بی نسیم۔ لاہور: سلطان باہو اکیڈمی، ۱۹۹۵ء۔

۱۱۶۔ عیون الحکایات، امام عبدالرحمٰن ابن جوزیؒ۔ کراچی: مکتبہ المدینہ، ۲۰۰۷ء۔

۱۱۷۔ غنیۃ الطالبین، شیخ عبدالقادر جیلانیؒ ترجمہ مولانا علامہ محمد صدیق ہزاروی سعیدی۔ لاہور: حامد اینڈ کمپنی، ۱۹۸۸ء۔

۱۱۸۔ فتح العزیز: تفسیر عزیزی، شاہ عبدالعزیز دہلویؒ ترجمہ محمد محفوظ الحق چشتی۔ لاہور: نوریہ رضویہ پبلی کیشنز، ۲۰۰۸ء۔

۱۱۹۔ فتوت یا جوانمردی: مسلمانوں کا ایک اجتماعی ورفاعی نظام: فکر ونظر، ج: ۷، شمارہ: ۱۰، ڈاکٹر محمد ریاضؒ۔ اسلام آباد: ادارہ تحقیقات اسلامی، ۲۰۱۶ء۔

۱۲۰۔ فتوت یا جوانمردی: مسلمانوں کا ایک اجتماعی ورفاعی نظام: فکر ونظر، ڈاکٹر محمد ریاضؒ۔ اسلام آباد: ادارہ تحقیقات اسلامی، ۲۰۱۶ء۔

۱۲۱۔ فتوحات مکیہ، شیخ الاکبر محی الدین محمد بن علی بن محمد ابن عربیؒ۔ راولپنڈی: تصوف فاؤنڈیشن، ۲۰۱۵ء۔

۱۲۲۔ فتوحات مکیہ، شیخ الاکبر محی الدین محمد بن علی بن محمد ابن عربیؒ۔ راولپنڈی: تصوف فاؤنڈیشن، ۲۰۱۵ء۔

۱۲۳۔ الفرقان بین الاولیاء الرحمٰن واولیاء الشیطان، شیخ ابن تیمیہؒ۔ لاہور: مکتبہ سلفیہ، ۱۹۷۸ء۔

۱۲۴۔ فرہنگ اصطلاحات تصوف، قاضی عبدالکبیر منصور پوریؒ۔ لاہور: مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، ۲۰۱۱ء۔

۱۲۵۔ فی السماع والرقص، شیخ ابن تیمیہ۔ بیروت: دارالکتاب العربی، ۱۹۸۸ء۔

۱۲۶۔ فی ظلال القرآن، سید قطب شہیدؒ ترجمہ سید معروف شاہ شیرازی۔ لاہور: ادارہ منشورات اسلامی، ۱۹۹۷ء۔

۱۲۷۔ فیوض القرآن، سید حامد حسن بلگرامیؒ۔ لاہور: فیروزسنز، ۱۹۸۹ء۔

۱۲۸۔ فیوض یزدانی: فتح الربانی، شیخ عبدالقادر جیلانیؒ ترجمہ مولانا عاشق الٰہی۔ نئی دہلی: اعتقاد پبلشنگ ہاوس، ۱۹۸۶ء۔

۱۲۹۔ القرآن العظیم: تفسیر ماجدی، مولانا عبدالماجد دریابادیؒ۔ لکھنؤ: مجلس تحقیقات ونشریات، ۲۰۱۶ء۔

۱۳۰۔ القرآن الکریم، حافظ عبدالسلام بن محمد بھٹویؒ۔ لاہور: دارالاندلس، ۲۰۱۴ء۔ تفسیر عثمانی

۱۳۱۔ قطب الارشاد، مولانا فقیر اللہ بن عبدالرحمٰن حنفیؒ۔ کوئٹہ: امیر حمزہ کتب خانہ۔

۱۳۲۔ قوت القلوب، شیخ ابو طالب محمد بن عطیہ حارثی مکیؒ ترجمہ محمد منظور الوجیدی۔ لاہور: شیخ غلام اینڈ سنز، ۱۹۹۹ء۔

۱۳۳۔ کتاب التعرف لمذہب اہل التصوف، امام ابوبکر بن ابواسحاق محمد بن ابراہیم بن یعقوب البخاری کلاباذیؒ ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن۔ لاہور: تصوف فاؤنڈیشن، ۱۹۹۸ء۔

۱۳۴۔ کتاب اللمع فی التصوف، شیخ ابونصر سراجؒ ترجمہ سید اسرار بخاری۔ لاہور: تصوف فاؤنڈیشن، ۲۰۰۰ء۔

۱۳۵۔ کتاب المغازی، امام محمد بن عمر الواقدیؒ ترجمہ مولانا افتخار احمد۔ لاہور: مکتبہ رحمانیہ، ۲۰۱۹ء۔

۱۳۶۔ کشف الرحمٰن، مولانا احمد سعید دہلویؒ۔ کراچی: مکتبہ رشیدیہ، ۱۹۹۹ء۔

۱۳۷۔ کشف الظنون، ملا کاتب چلبیؒ۔ پٹنہ: مکتبہ شرف، ۲۰۱۱ء۔

۱۳۸۔ کشف المحجوب، سید علی ہجویریؒ ترجمہ عبدالرؤف فاروقیؒ۔ لاہور: اسلامی کتب خانہ۔

۱۳۹۔ کشف المحجوب، سید علی ہجویریؒ ترجمہ غلام معین الدین نعیمی اشرفی۔ لاہور: ہجویری کمپوزرز اینڈ ڈیزائنرز، ۱۹۷۰ء۔

۱۴۰۔ کشف المحجوب، سید علی ہجویریؒ ترجمہ میاں طفیل محمد۔ لاہور: اسلامک پبلیکیشنز، ۱۹۸۸ء۔

۱۴۱۔ کشف المحجوب، سید علی ہجویریؒ منقولہ خواجہ بہاالدین زکریا ملتانیؒ ترجمہ ایف ڈی گوہر۔ لاہور: احمد ربانی ایم اے، ۱۹۷۲ء۔

۱۴۲۔ کلیدِ تصوف، میاں مختار احمد سفریؒ۔ اٹک: خانقاہ نوریہ نقشبندیہ چورہ شریف، ۲۰۰۷ء۔

۱۴۳۔ کنز العمال، علامہ علاء الدین علی متقی بن حسام الدینؒ ترجمہ مولانا مفتی احسان اللہ شائق۔ کراچی: دارالاشاعت، ۲۰۰۹ء۔

۱۴۴۔ کیمیائے سعادت، امام ابوالحامد محمد غزالیؒ ترجمہ مولانا محمد سعید احمد نقشبندی۔ لاہور: پروگریسو بکس، ۱۹۹۹ء۔

۱۴۵۔ گلستان سعدی، شیخ شرف الدین مصلح سعدیؒ ترجمہ مولانا قاضی سجاد حسین۔ لاہور: مکتبہ رحمانیہ، ۲۰۰۶ء۔

۱۴۶۔ گناہوں سے توبہ کیجیے، مولانا ذوالفقار احمد نقشبندیؒ۔ فیصل آباد: مکتبہ الفقیر، ۲۰۰۹ء۔

۱۴۷۔ گنج الاسرار، حضرت سخی سلطان باہوؒ ترجمہ حافظ حماد الرحمٰن۔ لاہور: سلطان الفقر پبلی کیشنز، ۲۰۲۰ء۔

۱۴۸۔ لوائح، مولانا نور الدین عبدالرحمٰن جامیؒ ترجمہ سید فیض الحسن فیضی۔ لاہور: اسلامک بک فاؤنڈیشن، ۱۹۷۹ء۔

۱۴۹۔ مثنوی رومی، مولانا جلال الدین رومیؒ ترجمہ قاضی سجاد حسین۔ لاہور: الفیصل ناشران وتاجران کتب، ۲۰۰۶ء۔

۱۵۰۔ مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، امام علی بن ابوبکر ہیثمیؒ۔ مدینہ شریف: مکتبہ العلماء والحکما، ۱۹۸۴ء۔

۱۵۱۔ مختصر اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب۔ لاہور: پنجاب یونیورسٹی، ۲۰۰۳ء۔

۱۵۲۔ مدارج السالکین، علامہ حافظ ابی عبداللہ محمد ابن قیمؒ۔ بیروت: دارالکتاب العربی، ۱۹۸۸ء۔

۱۵۳۔ مدارک التنزیل وحقائق التاویل: تفسیر مدارک: تفسیر نسفی، شیخ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود نسفیؒ ترجمہ مولانا شمس الدین۔ لاہور: مکتبۃ العلم، ۲۰۰۳ء۔

۱۵۴۔ مراقبہ کی حقیقت، امام ابوالحامد محمد غزالیؒ۔ لاہور: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، ۱۹۹۹ء۔

۱۵۵۔ مرصاد العباد من المبداء الی معاد، شیخ نجم الدین کبریٰؒ۔ لاہور: منزل نقشبندیہ۔

۱۵۶۔ مسند الفردوس بماثور الخطاب، شیرویہ بن شہردار بن شیرویہ دیلمیؒ۔ بیروت: دار الکتاب العربی، ۱۹۸۷ء۔

۱۵۷۔ مسند امام احمد بن حنبل، امام احمد بن حنبلؒ ترجمہ مولانا محمد ظفر اقبال۔ لاہور: مکتبہ رحمانیہ، ۲۰۰۴ء۔

۱۵۸۔ مشکوٰۃ المصابیح، شیخ ولی الدین خطیب التبریزیؒ ترجمہ مولانا محمد صادق خلیلؒ۔ لاہور: مکتبہ محمدیہ، ۲۰۰۵ء۔

۱۵۹۔ مصباح الھدایۃ ومفتاح الکفایۃ، عزالدین محمود بن علی کاشانیؒ۔ تہران: دائرہ سفید۔

۱۶۰۔ مصنف ابن ابی شیبہ، امام ابی بکر عبداللہ بن محمد ابن ابی شیبہ العبسی الکوفیؒ ترجمہ مولانا محمد اویس سرور۔ لاہور: مکتبہ رحمانیہ، ۲۰۰۱ء۔

۱۶۱۔ معارف القرآن، مفتی محمد شفیعؒ۔ کراچی: ادارۃ المعارف، ۲۰۰۸ء۔

۱۶۲۔ معارف القرآن، مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ۔ شہداد: مکتبہ المعارف، ۲۰۰۰ء۔

۱۶۳۔ معارف بہلوی، مولانا محمد عبداللہ بہلویؒ۔ کارچی: مکتبہ لدھیانوی، ۲۰۰۶ء۔

۱۶۴۔ معارف لدنیہ، مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ ترجمہ سید زوار حسین شاہ۔ کراچی: زوار اکیڈمی پبلی کیشنز، ۲۰۱۲ء۔

۱۶۵۔ معالم العرفان فی دروس القرآن، صوفی عبدالحمید سواتیؒ۔ گوجرانوالہ: مکتبہ دروس القرآن، ۲۰۰۸ء۔

۱۶۶۔ معدن المعانی، شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیریؒ ترجمہ شاہ قسیم الدین احمد شرفی البلخی۔ پٹنہ: مکتبہ شرف، ۲۰۱۱ء۔

۱۶۷۔ مفتاح العارفین، حضرت سخی سلطان باہوؒ ترجمہ محمد شریف عارف نوری نقشبندی۔ لاہور: مکتبہ نقشبندیہ قادریہ، ۱۹۹۹ء۔

۱۶۸۔ مفردات القرآن، امام راغب اصفہانیؒ ترجمہ مولانا محمد عبدہ فیروز پوری۔ لاہور: شیخ شمس الحق، ۱۹۸۷ء۔

۱۶۹۔ مقاصد السالکین، خواجہ ضیاء اللہ نقشبندی مجددیؒ ترجمہ محمد بدر الاسلام۔ جہلم: دار العلوم سلطانیہ، ۲۰۰۵ء۔

۱۷۰۔ مقامات سلوک، ڈاکٹر محمد عبدالرحمٰن عمیرہ مصری ترجمہ محمد اکرم الازہری۔ لاہور: ضیاء القرآن، ۱۹۹۹ء۔

۱۷۱۔ مکاشفۃ القلوب، امام ابو الحامد محمد غزالیؒ ترجمہ محمد الیاس عادل۔ لاہور: مشتاق بک کارنر، ۲۰۰۰ء۔

۱۷۲۔ مکتوبات امام ربانی، شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ۔ کراچی: مدینہ پبلشنگ کمپنی، ۱۹۷۶ء۔

۱۷۳۔ ملفوظات اشرفیہ، مولانا اشرف علی تھانویؒ۔ ملتان: ادارہ تالیفات اشرفیہ، ۲۰۰۲ء۔

۱۷۴۔ منازل السائرین، خواجہ عبداللہ انصاریؒ ترجمہ پروفیسر افتخار احمد حمید۔ لاہور: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، ۲۰۱۹ء۔

۱۷۵۔ منہاج العابدین، امام ابوالحامد محمد غزالیؒ ترجمہ مولانا محمد سعید احمد نقشبندی۔ لاہور: پروگریسو بکس، ۱۹۹۹ء۔

۱۷۶۔ مواعظ سعدی، شیخ شرف الدین مصلح سعدیؒ۔ لاہور: مشتاق بک کارنر، ۲۰۰۶ء۔

۱۷۷۔ موطا امام مالک، امام مالک بن انسؒ ترجمہ حافظ زبیر علی۔ لاہور: مکتبہ اسلامیہ، ۲۰۰۹ء۔

۱۷۸۔ نظام فتوت کے چند منابع: فکر و نظر، ج:۱۶، شمارہ: ۴، ڈاکٹر محمد ریاضؒ۔ اسلام آباد: ادارہ تحقیقات اسلامی، ۲۰۱۶ء۔

۱۷۹۔ نہج البلاغہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ مرتبہ سید شریف رضی ترجمہ سید ذیشان حیدر جوادی۔ کراچی: محفوظ بک ایجنسی، ۱۹۹۹ء۔

۱۸۰۔ نور العرفان، مولانا احمد یار خان نعیمی بدایونیؒ۔ لاہور: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، ۲۰۱۴ء۔

۱۸۱۔ ہمعات، شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ۔ لاہور: بیت الحکمت، ۱۹۴۴ء۔

۱۸۲۔ Preaching of Islam by T. W. Arnold ترجمہ مولوی عنایت اللہ۔ لاہور: اسلامک پبلیکیشنز، ۱۹۸۸ء۔

۱۸۳۔ http://udb.gov.pk/

۱۸۴۔ http://www.hadithurdu.com

۱۸۵۔ http://www.hadithurdu.com/book/musnad-ahmad/

۱۸۶۔ http://www.hadithurdu.com/jamia-tirmizi/

۱۸۷۔ http://www.hadithurdu.com/mishkat-shareef/

۱۸۸۔ http://www.hadithurdu.com/mota-imam-malik/

۱۸۹۔ http://www.hadithurdu.com/sahih-bukhari/

۱۹۰۔ http://www.hadithurdu.com/sahih-muslim/

۱۹۱۔ http://www.hadithurdu.com/shamail-tirmidhi/

۱۹۲۔ http://www.hadithurdu.com/sunan-abu-dawud/

۱۹۳۔ http://www.hadithurdu.com/sunan-darimi/

۱۹۴۔ http://www.hadithurdu.com/sunan-ibn-majah/

۱۹۵۔ http://www.hadithurdu.com/sunan-nasai/

۱۹۶۔ https://easyquranwahadees.com/index.html

۱۹۷۔ https://www.mahnama-sultan-ul-faqr-lahore.com/

۱۹۸۔ The Reconstruction of Religious Thoughts in Islam by Dr. Muhammad Iqbal. California: Standford University Press, 2013.

ظفراللہ خان نے ابتدائی دینی و دنیاوی تعلیم صوفیائے کرام کے شہر ملتان میں حاصل کی۔ وفاق المدارس الدینیہ سے الشہادۃ العالمیہ فی العلوم الاسلامیہ کیا۔ قائداعظم یونیورسٹی اسلام آباد سے ایم ایس سی (بین الاقوامی تعلقات) کے امتحان میں پہلی پوزیشن حاصل کی۔ کچھ عرصہ تک انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد میں تدریس کے شعبے سے منسلک رہنے کے بعد، سول سروس آف پاکستان کے ڈسٹرکٹ مینجمنٹ گروپ (1987ء) میں شمولیت اختیار کر لی۔ سٹی یونیورسٹی لندن (1997ء) سے ایل ایل بی کے امتحان میں پہلی پوزیشن حاصل کی۔ یونیورسٹی آف ویسٹ آف انگلینڈ، برسٹل (برطانیہ) سے قانون میں پوسٹ گریجویٹ ڈپلومہ حاصل کیا اور لنکنز ان (1998ء) سے بارایٹ لاء کرنے کے بعد ملازمت سے استعفیٰ دے کر (2002ء) قانون کے شعبے سے منسلک ہو گئے۔ ہیگ (ہالینڈ)، تورین (اٹلی)، جنیوا (سوئزرلینڈ) اور آکسفورڈ (برطانیہ) سے قانون اور بین الاقوامی تعلقات پر کئی خصوصی کورسز کیے۔ وفاقی سیکریٹری برائے قانون وانصاف اور وزیراعظم پاکستان کے خصوصی معاون/ وفاقی وزیر برائے قانون وانصاف، وزیر برائے حقوق انسانی، وزیر برائے اقتصادی امور، وزیر برائے کابینہ اور وزیر برائے پارلیمانی امور بھی رہے۔ آپ اسلام، قانون اور حقوق انسانی پر کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔

ISBN: 978-969-598-104-7

مشتاق بک کارنر

الکریم مارکیٹ۔ اردو بازار، لاہور فون: 042-37230350